

الکھنکری

ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

الکھنجرى

”علی پور کا ایل“ کا دوسرا حصہ

ممتاز مفتی

ناشران و تاجران مکتب
عزیز شریف نادر و ملازمت

الفیصل

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

928 Mumtaz Mufti
Alukh Nagri / Mumtaz Mufti - Lahore:
Al-Faisal Nashran , 2005,
1120p.

1.Sawaneh 1. Title card

ISBN 969-503-077-7

محترمہ ڈاکٹر عفت شہاب

محترم خواجہ جان محمد

محترم سید سرفراز شاہ

کے نام

جن کی کرم نوازیوں نے

مجھے کیا سے کیا بنا دیا

ممتاز مفتی

۱۹۹۲ء

اٹنی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے فوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ثبیت سے رائی

جملہ حقوق محفوظ

دسمبر 2005ء

محمد فیصل نے

میٹروپولیٹنز سے چھپوا کر شائع کی۔

UrduPhoto.com

قیمت: 700/- روپے

Al-FAISAL NASHRAN

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan

Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387

http : www.alfaisalpublishers.com

e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

پہلی بات

ملتی کوئی ذات نہیں بلکہ خاندان مفتیاں اپنے لکھنے لکھانے کی صفت کی وجہ سے مشہور تھا جو بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں کے درباروں سے وابستہ لکھنے لکھانے کا کام کرتے تھے۔ درباروں میں تاریخی حالات و واقعات، احکامات، شاہی لکھنے والے یہ قلم کار لکھنے کے اس حد تک عادی تھے کہ گھر میں بھی اپنے معمولات زندگی کو لکھ کر (Document) کر لیا کرتے تھے۔ ممتاز مفتی کے والد مفتی محمد حسین گھر میں موجوداً لوپیاز کی تفصیلات بھی لکھ لیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے لکھنے لکھانے کی یہ موروثی صفت ممتاز مفتی کو بھی منتقل ہوئی مگر اس کے ساتھ ہی حالات و واقعات کی تبدیلی کا ایک انعکاس بھی انہیں پہنچا۔ قیام پاکستان، ہندو مسلم فساد، بے گھر ہو کر در بدر کی ٹھوکریں، خونی رشتوں اور باپ سے بغاوت، ہجرت، پھر اپنے وطن میں مسلسل سیاسی عدم استحکام اور سب سے بڑھ کر انقلابی سماجی اور معاشرتی قدروں میں یک دم اتنی بڑی تبدیلی، غرض یہ کہ ممتاز مفتی کو تبدیلی زمانہ کے بہت بڑے ٹھیلے کھانے پڑے۔ غصہ تو ان میں تھا ہی، پھر تبدیلی کی اتنی بڑی لہر نے باپ سے بغاوت کو رشتے داروں، معاشرے، سماج اور مکہ بند روایات سے بغاوت تک پھیلا دیا اور ان کی ساری زندگی اسی لڑائی اور بغاوت کو نبھاتے گزر گئی۔ یہ ان کی معاشرے کے خلاف کھلی بغاوت تھی۔

ممتاز مفتی کے لکھنے کو یہ داؤد دینی پڑے گی کہ ان پر جو بیتی وہ انہوں نے کسی لگی لپٹی کے بغیر سچ لکھ دی۔ لوگوں کا خیال ہے یہ قصے کہانیاں ہیں۔ میں بھی جو ہر واقعے کو دلیل، عقل اور سائنس کی روشنی میں دیکھنے کا عادی ہوں پہلے میرا بھی یہی خیال تھا اور میں شرماتا رہتا تھا۔ اس کی حقیقت تو اس وقت معلوم ہوئی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی ذاتی ڈائریاں دیکھیں۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بالخصوص پہلی روزنامہ لکھنے کے عادی تھے حتیٰ کہ یہ تک لکھ لیتے تھے کہ آج کون سی دو کتنی قدر میں کھائی۔ ان کی ڈائریاں پڑھ کر ”علی پور کا ایلی“ اور ”الکھ نگر“ میں درج واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ نہیں یہ محض داستان آرائی نہیں۔ ممتاز مفتی کی اس سرشت کو اپنی آپ بیتی میں بڑی شدت سے برتا اور

رواج سے ہٹ کر نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی ذات پر کوئی طمع چڑھائے بغیر وہ لکھ دیا جو حقیقت تھی۔ اس انکشاف حقیقت کے بعد مجھے شدت سے راسخاں ہو رہا ہے کہ اگر میں نے حالات و

دیباچہ برائے بار دوم

۱۹۹۵ء

گذشتہ تین سال کے دوران مجھے الکھ نگر کی کے حلقہ استے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ
 حضرت اولیٰ ہے اس بات پر کہ گرامر قیامت ہونے کے بعد جو داستانے لوگوں نے الکھ نگر کا مطالعہ
 کیا ہے۔

مجھے علم ہے کہ ہر خط کا جواب لکھو لیکن خط و کتابت کی عیاشی میں پڑنے سے گریز کرو۔
 مجھے یہ پتہ تقریباً پندرہ برس میں خط موصول ہوتے ہیں۔ بیشتر خطوں میں الکھ نگر کے حوالے
 سے سوال پوچھے جاتے ہیں۔

در حقیقت میں الکھ نگر سے مطمئن نہیں تھا اس کی دو وجوہات تھیں ایک یہ کہ یہ
 کتاب میں نے پہلے میں عمل کی تھی مجھے یہ خدشہ لگا رہتا تھا کہ شاید میں کتاب عمل نہ کر
 سکوں۔ اسی وجہ سے میں اسے "رش" کرنے پر مجبور تھا۔ دوسری وجہ ظاہر ہے کہ ایک اسے
 بارہ سال کا مطالعہ کرنے کے لئے میرا قلم بہت چھوٹا تھا۔

قدرت اللہ کی ایک اسطور پر بیٹے تھے۔ میں صرف ایک سنگ مرمر و قد
 پہانے گئے ہیں قرآن حکیم کا ہر لفظ "منسوب" کے حوالے سے کتاب کے پھول کے ہاتھ ہوتا
 ہے۔ ایک "منکرمی" لفظ تو بچے ایک اور "منکرمی" ہوتی ہے۔ اسے لفظ تو بچے ایک اور "منکرمی"
 اولیٰ ہے۔ "منکرمی" در "منسوب" در "منسوب" یہی حال بزرگوں کا ہے وہ ایک وقت کی ایک
 اسطور پر بیٹے ہیں۔

قدرت اللہ شاپ، مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے مفتی صاحب! عقیدت کوئی اچھی چیز نہیں اس
 میں شہادت ہے اور شہادت کوئی اچھا وصف نہیں آپ عقیدہ پالنے پر چونکہ عقیدے میں توازن
 ہے۔

اباب بھی میں میں سے کہا کرتا تھا کہ شاپ صاحب میرے اندر تو عقیدت ہی عقیدت ہے

اگر قدرت اللہ شاپ ہمارے میں آخری باب کا اضافہ نہ کرتا تو میں الکھ نگر لکھنے پر مجبور نہ
 ہوتا۔

میں قدرت اللہ سے اس لیے سنا نہیں ہوا تھا کہ وہ بزرگ تھا یا اس لیے کہ اس کی زندگی
 میں چوتھی ست کو دخل حاصل تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ بڑا انسان تھا۔ اس کا مسلک محمد پڑ
 (Mohammad Hood) تھا۔

وہ قدم افشانے سے پہلے سوچا کرتا تھا کہ ایسے حالات میں حضور علیہ السلام کا رد عمل کیا ہوتا۔ اس
 کے نزدیک افضل ترین مہارت (Identification with Mohammad) تھی۔

اس کتاب کے پہلے تیس باب اعلیٰ کی زندگی کا حائل ہیں۔ اس کے بعد میری زندگی میں
 کا پلاٹ قسم کی تبدیلی واقع ہوئی اور پھر اعلیٰ کی قدرت اللہ شاپ کے گرد گھومتی رہی۔

اس کتاب میں واقعات کو حائل کے مطابق نہیں بلکہ موضوعات کے مطابق تحریر کیا گیا
 ہے۔ حائل کے مطابق لکھتا تو یہ کتاب ڈائری کی شکل اختیار کر لیتی۔ یہ بات مجھے پسند نہ تھی۔

موضوعات کے مطابق لکھنے میں کہیں کہیں زبان و مکان کی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔
 ۱۹۵۶ء سے میں نے باقاعدہ ڈائری لکھنے شروع کی تھی۔ اس کتاب کا قدرت اللہ شاپ
 سے حلقہ حصہ اول و آخر میں سے لکھا گیا تھا۔

میں نے اپنی دیگر تحریروں میں اپنی آپ بینہوں کا جبکہ جبکہ تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب
 میں مجھے ان واقعات کو دہرا دہرا دہرا ہے۔ ایک مجبوری تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

شدت ہی شدت۔ میں عقیدے اور توازن سے محروم ہوں۔ جو چیز میرے اندر ہی موجود نہیں وہ میں کیسے پال سکتا ہوں۔

شباب صاحب عام بزرگوں کی طرح نہ تھے وہ دانشور بزرگ تھے۔ وہ محبت کو برداشت کرنا جانتے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ ٹیڑھی لکڑی کو زبردستی سیدھا کیا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔

لگتا ہے وقت کے بعد وہ زیادہ فعال ہو گئے ہیں زیادہ پر اثر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میرے دل میں وہم پیدا کر دیا کہ جب تک میں عقیدے پر کتنا چپ نہ لکھوں گا تجھے چھٹی نہیں ملے گی۔ چونکہ میں جاننا چاہتا ہوں اس لئے مجبوراً میں نے عقیدے کا مطالعہ شروع کر دیا۔

مشاہیر نشر و اشاعت کا خیال ہے کہ شباب نامہ گزشتہ پانچ سال میں بسٹ سِلر (Best Seller) رہا ہے ایک اندازے کے مطابق گزشتہ پانچ سال میں شباب نامے کی ایک لاکھ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ اسلام آباد کے ایک مقامی کتب فروش کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ساڑھے چار ہزار جلدیں فروخت کی ہیں۔

شباب نامے کے حوالے سے الگھ ٹگری کی فروخت میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سنگ میل نے الگھ ٹگری کی پہلی ایڈیشن جو دو ہزار کاپیوں پر مشتمل تھی ۱۹۹۲ء میں بڑی محنت اور محبت سے شائع کی تھی۔ دوسری ایڈیشن انہیں دسمبر ۱۹۹۳ء میں شائع کرنی چاہیے تھی لیکن سنگ میل کا مصنف کے ساتھ معاہدہ کرنے کا رویہ بدل گیا ہے، معاہدے میں وہ کاپی رائٹ کو رہن رکھ لیتے ہیں۔ یہ بات مجھے گوارہ نہ تھی۔ اس پر قدرت اللہ نے گورے کو میرے پاس بھیج دیا۔ لہذا اب دوسری ایڈیشن طاہر اسلم گورا اپنے اشاعتی ادارہ گورا پبلشرز، پیش کر رہے ہیں۔

ممتاز مفتی
جون ۱۹۹۵ء

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پاکستان



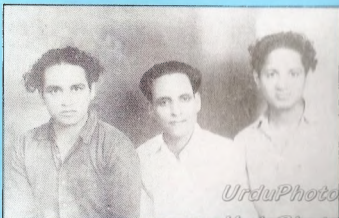
خورشید بیگم (بیگم اشفاق حسین)

۱۔ ہوں نہیں ہوں

۲۔ ۲۶ ہندیاں

۳۔ پرمیلا، پریتے، شکنتلا

۴۔ شاہ کا کو کا بارکا



اشفاق حسین (۱۹۲۳ء) ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

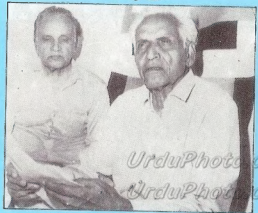
اے ہوں نہیں ہوں

وہ رو کر مجھے خیال آتا کہ میں ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان کیوں چلا آیا؟ حاکم نے بتائی میں
 ہمارے ایک کانگریسٹ مل چکے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ہزاروں روپے کمانے کی صورت پیدا ہو
 گئی تھی۔ اس کے باوجود میں بتیجی میں مطمئن نہیں تھا۔ ساسلہ اکھڑا کر ملا۔
 لاہور پہنچ کر میں یوں مطمئن ہو گیا تھا جیسے پہنچی گونے میں آ بیٹھا ہو۔ حاکم نے لاہور میرا
 کرایہ گھر فراہم کر دیا۔ معاش نہ تھا کیا میں اس لیے مطمئن ہو گیا تھا کہ پاکستان میں آ گیا تھا۔ نہیں
 تھے وہ سنا تھا مجھے پاکستان سے کوئی لکھو نہ تھا میں نے کبھی پاکستان کو اپنا نہ تھا جب قیام
 پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو میں حیران ہوا کرتا تھا کہ مسلمان پاکستان بنانے کے لیے کیوں
 تیار ہو رہے ہیں۔ حاکم نے مجھے اچھی طرح شعور تھا کہ ہندوؤں کے دل مسلمانوں کے خلاف
 تھپتھپ رہے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان کسی میدان میں آئے یہاں سے ان کے
 واسطے میں دیکھو شرمیلی کرنا ہندو اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود مجھے قیام
 پاکستان سے قلبی زور دینی نہ تھی۔ شاید اس لیے کہ میں نے خود کو کبھی مسلمان نہ سمجھا تھا میں
 اپنے تمام مسلمان تھا۔ مدام شرمیلی کا مسلمان۔

میں نے دل میں اندوہوں کی بڑی عزت تھی۔ بحیثیت قوم وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی فکر تھا 'میں تھی'، 'میں تھا' رکھ رکھا تھا' استقامت تھی۔ وہ مسلمانوں کی طرح جذباتی نہ



ممتاز مفتی (۱۹۴۷ء)



تھے۔ جوش میں نہیں آتے تھے۔ اپنی مومن دونوں سروں پر چلانے کے شوقین نہ تھے۔ میرے ذہن میں سیاست کا غلطہ سرے سے غلط ہے۔ سیاسی خبوں سے مجھے قطعی طور پر دلچسپی نہ تھی۔ سرسری طور پر سرخیں پڑھ لیتا اور متن کو نظر انداز کر دیتا۔ مسلمانوں کے اظہارِ مذہب میں رنگے ہوتے تھے اس لیے میں روزنامہ شمعین پڑھا کرتا تھا۔ قاضی اعظم مجھے پسند نہ تھے۔ میں اس بجز نہ تھا۔ خلی و قاری و قادر اور پھر اس قدر خود اعتمادی اور اصول پرستی، اصول انسان کے لیے بنتے ہیں۔ انسان اصولوں کے لیے نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر مجھے یہ احساس تھا کہ قاضی اعظم "سیکڑے" مسلمانوں کی قیادت کرتے تھے، لیکن اسلام سے باخبر نہ تھے۔ فضیلت پر اسلام کا رنگ نہ تھا۔

مغربی مفکر

درحقیقت میں خود سیکولر خیالات کا مالک تھا۔ مذہب کو اچھا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے مذہب پر شرمسار تھا۔ میرے دل میں شک و شبہات ہوں جن جن کرتے جیسے بھڑوں کا چمٹا لگا ہو۔ یہ چمٹا میں نے بڑی محنت سے چلا تھا۔ مغربی علماء نے میری رہبری کی تھی۔ کالج میں میں ایک خاکسار لڑکا تھا۔ مشکل سے بی اے پاس کیا تھا۔ پھر محبت کا ایک بہت بڑا بلبل پھانسا تو غم فراق کرنے کے لیے اتفاقاً میرے ہاتھ کتاب لگ گئی اور میں مطالعے میں ڈوب گیا۔ یہ ایک اور قرار تھی۔ علم حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ اس نائنٹھ میں اردو کی کتابیں عام نہ تھیں۔ سکولوں میں اردو صرف آٹھویں جماعت تک پڑھائی جاتی تھی۔ نویں جماعت میں اردو زبان لازمی نہ تھی۔

کالجوں میں اردو زبان سرے سے رائج ہی نہ تھی۔

مشرق و مغرب کی دو کتابیں لگ گئیں۔

اے اے کی ڈگری حاصل ہوئی تھی۔

اپنے ظاہر کو جو مشرقی علوم کے بعد بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرتے تھے۔

اور انجمن تہذیبیہ دلیا، بنیاد رکھا جاتا تھا۔

میں مشرقی زبانوں اور ادب سے قطعی طور پر کور تھا۔

اس لیے میرا مطالعہ صرف انگریزی تک محدود تھا۔

اور کے علاوہ جو کہ اس کی حیثیت قرار کی تھی۔ اس کی کوئی منزل نہ تھی۔ سرت نہ تھی۔

اس مطالعہ سے مجھے صرف ذہنی آوارگی حاصل ہوئی۔ میرے خیالات سیکولر ہو گئے اور میں

نہیں رہا۔ دور ہو گیا۔

اللہ میاں

میرا ذہن مغربی مفکروں نے ترقیب دیا تھا۔ جس گھر میں میں نے پرورش پائی تھی۔ وہاں اللہ کا نام بچوں کو ڈرانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل کہیں نہ نہ یہ نہ کہو اللہ میاں ناراض ہوں گے۔ داری لیں کہیں ایسا کرے تو اللہ میاں غصے ہوں گے۔

ان دنوں میرے ذہن میں تو اللہ کا تعظیم تھا اس میں دو آئیں چش چش تھیں ایک تو اللہ ہماری بہت بڑے تھے۔ بڑے زبردست تھے دوسرے وہ بڑے خود مجھے تھے بات بات پر ناراض ہو جاتا کرتے، لیکن اللہ میاں کی ناراضگی کی دھمکی بڑوں پر نہیں صرف بچوں پر چلتی تھی۔ پھر یہ اہل تھا کہ گھر میں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ میاں اس بات پر خوش ہوتے ہیں۔ بچوں لگتا تھا کہ اللہ میاں خوش ہو جاتے ہی نہ تھے۔

کتاب میں داخل ہوا تو وہاں جا کر اللہ میاں کی ایک اور بات ظاہر ہوئی۔ پتہ چلا کہ اللہ میاں نے ایک دماغ تخلیق کر رکھا ہے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی بھٹی تیار رکھی ہے اور ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ بھڑوں کو پکڑ پکڑ کر اس بھٹی میں ڈالنے جائیں۔

لیکن یہ ہوا کہ ذہنیاتی میں میں ذہنی طور پر اللہ کا شکر رہا اور مذہبیاتی طور پر اللہ سے خوف زدہ رہا۔ عقل ہی کہ میری شخصیت کا بنیادی جذبہ خوف تھا۔ میں ایک ڈرا ہوا سہا ہوا تھا۔ اگرچہ اللہ ہی تھا۔ یہ خصوصیت صرف بچپن پر محدود نہ تھی۔ زندگی بھر میں ایک ڈرا ہوا سہا ہوا فرد رہا۔ رات بے رات اپنی اندر جھرا چھا جاتا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا اس وقت خدا یاد آ جاتا کہ دن کے

اجالے میں خدا کی کوئی حیثیت نہ رہتی۔ بلکہ دن کے وقت میں خدا کا مقام اڑا کر آقا محمد
لاہور پہنچ کر دوسرا جذبہ جو میرے دل میں پیدا ہوا۔ حیرت کا تھا حیرت کی بات تھی کہ میں
صحیح سلامت لاہور کیسے پہنچ گیا۔ پہنچنے کے امکانات بہت کم تھے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس
خیال کو توجہ سے ہٹا دوں۔ دوسری باتوں کی طرف توجہ مبذول کروں، لیکن بنتا میں اس خیال کو
ذہن سے نکالنا ہی وہ مسلما ہو نہ تھا۔ میں ایسے کیوں ہو تا ہے، لیکن ایسے ہو تا ہے۔ خوفِ باقو
خطرے کے آنے سے پہلے اور یا اس کے گزر جانے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ خطرے کے وقت
انہیں چند ساعت کے لیے بے خوف ہو جاتا ہے۔ غلو گزر چکا تھا لیکن اب اس کی ایک ایک
تفصیل میرے ذہن میں آ رہی تھی۔ خوفِ طاری ہو رہا تھا۔ خوف اور حیرت۔ وہ کوائف جو
خطرے کے دوران دھندلے پڑ گئے تھے۔ اب وضاحت سے سامنے آ رہے تھے۔ سوچنا۔ قتل و
خون کے اس جھگڑے میں میں کیسے نکلنا۔ حیرت بدھتی جا رہی تھی۔

اتفاقات

میں مجبور کو میں ٹرک لے کر لاہور سے ہٹا چکا تھا جو چٹا کوٹ روڈ پر امرتسر ۲۳
میل دور۔ ضلع گورداسپور میں واقع ہے اور جو خلاف اصول خلاف توقع ہجرت میں شامل کر دیا
گیا تھا تاکہ اپنے والدین بھائی بھنوں اور بیٹے کو پاکستان لے آؤں۔ ہٹانے کے بعد وہاں نے
اعلان کر دیا تھا کہ وہ ہمیں تجربے کے بعد مسلمانوں کو سمجھ لیں گے۔ پہلی آنکھ کو ہٹانے کے
مسلمانوں پر بہت برا حملہ ہونے والا تھا۔ اگرچہ تقسیم چودہ اگست کو ہو چکی تھی، لیکن شر میں
مسلمان فریئر فورس مقیم تھی تیسے تجربہ کی رات کو وہیں سے ہٹایا جانا تھا۔

اگر میں ایک دن کی تاخیر سے ہٹانے پہنچتا۔ سنیوں کی گلی کی اینٹ سے اینٹ بھائی جا چکی
ہوتی۔ اور وہاں جلتے ہوئے دھیرے سوا کچھ باقی نہ ہوتا۔ میرا بچن وقت پر پہنچ جانا کیا محض اتفاق
تھا۔

پھر جب ہم ٹرک میں سوار ہمارے سے امرتسر کی جانب آ رہے تھے تو سڑک پر کوئی بلوائی نہ
تھا صرف کوئے تھے، کتے تھے، چلیں تھیں اور گدھے تھے جو سڑک پر پڑی ہوئی لاشوں کو جھنجھوڑ
رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بلوائیوں کو اٹھانے کی بجلی تھی کہ گورداسپور سے مسلمانوں کی

اور اللہ کی زمین آ رہی ہے۔ یہ خبر سن کر تمام بلوائی ریلے لائن کے دو روپے قطاریں بنائے ٹرین
کی قطار میں کھڑے تھے۔

اس نے باتوں میں درختوں کی شیشیاں اٹھا رکھی تھیں تاکہ دور سے جھانپوں کی قطاریں
معلوم ہوں۔ سڑک سے ریل کی لائن صاف نظر آتی تھی۔

بلوائیوں نے ہمارے ٹرک کو سڑک پر چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ دیکھ کر نعرے بھی لگائے تھے۔
اتفاق ہمارے سے جانے نہ پائے، لیکن وہ ڈرتے تھے کہ اگر سڑک کی طرف آئے تو ریلوئی ٹرین
انہیں نکل جائے گی۔ ٹرین میں سوار ہزاروں مسلمانوں کو تھپ چھ کرنے کی لذت کے مقابلے
میں ٹرک کے چند ایک مسلمانوں کو قتل کرنے کی کیا حیثیت تھی۔

وہ نہ لکھتے خیال آتا کہ اگر اس روز ریلوئی ٹرین کی آمد نہ ہوتی تو ہم سب کی بوئیاں
کونسی بو تھیں۔ کیا یہ بھی ایک اتفاق تھا۔

پھر جب ہم امرتسر میں داخل ہو رہے تھے تو سپاہی نے ہاتھ دکھا کر ہمیں روک لیا تھا اور
اتفاق سڑک کے پہلو میں پیچھے ہوئے بلوائیوں کو انتشار کر دیا تھا۔ بلوائی ٹرک کی طرف دوڑے
تھے۔ ہم نہیں کیا ہوا۔ چوک کے سپاہی کی جگہ ایک دوی ٹوٹی والا اٹھ گیا۔ اس نے ہمارے
کو رامت دے دیا تھا۔ ٹرک چل پڑا اور بلوائی پیچھے رہ گئے۔ پھر ٹرک ڈرامپور نے جو ایک
تھپ لیا۔ ٹرک کو سڑک سے اتار کر کھیتوں میں ڈال دیا تھا۔

وہ دوی ٹوٹی والا کوئی تھا۔ سکھوں کے گروہ میں دوی ٹوٹی۔ بات میری سمجھ سے بالاتر
امرتسر سے اتاری تک یہاں وہاں سکھوں کے بچے موجود تھے۔ وہ ٹرک کو دیکھ کر ہچکچاتے
تھے۔ ہاتھ دھکتے تھے۔ کراہیں مارتے تھے، لیکن کسی نے ٹرک پر حملہ نہیں کیا تھا۔ کیوں۔ وہ
بچے کھڑے تھے جیسے کسی نے ان کو کیل دیا ہو۔

کیا یہ سب اتفاقات تھے۔

پھر کچھ بھینے سے لاہور آئے سے متعلق تفصیلات یاد آجائیں۔

پہلی میں احمد بنیروز مجھے قسطنطنیہ طور پر علم نہ تھا کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی پاکستان کو جانے
داغے نہ کر دیے جاتیں گے اور مسلمانوں کے قتل و خون کا بازار گرم ہو جائے گا۔ یہی

میں ہمارے پاس روپیہ ختم ہو گیا تھا۔ ضروری تھا کہ لاہور جا کر پالشیر سے رقم حاصل کی جائے۔
میں نے احمد بشیر سے کہا تم چلو۔ وہ نہ مانا لہذا مجھے خود لاہور آنا پڑا۔ وقت یہ تھی کہ دہارے پاس
کرایے کی رقم بھی نہ تھی۔ لہذا ادھر جا بنگلہ پڑا۔ بستی میں ادھر حاصل کرنا آسان کام نہیں۔
جس گاڑی سے میں لاہور پہنچا۔ وہ آخری گاڑی تھی۔ اس کے بعد امرتسر سے لاہور کا
راستہ بند ہو گیا۔ سٹلے شروع ہو گئے اگر قرض حاصل کرنے میں ایک دن کی تاخیر ہو جاتی تو میں
کبھی لاہور نہ پہنچ پاتا۔ اگر میں لاہور نہ پہنچتا تو ترک لے کر مٹلے نہ پہنچ سکتا تو میں ممکن تھا کہ
میرے تمام عزیز مٹلے میں ہی ختم ہو جاتے۔
اسنے سارے اتفاقات۔

میری حیرت یہ جوتھی جاتی تھی۔ اگر میرا اللہ ہو تو آج کبھتا کہ یہ سب لفظ کا کرم ہے۔
یوں حیرت شکرگزاری کے جذبات میں بدل جاتی تھیں میرے ذہن میں اللہ کے کرم کا کوئی
مفہوم نہ تھا۔ لہذا میں حیرت کے سمندر میں ڈبکیں کھانا دبا کھانا دبا۔

لاہور

یہ ان دنوں کی بات ہے جب برصغیر دورہ میں جہلا تھا۔ پاکستان کی پیدائش کا اعلان ہو چکا
تھا۔ لیکن عمل جاری تھا اور یہ عمل اس قدر حیران کن لڑتے ناک اور خوشیں تھا کہ مسلمان
شاک کے عالم میں تھے۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔

مسلمانوں نے کئی سال آزادی کی جدوجہد میں گزارے تھے اور اب ان کی کوششیں
کامیاب ہو چکی تھیں۔ وہ آزادی کی جدوجہد میں اس قدر مصروف تھے کہ انہوں نے کبھی سوچا
ہی نہ تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو دشمن انتہائی کارروائی کر سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر
بھی توجہ نہ دی تھی۔ کہ دشمن منصوبہ بندی سے کام لے رہا ہے اور اپنے چٹان کو عملی صورت
میں لا رہا ہے۔ وہ شیخون مار کر قیام پاکستان پر ضرب مار سکتا ہے۔ ایسی ضرب ہو تو دانیہ و ملکیت کو
اس قدر کمزور کر دے کہ وہ سرعام سٹاپ اپنے قدم تھالے میں قبضہ نہ کرے۔ اس شیخون کی وجہ
سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ہنگامہ لاہور کی طرف تھا۔ لاہور
نہان کی بو سے متھن ہو رہا تھا۔ امرتسر اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں نے وہ وہ کچھ دیکھا

دیکھا تھا کہ ان کے گاہوں پر دغا بچی مسلط تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کو لٹا رہے تھے۔ انتقام
لے لیتے تھے۔

میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا شکر کا چاند لے رہا تھا۔ سڑکیں مسلمان پڑی تھیں۔ چاروں
ایک طرف لٹی خاری تھی۔ یہاں وہاں اکا دکا لوگ سر ٹھکائے چل پھر رہے تھے۔ بدور کیس کیس
پھر رہے تھے۔ گھر کے اندر رہے تھے۔

لاہور نہیں تھا جس سے میں واقف تھا۔ دن بھر خاموشی چھٹی رہتی۔ لمبے وقتوں کے
بعد آواز سنائی دے جیسے بہت سے لوگ چل رہے ہوں چٹکناڑ رہے ہوں اور پھر سے ہمایاں
کھینچ رہے ہوں۔ رات کے وقت چار چار آوازیں سنائی دیتیں۔ گولیاں پلٹیں۔ پٹاٹے چھوٹتے۔
تھپتھپتے۔ تھپتھپتے۔ آوازیں سنائی دیتیں اور پھر ڈروائی خاموشی خاری ہو جاتی۔

ایک دن تو میں چھت پر کھڑا ہو کر یہ مقرر دیکھا کہ پھر ایک روز گھر وار کر باہر نکل گیا۔
میں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور بکڑے جاتی۔ دل میں ایک مکش گنگ جاتی۔ اس تکلیف وہ مکش
میں سے نکلتی تھی۔ میں باہر نکل گیا۔

میں نے اس کوئی رولہ کر چکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ڈرا ڈرا سا سما۔

میں نے اس میں کیس لاشیں پڑی تھیں۔ تھپوں میں خون جما ہوا تھا۔
میں نے اس کو ہار پکڑا رہے تھے۔ وہ اشتعال پر ناک تھے۔ یہ بھی خوف کی ایک صورت

میں نے اس کے ان تھے فرد سر چھپائے گھر بیٹھا تھا۔

میں نے اس کے ایک گروہ نے میرا راستہ روک لیا۔ مجھے سرائیکی سے انکار لیا۔

میں نے اس کو ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

میں نے اس سے مطلب میں نے شے میں کہا۔

میں نے اس سے کہا۔

میں نے اس سے کہا۔ ان کے ایڈر نے کہا نہیں تو۔

ہر لے کے پائے جھوٹا کر پڑ رہا ہے۔

[illegible]

گھر میں نہ تھا بھی ہے دوسرے نے کہا۔

اس کی ہائیں پکڑ لو اچھی طرح مضبوطی سے آزاد

نہیں تو کیا۔ میں فحشے میں ہوں۔

ہندو ہے ہندو۔ کچھ لو کچھ لو ایک لڑکا چلایا۔

کلہ بڑھ کر سنا لیڈر نے رعب جھاڑا۔

تھیں، سناٹا میں غصے میں پولا۔

ہندو سے ہندو۔ آواز اس آگیں۔

دوسرے طرف پڑھے دیکھے لوگ اور دھکیل کر میدان کی طرف لے گئے۔

مرا دل، جانتا تھا کہ چل چل کر کموں میں ہندو ہوں۔ ہندو، لیکن مجھ میں جرات نہ تھی۔

نہ انہوں کے شور و گھم کر میں گھبرا گیا۔ ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ میں چلایا۔ تم ایک مسلمان کو

ناحق تک کر رہے ہو۔

اے حاجہ! ہم نے دیکھے ہیں تجھ سے مسلمان ایک بولا۔

سناٹے تلے، چٹاکیاں کرنا ہیں

کھانا کھا کر صبح کے چوتھے بجے۔

مجرید: آملہ ناموں کا نسخہ لگیں۔

اگر ہم بات ایام، کلہ بڑھ کر سناؤ تو بات نہ بڑھتی۔ اب کلہ پڑھنا میرے لیے مشکل

۱۔ ایتھار میں ہائیڈروجن کی کمی، لیکن لوہوں کا روپیہ سخت تر ہوتا چاہا تھا۔

۱- محمد علی باقر

اس وقت یہ ایک سائنسکار، سمارٹ گزرب۔ اس نے مجمع دیکھ کر تقریباً "نعوذ باللہ" کہہ کر

میں اس وقت سڑک پر ایک گاڑی دیکھی۔

بائے نہ پائے اس سرے کے کا چرس

لوہو لہو میں مارو دوست چاہی

علی علی نوجوانوں کے سرواٹا۔

میری لائی ساری چھوٹ گس لی۔

جسٹا غرہ جھوٹا غرہ پاسو کے چلوں کے سورا پانڈا۔

اس پر سب نے غصہ کر لیا ہے۔ ہم ایک کے لئے اس کے لئے

گہری کی گہریاں

۱۱۱۱ مسافر خانے میں 'فٹ پاتھ' پر سڑک پر مہاجر مرد عورتوں اور بچوں کا ایک جھوم نشین

(۱۱) اس کی گرائیں ہلکی ہوئی تھیں۔ کندھے مڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں یوں کھلی

یہ اگلے کی قوت نہ رہی ہو۔ حجرے حیرت اور خوف و ہراس سے بھرا ہوا ہو۔

1 2 3 4 5 6 7 8 9 10 11 12 13 14 15 16 17 18 19 20 21 22 23 24 25 26 27 28 29 30 31 32 33 34 35 36 37 38 39 40 41 42 43 44 45 46 47 48 49 50 51 52 53 54 55 56 57 58 59 60 61 62 63 64 65 66 67 68 69 70 71 72 73 74 75 76 77 78 79 80 81 82 83 84 85 86 87 88 89 90 91 92 93 94 95 96 97 98 99 100 101 102 103 104 105 106 107 108 109 110 111 112 113 114 115 116 117 118 119 120 121 122 123 124 125 126 127 128 129 130 131 132 133 134 135 136 137 138 139 140 141 142 143 144 145 146 147 148 149 150 151 152 153 154 155 156 157 158 159 160 161 162 163 164 165 166 167 168 169 170 171 172 173 174 175 176 177 178 179 180 181 182 183 184 185 186 187 188 189 190 191 192 193 194 195 196 197 198 199 200 201 202 203 204 205 206 207 208 209 210 211 212 213 214 215 216 217 218 219 220 221 222 223 224 225 226 227 228 229 230 231 232 233 234 235 236 237 238 239 240 241 242 243 244 245 246 247 248 249 250 251 252 253 254 255 256 257 258 259 260 261 262 263 264 265 266 267 268 269 270 271 272 273 274 275 276 277 278 279 280 281 282 283 284 285 286 287 288 289 290 291 292 293 294 295 296 297 298 299 300 301 302 303 304 305 306 307 308 309 310 311 312 313 314 315 316 317 318 319 320 321 322 323 324 325 326 327 328 329 330 331 332 333 334 335 336 337 338 339 340 341 342 343 344 345 346 347 348 349 350 351 352 353 354 355 356 357 358 359 360 361 362 363 364 365 366 367 368 369 370 371 372 373 374 375 376 377 378 379 380 381 382 383 384 385 386 387 388 389 390 391 392 393 394 395 396 397 398 399 400 401 402 403 404 405 406 407 408 409 410 411 412 413 414 415 416 417 418 419 420 421 422 423 424 425 426 427 428 429 430 431 432 433 434 435 436 437 438 439 440 441 442 443 444 445 446 447 448 449 450 451 452 453 454 455 456 457 458 459 460 461 462 463 464 465 466 467 468 469 470 471 472 473 474 475 476 477 478 479 480 481 482 483 484 485 486 487 488 489 490 491 492 493 494 495 496 497 498 499 500 501 502 503 504 505 506 507 508 509 510 511 512 513 514 515 516 517 518 519 520 521 522 523 524 525 526 527 528 529 530 531 532 533 534 535 536 537 538 539 540 541 542 543 544 545 546 547 548 549 550 551 552 553 554 555 556 557 558 559 560 561 562 563 564 565 566 567 568 569 570 571 572 573 574 575 576 577 578 579 580 581 582 583 584 585 586 587 588 589 590 591 592 593 594 595 596 597 598 599 600 601 602 603 604 605 606 607 608 609 610 611 612 613 614 615 616 617 618 619 620 621 622 623 624 625 626 627 628 629 630 631 632 633 634 635 636 637 638 639 640 641 642 643 644 645 646 647 648 649 650 651 652 653 654 655 656 657 658 659 660 661 662 663 664 665 666 667 668 669 670 671 672 673 674 675 676 677 678 679 680 681 682 683 684 685 686 687 688 689 690 691 692 693 694 695 696 697 698 699 700 701 702 703 704 705 706 707 708 709 710 711 712 713 714 715 716 717 718 719 720 721 722 723 724 725 726 727 728 729 730 731 732 733 734 735 736 737 738 739 740 741 742 743 744 745 746 747 748 749 750 751 752 753 754 755 756 757 758 759 760 761 762 763 764 765 766 767 768 769 770 771 772 773 774 775 776 777 778 779 780 781 782 783 784 785 786 787 788 789 790 791 792 793 794 795 796 797 798 799 800 801 802 803 804 805 806 807 808 809 810 811 812 813 814 815 816 817 818 819 820 821 822 823 824 825 826 827 828 829 830 831 832 833 834 835 836 837 838 839 840 841 842 843 844 845 846 847 848 849 850 851 852 853 854 855 856 857 858 859 860 861 862 863 864 865 866 867 868 869 870 871 872 873 874 875 876 877 878 879 880 881 882 883 884 885 886 887 888 889 890 891 892 893 894 895 896 897 898 899 900 901 902 903 904 905 906 907 908 909 910 911 912 913 914 915 916 917 918 919 920 921 922 923 924 925 926 927 928 929 930 931 932 933 934 935 936 937 938 939 940 941 942 943 944 945 946 947 948 949 950 951 952 953 954 955 956 957 958 959 960 961 962 963 964 965 966 967 968 969 970 971 972 973 974 975 976 977 978 979 980 981 982 983 984 985 986 987 988 989 990 991 992 993 994 995 996 997 998 999 1000 1001 1002 1003 1004 1005 1006 1007 1008 1009 1010 1011 1012 1013 1014 1015 1016 1017 1018 1019 1020 1021 1022 1023 1024 1025 1026 1027 1028 1029 1030 1031 1032 1033 1034 1035 1036 1037 1038 1039 1040 1

۱۔ امرتسرے گاؤں، آنگھ۔ امرتسرے گاؤں، آنگھ۔ سب لوگ ہنس رہے تھے۔

۱۰۰ کے ۱۰۰ مہاجرین کے قتل ہوئے، جسے کوئی رات ۹۰۰

۱. سائیکل کے تھامنے کے لئے ہاتھوں کو سائیکل کے ہینڈل پر رکھنا۔

[illegible]

۱۰۰۔ میں نے اپنے دوست کو اپنے دوست کے دوست سے ملنے کے لئے کہا کہ وہ اپنے دوست کے دوست سے ملے۔

۱۰۰

ہم نے یہاں سارا کام کر دیا ہے۔ اب اس سے پہلے میں دوسرے کاموں پر توجہ دے گا۔

جیسے خوف نے چٹان پر رکھا ہو۔ باہل خانہ میں ڈبے کی طرف بڑھا۔ دروازے میں رک گیا۔ وہاں خون کا چھڑکا ہوا قتلہ سامنے ایک بوڑھی عورت شہزادی کی طرح پڑی تھی۔ آنکھیں چرائی ہوئی تھیں دونوں ہاتھ پیٹ پڑے تھے۔ سامنے پیٹ سے نکلی ہوئی آنکھوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دیر تک میں بڑھیا کو گھورتا رہا خون کی بو سے طبیعت ہلش کر رہی تھی۔ سر پکرا رہا تھا۔ نظر دھندل پڑی جا رہی تھی۔ گاڑی کے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی دروازے میں کھڑے کھڑے ڈبے کا جائزہ لیا سارے ڈبے میں کئے ہوئے گوشت کی ڈھیریں لگی ہوئی تھیں۔ دو ڈنڈے اوپر تختے سے لٹک رہے تھے دو کئے ہوئے سرفرش پر لڑھک رہے تھے۔ ایک چھک سے لٹک رہا تھا۔

گھبرا کر میں باہر نکل آیا اور پلیٹ قارم کی ایک بچہ پر دھڑام سے گر گیا۔ مٹی کیا ہو رہا تھا۔ پلیٹ قارم گھوم رہا تھا۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔

بیب طبیعت سنبھلی تو قریب ہی سے آوازیں سنائی دیں یہ گاڑی شلے سے آئی ہے۔ سنٹرل گورنمنٹ کے ملازموں کی گاڑی ہے۔

قریب ہی دو شخص آہیں میں باہم کر رہے تھے۔ یاد ہے جب لاہور سے ہندو گورنمنٹ سروس کی گاڑی مٹی تھی تو ان کے گلوں میں بار والے گئے تھے۔

شاہد شیلے میں ان کے گلوں میں بھی بار والے گئے ہوں۔

ہاں۔ اور ساتھ ہی امرتسر کے غزٹوں کو بھیار کر دیا گیا ہو کہ پھینچے نہ پائیں۔

یہی ہندو مسلمان کا فرق ہے مسلمان اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے ہندو دوسرے کے ہاتھ سے قتل کرتا ہے۔

ہر دو لعنت ہر دو لعنت میرے دل سے آواز آئی۔

میں اس وقت ایک شخص گاڑی سے نکل کر بیٹھے لگا۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ اس کے منہ سے کٹ جا رہی تھا آکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

چند نہیں اس وقت مجھے کیا ہوا۔ میری مٹھیاں از خود بند ہو گئیں۔ ہاتھ ہوا میں لڑ گیا۔ کوئی بچہ نہ جانے میرے منہ سے چیخ نکلی اور میں جوش میں اٹھ گیا۔ میری کتھیاں پھڑک رہی

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

میرے دل سے چیخ نکلی تھی۔

تو کیا اس نے پوچھا۔
تو تم کیا کرو گے۔

کچھ بھی نہیں دو بولا۔

اگر فداوات یونہی بڑھتے گئے تو۔

بڑھتے جائیں اس نے بے پرواہی سے کہا۔

تم بھارت جانے کا تو نہیں سوچ رہے۔

میں کہاں جاؤں گا۔ میں اسی دھرتی کا بونا ہوں اس نے جواب دیا۔

واقعی فکر تو نسوی اسی دھرتی کا بونا تھا۔

جس لوہارے میں ہم دونوں کام کرتے تھے اس کا ہنگ چودھری برکت علی ایک وسیع القلب
فحش قنادین کا کڑواہات کا کھار اور منہ پر آئی کہ دینے والا۔

اس نے فکر تو نسوی سے کہا تھا۔ فکر تم ہمیں چھوڑ کر چلنا چاہو تو بے شک چلو تمہاری
مرضی، لیکن ہم ہمیشہ کے لیے جنہیں پاس رکھیں گے۔ اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ کسی کی
جرات نہ ہو گی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔

پھر ایک روز فکر شکر نظر آ رہا تھا۔ چونکہ جس ہندو محلے میں دو رہتا تھا وہیں کے سب لوگ
بھارت جا رہے تھے۔ یہ پلا دان تھا کہ اس کے چہرے پر فکر کے آثار نظر آئے۔

چند ایک روز کے بعد دفتر کی سمانی سڑک پر ٹنڈے رکوڑ کرنے لگے تھے۔

لوہارے کا میٹر کلر قسم کا مسلمان تھا۔

یہ کہ اس کے بعد وہ لوگ۔

انہوں نے اس کے گاہاں ایک دہا تھا۔ گاہیاں ایک دہا تھا۔ اندر ہم سب پر گھبراہٹ طاری تھی، لیکن فکر
نے اسے اپنا ہاتھ بٹھا کر کہا۔

اگر وہ اندر آ کر فکر کے پیٹ
پر گھبراہٹ میں تو فکر پر الزم نہ دھرتی۔

فکر نے کہا کہ میں نے کارکنوں نے پوچھا۔

یہ کہ وہ دھرتی ہے وہ بولا۔ ساتھ ہی فکر کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے کہا کہ میں نے ان کے بازوؤں میں گھوم رہے ہیں۔ امر تریش ہزار ہا مسلمانوں کو بچ کر دیا
تھا۔ انہوں نے انہوں کو آگ لگا دی تھی دوکانوں کو لوٹ لیا ہے۔ جو بچ کر رہے ہیں
انہوں کو انہوں کو چھوڑوں کا قہقہہ سمجھا ہے۔ مطلب ہے تم مرد نہیں ہو چوڑیاں پہن کر گھر
پر رہو۔ انہوں نے کہا۔ فقے والے کہہ رہے تھے۔ اپنے ہندو مناف کو نکال دو نہیں تو ہم دوکان
پر آکر لڑیں گے۔ یہ کہہ کر میٹر سڑک پر بیٹھ گیا۔ چلو فکر تو نسوی میں نے کہا۔ چلو گھر

پر آکر رہو۔ اسے ساتھ لے کر باہر نکلے تو وہ تم کو بھی چہرا گھونپ دیں گے۔

میں نے کہا کہ میں نے وہ جگہ میں جرات پید او گئی تھی۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔

فکر نے کہا کہ میں نے اسے خائف کر دیا تھا۔ خوف حد سے بڑھ جائے تو انسان ڈسپرٹ

ہوتا ہے۔

میں ہندو اور مسلمان لڑ رہے ہوں۔ ملک نے کہا تو میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کس
 کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔ یہ نہیں پوچھوں گا کہ کون حق پر ہے۔ پوچھئے بغیر سوچے۔ کبھے بغیر ہندو کو
 لڑنے کا شراع کروں گا۔

میں ہندو ہوں۔ جو تعصب سے بھرا ہوا میں نے پوچھا۔
 میں ہندو ہوں۔ مسلمانوں کے حق میں تعصب غیر مسلم کے خلاف تعصب۔

سائیکل چلاتے ہوئے میں نے اپنا منہ باہر نکھلا ہوا تھا اور باہر تکہ رام لال کے
 پیچھے چھپا نہ رہے۔ میرا چہرہ چلا کر کتا رہے میں مسلمان ہوں۔ یہ میرے آگے بیٹھا ہوا شخص
 ہندو سی، لیکن میں مسلمان ہوں۔ میرا خیال رکھنا۔
 میں ایسے راستے سے گھر کو جا رہا تھا جہاں جھوم سے لٹھ بھیڑ ہونے کا امکان نہ تھا۔ پھر بھی

وقت دوبارہ آگ۔ گھر میں بڑی چھری موجود ہے پھر جو میں نے دیکھا تو میں لالہ جی کو لالہ جی کے اس کڑا تھا ہاتھ میں روٹی کا ٹکٹ تھا۔ دو روٹیاں لودر والی۔

۱۔ انہی تفسیر مار کر ہمارے رونی کھلا رہا ہے۔ اس کے پیٹ میں چھرا کیے
۲۔ مسلمان نہیں مسلمان بزدل نہیں ہوتا ڈر پوک نہیں ہوگا۔

شہداء کی آواز آئی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوائی کرے۔

سندوق تو ایک مضمی چیز ہے۔ مقصد تو ہندو کو قتل کرنا ہے۔ سندوق تو مجبوراً لہا جائے گا۔

میں نے روٹی کا پکٹ لالہ جی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ رات کے دو بجے وہ سو گیا۔

اگر لوہور چادر کی طرح پھمد لو۔ لالہ میرے پاؤں پر گیا۔ بھگوان تمہارا بھلا کرے۔
 پیسے پہنچنے لگے۔ بھگوان تیرا بھلا کرے۔ بھگوان تیرا بھلا کرے۔ گھبرا

جیل سے بچے اتر آیا۔ وہ آواز میرے ارادے کو کھوکھلا کر رہی تھی۔
 بڑے ہوئے ہاتھ۔ اس کی گوہر زاری ————— نہیں نہیں میں بو بڑایا۔

اور نگہ کے دروازے کے قریب ایک اللؤلؤ جل رہا تھا۔ اسے یہ نوکٹائیں ہیں۔ میں

کڑی کی اور کتابیں دیکھنے لگا۔ کس لایق اور سموا۔ گیتا سٹلا۔ ہر بار ہا شاہم۔

یہ کیا ہے میں نے کالے صندوق کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا یہ میرا سامن ہے

مہاراج۔ بس یہی میری بات ہے۔ سارے جیون میں بس یہی کہلا ہے۔
ہوں، میں نے چھاتی پہلا کر کہا۔

مہاراج بس مجھے لےتا تھا وہ کہ کسی طرح بھارت میں پہنچ جاؤں۔
اسے تو کہہ دو کہ وہاں نہیں جاتی، میں نے جواب دیا۔

تو مبارج میں کیا کروں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مجھے بچاؤ مبارج۔ بڑا پن ہو گا۔
 یہ کہہ کر وہ میرے ہاتھوں بڑھ گیا۔

نہیں نہیں ایسا کرتا۔ میں نے اسے ڈانٹا۔
والہ اللہ کر دے لگا۔

نصرو میں نے کہا تم یہ ایک گھنٹ چلے جاؤ۔ وہاں سے جموں پہنچ جاؤ۔

میں چڑھ لگا تا ہوں۔ ابھی آؤں گا۔ تم یہیں بیٹھے رہتا ہوں سے ہوتا ہوں۔

گیا۔ دوسرے کے زخموں سے بھرا ہوا تھا۔

کون سا لڑکھو جائے میرے دل سے اور ہندوستان۔

میں بھاگ کر سانگیل پر چڑھ گیا۔ سانگیل کے نیچے چھپنے لگے میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔
 بنا ماجنا بیٹے میں چچ ربا قتلا انہوں نے امرتسر میں قرآن پاک جلائے تھے۔ حدیث شریف کو آگ لگا کی تھی۔
 میں چھری لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ میں نے خود کو تباہی آج رات کے بعد کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔
 ...

انہوں نے ریلوئی کیپ بنا دیا ہے، میں نے کہا۔
 واللہ بیٹا اس کا چوروہ عمل سے خلی قتلا
 ...
 ...
 ...

ابو الہر شہزادوں کی تھی۔

ابو الہر ایک خصوصیات تھی۔ خوش شکل تھی۔ اچھی پوشاک پہنتی تھی۔ سزا
 دینے کے فن میں ماہر تھی۔ انہیں بٹے سنور نے کاشق قبا۔ بن سنور کردہ میاں کو
 دیکھ کر سنور میں متعلق تھی۔ اسی وجہ سے انہیں ابو الہر میں شہزادوں کی چلتی تھی۔

کی عزت کا سوال ہے۔ اگر ہم گاڑی کو نہ روک سکے تو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔
 گویا ان کے لوگ بیٹے دیں گے۔

— — — — —

فلسفہ میں آئیں۔

اگر آپ اس بات کو دیکھ سکتے ہیں کہ علم نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آئندہ سے ایسا نہیں

اپنی طاقت کا احساس منوں میں خوں دوڑتا ہے۔ کل گال ہو جاتے ہیں۔

پھر اس پر کہتے کہتی۔ آخر ہم نے ہندو دھرم انوں کو بھی بچا لیا تھا یا ہے۔ وہ تو مشکل کام تھا۔

کاڑی کو بچانا ویسا مشکل تو نہیں۔

اگر وہی ہو۔

اگر وہی آواز میں یہ خبر پھیل گئی کہ ہندو رنچو جیوں کی گاڑیوں کی آمد ملتوی ہو گئی ہے
اس لیے ان سے مسلمان زفیوں کی گاڑی آرہی ہے جو سیدھی جہلم جائے گی۔

اسی سے کم ہوئی تو بات میں بنے گی۔ جگ ہنسائی ہو گی۔

جب اشفاق اور میں اماٹے میں پہنچے تو حلف اٹھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی۔

اشفاق حسین کو دیکھ کر اندر ہنیر کا خوش و خروش اور بڑھ گیا۔

.....

۔ شاہ کی شیش ماسٹر صیلا پڑ گیا۔ گاڑی کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کا دستہ ہو گا۔ وہ قاتل

کو مار دیا۔ کچھ لیں گے۔ شاہ نے کہا اور جھانڑیوں میں چھپے ہوئے لوہوں کو اشارہ کیا۔

اللہ ستر لوہوں باتوں میں کھا لیا اٹھائے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے پلٹ

کہا۔ سنبھل جاتے ہی ہمیں شیش پر رش کرنا ہے۔
وہ دیکھو احمد بشیر نے کہا شاہ شیش پر پہنچ چکا ہے۔

شاہ اور میجر

میں بھی ہوں شاہ نے جواب دیا۔

گاڑی آگے جانے کی میسر چلایا۔

دہری لاشوں پر آگے جانے کی۔ صوبے نے تقری گانگ سے ہٹ لگاتے ہوئے کہا۔

کچھ پرواہ میں مجبور لاپاہے لاشوں پر جانے مگر جانے کی۔

مسلمانوں کی بیسیوں گاڑیاں کٹ چکی ہیں شاہ نے کہا۔

یہ گاڑی ہر سال نہیں کٹے گی مجبور لاپاہے۔

ہم مسلمانوں کے خون کا بدلہ لیں گے صوبے نے کہا۔

ہم قازق کاکھم دیں گے۔ مجبور لاپاہے۔

دسے دو حکم۔ شاہ بولا ہم تمہاری ہندو قوتوں سے نہیں ڈرتے۔ یہ کہہ کر شاہ نے اللہ اکبر کا

نعرہ لگایا۔ جواب میں سرنوجوانوں کے غرے سے کبھی لرز گئے۔ نوجوانوں نے پیٹھ کر فوجی

سپاہیوں کو گھیرے میں لے لیا۔

گاڑی میں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اندر ہندو بھائی چچ رہی تھیں۔ باہر حملہ آور

چنگھاٹھ رہے تھے۔ درمیان میں مجبور فٹے سے ہٹ کر رہا تھا۔

کھولو قازق شاہ نے کہا میں چلایا۔ مسلمان لاشوں کے ہاتھوں کٹ رہے ہیں لاشوں پر فرض

شناس افسروں کے ہاتھوں کٹیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اس کے منہ سے کلف جاری تھا۔ مارو

مسلمانوں کو مارو۔ لاشوں کے پٹے لگا دو۔

میر غلام شاہ کھڑا تھا۔ سپاہی اڑے پھینکے ہوئے تھے۔ لشکر صوبہ مجبور کو کٹ کر داخل ہوا۔

میر بد بولا۔ آگے دیں کی پشوری آگزی ہوئی ہے۔ گاڑی آگے نہیں جاسکتی۔

کہاں سے آگزی ہوئی ہے خوالد مار بولا۔

یہاں سے ایک ڈیڑھ میل دور صوبے نے جواب دیا۔

تمہارا مطلب ہے تمہارے قتلے کی حدود میں۔ میں یہ نہیں ہو سکتا ساری مصیبت

تمہارے سر پر آ رہی ہے۔ پولیس کا ہیڈ کوارٹریل چلایا۔

مصیبت تو مسلمانوں کے سر پر پڑی ہوئی ہے۔ لاش بھی کٹ رہے ہیں۔ لاش بھی کٹ

رہے ہیں۔ توہم کہ تم کو اپنی توہم کو کھڑے ہے۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

میر غلام شاہ نے جواب دیا۔

ہندو ہاتھ جوڑ کر نہیں کر رہے تھے۔ حملہ آور اپنا جوش و خروش قائم رکھنے کے لیے چنگناڑ رہے تھے۔

دیر تک خون خرابہ جاری رہا پھر حملہ آوروں کی توجہ لوٹ کی طرف مبذول ہو گئی۔ صندوق سوٹ کیس بسز تو گریاں دھڑا دھڑ پلٹ فارم پر ڈھیر ہو گئیں۔

میری بیاں

اس وقت اس ڈپے کا دروازہ کھلا جسے اشفاق اور بشیر کھلاڑیوں سے گات رہے تھے ایک لوجہ عمر کی ہندی باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈول تھا جس میں بیاں تھیں۔ بھگون کے واسطے مجھے نہ مارو۔ بھگون کے واسطے مجھے نہ مارو۔ وہ ہاتھ باندھ کر ان سے دیر کھڑی ہو گئی۔ مجھے اپنے پاس رکھ لو۔ تو کہتا لو، پر مارو نہیں۔

وہ بھٹی لگاؤں سے اشفاق کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے پیچھے پیچھے کئی ایک لٹی پٹی ہندی بد نما ہندیائیں کھڑکیوں میں آگئیں وہ سب ہاتھ جوڑے تھیں کہ رو رہی تھیں۔ بھگون کا واسطہ نہ رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اجہ بشیر کا جوش دم پر گیا۔ انہیں دیکھ کر میرا دل ہاش کرنے لگا کہ پاپا تھا کہ اس منظر سے دور بھاگ جاؤں۔

پلٹ فارم پر اس وقت بہت سے کالے صندوق پڑے ہوئے تھے، لیکن مجھے کلا صندوق باقی نہ رہا تھا۔

عمر رسیدہ ہندی نے جبکہ کہ اشفاق کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ میں جلدی بھر میری سیوا کر رہی تھی ساتھ لے چل۔

اشفاق لاجل پڑھ رہا تھا۔ کچھ اس بندہ کہ پیچھے ہٹ جا۔ وہ مصنوعی شے میں چلا رہا تھا۔ اس اثناء میں دونوں اشفاق حسین کے قریب آکھڑے ہوئے۔ ایک نے ہاتھ بڑھایا

ہندی کے ڈول سے ایک پتی اٹھ کر منہ میں ڈال لی۔

ہندی شہی کی طرح اٹھ بیٹھی۔ میری بیاں میری بیاں وہ ڈول کی طرف لگی۔

فوجان کا منہ جس نے پتی منہ میں ڈال تھی۔ کھلے کا کھلا رو گیا۔ اس نے پتی ہاتھ پر دی۔ پتی میں سے سونے کا بندہ نکل آیا۔ اٹھ وہ چلایا ان پیٹیوں میں سونے کے زیور پہنا

ہندی اول پر کھڑی بن کر بیٹھ گئی۔

ہندی اول پر بیٹھے۔ اشفاق اور بشیر کھلاڑیاں اٹھا کر ہندی کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ وہ ہندی کو پچانے پر تھے کہ جیسے وہ ہندوؤں کو مارنے کی بجائے اتنی دور سے چل کر ان کی جان بچانے آئے ہوں۔

ہندی اول میں زیادہ تھے۔ ہندی کو بچانے کے لیے احمد بشیر نے پیٹیوں کے ڈول کو خٹوا کر ڈال دیا۔ پلٹ فارم پر بکھر گئے۔ حملہ آور ہندی کو چھوڑ کر لڑکوں کے پیچھے بھاگے۔ ہندی میں کرے لگی۔ اشفاق حسین نے ہندی کو گھسیٹنا شروع کر دیا تاکہ حملہ آوروں کی جان بچانے نہ پاتے۔

میری بیاں

ہندی اول پر تھا کہ کس طرح اشفاق کی مدد کرے کہ اچانک گاڑی کی کھڑکی سے ایک ہندی اول پر آئے۔ احمد بشیر نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ اس کے ہاتھ خون سے لت پت تھے۔ ہندی اول پر آئی تھی جس کی پیٹ پر زخم کیا تھا۔ احمد بشیر نے اسے دونوں بازوؤں پر دبوچ لیا۔ وہ در سے لے گیا۔ ایک بیچ پر اسے لٹا کر اس نے پلٹ فارم سے مٹی آٹھنی کی اور اسے لٹا کر پھینک دیا۔

ہندی اول پر آئی تھی۔ وہ زخمی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اور پلٹ فارم میری نظروں میں آئی۔ ہندی اول پر رہا تھا۔ میں نے بشیر کو کہنی ماری، چلو چلیں میری طبیعت ٹھیک

ہندی اول پر آئی تھی۔ وہ زخمی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اور پلٹ فارم میری نظروں میں آئی۔ ہندی اول پر رہا تھا۔ میں نے بشیر کو کہنی ماری، چلو چلیں میری طبیعت ٹھیک

ہندی اول پر آئی تھی۔ وہ زخمی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اور پلٹ فارم میری نظروں میں آئی۔ ہندی اول پر رہا تھا۔ میں نے بشیر کو کہنی ماری، چلو چلیں میری طبیعت ٹھیک

ہندی اول پر آئی تھی۔ وہ زخمی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اور پلٹ فارم میری نظروں میں آئی۔ ہندی اول پر رہا تھا۔ میں نے بشیر کو کہنی ماری، چلو چلیں میری طبیعت ٹھیک

ہندی اول پر آئی تھی۔ وہ زخمی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اور پلٹ فارم میری نظروں میں آئی۔ ہندی اول پر رہا تھا۔ میں نے بشیر کو کہنی ماری، چلو چلیں میری طبیعت ٹھیک

اشفاق نے کلمہ چھپ چاہا۔

ہم تینوں رک کے اور سڑک کے کنارے لگی ہوئی جہازوں میں چھپ گئے۔ جہازوں میں ایک اویسر عمر ہندی چھپی ہوئی تھی۔

جب ہم ایکس آپریشن تو آدھی رات کا وقت ہو گا۔ بازار ویران تھا لیکن گھروں میں جتلیں جل رہی تھیں۔ لوگ جاگ رہے تھے۔ شیتلیاں ہاتھ پاء چلا کر بائیں کر رہی تھیں۔ جب شیتلیاں نے جواہر کو پر اسے دے کر شیش کی طرف رخصت کیا تھا تو وہ بہت خوش تھیں۔

بھری شیریں

پھر صوبہ کی مل سے بھاڑا چھوڑ دیا۔ اس نے سردار اس کو بتا دیا کہ صوبہ سردار ان چھرے اور کھانیاں و صوبہ دیا رہا ہے۔ یہ سن کر شیتلیاں کو شک پڑ گیا پھر تو ہمارے صاف کہہ دیا کہ مسلمان ریلوے جیلوں کی خبر تو جواہر نے اس لیے اڑائی تھی تاکہ مزاحمت سے بچیں اور تصادم نہ ہو۔

اس پر شیتلیاں غصے سے لال ہو گئیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ ان کی توہین کی گئی ہے۔

انہوں نے گھر پر ہی بیٹھ کر فیروں اور قاتلوں کو ڈیل کیا ہے۔ ان سے ایسا برتاؤ کیا ہے کہ عمر بھر یاد رکھیں۔

اگرچہ شیتلیاں قتل و غارت کے خلاف تھیں لیکن اس وقت ان کے غصے کی وجہ یہ تھی کہ جواہر نے گھرواؤں کی رضا مندی حاصل کیے بغیر قدم کیوں اٹھایا تھا۔ یہ گھرواؤں کے اقتدار کے خلاف سازش تھی۔ اگر اس کا سد باب نہ کیا تو ہن کی صدیوں پرانی برتری کی روایت ختم ہو جائے گی۔

اس کے باوجود گھرواؤں بیڑوں بھائیوں کے لیے فکر مند بھی تھیں۔ ہمیں چراغ لے دروازوں پر بٹھائی ہوئی تھیں۔ ہمیں کڑی نگرانی تھی۔ ہمارے دیکھ رہے تھے۔

جواہر و انہوں کے دل مرکز رہے تھے۔ اب خاموش تھے۔ اقتدار کی اہانت نہ تھی۔ جب ہم گھر پہنچے تو اشفاق کی بیوی شورشید بیڑیوں میں کڑی تھی۔ اس نے خون

جواہر کو لائی، اس نے باؤں پر اٹھایا۔ اویسر عمر ہندی آہستہ آہستہ بیڑیوں پر بیٹھنے لگی۔ گھر کے اندر سے گھڑی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر سردار غصہ بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی کی طرف ہو گئی۔ ایک دودھ گرم کرنے کے لیے دوڑی دوسری دوپٹہ پھاڑ کر پٹی بنانے لگی۔ جواہر و انہوں کی مرام تلاش کرنے لگی۔

جواہر و انہوں کی بیڑیوں چپ چاپ کھڑے دیکھ رہے تھے جیسے گاڑی لوٹ کر نہیں بلکہ خود جواہر و انہوں کے سر پر دھندلی دروازے سے باہر رشتن پر بیٹھ گئی تھی کسی نے اس کا شوش نہ کیا۔ وہاں دشمنی ہندی کے دشمنوں کے مرام پٹی سے فارغ ہو گئیں تو انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ وہاں کی طرف دیکھا۔

جواہر و انہوں کی بیڑیوں رشتن پر کیوں چھپی ہے۔

جواہر نے حیرت سے جن کی طرف دیکھا۔ دوسری نے اٹھ کر اس کی طرف چلائی۔

جواہر و انہوں نے مل کو دودھ نہیں پلایا۔

جواہر و انہوں نے گھر پر ہی بیٹھ کر فیروں اور قاتلوں کو ڈیل کیا ہے۔ ان سے ایسا برتاؤ کیا ہے کہ عمر بھر یاد رکھیں۔

اگرچہ شیتلیاں قتل و غارت کے خلاف تھیں لیکن اس وقت ان کے غصے کی وجہ یہ تھی کہ جواہر نے گھرواؤں کی رضا مندی حاصل کیے بغیر قدم کیوں اٹھایا تھا۔ یہ گھرواؤں کے اقتدار کے خلاف سازش تھی۔ اگر اس کا سد باب نہ کیا تو ہن کی صدیوں پرانی برتری کی روایت ختم ہو جائے گی۔

اس کے باوجود گھرواؤں بیڑوں بھائیوں کے لیے فکر مند بھی تھیں۔ ہمیں چراغ لے دروازوں پر بٹھائی ہوئی تھیں۔ ہمیں کڑی نگرانی تھی۔ ہمارے دیکھ رہے تھے۔

جواہر و انہوں کے دل مرکز رہے تھے۔ اب خاموش تھے۔ اقتدار کی اہانت نہ تھی۔ جب ہم گھر پہنچے تو اشفاق کی بیوی شورشید بیڑیوں میں کڑی تھی۔ اس نے خون

ہندنی مل جاتی تو اسے ساتھ لے آتیں اور کسی ذمہ دار شیفتی کے سپرد کر دیتیں۔ یہ لے ماسی انت
تو اپنے گھر میں رکھ لے۔ انہیں صرف ایک غلطو تھا کہ انہیں ایڈ میں کسی ہندنی کی آبرو نہ لٹ
جائے۔

اس رات شیفتیوں کا چلوں انہیں آپار کی گلی میں گھوم رہا۔
اس رات انہیں آپار سے کل چھپیں ہندنیاں پر آمد ہوئیں۔

پرمیلا، پیتے، شکندا

آپار میں ہندنیوں کی آمد نے مل جل چا دی۔

آپار میں لے جب دیکھا کہ شیفتیوں نے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم
کچھ نہ کر سکتے۔

آپار میں وہ سب تو بار کی حویلی میں اکٹھے ہو گئے۔ بڑی باتیں ہوئیں۔ اتنی کہ ڈھیر لگ
گئی۔ یہ سب درست تھی شیفتوں کا شیفتیوں سے مقابلہ جو ٹھن گیا تھا۔ سوئی یہ تھا کہ ہم کون سا
کھانا کھا رہے ہیں۔ ہر کسی نے اپنی اپنی تجویز پیش کی جس پر دل کھول کر بحث ہوئی۔

پرمیلا

آپار میں ہندنیوں کی آمد نے مل جل چا دی۔
آپار میں وہ سب تو بار کی حویلی میں اکٹھے ہو گئے۔ بڑی باتیں ہوئیں۔ اتنی کہ ڈھیر لگ
گئی۔ یہ سب درست تھی شیفتوں کا شیفتیوں سے مقابلہ جو ٹھن گیا تھا۔ سوئی یہ تھا کہ ہم کون سا
کھانا کھا رہے ہیں۔ ہر کسی نے اپنی اپنی تجویز پیش کی جس پر دل کھول کر بحث ہوئی۔

آپار میں وہ سب تو بار کی حویلی میں اکٹھے ہو گئے۔

آپار میں وہ سب تو بار کی حویلی میں اکٹھے ہو گئے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

سے چندوں دلچسپی نہ تھی، لیکن لوٹ کاہل۔ کیا مصافحہ ہے۔ اپنی حیثیت کو معکم کرنے کا بغور موقع تھا۔

اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ شیخ نو مسلم تھے اور بیڑوں کے خواص ابھی ان میں باقی تھے۔ لیکن ہونا تو ہاتھ آگے بڑھتا۔ دینا ہونا تو ہاتھ پیچھے کر لیتے۔

شیخوں کی اس خصلت پر کسی زندہ دل شیخ نے ایک لٹیفہ ٹھکڑ رکھا تھا کہ ایک شیخ کسی گز سے میں کر گیا۔ بہت کوشش کی، لیکن باہر نکل نہ سکا۔

اسنے میں ایک گڑی اور سے گزرا۔ شیخ نے ہاتھ اٹا کر بلند شور مچایا کہ مجھے اس گز سے نکالو۔ راہ گیر نے اپنا ہاتھ بڑھایا بولا شیخ ہی مجھے اپنا ہاتھ دیں۔ لیکن شیخ چپ چاپ کھڑا رہا۔

راہ گیر نے کئی ایک بار کھل شیخ ہی اپنا ہاتھ دیں، لیکن شیخ نے ہاتھ نہ دیا۔ راہ گیر حیران تھا کہ گز سے لٹکنا تو چاہتے ہیں، لیکن ہاتھ نہیں دیتے۔

اسنے میں ایک بوڑھا شیخ آگیا۔ راہ گیر نے کامیں کب سے کہہ رہا ہوں کہ دیجئے اپنا ہاتھ۔ لیکن یہ ہاتھ بڑھاتے ہی نہیں۔ اس پر بوڑھا بیٹنے لگا۔ بولا برخوردار شیخ دے گا نہیں۔ تم کو شیخ

ہی کیجئے میرا ہاتھ۔ تو وہ جھٹ اپنا ہاتھ بڑھا دے گا۔

بہر حال لیکن کھار کے شیخ سوڑے کے کچے تھے چاہے منہ زبانی ہو۔ گواہ کوئی نہ ہو۔ سوڑا ہو

جیسا تو ہو گیا۔ پیسے بھر پر تکیہ پر مگنی۔ وہ اہانت میں خیانت نہیں کرتے تھے۔ بے

لنگ ان میں مل کی حرص تھی لیکن دوسرے کے مل کو ہتھیالے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

نو بہارن تنصیلت کو اچھی طرح سے جان تھا اس لیے شیخوں کو کلمہ بکھڑانے کے لیے اس نے اپنی بات کی وضاحت کی بولا بھائیو لوٹ کاہل ہم پر حرام ہے۔ ہمیں اللہ نے کھائے پینے کے

بہت دے رکھا ہے۔ وہی دراصل ان مسلمانوں کا حق ہے جو بھارت سے لے پٹے یہاں آئیں گے۔

شیخ ہم نے کلمہ بے شک بے مل ہم پر حرام ہے ہمارے پاس اللہ کا دیسا ب کچھ ہے۔ شیخ ہم سے پاس اللہ کی دی ہوئی ایک بچی کو کھری تھی۔ جو بھارت کے دلوں میں چوٹی تھی اور شیخ ہم اسے نکالنے کے خواب ایک مدت سے دیکھ رہا تھا۔

سب نے شیخ ہم کی بات پر رولہ وا کی۔

خبردار بولا۔ بھائیو میں معافی چاہتا ہوں۔ بوڑھا ہوں بہت نہیں کہ تمہارے ساتھ گھر گھر

کاہل ہو رہا ہوں۔ یہ ایک کام تھیں ہی کرنا ہو گا۔

کاہل۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔

بھائیو میں یہ خدمت کر سکتا ہوں تو بہار بولا کہ اپنی کوشش کرنا ایک کرہ اور دو ایک تجویز

کاہل نے لے۔ وقت کر دوں۔ آپ سے فکر ہو کر مل آگیا کریں اور اسے بیت اللہ میں جمع

ہو کر فرست دینا کہ اپنے پاس رکھ لیکن جب بھی چاہے پڑنکی کر لیں۔ میرا شیخ ہر جہز کا

موجود رکھے گا۔ ہم مل کی رکھو لی کریں گے اور جب مسلمان مابوہرین یہاں آئیں گے تو

ہمارے ہاں کر دیں گے تاکہ آپ اپنے ہاتھوں سے تقسیم کر سکیں۔

کاہل۔ چاندوں طرف سے سبحان اللہ۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

خیر دے گا۔ راہ گیر نے چہرے پر خوشی کی سرخی دوڑ گئی اور اس کی ہتھیلیوں میں کھجلی ہونے

کا چاندوں طرف شروع کیا۔

کاہل اس بات پر متفق تھے کہ یہ کار خیر فی الفور شروع کر دیا جائے۔

کاہل۔ خیرات نہیں ہوئی تھی کہ احمدی لگے زمین روتی بیٹھی ہوئی حویلی میں داخل

ہوئے اس کے ساتھ ایک دون لڑکا تھا۔ احمدی اس کے گلے میں دوپٹہ باندھ رکھا تھا۔ جسے

کاہل دیکھ کر اندر لا رہی تھی۔ لڑکے کے منہ پر لالک لٹی ہوئی تھی۔

کاہل۔ وہاں سے میں کھڑی ہو کر احمدی سیلا کرتے تھی۔ کبھی دونوں ہاتھ چھاتی پر مارتی

تھی اور کبھی سر پر اور ساتھ قہقہے باقی۔

کاہل۔ لٹ گئی۔ میرے گھر کی عزت خاک میں مل گئی۔ ہمارے منہ پر لالک لٹی گئی۔

کاہل۔ اہو اہو احمدی۔ سب جیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

کاہل۔ لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ بولی اس سے پوچھو۔ کیا کر توت کی ہے اس نے۔

کاہل۔ احمدی نہیں اس نے روپے کو کھینچ کر لڑکے کو کھینچا۔ اب بتائیں اپنی کر توت۔

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔
 یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔
 یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

خوشخوار قوم ہے جو گوشت کھاتے ہیں اور بات بات پر غصے سے بھوت بن جاتے ہیں۔

کور نے کسی مسلمان کو قریب سے نہ دیکھا تھا اور اب اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

کئی ایک دن اس کی آنکھوں پر خوف کا غلام چڑھا رہا۔ پھر خوف دور ہو گیا اور خالی حیرت سے وہ گرد و پیش کو دیکھتی رہی۔

اشفاق حسین روز صبح **شکستے** کو اپنی کمرہ پر اٹھایا اور ڈاکٹر شریف کی دکان پر جا پہنچتا۔ وہاں اسے دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے کہ بس کسی ہندو بیوی جو اس روز اس کے آبلے میں لائی گئی تھیں، ڈکھی تھیں۔ جیسی ڈاکٹر شریف نے کہہ دیا تھا کہ ڈکھیوں کو دیکھنے کے لئے میں گروں میں نہیں جاسکتا۔ انہیں انکار کر دیا۔ دکان پر لایا جا رہے۔

ڈاکٹر شریف ہندو دشمنوں کی مہم چلی کر کوئی قیس تمیں لیتا تھا۔ حالانکہ انہیں کہہ کے شہنشاہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ دشمنوں کی دیکھ بھال کے لیے کار و چترہ لگایا جائے اور چندے سے جو رقم موصول ہو وہ ڈاکٹر شریف کو ملانے کے طور پر دی جائے۔ لیکن ڈاکٹر نے رقم لینے سے انکار کر دیا تھا۔

صبح سویرے اس کی دوکان پر زفیوں کو لایا جاتا۔ اس وقت ایمن آباد کے مقامی مریش ایک طرف بیٹھ کر انتظار کرتے رہتے۔

چند ایک دنوں کے بعد شکستے کی بیڑے کا زخم اچھا ہونا شروع ہو گیا۔ اس کی کمر سیدھی ہونے لگی۔ پھر گھر والوں کو بیڑے چلا کر وہ بیڑے نہیں بلکہ ٹوبہاں لڑکی ہے۔

اور شہر کھنڈے کو اشفاق حسین کی پیچھے چڑھنے سے لاج آئے گی۔ اس نے خدا کی شروعات دیکھی کہ میں اپنے پاؤں چل کر شریف کی دوکان پر جاؤں گی، لیکن اشفاق حسین نہ بنا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ خود چل کر گئی تو اس کی پیچھے چڑھ جائے گا۔ اس وجہ سے دھم کا پھرتے رہے وہ جانے کا فیصلہ ہے۔ اشفاق حسین کے مکان کے ملحق خانہ سراوں کا گھر تھا۔

خالہ سرداراں

خاتمہ سردار اسحاق حسین کی دوسری دہشتہ وار تھی۔ وہ ایک پاک باز، خدا ترس، سچے

سارے قہجے میں اس کا وہ پہ قتلہ نوجوان اس سے ڈرتے تھے۔

جس بات پر خالد سردار ادا کفری ہو جاتی اسے منوا کر رہتی۔
 (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (

اور تاتھا، لیکن غلام سرداراں بڑی غیور تھی۔ گھر میں روکھی مٹی کھا کر باہر

الفرق آئے نہ دینی۔ اس کے باوجود کسی کی عجل نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر اس کی

یہ سنا گاڑی سے پریشان کو اٹھا لیا قہر خالہ نے بچے کو گھر میں داخل

پرتیاں کی ہانہ پکڑ کر یو سنے کو دھنکار دیا تھا۔

نہیں تھی۔ زخم تو نہیں لگا پھر جب اس کی تسلی ہو گئی تو وہ پٹیتے کو سینے مار مار کر رونے لگی تھی۔

اس کی اردو لڑکی تھی۔ اس نے اسی سال میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔

اور وہ یونے کی پاؤں میں گر کر بے ہوش

اور وہ اسے تھکنے لگی۔ پھر وہ دونوں روتے روتے سو گئی تھیں۔

خالد سرداروں کی طرف جا پہنچی۔ حالانکہ وہ خورشید کی خالہ

۱۹۸۱ء سے ہات کی پولی، خالہ تو، چیمیں کو مجھے دے دے۔ تجھ پر خواہ مخواہ کا

۱۱۔ اے جلیس گے۔ بھڑوں نے فیصلہ جو کر دیا ہے کہ ہندوؤں کو اپنا چرلہا

چونکہ کرتے دو تاکہ ان کا دھرم بھروسہ نہ ہو۔

غلام سردار اس یہ سن کر شہین کی طرح بھڑکی۔ بہت بڑے بے پھرتے تھے۔ میں ان کی ہوں۔ میرے پاس کھانے کو حلویے باندھے نہیں ہیں، لیکن آپ چاہے چٹنی کھاؤں اسے سو کافوال کھاؤں گی۔ غلام سردار ایسی کئی گزری بھی نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔

اس روز سارا دن غلام سردار اس کی آواز سارے محلے میں گونجتی رہی۔ کوسوں لوہین وہ آتے جاتے سے قصہ چھیڑ لیتی۔

اسی روز اس نے، جیسا کہ اچھا چوٹکا لنگ کر دیا۔

تیسرے دن غلام سردار اس کے چلنے پر ناہنجی۔ بولی بیٹی میں بھی تھرا پکایا ہوا کھانا لگی۔ تو میرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ میں تو تیسرے ہاتھ کا کھا سکتی ہوں۔ تیرا دھرم بھروسہ ہوتا ہے۔ پر میرا تو نہیں ہوتا۔

ساری عمر مجھے یہ آرزو رہی کہ میری ایک بیٹی ہو۔ غلام سردار ابدیدہ ہو کر بولی اب ملی بھی آخری عمر میں تو میں اسے اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتی۔ اسے مجھے کھانا چاہو تھا۔ غلام سردار دہائیں دہائیں کر کے روئے گئی۔

پریتیاں نے چھوٹا چھوڑ کر غلام سردار کو دونوں بازوؤں میں قیام لیا اور اس نے مجھے لگ کر روئے گئی تو میری ماما ہے تو میری جانی ہے۔ میری اپنی ماما بچپن میں سو رنگ باڑ ہو گئی تھی پھر بتاتی ہے دوسرا بیاہ کر لیا اور میں سوچتی کہ گھر ملی۔ پانی نے بھی منہ موڑ لیا جیون میں کسی نے مجھے اتنا پیار نہیں دیا تھا جتنا تو نے دیا ہے۔ تو مجھ سے پوچھتی ہے۔ پریتیاں تو میرے گھر میں اتنی زبان پریشان کیوں رہتی ہے۔ تجھے یہ کمر گھر نہیں لگنا کیا؟

میں تیسرے گھر میں اتنی زبان پریشان کیوں رہتی ہے۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں پناہ دیکھ رہا ہوں۔ ذرا تو ہوں کہ آنکھ نہ کھل جائے۔

غلام سردار اپنا دونا بھول گئی اس نے پریتیاں کو اپنی باہوں میں سیٹھ لیا۔ مجھے بھی کسی نے پیار نہیں دیا تھا۔ پریتیاں بولی۔ پیار ٹا بھی تو کھلا ملا۔

غلام سردار غریب عورت تھی۔ وہ مشکل سے اپنا گزارہ کرتی تھی۔ پریتیاں کے آسے اسے غاسی مشکل پڑ گئی تھی۔ کئی ایک دن تو وہ پریتیاں کو اچھا کھاتی رہی چونکہ اس

اٹھ گھر کی لڑکی ہے اور اچھا کھانے کی عادی ہے۔ پھر ایک دن وہ ہاتھ دھو کر کھانے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بولی پینتے میری عزت اب تیسرے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اسے اور ہونے کی چٹنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لاکے نے جلم سے دو مینے سے کھانا کھا لیا۔ کچھ ہا ہا ہے تو اچھا کھانے کی عادی ہے پر میں مجبور ہوں۔ اگر مجھ میں تو فیض

اس کا کوئی ذرا بھی نہ دیا۔

غلام سردار اس کی گھر کا کام کرنے لگی۔ وہ کھانا پکاتی، برتن، ناہنجی، کپڑے دھوتی۔

دو دنوں خورشید کے گھر آگئی اور اشفاق حسین سے کہنے لگی۔ مجھے آپ سے ایک

دو دنوں صحن میں جا کھڑے ہوئے اور دیر تک ایک دوسرے سے باتیں

کرتی تھی۔ وہاں کہ خدا کی پناہ۔ اشفاق حسین اور خورشید گوردیش لڑکے سننے رہے۔

کھانا کھا لیا۔ چونکہ غلام سردار اس کے سامنے بولنا ممکن نہ تھا۔

کے گھر آگئی تھی اور اندر چھپ کر سن رہی تھی۔ وہ باہر نکل آئی اور

نہیں غلام سردار اسے دوندہ تجھے میری محنت مزدوری اتنی نہ

سکھنے سے بچ کر کھل بھاگی میری ماما جی ملی گئی۔ سب

سیڑھیوں کی طرف بھاگے دیکھا تو شکنتلے اور کور کے ساتھ ایک اور عورت کھڑی ہے۔

چونکہ شکنتلے کا چہرہ کا دھم بھر چکا تھا اور ڈاکٹر نے اسے چلنے پھرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لیے اب اشفاق حسین کو اسے چہرے پر اٹھا کر ڈاکٹر کی دکان پر لے جانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لہذا صبح سویرے ناشتے سے فارغ ہو کر کور شکنتلے کو ساتھ لے کر دکان پہنچ جاتی۔ وہاں وہ اپنی باری کا انتظار کرتیں اور پھر دوا لگوا کر گھر لوٹ آتیں۔

اس روز جب وہ دوا لگوا کر چکری چوک میں پہنچیں تو شکنتلے نے کور سے کہا کہ میں ڈراپائی لیا ہوں۔

چکری چوک بازار کے سین درمیان میں واقع تھا وہاں سے چار ایک گلیوں کے راستے

تھے۔ لیکن اب وہیں سلوتری اور شکنتلے کے ٹاپ کی باتیں ہوتی رہیں۔

کبھی کبھی حتیٰ کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔

وہ دوا لگوا کر پہنچیں تو ماما جی کی ساری شیتیں اکٹھی ہو گئیں۔

لیکن اب اپنی بیٹی ایک دوسری کو سینے سے لگا لگا کر دوسری دوسری طرف شیتیاں

بٹھاتی تھیں۔ ماما جی ہار دی تھیں۔ ماما جی ہڈیات سے اس قدر چپ چاپ رہا تھا کہ اشفاق

کو شکنتلے کے بھانے باہر نکل گئے۔

لیکن اب وہیں سلوتری اور شکنتلے کے ٹاپ کی باتیں ہوتی رہیں۔

ان لڑکیوں کو کھڑکیوں میں آکھڑی ہوئیں۔ اسے سلام کرتیں۔ اشارے کرتیں۔

UrduPhoto.com

ہالے کو لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر سرسری طور پر
سکراتا، جھوٹی کلیڈ آئی چکاتا اور آگے نکل جاتا۔

کام کے معاملے میں ہالا بے حد متکا تھا۔ باپ نے زبردستی اسے سکول میں داخل کر دیا تھا۔
وہ مشکل سے آٹھ سال کا تھا تو تک چل سکتا پھر اس نے سکول چھوڑ دیا۔

اب اس کا کام آوارہ گردی کرنا۔ اٹھارے میں ڈنڈ بیٹنگ لگانا اور جوان لڑکوں کے ساتھ
گیند بٹا کھیلنا تھا۔

جب احمد اس دینی واپس امن آباد میں آئی اور اس نے دیکھا کہ گھر میں ایک ہندو لڑکی بیٹھی
ہے تو اس نے جوتا اٹھا لیا اور مار مار کر ہالے کا بھر کس نکال دیا پھر وہ اس کا منہ نکلا کر بے ہوش
کے سامنے لے گئی۔

وہاں سے واپس آکر اس نے ہالے کو گھر سے نکال دیا اور کہہ دیا خود بخود تو نے اس گھر میں
قدم رکھا تو۔

پھر وہ پر میلا کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا منہ دھلایا۔ کپڑے بدلوائے کھانا کھلایا اور پھر بار
سے بولی۔ ہے بھاری کیا حال بنا ہے تیرا۔ ہے میں کیا کروں یہ لڑکا پاقتوں سے نکلا ہوا ہے۔ میں
بس مار بیٹھ ہی کر سکتی ہوں۔ مار کھا لیتے ہے پر اپنا چلا نہیں چھوڑتا۔ یہ بتا لڑکی کل رات کو اس
نے۔

وہ رک گئی۔ پھر بولی۔ تو آجی تھی تا یہاں اس نے۔
وہ پھر رگ گئی۔

پر میلا نے سر جھکایا، جھکائے رکھا۔

اس کے بعد جب پر میلا احمد اس سے بہت باتوں ہو گئی تھی، جب وہ اس کی ہر بات کا
آواز نہ جواب دینے لگی تھی۔ تب احمد اس نے کئی بار اس سے یہی سوال کیا تھا، بار بار کیا تھا
لیکن جب بھی وہ یہ سوال پوچھتی پر میلا سر جھکاتی۔ اس کے چہرے یا انداز سے کبھی پتہ نہ چلا
تھا کہ اس رات کیا ہوا تھا، کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں۔ یہ تفصیل آج تک سرستہ راز رہی تھی۔

اگر پر میلا ابھی سی جنبش سے سر ہلا دیتی، چاہے فنی یا لہجہ میں یا اس کے چہرے پر نفرت
تھارت، فصد یا شرم کا جذبہ، جھک جاتا تو احمد اس کے سینے سے بوجھ اتار جاتا، لیکن ایسا نہ ہوا۔

وہ کسی بھی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ ایک دانی پر دہلی لڑکی تھی۔ بی۔ اے کر چکی تھی۔ فصل و
موسم اور فصل کے اسے خوبصورت کما جاسکے، لیکن تھی بڑی چاہت نظر اور اتنی جلیبی تھی
تھی کہ اس کی طرف سے کوئی تھی۔

وہ اپنے آپ کو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
سکھاتا نہ ہوتا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ اپنے آپ کے اندر اندر پر میلا گھر میں چھائی گئی کہ احمد اس ہر بات اس کے مشورے سے
کرتا تھا۔

وہ اپنے آپ کو موسیٰ کا کہتی تھی۔ موسیٰ بیٹے کو گھر سے نکالے
تھا کہ اس کا منہ وہ اپنے چاہتے کے گھر دیتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

وہ اپنے آپ کو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
سکھاتا نہ ہوتا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ اپنے آپ کے اندر اندر پر میلا گھر میں چھائی گئی کہ احمد اس ہر بات اس کے مشورے سے
کرتا تھا۔

وہ اپنے آپ کو موسیٰ کا کہتی تھی۔ موسیٰ بیٹے کو گھر سے نکالے
تھا کہ اس کا منہ وہ اپنے چاہتے کے گھر دیتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

وہ اپنے آپ کو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
سکھاتا نہ ہوتا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ اپنے آپ کے اندر اندر پر میلا گھر میں چھائی گئی کہ احمد اس ہر بات اس کے مشورے سے
کرتا تھا۔

وہ اپنے آپ کو موسیٰ کا کہتی تھی۔ موسیٰ بیٹے کو گھر سے نکالے
تھا کہ اس کا منہ وہ اپنے چاہتے کے گھر دیتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

وہ اپنے آپ کو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
سکھاتا نہ ہوتا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ کہتی تھی 'اے لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکی کو اپنے ہاتھ کاٹھانے پر مجبور کر رکھا

پھونسا دیا۔ وہ نہ شرافت گھر پر گزارنے لگا۔

تو کوئی اسے نہیں لے جاسکتا۔

سکھ میجر بولا لڑکی کو گلی میں لے آؤ۔

پریشانی چلا کر پول میں گئی میں نہیں آؤں گی۔

تم اندر آ جاؤ۔ سردار لیں نے کہا۔

سکھ۔ مہراجی میں کھٹ پر بیٹھ گیا۔ خالہ سرداراں پریشانیاں کو سہارا دیے ڈانڈا،

میں لے آئی۔

سکھ۔ مہجریو لا۔ ہم لڑکی سے اکیلے میں ملیں گے۔

خالد سردار ایں بولی ساری بات میرے سامنے ہوگی۔ اے میں اپنی بیٹی کو غیروں کے ہاں

میں کیسے دے دوں بھلا۔

سکھ میجر نے پوچھا لڑکی تو کیوں نہیں جانا چاہتی۔

پریشان نے جواب دیا۔ کیوں کا کیا مطلب ہے بس میں نہیں جانتا ہوں۔

سکھ میجر نے کہا، لڑکی تم پر دہشت ڈال رہا ہے۔

پریشماں نے جواب دیا، 'میں مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں۔'

پھر بڑے پوڑھے آگئے، وہ سب اصرار کرنے لگے۔ ہولے تھے کوئی زبردستی نہیں ہے۔

کا' تو صرف اتنا بتا دے کہ تو کیوں نہیں جانا چاہتی۔

پریشماں سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر کے بعد سرائٹا کر بول، میں صرف ایک صورت میں

اں کہ میرا بھائی جو امرتسر میں رہتا ہے وہ آکر مجھے لے جائے۔

وہ نہیں آسکتا۔ مہاجر غریب۔ راستے بند ہیں۔

تو نہ آئے، وہ بولی میں یہاں خوش ہوں بہت خوش ہوں۔

یہ سن کر خالہ سرداروں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

تجھے ہم پر اعتبار نہیں کیا، سکھ میجر نے گویا دھمکی دی۔

نہیں وہ پوئی۔

جنت پر منگتہ طاری ہو گیا۔

مجھے پتہ ہے کیسوں میں کیا ہوتا ہے' پر ہنماں نے کہا۔

کتابخانه ملی افغانستان

ان آداب سے وداع ہونے لگیں تو قصبے کے سب لوگ وہاں موجود تھے۔

ہندوؤں کی آوازیں گلو گیر تھیں۔

..... کو دواغ کر کے گھر لوٹ تو دیکھا کہ یہ میلا بیٹھی گولی کے کپڑے دھو رہی

تو سے زمین نکل گی، بولی تو کہاں تھیں رہی برملے تو نے تو میری عزت

 ω_1, ω_2

کی جس "سٹریٹ" پہلوں کی "وہ بولی۔

۱۸۷۲ء میں کرپس سنی تھی۔

1. $\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$

250,000

[illegible]

— ۱۷۷ —

اس دن میں نہیں جاؤں گی۔ اس روز پہلی مرتبہ پر میلانے احمد اس کو مانتا ہی کہا تھا۔

تھے کہ پڑوسن کی لڑکی چلو آگئی۔ آتے ہی بولی، میں جتاؤں یہ کہیں

اللہ کے گھر کے پاس جو چھتا گدا مالہ ہے وہیں۔

وہاں سے ہونٹ پر انگلی رکھ لی۔ سارا دن تو گندے ٹالے میں بیٹھی رہی۔ تیرا

ابھی آٹھ دن ہی ہوئے تھے کہ ایک واٹھی والا مسلمان میجر ٹک لے کر آ

سرداروں کے گھر جا پہنچا۔ پمیتاں سے کہنے لگا۔ تیرے بھائی کا دوست

میرے ساتھ چلے گی۔

۱۰۰ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰

1994

ہماری بات ہے۔ ہماری بات کے ہاتھ میں دینے کا وعدہ کرے تو۔

نیں واؤمی ولے میجر نے کہا میں پڑا کرے پارہا نہیں سکتا۔

تو پھر میں جاتوں کی پرتیاں نے جواب دیا۔

اچھا بہن میجر بولا۔ چاہے کچھ ہی نہیں نہ ہو جائے۔ میں خود تجھے امر ترسلے کر جاؤں گا اور تیری ہائے میرے بھائی کے ہاتھ میں پکڑا کر آؤں گا۔

پھر میجر احمد اس سے ملا۔ اسے سمجھایا کہ اگر ہندو لڑکیاں دوسرے نہ گئیں تو مسلمان لڑکیاں دوسرے کیسے آئیں گی۔ میں شام کو پھر آؤں گا تو سوچ لے۔

اسی شام جب وہ سارے ڈاکٹنگ ٹیمپل پر بیٹھے چائے پی رہے تھے تو واؤمی والا میجر پھر آیا بولا۔ بہن پر میلا میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

پر میلا نے آنکھ اٹھا کر میجر کی طرف دیکھا اور ہلکی ہلکی رو مکی۔ پھر اس نے احمد اس کی طرف دیکھا۔ احمد اس سر جھکا کے بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گھل پر دھسک آئے۔

میجر بولا اگر تو نہ چائے گی پر میلا تو دوسری مسلمان لڑکیاں نہیں آئیں گی۔ مسلمانوں کی عزت کا سوال ہے۔

تم مجھے مسلمان کیوں نہیں کر لیتے۔ پر میلا نے منت کی۔

میجر جراتی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

پر میلا نے آخری مرتبہ احمد اس کی طرف دیکھا۔ بولی۔ مجھ سے کتنا بڑا مذاق کیا جا رہا ہے۔ موسیٰ جب میں ہندو تھی تو مجھے مسلمان زبردستی اٹھا لائے۔ اب جب میں دل سے مسلمان ہو رہی ہوں تو تم مجھے ہندوؤں کے حوالے کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر وہ دواؤں مار کر روئے گئی۔

احمد اس نے محسوس کیا جیسے اس کا سینہ پھٹا جا رہا ہو۔

پھر بالے کا شہید پاش پاش ہو گیا۔ بولا پر میلا مجھے اپنے ساتھ لے چل۔

اس پر پر میلا نے اک چپ ماری اور اچھل کر بے دم کر بالے کو گتے لگایا۔

احمد اس اور میجر کے کہنے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

شاہ کاکو کا بابا

شاہ کاکو کا بابا ایک بڑے بڑے مالدار اور ایک بڑے بڑے مالدار کے بیٹے تھے۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔

ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔

ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔

ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔

ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔

ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔ ان کے پاس ایک بڑا بڑا گھر تھا۔

دیرین پڑے تھے۔ کہیں سے ہانسی یا ماسیجے کی آواز میں آ رہی تھی۔ پہری پر کوئی رادہ نہیں چل رہا تھا۔ نہ ہی ڈھور ڈھوروں کے گھگھے کی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جب میں لاہور سے چلا تھا تو میرے ذہن میں صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک کٹا صندوق اور ایک خوبصورت ہنسی، لیکن انہیں آپد میں دونوں چیزیں میرے دل سے نکل گئی تھیں۔

میں صرف اس لیے انہیں آپد کیا تھا کہ خود پر یہ ثابت کر دوں کہ میں مسلمان ہوں، مگر ہندو کے پیٹ میں چھرا گھونپ دوں، لیکن انہیں آپد میں یوں محسوس کر رہا تھا جیسے ہندو

تقریباً ایک سال پہلے جب لاہور میں سکھوں اور ہندوؤں نے پہلا جلوس نکالا تو اس اذراہ اتفاق احمد بشیر کے ساتھ مل روڈ پر گھوم رہا تھا۔

اگر دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ اتنا بڑا جلوس نکلی کہا نہیں۔ سکھ انہیں لہرا رہے

گئیں تھیں، نہ بازار وہ بازار تھے، نہ محلہ وہ محلہ تھا۔ محلے والوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔
 ہندوؤں کے بی مہاراج میں دھولس ملوث تھی جس مہاراج، ذرا خرنیشتر فورس کو یہاں
 سے چاہیے وہ بی مہاراج۔
 سارے شہر کے مسلمان اپنے گھروں میں یوں بیٹھے تھے جیسے مسافر ہوں۔ ایک چھوٹے
 اعلان نے مسلمان اکثریت کے علاقے کو یوں ہلا دیا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

سراب

دفترا، گاڑی کو شدید جھکا لگا۔ میں اچھل کر سامنے والی سیٹ پر جا کر۔ پھر میں نے اٹھ کر
 کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا۔ پر ایسے ہوا۔ میں سمجھا لاہور آگیا ہے۔
 اٹھارہ میں گاڑی سے اتر گیا۔ سوچنے لگا یہ کس پابٹ قائم پر گاڑی کھڑی کی ہے انہوں نے۔
 ریشیوں کی طرف چلتے ہوئے دفترا، مجھے خیال آیا کہ وہ جو تلوں کی قطار میں نے کھانا
 سے دیکھی تھی۔ وہ کیا ہوئی اور وہ ٹی سٹل۔ گیٹ پر جلی حوض میں کھانا کھا ہوا تھا۔
 مڑا کہ گاڑی میں پھر سے بیٹھ جاؤں، لیکن گاڑی جا چکی تھی۔ لائن خالی پڑی تھی۔ شیشیں دیر
 تھا۔

پھر دور سے ایک جھولتی ہوئی حق کھانسی دی جو میری چاہ آ رہی تھی۔ دب وہ قریب
 تو میں نے دیکھا کہ ایک دھلا پٹا نہ فرق آدمی میرے سامنے کھڑا ہے۔
 یہ کون سا شیش ہے۔ میں نے پوچھا۔

کھانا کھاؤ۔

لاہور یہاں سے کتنی دور ہے۔

دو شیش آگے۔

آپ کون ہیں۔

اشیش ماسٹر۔

لاہور کو گاڑی کب جائے گی۔

دب پٹے آدمی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ بولا آپ تو لاہور کی گاڑی سے

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

میرے ساتھ چلے۔
 (اگر وہ چاہے)

پراسرار وہ

وہ میرے پاس آکر رک گیا۔ بولا آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں۔ میرے ساتھ چلے۔

[illegible]

سے، 'نہیں اتر کیا۔ تو نے دیکھا کہ تیلوں کی قطار کھڑی ہے۔ سٹال پر لوگ چائے پی رہے تھے۔
دیکھا تھا نہ تو سمجھا لاہور آگیا ہے۔ تو گاڑی سے اتر گیا۔

یہ سن کر میرے ذہن کا فیورڈ اڑ گیا۔ کیا تم نے مجھے یہاں اتارا ہے جو اب دو۔

دہائی تھی مگر میں کمانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ دن دار غرض دینے سے ہٹ چکا تھا۔
تھے۔ پشاور نے مزید دیکھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان دنوں کاروبار شپ ہو چکے تھے۔ کوکڑ
کی توجہ یا تو ان دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے پر مرکوز تھی جو ہندو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور یا
دھنی لٹے پٹے مہاجرین کی طرف لگی ہوئی تھی جو مشرقی پنجاب سے لاہور تہج رہے تھے۔

جاگتے کے خواب

ان دنوں نوکری تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے دل میں کئی بار آ رہا
پیدا ہوتی تھی۔ کہ کسی ہندو کے مکان میں چپکے سے کس جاؤں اور وہاں سے سارا مل اکٹھا
کے لے آؤں۔

پھر اہل آگنی۔ اسے دیکھ کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس کی تمام تر مظلومیت اور دکھ میرا
وجہ سے تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا اس کے باوجود میں محسوس کرتا تھا۔
میرے طور طریقے سے ناخوش ہو۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اہل کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

اہل چلی گئی تو میں میرے جاگتے کے خواب دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔
جاگتے میں خواب دیکھنا میری طبی کمزوری تھی 'ایک بیماری' ایک کہیں۔ فن خوابوں
تین موضوع تھے۔ 'دکان' 'دولت' 'شہرت'۔

وہ بات سامنے تھی جہاں جو لوگ زندگی میں کچھ کر دکھانے کی ہمت نہیں رکھتے
حاکم کی بے رحم دغا کو بنا کر فیئٹسی کی مدد سے ایک اپنا جہان بنا لیتے ہیں اور خوابوں
سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔

جاگتے کے خوابوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آنکھ نہیں کھلتی۔ جوں جوں چنگ
ترہوتے جاگتے ہیں۔ ان دنوں خوابوں میں پہچانت پیدا ہوتی جاتی ہے۔

وہ بھی تھی مگر میں کمانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ دن دار غرض دینے سے ہٹ چکا تھا۔
تھے۔ پشاور نے مزید دیکھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان دنوں کاروبار شپ ہو چکے تھے۔ کوکڑ
کی توجہ یا تو ان دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے پر مرکوز تھی جو ہندو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور یا
دھنی لٹے پٹے مہاجرین کی طرف لگی ہوئی تھی جو مشرقی پنجاب سے لاہور تہج رہے تھے۔

اس نے انہار تھا۔ ریلوئی کیپس کے لیے متروک کی ضرورت ہے جو مہاجرین کو حوصلہ
تھا۔ ریل کو تھمت دیں۔ چچے مجید ملک کانڈٹ ریلوئی کیپس لکھا ہوا تھا۔
تمام تمام تر توجہ مجید ملک پر مرکوز ہو گئی۔ مجھے یہ خیال نہ آیا کہ کہ میں ملازمت کی
ادائیگی ہے۔ خیال کیسے آنکھ مجید ملک میرا محبوب تھا۔

اس کی طرف متوجہ ہو کر میں نے ساری کو کو دیا تھا۔ ساری چینی رو گئی تھی
میرا بھائی ہے۔ 'میرا بھائی ہے اور بھائی کا کام بہن سے محبت کرنا نہیں ہوتا
اور تو اسی کرنا ہوتا ہے اور تجھے میں پتہ کہ خیر خواہی کے جنون میں لوگ کیا کیا نہیں
کرتے۔ ہائی ہے بار بار مجھے گائیڈ کی تھی کہ مجید ملک سے نہ ملنا اس سے بچ کر رہنا اس کی
اور قدر ہاں ہے کہ وہ تجھے اپنی جانب متوجہ کر لے گا۔ وہ پیش منظر بن جائے گا اور
اگر وہ جاؤں گی۔

ان دنوں چالیس دہائی رہی لیکن میں مجید ملک کی جانب پڑھتا گیا پڑھتا گیا اور پھر اس کی
رہیں۔ بہنو میں ڈوب گیا۔ وہ مجید ملک۔
اس کے بعد میں ریلوئی کیپ کانڈٹ کے دفتر میں مجید ملک کے سامنے بیٹھا تھا۔
'مجید ملک مجھے دیکھ کر چلایا۔ تشریف رکھیے، تشریف رکھیے۔ کیا نہیں گے
میں۔

رائسہ راجہ میاں کپ

UrduPhoto.com

میں نے انہیں دیکھ کر شدت سے محسوس کیا کہ اگر وہ فداوات میں مرجھاتے تو بہتر ہو۔
یوں زندگی کے سوتے خشک ہو جانے کے بعد زندہ لاشوں کی طرح چنے چٹائے میں نے
بحرِ بھری محسوس کی۔

رہنویوں کا یہ اتہود کی ایک کھیں میں بٹا ہوں قتل شاید پانچ یا سات کپ تھے۔

میری قیناتی کپ نمبر ایک میں ہوئی تھی جو فیوژن پور روڈ پر برب سڑک واقع تھا۔
لیے میں کپ نمبر ایک میں گھومتا رہا، دیکھتا رہا، دیکھتا رہا حتیٰ کہ مزید دیکھنے کی ہمت نہ رہی
دکھ سے بھر گیا۔ ذہن پر بے غام غم کے ہل چلائے۔ پھر میں یوں چل پھر رہا تھا جیسے اپنے
قتل۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

پاکستان کے خلاف

ان دنوں میرا شعور بچتہ نہ تھا مجھے پاؤں کا علم نہ تھا، میں اس حقیقت سے واقف نہ تھا
قیام پاکستان پر جتنا بھی گفت خون ہوا تھا، وہ رہا تھا، وہ پاکستان کی بنیادوں پر چلنے کی کام
تھا، پاکستان کی بنیادوں کو بچاتے رہا تھا، اس کے قیام کو مضبوط تر کر رہا تھا، اس کو زائید و مستحکم
استحکام بخش رہا تھا۔

قدرت نے ہندو کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا، عدم تشدد کے داعی کو تشدد پر ابھارا تھا
اس نئی اسلامی مملکت کو لپٹے پاؤں پر کھڑا ہونے کی قوت حاصل ہو چاہے۔

ان دنوں میں جس ایک دانشور قتل چنوں کو پرکھنے کے لیے میرے پاس صرف ایک
تھی۔ محلِ دولہ کی مرنی۔

میں سمجھتا تھا کہ محفلِ دولہا انہیں کی واحد دہریہ ہے، اس کا واحد امتیاز ہے۔ ان دنوں

میں نے انہیں دیکھ کر شدت سے محسوس کیا کہ اگر وہ فداوات میں مرجھاتے تو بہتر ہو۔
یوں زندگی کے سوتے خشک ہو جانے کے بعد زندہ لاشوں کی طرح چنے چٹائے میں نے
بحرِ بھری محسوس کی۔

رہنویوں کا یہ اتہود کی ایک کھیں میں بٹا ہوں قتل شاید پانچ یا سات کپ تھے۔
میری قیناتی کپ نمبر ایک میں ہوئی تھی جو فیوژن پور روڈ پر برب سڑک واقع تھا۔
لیے میں کپ نمبر ایک میں گھومتا رہا، دیکھتا رہا، دیکھتا رہا حتیٰ کہ مزید دیکھنے کی ہمت نہ رہی
دکھ سے بھر گیا۔ ذہن پر بے غام غم کے ہل چلائے۔ پھر میں یوں چل پھر رہا تھا جیسے اپنے
قتل۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھنٹیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا۔
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

وہ ابھرنے لگی، ابھرتی گئی۔ حتیٰ کہ ساری کائنات پر چھا گئی۔ میں بھول گیا کہ کون کیوں وہاں آیا ہوں، وہ جگہ کون سی جگہ ہے، ساری کائنات میں صرف وہ فرد باقی رہ گئے ایک باشندہ، جو بالکل معدوم ہوا جا رہا تھا اور ایک وہ جو فرش سے عرش تک محیط و مسلط تھی وہ جگہوں کی ایک شیار تھی۔

اس کا قد لمبا تھا، جسم بھرا ہوا تھا، دوانی پٹلی چارویں تھی، رنگ سانواں تھا، شخص چمکے آنکھیں مدھ بھری تھیں اور انداز میں بے نیازی کے انہار گئے ہوئے تھے۔ وہ کھڑی باتنی کی طرف دیکھ رہی تھی، کسی خیال میں اس قدر غور تھی کہ اسے پتہ بھی نہ تھا کہ سامنے کوا شخص سمٹ سمٹ کر ہاتھ پیریں چکا ہے اور مسلسل اس کی طرف دیکھے جا رہا ہے۔ عام عورت کی طرف تنگی کی پاندھ کر دیکھو تو وہ دیاں چونک کر متوجہ ہوتی ہے جیسے کانٹا ہو، لیکن وہ جیسا اتنی بے نیاز تھی کہ اسے پتہ بھی نہ چلا۔

پھر دفعتاً گویا وہ جاگ پڑی۔ اس کی نگاہیں باتنی سے لوٹ آئیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ کچھ اس طرح کہ یہ کیا ہے۔ پھر اس کی نگاہ میں حقیر بھرا جسم جھلک اٹھی جتنے کاٹ کر رکھ گئی، جیسے اس کی نگاہ کہہ رہی ہو تو تو کیا ہے۔ ایک پلٹا کیزل پھر وہ میری اور دیکھنے میں داخل ہو گئی۔

دفعتاً مجھے ہوش آیا۔ شیار کی اس ایک نگاہ نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ میں نے اپنے ٹکڑے پنے انہیں ڈوڑا اور پھر چپ چاپ بائیکل پر سوار ہو کر گھر کی چل پڑا۔

دو مظلوم

گھر جا کر میں چار پائی پر ڈھیر ہو گیا۔ میری بیوی اقبال بیگم میری طرف دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ بات کیا ہے۔ اقبال بیگم اور میں ایک ہی گھر میں اٹھتے رہتے تھے، رشتے کے لحاظ سے ہم بھائی تھے، لیکن اس کے علاوہ ہم دونوں ایک دوسرے سے انہی تھے، ایک دوسرے سے۔

گرم اور ہمدردی سے بھرا ہوا جسم۔ اقبال نیلم مجھے وہ کاشٹیکسٹ میانہ کر سکی تھی۔

اس کی سب سے بڑی خوشی یہ تھی کہ میں اسے ہاتھ نہ لگائے لیکن اس کے پاس ہاتھ نہیں کرے۔ ہاتھ نہ لگے۔ چونکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھی اور مجلسی زندگی سے گریز کرتی تھی۔ اس لیے اقبال نیلم کی باتیں رسی باتیں تھیں۔ رکھ رکھاؤ کی باتیں، لین دین کی باتیں۔ مناسب اور غیر مناسب سے متعلق باتیں، ان باتوں سے مجھے قلبی دل چسپی نہ تھی۔ لہذا میں مجبور تھا کہ اقبال سمجھتی تھی کہ وہ ایک بد نصیب اور مظلوم عورت ہے۔

دراصل دونوں ہی مظلوم تھے۔

اقبال کو ان دنوں مجھ سے یہ شکایت تھی۔ کہ میں کھٹ پر پڑا سوچ میں ڈوبا رہتا تھا۔ نہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔

اقبال میرے سرہانے آگڑی ہوئی۔ بولی، آپ کچھ کرتے کیوں نہیں۔

میں چونک کر جاگا۔ کیا اکروں میں نے پوچھا۔

نوکری تلاش کرو۔ اس طرح کب تک گزارہ ہو گا۔

نوکری کو مل گئی ہے۔ میں نے کہا۔

مل گئی ہے، وہ حیرت سے چلائی۔

ہاں مل گئی ہے۔

مجھے کیوں نہ بتایا کہ مل گئی ہے۔

مجھے خیال نہیں رہا۔

ایسی بے خیالی بھی کیل۔

ہاں غلطی ہوئی۔ کل ہی تو ملی تھی آفر۔ ابھی اس کے جواب میں ہاں کرنا باقی ہے۔

ہاں کرنا باقی ہے۔

میں نے جیب سے مجید ملک کا خط نکالا۔ یہ آفر ہے، میں نے کہا۔

وہ کیا ہوتی ہے آفر۔

خط ہوتا ہے، میں نے خط لہراتے ہوئے کہا۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

خصوصیات میرے ذہن کی آئیڈیل عورت کی خصوصیات تھیں۔ ہر مرد کے ذہن میں آئیڈیل عورت ہوتی ہے۔ جس کی تلاش میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔

میں نے زندگی میں کئی ایک عورتیں کی تھیں، لیکن مجھے کبھی اپنی آئیڈیل عورت نہیں مل سکی تھی۔

ہر مرد کی بہت سے کوائف منقوہ ہوتے ہیں۔ میں کسی لڑکی سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ میرا نگاہ میں یوں تھی جیسی کہ پچھلے بچے کا پچھلے بچے کے پچھلے بچے کی طرح۔ ایک لڑکی کے سپرد دنیا میری دانت میں ایک اعتقاد بات تھی۔ عورت کی سب سے خصوصیت ایک گویہ، ہمدردی بھری، متاثر بھری گود۔

وہ مرد، لڑکی کی محبت کے خواہاں ہو سکتے ہیں، جو اسے اپنے اپنے لیے کے خواہش مند ہوں۔ کے آگے بڑھنے کی گزردہ دیکھتے ہوں، جو اس کے محبوب بننا چاہتے ہوں۔

میں محبوب طبیعت کا مالک نہ تھا۔ عورت کو اپنا لینے کا خواہش مند نہ تھا۔ لانا میری تھی کہ میں اپنا آپ صرف اس کے حوالے کروں، جسے شعور ہو کہ آپ سے کیسے برتاؤ کرنا ہے۔ آپ کے محبت کے مطالبات کیا ہیں۔ کس طرح آپ کو جذبہ محبت سے سرشار رکھنا ہے۔

جذبہ محبت کے قیام اور استحکام کے لیے صرف محبت کرنے کا عمل ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ کافی نہیں ہوتی مجھے محبت کے جذبہ سے سرشار رکھنے کے لیے بے وفائی کی دھمکی اڑیں تھی۔

میری محبت کے کوائف میں عورت کا شیار ہونا ضروری تھا۔ میں صرف متاثر بھری سے محبت کر سکتا تھا۔

میری محبت کے کوائف کے حلقہ میں دوسری اہم بات یہ تھی کہ محبوب کے خطاب میں ہونے لگے ہوں۔ میں اپنی قوت کا مالک نہیں تھا کہ تجھ سے زور پر ان ابھرے ہوئے کلمات کہتا رہتا۔ میرا مطلب تھا کہ محبوب عملی طور پر ان باتوں کو ابھارے اور اپنے برتاؤ میں کی گئیں تاکہ۔ اور ان میں بے پروائی پیدا کرے اور اگر محبت کے پس منظر میں انتخاب

مجی ہو جائے تو یہاں لے۔

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

مجھے علم نہ تھا کہ عورت سے پار پار ڈسے جانا میرا مقدر ہے۔

اگر میں تمکا ہا نہ ہوتا۔ تو رنٹوچی کیسپ کی اس خیال کو دیکھ کر وہیں دھڑکار کر بیٹھ جاتا جس طرح میرے دوست مسیح نے کیا تھا۔

سمیع اور خانہ بدوش

صبح بھی عورت کا ڈراما تھا۔ اسے ابھی سیری طرح عورت سے ڈسے چلے جا بہنوں تھا۔ وہ بھی محبت کے میدان کا ہار ہوا سپاہی تھا۔ اس نے بھی اپنی زندگی کو نئے خطوط پر چلانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس نے ایک ٹیک اور ایک عورت سے شادی کر لی تھی اور وہ عرصہ سات سال کے سکون گمبویہ زندگی بسر کر رہا تھا اس وقت ان کے چار بچے تھے۔ میاں بیوی میں اتفاق تھا محبت تھی۔ مگر میں اطمینان اور سکون کا دور دورہ تھا۔

پھر ایک دن دروازہ بجلا اس وقت سچ دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سچ باہر نکلا۔
 دروازے پر وہ ————— کھڑی تھی۔

وہ ایک خانہ بدوش عورت تھی۔

پہنیں اس ایک ساعت میں کیا کیا اسرار و رموز عمل میں آئے۔ غلغلو بدوش نے اپنا دُک و کھلا۔ سچے نے لپٹائی ہوئی نظریں سے دُک کی طرف دیکھا۔ شاید اس مختصر سی ملاقات کے کوئی کئی مختلف ہوں۔ ہر سال وہ کوئی کئی بار اڑتے۔ غلغلو بدوش نے بے زبانی کی زبان میں جو کچھ کہا وہ سچے نے سنا۔ اتنی توجہ سے سنا کہ وہ اس کے دل کی گہرائیوں میں جا کر اس کے اسرار پر چھا گیا۔

پھر خانہ بدوش بل پڑی اور سمجھ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اس کے بعد سمجھ اپنے گھر :
پہنچا۔ اس کے دوست اور رفیقے دار سمجھ کی تلاش میں نکلے۔

سجی کی تلاش کو مشکل نہ تھی۔ شہر کے لوگوں نے جگہ جگہ مکانوں کے دروازوں پر اسے خانہ بدوش کے چپے چپے ہاتھ دیے۔

محمود خان بدوشوں کے ڈیرے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ڈیرے کی حدود سے باہر سب

اس کے پاس بیکار تھی۔ سوائی کیپیڈٹر تک تک چل رہے تھے۔ اس الملو کے پانچوہو

ہلک کر چپ چپ کرتی ہیں، جیسے جتا اور ہل چپ چپ کیا کرتے تھے۔
میرے دو دو جتا اور ہل آکر بڑے ہوئے۔

پال سے میں بڑے گھر میں حلاف ہوا تھا۔ ہل کا چرو ہلک ہی ہلک تھا۔ اتنی لمبی اور لمبی
نیچے تک پھیلی ہوئی ہلک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چرے پر تو ہلک ہوتی
پال کے چرے پر ہلک تھا۔

شاید وہ ہلک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھتا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، اتنا دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہلک کر جیسے کا عادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانی نہ بتاتا پتہ نہیں پال نے راز دانی کے لیے از خود میرا
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا ہل ایک روز پال نے ترک میں آکر کہہ دیا پتہ ہے میں جیسے
جا رہا ہوں۔

ہل تم اپنے پھوپھاکے گھر جا رہے ہو۔

پھوپھو تو فوت ہو گئی ہے۔ پھوپھانے ہی کر لی ہے۔ اب یہ پھوپھاکا گھر نہیں ہے پال۔

کہ۔

تو بھر تم جانتے کیوں ہو؟ میں نے پوچھا۔

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

ہلک کر چپ چپ کرتی ہیں، جیسے جتا اور ہل چپ چپ کیا کرتے تھے۔
میرے دو دو جتا اور ہل آکر بڑے ہوئے۔

پال سے میں بڑے گھر میں حلاف ہوا تھا۔ ہل کا چرو ہلک ہی ہلک تھا۔ اتنی لمبی اور لمبی
نیچے تک پھیلی ہوئی ہلک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چرے پر تو ہلک ہوتی
پال کے چرے پر ہلک تھا۔

شاید وہ ہلک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھتا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، اتنا دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہلک کر جیسے کا عادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانی نہ بتاتا پتہ نہیں پال نے راز دانی کے لیے از خود میرا
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا ہل ایک روز پال نے ترک میں آکر کہہ دیا پتہ ہے میں جیسے
جا رہا ہوں۔

ہل تم اپنے پھوپھاکے گھر جا رہے ہو۔
پھوپھو تو فوت ہو گئی ہے۔ پھوپھانے ہی کر لی ہے۔ اب یہ پھوپھاکا گھر نہیں ہے پال۔
کہ۔
تو بھر تم جانتے کیوں ہو؟ میں نے پوچھا۔

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

تم سامنے نہیں آتی۔ پال نے اپنی ٹوپی سے پوچھا۔
کھڑی تو ہوں، بادلوں میں کسی نے سسکی بھری۔

دودھ آیا کرو۔

کوئی آنے دے گی۔

سوچتی ہے دینی ہو۔

اونٹوں۔

ابا سے۔

اونٹوں۔

کس سے۔

کسی نے نہیں۔

وہ گھر سے نکل دے گی۔

اللہ کرے۔

پھر کیا کرو گی۔

کچھ نہیں۔

دل چاہی۔

اس گھر میں رہنے کی نسبت اچھا ہو گا۔

ابا نہیں اپناتے کیا۔

اپناتے ہیں۔ سوچتی کو۔

اُور تمہیں۔

کوئی نہیں۔ دودھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔

میں جو ہوں۔

منہ زبانی۔ کواڑ میں ڈاکر دھار تھی۔

ایک بجلی سی گری، پال، کچا، ترپا، دبا، غاموشی چھائے رہی، لیکن وہ ترپ سارے سسکی

تھک چکا تھا۔ پال نے تھکا کر ترپ سے سارا آگن بھرا ہوا ہے، لیکن وہ یوں مطمئن تھی،
کہ اس نے اس کی سسکی سنی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کے ہاتھ پر اسرار، لفظ، میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

بیگ جاتا۔

شروع شروع میں تو میں اس صورت حال سے گھبراہٹ ہی محسوس کرتا رہا تھا، لیکن پھر لذت آنے لگی۔ عجیب لذت تھی وہ دکھ میں لپٹے ہوئے رویوں کی لذت۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں کسی لڑکی کو اپنا روگ بنا لوں اور پھر آنسوؤں سے بیگلی بیگلی ہاتھیں کروں۔ آہوں اور اے کے چال میں پھنس کر رہوں۔ شاید اسی لیے میں نے جیتا سے اکیلے میں بیٹے کی کوشش کی وہ ایک بار۔

ہائیں۔ تم بھی

جیتا میں نے پوچھا تھا، تم چاہتی کیا ہو۔

کچھ بھی نہیں۔

پھر بال سے ملاقاتوں کا مقصد۔

برہادی اور کیا۔

کیوں۔

بس۔

چل تم سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتا۔

پتہ نہیں۔

تم اسے کتنی کیوں نہیں۔

کیا۔

کہ مجھ سے بیاہ کر لو۔

جیتا نے، 'ہاں' مٹی جیسی چلی گئی۔ میں نے پہلی مرتبہ اسے ہنسنے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ اس طرح سرخ ہو رہا تھا کہ میں جیسے ہسٹرا کا دردہ پڑ گیا ہو۔ اس کے بلو جوڑیوں گھٹا تھا جیسے وہ دوسرے کسی کے عالم میں ہو۔ خوشی اس کے آنکھ سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی۔ جیڑی نے اسے دیکھتا رہا۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

اس روز مجھے احساس ہوا تھا کہ دہی عورت کی اپیل سنی خوشگ اور جوان نہ کن ہوئی
وہ اپنا ہند بند کر رکھ دیتی ہے لیکن اس کٹ میں سنی لذت ہوتی ہے۔
کیپ دہی عورتوں سے بھرا ہوا قلعہ میرا ہی چاہتا تھا کہ ان کے پاس چاہیوں۔ دل
کے جذبات سے اس رہا قلعہ جتنا میرے دردد آکڑی ہوئی اس کا بادیا قلعہ کو نہ جتا۔
سارا بسپ، ٹنٹوں سے بھر جاتا مجھے ایسے لگتا جیسے دہی عورت کا راز افشاں ہو گیا ہو۔

گڈ ٹائم

کیپ میں ہنوز عورتیں کہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ ہوں گی تو بہت لیکن بیچے
جدا جاتے ان کی ہنسی پر دکھ کے غلاف چڑھا رکھے تھے ہنسی کی دھار رنگ آنسو ہو چکی تھی
ویسے بھی مجھے ہنوز عورت سے دلچسپی نہ تھی ہنسی فرحت ضرور پیدا کرتی ہے لیکن
ایک سٹپلی جذبہ ہے۔ اس کا گھٹا نہیں ہو سکتا اس کے برعکس بھلا میں گھرے گھٹا کا
تکاب پر منوں پھول پیچنک دو تو وہ ارتعاش پیدا نہیں ہوتا جو ایک پتھر پھینکنے سے ہوتا ہے
اس لیے آج کل کی ٹوٹھ پیٹ مسکرائیں صرف گڈ ٹائم کی دعوت دے سکتی ہیں اور بس
ٹائم کے بعد تھلائی اور بھی گہری ہو جاتی ہے اور خاموشی اور بھی بوجھل
پرانے زمانے کی عورت بڑی سیاتی تھی وہ گڈ ٹائم سے دامن پھاتی تھی۔ اسے چہ قلعہ
کے بعد خاموشی ستا بنا جاتی ہے۔ جس سے بچنے کے لیے پھرے شور پیدا کرنے کی
جاتی ہے۔ اور یوں شور اور سانسے کا ساکیں چلتا ہے۔ چلا رہتا ہے جس میں عورت ڈو
ہے ڈوبے جاتی ہے۔

کیپ میں گڈ ٹائم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قلعہ ماجرین مدے کے عالم میں تھے۔
ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کا زانیہ مدے میں بھی خاموش نہیں ہو سکتا تک
ہے لیکن ایسی عورتیں زیادہ تر تھک چکی ہیں پیدلوار ہیں، دیں کیپ میں تو صرف
عورتیں تھیں۔

بہر حال کیپ کے کلاسک مزاج بھی اسلامی اور قومی جذبات سے اس قدر پھینکے ہوئے

اس دن رہا قلعہ کیسے رہتا؟ چاروں طرف دکھ کا سمندر تھا نہیں بار رہا ہو
اور اسی دن تو خشکی کے چھوٹے چھوٹے زبرے بھی بچکے بغیر میں رہتے۔
میں نے گھڑوں میں کارندوں کے ہاتھوں زیادتیاں ہوتی تھیں لیکن یہ زیادتیاں
میں نے گڈ ٹائم کی نیت سے نہیں۔
جب دونوں فریق شعوری طور گڈ ٹائم کی طرف قدم

دہی

دہی بہرہ دہی کی تھی۔ جذبہ بہرہ دہی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت
وقت سے ہے کہ وہ بدل لیتا ہے۔ پٹ سے چٹ ہو جاتا ہے شہل کی طرف
پٹ کا کڑب کڑب کی طرف بنے لگتا ہے اور اس میں تیرے دلا جوڑا اٹھ جاتے
دوب جاتا ہے۔ ڈوب جاتا ہے۔ ڈوب جاتا ہے۔

دہی بہرہ دہی سے۔ دو ایک باغزت وکیل تھے۔ دہی صراط مستقیم ہی صراط مستقیم
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ میاں سر حلیم شرم کو اپنا بیٹے تھے۔ دہی بہرہ دہی
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ پھر ایک روز رات گئے ایک برقعہ پوش خاتون وکیل صاحب
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔

دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔
ان کے پاس کبھی کوئی موکل ایسا نہ آیا تھا جو بات کیے بغیر پھوٹ پھوٹ کر
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔

دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔

دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔
دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔ دہی بہرہ دہی کے راج کرنے والی بیگم تھی۔

نوشاب بات کے بغیر روٹی رہی، روٹی رہی یہاں تک کہ ظفر محمود نوشابہ کے آنسوؤں سے سر پاؤں تک بیگم گئے۔

پھر وہ بول گئے کہ وہ مکمل تھے اور ان کے سامنے موکا بیٹھی تھی۔

ظفر محمود نے زندگی بھر سے یہ دیکھی تھی، لیکن وہ دکھ سے بھی سرشار نہ ہوئے تھے۔ چونکہ پردیش کا ساحل تھا، ان کی نگاہ میں صرف ایک زاویہ نظر تھا، قانونی دلوں ان کی توجہ بھی موکل کے دکھ پر مرکوز نہ ہوتی تھی۔ دکھ کے جیسے اڑتے رہتے تھے اور وہ قانون کی چمڑی لگائے، جیسے سے محفوظ رہتے۔

اگر اس روز نوشابہ بھی آتے ہی بات پیچیدہ رہتی تو ظفر محمود کی توجہ بات کے قانونی پہلو پر نہ ہوتی۔ قانون کی چمڑی مکمل جاتی، پھر چاہے نوشابہ کتنے ہی آنسو بٹاتی، چاہے آہوں اور کراہوں سے مارے کمرے کو بھر دیتی، اس سے کچھ فرق نہ پڑتا۔

بے چاری نوشابہ بھی نہ جانے میں مادی گئی تھی۔

نوشابہ ادویز عری عورت تھی۔ ان عورتوں میں سے تھی جن پر ادویز عریں ہمار آتی ہیں۔ اس نسائی ہمار کے متعلق کوئی اصول نہیں چلتا، کسی پر تو جوانی میں آجاتی ہے، کسی پر جوانی ہی آتی ہے، کسی پر ادویز عریں، کسی پر سرے سے آتی ہی نہیں۔

آج کل تو خیر "لڑکی دودھ" ہے۔ ہر لڑکی خوف زدہ رہتی ہے کہ کہیں نسائی ہمار نہ آجائے۔ وہ اس کو کشش میں لگی رہتی ہے کہ سدا لڑکی ہی رہے۔

پر اسے ناپوں میں صدیوں خیال کا دور دورہ ہوا، نسائی ہمار کی دھوم رہی۔ لوگ لڑکی کو دور دورہ اقتباس سمجھتے تھے، اس لیے لڑکیوں کو دماغ میں مانگتے تھیں کہ نوشابی ہی میں ہمار آجائے۔ دلوں میں ہمار یا بلوم عورت کی کائنات تھی۔ یہی خواہش تھی کہ جلد عورت بن جائوں۔ وقت کی بات ہے۔ آج کل لڑکی کو صرف ایک ڈر ہے۔ ہر وقت کا ڈر کہ کہیں عورت نہ بن جائوں۔

یہ رہا پات تو نوشابہ کی ہو رہی تھی۔ نوشابہ پورے جین پر تھی۔ اس جین میں چھپو، رہا پن نہ تھا۔ وہ ایک معزز خاتون تھی۔ وہ ظفر محمود کے پاس ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے یا اسے کاہل لانے کے خیال سے نہیں آئی تھی، بلکہ اسے تو اس راز کا پتا ہی نہ تھا کہ ہمدردی کا جذبہ

وہ ایک اختیار کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس سے بڑے بڑے

ظفر محمود پہل تو بڑے اضطراب میں اس کے سامنے کھڑے رہے پھر وہ اس قدر بیگم ہوئے تھے۔ چونکہ پردیش کا ساحل تھا، ان کی نگاہ میں صرف ایک زاویہ نظر تھا، قانونی دلوں ان کی توجہ بھی موکل کے دکھ پر مرکوز نہ ہوتی تھی۔ دکھ کے جیسے اڑتے رہتے تھے اور وہ قانون کی چمڑی لگائے، جیسے سے محفوظ رہتے۔

اگر اس روز نوشابہ بھی آتے ہی بات پیچیدہ رہتی تو ظفر محمود کی توجہ بات کے قانونی پہلو پر نہ ہوتی۔ قانون کی چمڑی مکمل جاتی، پھر چاہے نوشابہ کتنے ہی آنسو بٹاتی، چاہے آہوں اور کراہوں سے مارے کمرے کو بھر دیتی، اس سے کچھ فرق نہ پڑتا۔

بے چاری نوشابہ بھی نہ جانے میں مادی گئی تھی۔

نوشابہ ادویز عری عورت تھی۔ ان عورتوں میں سے تھی جن پر ادویز عریں ہمار آتی ہیں۔ اس نسائی ہمار کے متعلق کوئی اصول نہیں چلتا، کسی پر تو جوانی میں آجاتی ہے، کسی پر جوانی ہی آتی ہے، کسی پر ادویز عریں، کسی پر سرے سے آتی ہی نہیں۔

آج کل تو خیر "لڑکی دودھ" ہے۔ ہر لڑکی خوف زدہ رہتی ہے کہ کہیں نسائی ہمار نہ آجائے۔ وہ اس کو کشش میں لگی رہتی ہے کہ سدا لڑکی ہی رہے۔

پر اسے ناپوں میں صدیوں خیال کا دور دورہ ہوا، نسائی ہمار کی دھوم رہی۔ لوگ لڑکی کو دور دورہ اقتباس سمجھتے تھے، اس لیے لڑکیوں کو دماغ میں مانگتے تھیں کہ نوشابی ہی میں ہمار آجائے۔ دلوں میں ہمار یا بلوم عورت کی کائنات تھی۔ یہی خواہش تھی کہ جلد عورت بن جائوں۔ وقت کی بات ہے۔ آج کل لڑکی کو صرف ایک ڈر ہے۔ ہر وقت کا ڈر کہ کہیں عورت نہ بن جائوں۔

یہ رہا پات تو نوشابہ کی ہو رہی تھی۔ نوشابہ پورے جین پر تھی۔ اس جین میں چھپو، رہا پن نہ تھا۔ وہ ایک معزز خاتون تھی۔ وہ ظفر محمود کے پاس ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے یا اسے کاہل لانے کے خیال سے نہیں آئی تھی، بلکہ اسے تو اس راز کا پتا ہی نہ تھا کہ ہمدردی کا جذبہ

وہ ایک اختیار کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس سے بڑے بڑے

زندگی بھر میں اس کی تلاش میں سرگرداں تھا۔
 آج وہ میرے دروازے کھڑی تھی۔
 کتنا عظیم اتفاق تھا۔
 مجھے اپنی نگاہ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
 دیر تک میں اپنے آپ کو چٹکیاں بھرتا رہا کہ سو تو نہیں رہا یہ عالم خواب تو نہیں ہے۔

خند ملی والیاں

میرے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تو مجھ پر حواگی اور سپردگی کا جنون مسلط ہو جاتا تھا۔
 میں ایک مجذوب ہوں۔ محبت کا جذبہ طاری ہوتا تو اندر کا مجذوب، عقل و
 حواس کو ہار کر باہر نکل آتا۔ اس وقت صرف ایک خواہش بھوت بن کر سوار ہو جاتی
 کہ میرے دروازے پر کھڑی ہو جائے۔ سب کچھ دیوی کی بھیشت

میں صرف ایک خواہش پیدا ہوتی تھی صرف لمس کی خواہش "ہیشن"
 ازاں پڑ لوں یا ہاتھ تھم لوں۔ میری زندگی کے بہترین لمحات وہ تھے جب میں
 ایسا رہتا تھا یا اس کے پاؤں سے کیلا رہتا تھا اور شزاروے کے جسم کی خوشبو
 میرے گتے کھیرے رکھتی۔ چھٹی رات تھی۔

خواہش مروانہ نہیں، بلکہ نسلی خواہش ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا ہائے کہ
 خواہش مروانہ کے زور پر قائم ہے۔

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چلتا ہے، طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا میلہ آئے گا دوسرا میلہ آئے گا۔

طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں نہیں ہو سکتیں، ٹنڈر ٹس نہیں ہوتی۔ ہوتا ہے، روانی نہیں ہوتی، جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو تا تو محبت کی بجلی کے پینچے روشن میں گزر رہ جالتے شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنہ نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہر حال مجھ میں نسائی کھلی کھلی زیادہ ہی ناگنی تھی۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ اہلی کزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری کھلیائی کا وار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو شعل کو محسوس کرے، پردہ کی بجائے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ اہلی صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دونوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔ محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی نکٹش پیدا نہ ہوتی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہر نکٹش کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ بیچارے میرے اندر نکٹش بچھو رہی تھی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاؤں گا۔ اس بار کی طرف چاؤں گا، جہاں وہ رہتی ہے۔

بارگاہ میں چلا میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لگا کر میرے ہٹ کر دو اور پھر صاحبزادے سے باتیں کر دوں۔ ایسی باتیں جو ان میں اچھا لگتا، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکلا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چلتا ہے، طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا میلہ آئے گا دوسرا میلہ آئے گا۔

طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں نہیں ہو سکتیں، ٹنڈر ٹس نہیں ہوتی۔ ہوتا ہے، روانی نہیں ہوتی، جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو تا تو محبت کی بجلی کے پینچے روشن میں گزر رہ جالتے شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنہ نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہر حال مجھ میں نسائی کھلی کھلی زیادہ ہی ناگنی تھی۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ اہلی کزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری کھلیائی کا وار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو شعل کو محسوس کرے، پردہ کی بجائے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ اہلی صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دونوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔ محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی نکٹش پیدا نہ ہوتی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہر نکٹش کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ بیچارے میرے اندر نکٹش بچھو رہی تھی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاؤں گا۔ اس بار کی طرف چاؤں گا، جہاں وہ رہتی ہے۔

بارگاہ میں چلا میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لگا کر میرے ہٹ کر دو اور پھر صاحبزادے سے باتیں کر دوں۔ ایسی باتیں جو ان میں اچھا لگتا، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکلا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے

اس اللہ ماری دیوار کی طرف "وہ بولی۔

ہاں! "اے کیا پتہ کہ سامنے کون کھڑی ہے۔ میں نے پھر منہ
 نہ دیا۔" (پتہ لگایا اور گھر لے کر آیا۔)

”دوبول“ دیکھ سکتی ہے۔“

میری طرف دیکھو جن کرکڑی ہوگی۔ میری کوئی حد

میں اسے جانتا ہوں۔ سالہا سال سے جانتا ہوں۔ میں اٹھ کر

میرے لیے ایک بھاری مگدون اٹھائے دیکھ کر دفعتاً شادو میرے
 لیے شادو کی شادو ہوئی ہٹ جاؤ، آگے سے ہٹ جاؤ، میرے ذہن میں
 شادو کی شادو ہو گئی۔

ہم نے اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بھی چیز دیکھی تھی۔
 اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بھی چیز دیکھی تھی۔

و منظر میرے ذہن پر ہمیشہ کے لیے

ہے "تو دیکھنے دے۔ تیرا کیا لیتا ہے پھر وہ تن کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی "اے دیکھ! اور
دیکھ! اور اسے دیکھ" وہ پہلا دن تھا جب اس کے ہونٹوں پر حقیر نہ تھی۔

”دیکھئے یہ کیا ہوتا ہے۔“ چانچا۔ وہ چچا سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”تو جانتا تھا کہ یہ ہے۔“ اسے دیکھ کر میری طرف اشارہ کر کے بولی ”یہ ہے چارہ کیا دیکھتے گا۔“

ساری بارک کے لوگ منہ اٹھا کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔

”میرا اپنا بے چارہ“

مجھے یاد نہیں کہ کب اور کیسے میں اپنے ہائیٹل تک پہنچا، وہ راستہ کیسے بڑا کھلے
 پھر جب میں بڑی سڑک پر سائیکل چلا رہا تھا تو اچانک میری گردن اٹھی
 قہقہے، آنکھوں میں چمک تھی، وہ منٹوں پہ لپٹا سائیکس تھا۔

عام حالات میں اس روز کے واقعہ کو میں اپنی توہین سمجھتا۔ میری گردن لٹک جاتی، اور

میں تو اسے اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔ میاں نے پہلی مرتبہ میرا ٹوٹا لیا تھا، مجھے اپنا قتلہ سمجھ کر ہار" پر غصہ نہیں کیا تھا۔ جب اس نے بے چارہ کا قاتل تو اس کی ساری ہمت اس کے بھڑکائی تھی۔ نہیں نہیں "اس نے غلطی بے چارہ نہیں کیا تھا۔ "میرا اپنا بے چارہ" کا قاتل۔ لوگوں نے چارہ کہہ کر اپنا لے تو پھر بے چارہ" بے چارہ نہیں رہتا۔ بے چارہ تو وہ رہتا ہے۔

فانی ہو۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اس طرح نہت بھرا
 خمی۔ مجھے ہی دیکھتا ہے تاہم ادا کیا لیتا ہے۔ "اور پھر اس نے لکھنویوں سے کہا "اے ادا
 اور اس سے بھی "اور اس سے بھی۔" "کیونکہ انہوں نے دیکھ۔" "پاک می بیٹے،

مگر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے اس مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ اور وہ دروازہ کھڑکی پر

دوپہر سے شام پڑ گئی لیکن میں دیکھتا ہی رہا۔ دیکھتا ہی رہا۔ پھر میری بیوی برسے قر

"اور کس بات کا؟" رضائے پھر اپنی ہانک تک گھمائی۔

"پتہ نہیں مل رہا دھک دھک کرتا ہے۔"

"تو پھر تو کٹلی والیاں نہ چلے۔"

"کیوں۔"

"اس علاقے کے لوگ اونچے لمبے ہوتے ہیں۔ لوسر جنبیاں واقعی ہیں۔ دھک دھک

لوہے چلے یہ بدن پائے پکڑ لیں تو چھڑائی نہ جائے۔"

"اچھا۔" میرا دل دھک دھک کرنے لگا میری آنکھوں کے سامنے لوہی لمبی بھرے

جنبیاں آکڑی ہوئیں۔ جی چاہئے لگا کہ کوئی میری ہانہ پکڑ لے، ایسی پکڑ لے کہ پھر پڑا

جائے۔

"یہ جی آکھیں کہ ہر گنگ گئیں۔" رضائے کہہ

میں چونک پڑا۔ "میں نہیں کچھ بھی نہیں۔"

"بہل پھر بنا چاہتا ہے کیا۔"

"کیوں۔"

"لوسر کٹلی والیاں ہیں۔"

"کیا وہی واقعی کٹلی والیاں واقعی ہیں۔"

"مجھے کیا پتہ؟" رضابولا۔ "چل چل کر دیکھ لیں گی۔"

"اور اگر وہاں پائی ہو سکتی تو۔"

"میں جو تیرے ساتھ ہوں گے۔" رضائے مجھے حوصلہ دیا۔

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ ساری رات کٹلی والیاں میرے گرد بختی رہیں اور

امید پر کھڑا رہا کہ کوئی میری ہانہ پکڑ لے، ایسی کہ چھڑائی نہ جائے۔

دراصل میں ایک تخیلی فرد تھا۔ میرا جسم ٹھنڈا تھا اور ذہن گرم۔ سارے جسم

ذہن میں بھل ہو جی گی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

"میں نہیں کٹلی والیاں پہنچے تو دوسرا کا وقت تھا۔ محمود ہمیں بڑے تپاک سے

لوہی لے گا۔"

"اور میں دور تھی، جسے وہ لوگ مروانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔"

"میں نے اپنی بات آدمی بیٹھے تھے۔ جب ہم آئیے ہوئے تو اتر بند نے محمود کا

لوہی لے لیا۔ تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کرتے تھے؟ وہ جی کٹلی والیاں۔"

"میں نے اپنی بات آکھیں رہے تھے۔ محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

کرتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کہا کہ میں جی کٹلی والیاں۔" محمود کا پ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پائی پت

لے گا۔

"وہائی سے ڈرتا ہے۔" ارشد نے منہ بیٹھا۔

"ہاں۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی اور دیرانتی ہے کہ اکیلے دو جوانوں کا ساتھ لے کر آئے ہوتے رہتے آئے یہ وہ نہیں بانی۔ شر کا ایک غٹھا پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس نے دھمکیوں دی تھوڑے ڈانگ مار کر اس کی ہانہ توڑ دی۔"

نہ نہ نہ نہ ارشد بولا۔ اپنی تو صلیب بند آوی ہیں اس پہلو ان کو چھو کسی لور کی بات رضا اور میں بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ رضا کے انداز میں یہ تھی۔ لیکن میرا دل دھک دھک کر رہا تھا میں چاہتا تھا کہ محمود اس "پت" یا "کا قصہ" سناتا دیر عورت پر میری چل چلتی تھی۔ پتہ نہیں کیوں شر کا پیچھے ہٹ جانے والی عورت دلچسپی نہ تھی۔ آگے بڑھ کر ہانہ پکڑ لینے والی عورت سے مجھے عشق اتنے سارے مردوں میں آگے بڑھ کر کے۔ مجھے ہی دیکھنا ہے۔ بد دیکھنے دے، تجھے کیا ہے۔"

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ میں جرات نہ تھی۔ میں تنہا کر ڈر کر پیچھے ہٹ والا مرد تھا۔ اس لیے میری آواز تھی کہ کوئی ایسی ہو جو آگے بڑھ کر ہانہ پکڑ لے، ایسے چھڑائی نہ جاسکے۔

پھر محمود ہمیں اپنے کیتوں میں لے گیا۔ وہاں ایک بار پھر رشوک کی بات چل پڑی اور سارا وجود گویا کلن بن گیا۔

"شاد بڑے میرے بڑے بھائی کی نظر تھی۔" محمود زہر لب بولا "لیکن اس نے نہ کر دیا پتہ میرے گھر میں میرا گزارہ نہیں، میں تو کسی اپنے پیسے کے گھر جاؤں گی۔ نخل پر گھڑ نہیں لگتی۔"

بھائی نے کہا "نخل کی تو تو خود ہے۔" کہنے لگی "تو مجھے ایسا دیکھے ہے جیسا میں دیکھتی دیکھے پر نہیں جاتے، اصل پر جاتے ہیں، تو مجھے نہیں جانتا۔"

محمود نے پھر سے بات شروع کی اس علاقے کا چھاپا پچھانا ڈاکو چرا ہے۔ چرے نے کہا شاد وہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے۔ تو۔ یہاں آ جا میرے پاس، میرے گھر والی بن کر۔

لے گا۔

"وہائی سے ڈرتا ہے۔" محمود نے جواب دیا۔ جیسا پھر گیا۔ اس نے کھانا بھیجا جو آپ نہ آئے گی تو اس نے اس کے اڑان کا شوق لے کر کہا "اسے کہہ دیا ہے شک آ جا۔ پر اکیلے آنا بے خبری میں رہتا ہے۔ اگر اس کی طرح۔ میں بھی کسی دوسرے کو خبر نہیں دوں گی، پھر جو تو لے جائے تو اس کے ہاتھ لگا دے گا۔ ہانہ لے کر پھر منہ پر کلک ملے رکھنا، جیون بھر۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو اس کے ہاتھ لگا دے گا، لیکن کوئی نہ دیکھتا ہے جو کا نہیں رہے گا۔"

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور قلم نہ وہ خوش تھا نہ حلقین البتہ صورت حالات پر اسے کسی آدمی
نے لکھ کرے کتا قلم کتا "میں ہار گئے تھے۔ ان کٹلی والے ساتھیوں کو رام میں
نہ کہ تو کھڑکیوں کی دروازے سے۔ ابو کرد کے کھڑکیوں کے صحن صاف نظر

چلا "ابو کو اس کی تو دوسری ٹانگ بھی تو ڈولنا گا۔"

ابو نے جیسے گاؤں میں دو راتیں بسر کرنا تھیں۔

ابو نے "ارمند ہار ہار آؤ بھر کر کتا" ہم تو میں دو روز کے لیے قید ہو گئے۔ مراد ابو

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بیگنوں کو دیکھ کر جینپ کر پیچھے نہیں ہٹتی تھیں، بلکہ ہوا
بے باکی سے کھڑی رہتیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے وہ کتنی شرمیلی ہی نہ ہوں۔ جس طرح
شرمی بیگنات خرابے والوں کے درہدیوں کھڑی رہتی ہیں جیسے وہ مردی نہ ہوں۔

وہ ایک نے تو بھور کر نہیں دیکھا تھا اور پھر محمود نے پوچھا تھا کہ کون ہیں یہ محمود کے ہوا
پر کہ مہمان ہیں شرمے آئے ہیں، تو ان کی نگاہوں میں نرمی آگئی تھی۔ ہم لکھ کر کہ وہ اپنا
کلم کلم میں مصروف ہو گئی تھیں۔

ارے! ارمند انہیں دیکھ کر چلا۔ یہ کیا چیزیں ہیں نہ ہائے، نہ لونی لٹہ۔ نہ کھر پھر
شرم نہ جینپ انہیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ کون تھیں ہیں۔ یہ ہم کہاں آجینے ہیں۔

"میں پتہ نہیں" محمود بولا۔

تو پھر یہ مردوں کو دیکھ بھائی کیوں نہیں۔

"یہ شرم والوں کو مرد نہیں سمجھتی۔" محمود بولا۔

"بڑا پیمان ہے ہمارا" ارمند بولا "عورت ذات تو محبوب ہوتی ہے اسے تو ہر مرد کو
کھینچا چاہیے۔ محمود بولا "شرمی عورت محبوب ہوتی ہے۔ گاؤں کی نہیں۔ یہاں کی عورت
تو عاشق ہوتی ہے۔ کوئی بلادر اولہ بے نیاز مرکز ہائے تو اسے دیکھ لے گی۔ ہر کسی کو نہ دیکھتی ہے
نہ اپنا آپ دکھاتی ہے۔"

کچھ دیر ہم گاؤں میں گھومتے پھرے۔

مجھے صرف ایک لگن تھی ہوئی تھی کہ کسی طرح شادو نظر آئے، لیکن اس کے گھر کا دروازہ
باہر سے بند تھا۔

"کیس باہر گئی ہوئی ہے۔" شادو "محمود نے بند دروازے کو دیکھ کر کہا۔

شادو کے گھر کے سامنے کچھ دیر تک ہم منڈلاتے رہے، لیکن وہ نہ آئی۔ گاؤں کی گھوڑوں
میں اول تو گھومنا پھرنا بہت میسب ہوتا ہے، کھڑے رہنا تو پاگل ہی جہاننا فعل ہے، لہذا وہاں
زیادہ دیر کے لیے رکا ممکن نہ تھا۔

چہاڑے میں پہنچ کر میں قریب گلیہ شادو کو نہ دیکھنے کی وجہ سے مجھ پر ایسی چمٹکی ہوئی
تھی۔ ارمند تو گاؤں میں آکر اپنی تمام تر حیثیت کو چکا تھا۔ "لا حول ولا قوہ" وہ مٹکنا رہا تھا یہ

ہاں لیکن "اور ان کے گیت اتنی جی سربوں والے تھے کہ ایسے معلوم پڑا تھا
جیسے کہ وہاں رہتی ہوں۔

"ارمند چلا رہا تھا۔" بہت دھوکا ہوا ہم سے۔ یہ کٹنل والیوں تو بڈل

”نکس۔“

”میں چپ چاپ کھڑی سے لگا دیکھے جا رہا تھا۔“

”تو کیا دیکھ رہا ہے؟“ رضیہ بار بار مجھ سے پوچھتا۔

”اے کیا پتہ کہ دیکھنے والی چیز کیا ہوتی ہے۔ بالکل کورا تھا۔ وہ تو میں نے آج
باقاعدہ بس دنگر لے کر نکلتے، پھر کہیں کچھ سدھ بدھ پیدا ہوئی۔ کیوں بے جگ ہے یا نہیں
میری تمام تر توجہ پردوس کے گھر کی طرف مرکوز تھی۔ میں اس امید پر کھڑی سے لگا
کہ شاید شاید نظر آ جائے۔“

پردوس والے گھر کا صحن چاندنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ صحن کی ایک جانب درخت
چھپر سا پڑا تھا۔ چھپر میں چوہا نما بل رہا تھا ایک اندھی لالہ میں کے گرد دوسرے حرکت کر
تھے۔ کبھی کبھی ایک سایہ درمیان والی دیوار پر آکھڑا ہوتا اور دیوار کے اوپر سے محمود کے گھر
جھانکتا، لیکن ایسے دوسرے سے دیکھنا کہ گیس کی روشنی اس کے چہرے پر نہیں پڑتی تھی۔
”اے ننگے ارجمند چلایا“ کیوں اپنی آنکھیں خراب کر رہا ہے تو بھلا دوسرے رکھائی
تھے تو دیکھ رہا ہے۔“

”یہ شاید کوڑھوڑ رہا ہے۔“ رضیہ نے کہا۔

”اے اپنی میں بیٹھی ہوئی کس سے جو قہر کلاس مال نیچے صحن میں ڈھیر ہو رہا ہے۔
مجھ آئی ہیں کو یہ محمود ہے یا نہیں مجھوں میں وہ کراس کا شیڈرؤ کتنا ہو گیا ہے۔“

ارجمند نے لپک کر مجھے اٹھایا اور چارپائی پر دے مارا۔ کیوں خواہ مخواہ اپنا پتھر پھینک
ہے تو دوسرے کی حرکت نہیں ہوگی۔ بیٹھ میں تاش کھیلے آرام سے۔
کچھ دیر تک ہم تاش کھیلنے رہے پھر آکر سو گئے۔

جیرا ڈاکو

رات کو کسی نے میرے شانے جھنجھوڑے۔ میں ڈر کر اٹھ بیٹھا دیکھا کہ رضیہ مجھ پر بڑا
ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔

"خیردار" شاید چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چھڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔
"خیردار" شاید چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چھڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

زنانی اور جنسٹرا

میں ۲۵ سال پہلے واقعہ سے ملازمین کے ساتھ "از سر نو چٹا رہا تھا۔" چپے کی طرح انگوٹھی لے کر کھڑی ہو گئی۔ رک چلا وہ کپ والوں کو دیکھ کر کسی نے حرکت کی تو میں نے اسے زبان دی ہے۔ مجھے اپنا وعدہ بھانا تھا کہ میں اس کے پیچھے چل پڑا، جس طرح کنڈلی والیاں میں بھرا شادو کے پیچھے چلی تھیں۔ گورا سہت بھاگ رہا تھا۔ اور پیچھے چھٹی ہوئی تھو مجھ سے چٹنی چاری تھی۔ "دور ہے" اور دور ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ "اٹھ اٹھ پوچھ رہی تھی۔"

میں نے کہا کہ "نہ کمر کر کلا۔"

میں نے کہا کہ "پہننے۔"

میں نے کہا کہ "میرے پر چلا۔"

میں نے کہا کہ "دور سے اور دور سے۔"

میں نے کہا کہ "دور سے اور دور سے۔"

میں نے کہا کہ "میرے پر چلا۔"

میں نے کہا کہ "میرے پر چلا۔"

ساری رات کنڈلی والیوں میں چہ پارے سے شادو کو دیکھا رہا۔ چاندنی سے بھرے درخت کے نیچے شادو میری بنی پکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ میرا جی ہمارا بے بسی میری بنی پکڑے بیٹھی رہے، بیٹھی رہے، اور اسی طرح زندگی بیت جائے۔

جائے سینے

چہ پارے کی کمری سے میں خود ہی اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور ویزے میں "دور سے" خود ہی شادو کے ہاتھوں میں اپنی کلائی تھامے بیٹھا تھا۔ ہر چند منٹ کے بعد میں کلائی چھڑانے کی شدید جدوجہد کرتا تھا۔ ساتھ ہی ڈرتا کہ کہیں وہ کلائی چھوڑ نہ دے، کھیل گزرنے جائے، کہیں لمس لوٹ نہ جائے، کہیں شادو اس کھیل سے آگاہ نہ جائے، کہیں اس پر بھید نہ کھل جائے کہ یہ مقابلہ میں کھیل ہے، ایک ایسا کھیل۔ کی ساری سنجیدگیوں قربان کی چاکنی ہیں۔

یہ شادو جس نے میری بنی پکڑ رکھی تھی، کنڈلی والیوں کی شادو نہ تھی، بلکہ تھی۔ سادہ رشتہ، جیسے نقش کھانے والی آنکھیں اور ایک عجیب شان ہے نیازی

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "پہننے،" اور "پہننے" میں آگاہی تھیں۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

ہیں۔

یہ تو سارے خواب معلوم دیتے ہیں، وہ بولی۔ پیٹ خراب نہیں کچھ اور خراب ہے۔
 کرو نہیں پڑی۔

دھنسا، ٹٹو سامنے آکھڑی ہوئی، بولی یہ بے چاری تو معصوم ہے، اسے کیا پتہ خواب اور
 سے بحث کیوں کرتا ہے تو۔

نہیں نہیں جہاد وہم ہے، میں نے اقبال بیگم سے کما کئی بات نہیں۔
 بات تو آپ کے ہاتھ پر لکھی ہوئی ہے، اس نے جواب دیا۔

کچھ کہتی ہے، ٹٹو مسکرائی، بات ہاتھ پر لکھی جاتی ہے، چھپانے سے نہیں چھپتی۔ اور
 ماتا تو اتنا بڑا ہے۔

میرے ہاتھ پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا، میں نے اقبال سے کہا۔
 ٹٹو قہقہہ مار کر ہنسی۔

آپ سے کون سر کھپائے، اقبال بیگم نے آہ بھری۔ آپ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔
 بے وقوف ہوں جو بات کرتی ہوں۔ جب سننے والا ہی موجود نہیں، تو بات کرنے کا فائدہ...

ہوئی جلی جلی۔
 اگلے روز صبح سویرے ہی میں کیمپ کی طرف چل پڑا۔ صبح کے وقت میرا دوپٹا کوئی

تھا۔ اور کام تو میں نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ کام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس
 میں کیمپ میں باقاعدگی سے جاتا تھا۔

حسب معمول میں کیمپ مینٹ سے نکل کر اوپر کو چل پڑا۔
 اتنی قریب۔ اتنی دور

دھنسا، میں رک گیا۔ دنگر کے چاہر، بالکل ایک طرف، وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی
 رہی تھی۔ ایک دو ٹانگے لگا کر پھر دور نہ چلے کہ درخت کیسے گتے، دیکھتی رہتی، دیکھتی رہتی،

جیسے کوئی ہوا اور سلائی کا کپڑا وہ میں پڑا رہتا، پڑا رہتا، پھر وہ چوتھی، لمبی، آہ بھرتی اور پھر
 اٹھا کر سیتے گتے۔

UrduPhoto.com
 UrduPhoto.com

کیوں۔
میں چھان دیکھتی ہوں کیا۔
مجھے کیا پتہ میں سے کیا۔
مجھے تو کچھ نہیں پتہ وہ پھر بننے لگا۔ پھر بولی ہمارے گاؤں کی چھتیاں ایسی ہی
کہ بس دیکھتے رہو میدے سندھو سے گندے ہوئے منہ یہ ذات چوڑے لٹا رہا
دع کہ دیکھا نہ جائے انہیں کوئی نہیں کتا تھا مجھے اچھی گنتی ہے۔ ہر کوئی مجھے ہی
پتہ نہیں کیا ہے میرے میں کہ لوگ کہتے ہیں تو ہمیں اچھی گنتی ہے۔ ہر راہ گیر بٹ
ہے۔ جو مجھے پتہ چلے کہ وہ کیا چیز ہے تو میں اسے نکل کر باہر پھینک دوں۔ میں بڑی اچھی
بڑی دیکھتی ہوں اس اتنے گنتے کی وجہ سے۔ اس نے ایک لمبی ٹھوہری پھر تو بھی یہی کہا
تو مجھے اچھی گنتی ہے۔
اور کیا کہوں۔

یہ اچھا لگتا مجھے کہا گیا کھنک کا نیکہ لگا ہے میرے ماتھے پر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

جب میں پھوٹی تھی تو زمیندار چھان کا لڑکا مجھ سے کھیل کر آتا تھا ہر وقت میرے پیچھے

لور لور۔ ہزار لور لور ہوتی پر وہ کہتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ میں جو کتنی وہی

میں جو چیز چاہتی کہیں نہ کہیں سے لے آتا۔ پھر پلا کئے لگا چڑی اب تو جوں ہو گئی ہے تو تو

سے نہ کھیل کر۔ میں نے اس کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دیا۔ وہ رک گئی اور اچھیلیں میں

موڑنے لگی۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر وہ لڑکا ہمارے گھر کے ارد گرد مڑتا رہا چار ایک دن مڑتا رہا۔ اٹا نے کہا ہاں

کھادے کہ ہمارے گھر کے پکڑ نہ لگائے لوگ کیا کہیں گے۔

پھر تو اس سے ملی کیا میں نے پوچھا۔

ہاں ٹی۔ بیو نے جواب دیا میں نے کہا اب تو نہ آیا کر اور۔

جواب میں وہ بٹ بٹ میرے منہ کی طرف دیکھ رہا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

اور دیکھا کہ اوپر چڑی کا بڑا سا چوہے کی طرف جھانک رہا تھا۔

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

یہاں سے آکر لڑکی چھان گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے میں نے خود کو نہیں میں

ہمیراسیاں

پھر وہ اپنا ہاتھ چڑی سے بات پھرے شروع کی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا، پہ نہیں لیا۔ پھر وہ دھڑا کر دھڑکے گھر کے سامنے بیٹھ گیا، لپٹا کھنکھائی، یہ میں کیاں بیٹھ گیا میری سیسیوں نے کہا چڑی خود یہ تیرے لیے بیٹھا ہے۔ اس پر میں ڈر گئی، 'اب کیا، میرے دل میں کتر پھرنے ہوئے گی۔ یہ بتا میرے لیے بیٹھا ہے، میرے لیے۔ اس وقت کھوں کے سامنے مزہ باز کچیلوں پر گئے ہوئے تھے کھانسی کے دن تھے۔ آگے بچا کر باہر نکلی۔ باہر جو نکلی تو وہ بٹ بٹ میری طرف دیکھنے لگا۔ میری طرف کیوں دیکھا ہے تو میں نے جھوٹ موٹ پوچھ لیا۔

پڑی تھی۔

کچھ دیر کے بعد نوجو نے لمبی سانس بھری۔ پھر پاکستان بن گیا اس نے کھلوا بیٹھا۔
بھی مان جاوے نہ تھے پتہ ہے۔ میں جنرل ہوں، تیرے گھوڑوں کا ایک آدمی بھی پاس
پہنچے گا۔ سیدھی طرح نہ مانے گی تو پھر میں بھی تیرا سا ہوں۔

پھر میں نے بے لنگی سے پوچھا۔

پھر کیا اس نے آہ بھری۔

کیا کام اس نے۔

جو اس نے کہا تھا کہ دکھایا اور کیا۔

کیا گھوڑوں کا کوئی آدمی نہ تھا؟ میں نے پوچھا۔

کوئی نہیں، اس نے سر لٹکی میں ہلایا۔

تو کیسے چٹکی میں نے پوچھا۔

نہ جیتی تو اچھا ہوتا چڑی نے آہ بھر کر کہا۔

کیوں؟

اب کیا دھرا ہے، اس کے منہ سے کراہی نکلی۔

کیوں، یہ جگہ نہیں آئی تھی۔

یہ ————— یہ جگہ چاہے اچھی ہو یہ میری دنیا نہیں ہے۔

یہ بیگنی دنیا ہے۔ وہ روئی۔

اچھا ————— کیوں کیوں؟

میں یہاں بازو لوگ رہتے ہیں نہ جسزے ہیں نہ دنیا میں۔

تو مجھے بات تو سنا کہ ہوا کیا؟ میں نے اس کی بہت منت کی۔

گھراؤ

پڑی تھی۔ میرے نے غلوں کو کھلا بیٹھا اگر چڑی کو

کچھ دیر کے بعد نوجو نے لمبی سانس بھری۔ پھر پاکستان بن گیا اس نے کھلوا بیٹھا۔
بھی مان جاوے نہ تھے پتہ ہے۔ میں جنرل ہوں، تیرے گھوڑوں کا ایک آدمی بھی پاس

پہنچے گا۔ سیدھی طرح نہ مانے گی تو پھر میں بھی تیرا سا ہوں۔

پھر میں نے بے لنگی سے پوچھا۔

پھر کیا اس نے آہ بھری۔

کیا کام اس نے۔

جو اس نے کہا تھا کہ دکھایا اور کیا۔

کیا گھوڑوں کا کوئی آدمی نہ تھا؟ میں نے پوچھا۔

کوئی نہیں، اس نے سر لٹکی میں ہلایا۔

تو کیسے چٹکی میں نے پوچھا۔

نہ جیتی تو اچھا ہوتا چڑی نے آہ بھر کر کہا۔

کیوں؟

اب کیا دھرا ہے، اس کے منہ سے کراہی نکلی۔

کیوں، یہ جگہ نہیں آئی تھی۔

یہ ————— یہ جگہ چاہے اچھی ہو یہ میری دنیا نہیں ہے۔

یہ بیگنی دنیا ہے۔ وہ روئی۔

اچھا ————— کیوں کیوں؟

میں یہاں بازو لوگ رہتے ہیں نہ جسزے ہیں نہ دنیا میں۔

تو مجھے بات تو سنا کہ ہوا کیا؟ میں نے اس کی بہت منت کی۔

گھراؤ

گھراؤ

گھراؤ

گھراؤ

گھراؤ

گھراؤ

نصیبی 'اس نے کہ بھری' میں پھر بچ گئی۔

وہ پھر خاموش ہو گئی۔

ہم دونوں نہ چلے کتنی دیر چپ چاپ بیٹھے رہے، بچوں لگا جیسے صدیاں بیت گئی
آسمان پر گرد کی ایک تہہ سی بدلی کی طرح چھا گئی تھی، سورج اس کی اوتار
فضا میں گرد کا گردوارا بن بھرا ہوا قند سب کچھ بھورا نظر آ رہا تھا۔ ہوا تیزی سے چلا
چاروں طرف گرد آلود دیر لپٹی چھا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے میرا شانہ پکڑ کر بھجھوڑا۔

میں نے چونک کر پیچھے دیکھا، پیچھے چڑی کا چانچا کھڑا تھا۔

ہوش کر، وہ بولا، کچھ خبر ہے بچے۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ سب تیرے ہیرو ہو رہے ہیں، یوڑے نے کہا، بڑی باری آکر تجھے دیکھ رہی ہے۔

کے پاس کیوں بیٹھا ہے۔

زنگی

کیوں نہ بیٹھے، شیرینی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ کولوں پر رکھے۔

سینہ تن گیا، آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

میں نہیں کہتا یوڑے نے کہا، وہ کہتے ہیں۔

وہ کون ہیں، چڑی نے آگے پیڑھ کر چلا کر پوچھا۔

وہ ————— جو سامنے کھڑے ہیں۔ یوڑے نے اشارہ کیا، وہ۔

ہم سے ہیں، جھکیں قدم پرے، چہرہ مات کب کے کھڑے کھڑے ہمیں کھڑے ہو۔

یہ ہاتھ جو سامنے کھڑے ہیں، چڑی با آواز بلند عقارت سے بولی۔

انہیں دھکا نہیں کھلی یوڑے بچا نے کہا، وہ اسے پکڑ لیں گے۔ وہ اسے

اکیلا ہے۔

کون کہتا ہے، یہ اکیلا ہے، شیرینی زنگی یہ اکیلا تو نہیں، میں جو اس کے ساتھ ہوں۔

آواز بکڑ کر بجے، اٹھا ہوا اور پھر بجے، ان ہاتھوں کی طرف کھینچے گئی۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

میں نے اسی کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر دکھ اور بے بسی کے اظہار گئے ہوئے تھے اور چہرہ ہو گیا ہو اور ابھی بے بس گئے تھے۔

اب کیا ہو گا بیٹا اس نے اپنی بات کو پھر دہرایا۔

اب اسی کے دل میں کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ صرف میرے لیے ڈرتی تھی کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔

پھر میری بیوی اقبال بیگم تھی۔ بنیادی طور پر وہ بھی ایک دھکی عورت تھی۔ اس کی پہلی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہونے والے خاندان نے بارہا اپنے والدین سے میری شادی نہ کر کے میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن میں باپ جیسے کے لالچ میں رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برکت کی رات دولہا گھر نہ آیا۔

سات سال اقبال بیگم بیٹھی دولہا کا انتظار کرتی رہی اس کے دل میں دولہا آنے پیدا ہو گئی۔

اقبال بیگم پڑھی لکھی نہ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کسی کے ساتھ باتیں کرے۔ رسول کی باتیں، دین لین کی باتیں، شریعت کی باتیں، چھوٹی باتیں۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو تخیل کا دارا ہوا تھا۔ اقبال بیگم گھر میں آگئی تھی۔ اس نے چھوٹی بیٹی سورا کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔

گھر میں کبھی قتل اس کی عمر چھ سال کی ہو گئی۔ وہ عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ اسے کنفیوز کر رکھا تھا۔

جب وہ تین سال کا تھا تو باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد باپ لوٹ آیا۔ میں چلی گئی۔ ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ اپنا گھون چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے اپنے گروڈیش پر غور نہیں رہا تھا۔ یہ نہیں کوئی کہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایک ویرانہ تھا۔ جہاں کے عظیم قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور تھے۔ اس سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

ان دنوں ہم اچھرے کے ایک چوہا رہے ہیں۔ یہ چوہا ایک اعلیٰ میں گھر میں ہم تین فرد اور دو بچے تھے۔

اور میں نے اسے ہی گھر کی لوکرانی بنادی گئی۔

اب کیا ہو گا بیٹا اس نے اپنی بات کو پھر دہرایا۔ اب اسی کے دل میں کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ صرف میرے لیے ڈرتی تھی کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔ پھر میری بیوی اقبال بیگم تھی۔ بنیادی طور پر وہ بھی ایک دھکی عورت تھی۔ اس کی پہلی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہونے والے خاندان نے بارہا اپنے والدین سے میری شادی نہ کر کے میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن میں باپ جیسے کے لالچ میں رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برکت کی رات دولہا گھر نہ آیا۔

سات سال اقبال بیگم بیٹھی دولہا کا انتظار کرتی رہی اس کے دل میں دولہا آنے پیدا ہو گئی۔ اقبال بیگم پڑھی لکھی نہ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کسی کے ساتھ باتیں کرے۔ رسول کی باتیں، دین لین کی باتیں، شریعت کی باتیں، چھوٹی باتیں۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو تخیل کا دارا ہوا تھا۔ اقبال بیگم گھر میں آگئی تھی۔ اس نے چھوٹی بیٹی سورا کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔

گھر میں کبھی قتل اس کی عمر چھ سال کی ہو گئی۔ وہ عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ اسے کنفیوز کر رکھا تھا۔ جب وہ تین سال کا تھا تو باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد باپ لوٹ آیا۔ میں چلی گئی۔ ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ اپنا گھون چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے اپنے گروڈیش پر غور نہیں رہا تھا۔ یہ نہیں کوئی کہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایک ویرانہ تھا۔ جہاں کے عظیم قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور تھے۔ اس سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

ان دنوں ہم اچھرے کے ایک چوہا رہے ہیں۔ یہ چوہا ایک اعلیٰ میں گھر میں ہم تین فرد اور دو بچے تھے۔

اقبال بیگم پڑھی لکھی نہ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کسی کے ساتھ باتیں کرے۔ رسول کی باتیں، دین لین کی باتیں، شریعت کی باتیں، چھوٹی باتیں۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو تخیل کا دارا ہوا تھا۔ اقبال بیگم گھر میں آگئی تھی۔ اس نے چھوٹی بیٹی سورا کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔

گھر میں کبھی قتل اس کی عمر چھ سال کی ہو گئی۔ وہ عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ اسے کنفیوز کر رکھا تھا۔ جب وہ تین سال کا تھا تو باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد باپ لوٹ آیا۔ میں چلی گئی۔ ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ اپنا گھون چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے اپنے گروڈیش پر غور نہیں رہا تھا۔ یہ نہیں کوئی کہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایک ویرانہ تھا۔ جہاں کے عظیم قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور تھے۔ اس سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

ان دنوں ہم اچھرے کے ایک چوہا رہے ہیں۔ یہ چوہا ایک اعلیٰ میں گھر میں ہم تین فرد اور دو بچے تھے۔

اقبال بیگم پڑھی لکھی نہ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کسی کے ساتھ باتیں کرے۔ رسول کی باتیں، دین لین کی باتیں، شریعت کی باتیں، چھوٹی باتیں۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو تخیل کا دارا ہوا تھا۔ اقبال بیگم گھر میں آگئی تھی۔ اس نے چھوٹی بیٹی سورا کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔

گھر میں کبھی قتل اس کی عمر چھ سال کی ہو گئی۔ وہ عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ اسے کنفیوز کر رکھا تھا۔ جب وہ تین سال کا تھا تو باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد باپ لوٹ آیا۔ میں چلی گئی۔ ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ اپنا گھون چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے اپنے گروڈیش پر غور نہیں رہا تھا۔ یہ نہیں کوئی کہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایک ویرانہ تھا۔ جہاں کے عظیم قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور تھے۔ اس سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

ان دنوں ہم اچھرے کے ایک چوہا رہے ہیں۔ یہ چوہا ایک اعلیٰ میں گھر میں ہم تین فرد اور دو بچے تھے۔

چراغ

ہمارے دل کی مادی۔ کوڑو لگا کوہ، چلیں وٹا۔
 ہمارے دل کی مادی۔ اپنا پتہ کھ کر دے گئی ہے کہ تو ماننا چاہے تو۔

ہمارے دل کی مادی۔
 ہمارے دل کی مادی۔ جی ہے، ہمارے پکڑے تو چھڑائی مشکل ہو جائے۔
 ہمارے دل کی مادی۔ 'لو تپا رہا ہے' ہمارے پکڑے تو چھڑائی چور ہو جائیں۔
 ہمارے دل کی مادی۔ نہیں۔

چار چہرے دل گھر میں ہیں بے بارو مددگار بڑا رہا مجھے یوں پڑے دیکھ کر لیں گے۔
 چور چور ہو گیا اقبال کو شب پر گیا کہ میری دُکری چھوٹ چکی ہے 'اب کیا ہو گا۔'
 مکی کچھ اور کھو گیا۔ گھر کی اداسی اور گری ہو گئی۔

شام کے وقت دروازہ بند۔
 کھولا تو میرے دروازے پر چراغ کھڑا تھا۔ جسے ہم ہمارے گلی کہا کرتے تھے۔

گلی میرا بچپن کا دوست تھا۔ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا۔ اور سونے کے سر۔
 چل نہ سکتا تھا۔

گلی اگرچہ لنگڑا تھا، لیکن قہامت دل رہا۔

جہت سے پہلے وہ امرتسر میں دکن کرتا تھا۔

تو گلی نے گھر سے پوچھا 'امرتسر سے کیسے آیا تو' امرتسر میں تو لکھنؤ۔
 کر دیے گئے۔

کوئی بات نہیں 'وہ بولا' امرتسر کا کوئی مسلمان چار ہندوؤں کو مارے بغیر نہیں رہا۔
 مارے تھے۔ اس کے بعد میں مارا بھی جاتا تو کوئی غم نہ ہوتا۔ میں بیچ گیا تھا۔
 گیا۔ اب ہم ٹوبے چار رہے ہیں۔ چار دن کے لیے یہاں رکے تھے۔ میں نے کہا تجھے مل
 گلی کے آنے سے گھر میں چل پھل ہو گئی۔

رات کو میں نے گلی سے کہا 'میرا ایک کام کرے گا۔ کپ میں جا کر پتہ لگا دو۔'
 کیا حال ہے۔ میں نے اسے ہاتھوں کی ماری گلی سنا دی۔

وہ چار بولا چور چوری سے چائے کا میز ابھیری سے نہیں جانے گا۔ تو کسی چیز
 پناہی رہے گا مگر بھر۔

اگلے روز وہ کپ سے لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک کاندھا تھا۔ کسے لگا چری تو
 حویلی میں چلی گئی ہے۔ چائے ہوئے وہ۔ یہی اپنے چاہے کو دے گئی تھی۔ کہ اگر
 آئے تو اسے دے دیتا۔

ہمارے دل کی مادی۔
 ہمارے دل کی مادی۔ 'وہ رک گیا۔ پھر بولا' ہم نے پرسوں ٹوبے جانا ہے۔ اگر تو کل
 ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔ 'اگر میرے کی مادی کے پاس۔ اس ڈنڈی پر چلا جا۔ زرا دھیان
 ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔

ہمارے دل کی مادی۔

انہوں نے یہ پتہ دیا ہے۔ کوڑو والے کھوہ کے پاس میرے کی ماڑی میں اپنی ماڑی
رہتی ہے۔

یہاں اجاڑ میں رہتی ہے کیا؟
پتہ نہیں لگائی بولا یہ جاٹ لوگ ڈرتے نہیں۔
لوہا کو دیا۔ نہ ملی تو۔

نڑا ہی بس سے والیں چلے جائیں گے یہ آخری بس ہے۔
ہمارے رائیں ہاتھ ڈنڈی سے پیاس کوڑے کاٹے پر چار ایک کپے کمر بنیوئے
لے غور سے اس آبادی کی طرف دیکھا شاید کوئی آدمی نظر آجائے۔ وہاں، ایام،
کسی گھر سے دھواں تک نہ نکل رہا تھا۔ دو منزل سے کہتے گدی کے دوسرے پہاڑوں سے
میں بھونکنے کی جی سکت نہ تھی۔

یہ گھاؤں دیکھ رہے ہو، میں نے گھٹی سے کہا۔

ہاں۔

لٹا پٹا معلوم دیتا ہے۔

ہاں۔ اب بارڈر پولیس آگئی ہے، گھٹی نے کہا اب لوگ واپس اپنے گھروں میں
گئے۔ "آہستہ آہستہ۔"

ہم پھر خاموش ہو گئے۔

کوڑو والا کھوہ دیرین پڑا تھا۔

پھر ہماری توجہ میرے کی ماڑی کی طرف مبذول ہو گئی۔ میرے کی ماڑی کی طرف دیکھا
حوالی تھی۔ جو چاروں طرف سے بند تھی۔ باہر کی چار دیواری کے پیچھے ایک بچہ کھینچ
کے ایک طرف اونچی لوہر میں دو آدمی کڑی تھیں۔

پرانی ڈرائی سی حویلی تھی۔ چلی خیل میں ایک بڑا سانپ کا دروازہ تھوڑے
جگہ جگہ تک کڑی کھینچ تھیں، جن پر سانپیں لگی ہوئی تھیں۔

باہر کی چار دیواری کا پھاٹک ٹوٹا ہوا تھا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔
صدر دروازے پر پہنچ کر گھٹی نے دُور سے دروازہ بجایا۔ مکان میں نہ

UrduPhoto.com

ہو کر ہوتی کوئی بات اپنی سمجھ میں نہیں آتی توڑی۔ پھر وہ میری طرف مڑی۔
اب یہ لڑکا گڑا ہے، اس نے مجھے ڈانڈا۔

لوہار تم بے حد حیران ہوئے۔ کسی کمرے میں کوئی سالن نہ تھا۔ سارا گھبراہٹ
ہو تھا۔

مجھے تو چڑی نے کہا مجھے پتہ تھا تو آئے مجھ۔

چڑی بھل گیا ہے، ماسی نے کہا۔ اس بے چارے کی زندگی کیوں حرام کر دو۔
گڑا بھلا۔

تجربہ کیا پتہ چڑی نے کہا۔

پہلے ماسی بولی، سب کچھ سامنے دھرا ہے۔ تجھے نہیں دکھایا، اندھ سی ہے۔

وہ لڑکھائیں اس اسی کا دم تھا، چڑی نے کہا۔ وہ خاموش ہو گئی، پھر بولی۔

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتی ہر کوئی مٹھاتا کہ

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔ جب تک جی چاہے گا رہوں گی۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔ تو کیا پائے گا وہ نہیں۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گالی بولا۔

زنگی کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔ بس اک جی کا بھید ہی تو ہوتا ہے، جو وہ کل جانتے تھے۔

رہا کیا۔

گالی تیرے مار کر چلا۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گالی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی تھی میں نے اسے چیز۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی نہ گیا تھا اور کپ میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتادی تھیں تجھے۔

وہ میرا سب سے دلی بات بنا۔

ہاں میرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آ گیا ہے۔ میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح۔ ماسی میری

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات مانوں نہ مانوں، غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، ہاں

کر۔

اور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانا ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتادی ہی نہیں اسے۔

ماں بتا دیتی ہو گی گالی نے کہا۔

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گالی بولا۔

زنگی کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔

رہا کیا۔

گالی تیرے مار کر چلا۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گالی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی تھی میں نے اسے چیز۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی نہ گیا تھا اور کپ میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتادی تھیں تجھے۔

وہ میرا سب سے دلی بات بنا۔

ہاں میرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آ گیا ہے۔ میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح۔ ماسی میری

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات مانوں نہ مانوں، غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، ہاں

کر۔

اور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانا ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتادی ہی نہیں اسے۔

ماں بتا دیتی ہو گی گالی نے کہا۔

انگریز کہتی ہے، 'مائی نے پوچھا۔

ٹی کسی کی خاطر اپنا اللہ رسول کیوں چھوڑوں۔

ہو لینا واگہر چھوڑنے کے لیے تیار ہے، 'مائی نے کہا۔

'چڑی بولی' میں کسی کا حرم کیوں چھوڑاؤں۔

تیرے کچھ پند بھی ہو، 'مائی بولی' زلفی اور مرد و حرم کے بندھن سے نہیں بندھتے۔

ہنا' میں نے چڑی سے کہا، 'تو بندھن سے بندھی ہے کہ نہیں۔ حرم کو چھوڑ۔

ایک پوچھا ہے تو نے، 'مائی ہنسی پند میں تجھے' زلفی آپ سے بندھن میں نہیں

بندھن میں چڑ جائے تو لاچار ہو جاتی ہے۔ مرد کا بندھن زلفی کو باندھ لے۔

ٹھہرے کے بندھن سے کوئی واسطہ نہیں، 'چڑی بولی۔

اب نہ بولی کی باتیں ہیں، 'مائی نے کہا۔

تجھے میرے کی قدر نہ ہوتی تو اسے لئے کے لئے یہاں چلیاں والے کیوں آتی

اگے جو کھلوا بھیجا تھا کہ ایک پارلے، 'چڑی نے کہا۔

تو مجبور ہو گئی۔ اس کی گھن، تھری، مجبوری، بیکشیدی ہوتا ہے۔ میں بھی، 'زلفی

ہو نہاں واسطے آئی تھی تھی، 'میں باپ بھائی بہنوں کو چھوڑ کر، دس سے دور۔

کا کہتی ہے تو مائی، 'گھن نے پوچھا۔

نہ دوسری باتیں ہیں، 'وہ بولی، 'جب زلفی مجبور ہو جاتی ہے۔

کے ماتر مجبور ہو آ رہے، 'زلفی، 'میں نے کہا۔

انگریز کہتی ہے، 'مائی نے پوچھا۔

ٹی کسی کی خاطر اپنا اللہ رسول کیوں چھوڑوں۔

ہو لینا واگہر چھوڑنے کے لیے تیار ہے، 'مائی نے کہا۔

'چڑی بولی' میں کسی کا حرم کیوں چھوڑاؤں۔

تیرے کچھ پند بھی ہو، 'مائی بولی' زلفی اور مرد و حرم کے بندھن سے نہیں بندھتے۔

ہنا' میں نے چڑی سے کہا، 'تو بندھن سے بندھی ہے کہ نہیں۔ حرم کو چھوڑ۔

ایک پوچھا ہے تو نے، 'مائی ہنسی پند میں تجھے' زلفی آپ سے بندھن میں نہیں

بندھن میں چڑ جائے تو لاچار ہو جاتی ہے۔ مرد کا بندھن زلفی کو باندھ لے۔

ٹھہرے کے بندھن سے کوئی واسطہ نہیں، 'چڑی بولی۔

اب نہ بولی کی باتیں ہیں، 'مائی نے کہا۔

تجھے میرے کی قدر نہ ہوتی تو اسے لئے کے لئے یہاں چلیاں والے کیوں آتی

اگے جو کھلوا بھیجا تھا کہ ایک پارلے، 'چڑی نے کہا۔

تو مجبور ہو گئی۔ اس کی گھن، تھری، مجبوری، بیکشیدی ہوتا ہے۔ میں بھی، 'زلفی

ہو نہاں واسطے آئی تھی تھی، 'میں باپ بھائی بہنوں کو چھوڑ کر، دس سے دور۔

کا کہتی ہے تو مائی، 'گھن نے پوچھا۔

نہ دوسری باتیں ہیں، 'وہ بولی، 'جب زلفی مجبور ہو جاتی ہے۔

کے ماتر مجبور ہو آ رہے، 'زلفی، 'میں نے کہا۔

قلم اس وقت نہ وہ رانی تھی نہ شیری۔ شاید اس کے لیے کہ کیپ میں وہ احساس، اس وقت تھی۔ اسے اپنے گرد و پیش پر غصہ آتا تھا یا شاید اس لیے کہ کیپ میں اس پر مرکوز رہتی تھیں۔ اور ان نگاہوں سے وہ ابھرتی اور ابھر کر رانی بن جاتی کی ماڑی کے دیرانے میں وہ سٹ کر بیٹھی ہوتی تھی۔ اس چھائی ہوئی عثمانی نے قلم پھر بھرے کا خیال بھی تو قلم اس کی تمام تر توجہ بھرے پر لگی ہوئی تھی۔ اس کے لیے کافی قبول تھا یا نہیں، لیکن بھرے کی مگن اتنی عقیم تھی، اتنی شدت پر بھرے پر لگن نے چڑی کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ اس آغوش میں وہ یوں محسوس ہوتی تھی جیسے ایک بچی ہو۔

سگری نے جگ کہا تھا، عورت صرف دو صورتوں میں مجبور ہوتی ہے، ایک سہارا دے، اعلانیہ سہارا، ساری دنیا کے خلاف اٹھ کر ہانگ دلی سہارا اور دوسرے بے کسی سے چور چور ہو کر اس کا سہارا مانگے۔

ہاں مایہ کی جگہ تھی، میں نے سوچا۔ میں نے چڑی کا سہارا مانگا تھا، اسی لیے وہ متوجہ ہوئی تھی۔ میں نے کبھی کسی عورت کو سہارا نہیں دیا۔ مجھ میں سہارا دینے کی نہیں ہے۔ میں جینوا میں ہوں۔ میں نے بیشہ اپنے پرے بے کسی طاری کر کے سہارے کی بیک مانگی ہے۔ وہ شہزادہ تھی، وہ بھی سہارا دینے کی شوقین تھی شاید اس سہارا دینے والا کوئی نہ قلم سہارا صرف وہ دے سکتا ہے جو عقیم تر ہو۔ جس کی آواز رکھ کر نگاہوں سے چمکاتا مل جائے، اپنے نگاہوں کی غمگینی اس کے کندھوں پر رکھ کر نہات مل جائے۔

کیا ہے تجھے چڑی نے مجھ سے پوچھا کس سوچ میں پڑا ہے۔ میں چوٹا کچھ بھی نہیں، میں نے جواب دیا۔

سگری اٹھ بیٹھی۔ بولی رات ہو گئی ہے۔ آج ہمیں دروازہ کھلا رکھنا ہے۔ دروازے کے پاس بیٹھ کر بہرہ دینا ہے۔

کیوں کھلا رکھوں رکھنا ہے۔ کھلی نے پوچھا۔

بھرے کو دروازہ کھلانا ہے۔ جو رات کو لوہے کا دروازہ بجا تو پاؤں دار۔

دو بھائے اور دو
گلی گھڑی تھیں۔ ہم لٹاف پر بیٹھ گئے۔
پیشہ رہے۔

اس نے سن لی تو مشکل پڑ جائے گی۔ اس لیے
کی نظر دروازے پر تھی۔ دروازے کی کھڑکی کھلی تھی۔ لوہے کی
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

پت کھول کر دروازے کے پت کھول کر دروازے کی کھڑکی کھلی تھی۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

خدا کا لگا ہے، لیکن حیرے دل میں نہیں بیٹھا۔ اسی سچ کہتی ہے، حیرے دل میں
نہیں کیوں نہیں بیٹھا۔

تجھے کیسے پتہ چلا کہ نہیں بیٹھا، میں نے پوچھا۔
جو بیٹھا ہوتا تو میں یوں بھری ہوتی جیسے گاہن بھری ہوتی ہے، پر میں تو خالی ہوں
بقین میں آ گیا ہوں۔

آتا ہے، آتا ہے، میں نے جواب دیا، اتنا آتا ہے۔ جتنا کسی اور پر نہیں آ گیا کبھی
مجھے بھی تجھ پر اتنا ہی محروسہ ہے جتنا کسی اور پر نہیں۔ میں تو دعائیں مانگتی تھی
بائے جلدی آ جائے۔

کیوں؟
تجھ سے پوچھتا تھا۔
کیا۔

کہ حیرے کو کیا جواب دوں۔
تیرا دل کیا کہتا ہے۔
میرا دل نہیں مانتا۔

تو پھر نہ کر دے، پوچھنے کا سہارا کیوں لیتی ہے۔
تجھ سے پوچھ کر دل "ہولا" ہو جائے ہے نہ۔
اب آج بھی چاچری، پیپے سے اسی کی آواز آئی۔

وہ بڑا دیر ہے تجھے، میں نے کہا۔
چڑی اٹھ بیٹھی۔
ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

پوچھ۔
جو تیرے کے ساتھ ہانا چاہے تو یہ اسی سگری تجھے جانے دے گی؟ روکے لی؟
وہ تو نہیں روکتی۔ سنہ زبانی چاہے جو مرض ہے کہے پر روکتی نہیں۔ وہ تو تجھے
نہ کہو دے، قسم ہے۔

تاریخ و جغرافیہ، ۱۹۲۷ء، ص ۱۰۷

M. S. Ghosh, A. Chakrabarti, D. K.

میں نے ان کے افسرے کہا کہ ایک سگھ لودھ آیا ہے۔

ان کے پاس سے 'سکری' نے کہا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے کہا۔

اس کی بہن کی لڑکی چڑی کا پتہ لگنے آئے ہیں وہ یکپ سے ہم ہو گئی

میں نے چلائی لیکن وہی 'پھر وہ باس ہو کر چلے گئے۔

میں نے کہا 'ان سپاہیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

میں نے کہا 'ان کی طرف جا کر تلاش نہ کریں۔

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'ہاں' نے کہا۔

میں نے کہا 'میں چلائی۔

میں نے کہا 'اس کے محل پر دو آنسو دھلک آئے۔

میں نے 'مغرب انداز سے پوچھا۔

میں نے کہا 'ہاں' نے آنسو پونچھے ہوئے کہا۔

میں نے کہا 'میں نے چڑی کا فیصلہ نہیں سنا تھا کیا۔

میں نے کہا 'میں نے اسے سہارا بنا چاہا تھا چڑی نے اس کا سہارا لینے

لیکن اب وہ اسے سہارا دینے لگی ہے۔ خود اس کا سہارا بن کر

فہر میں بچھاؤ لے دیکھ لوں 'ہاں بولی۔ شاید پاؤرواؤں نے حویلی کو گھیر رکھا تھا۔

کہا۔

چھڑ ہاں 'میں جو ہودے سو ہودے۔ پتہ جیونے روپے چڑو سے فیر تینوں پانے۔

لے گئے تے ساڑا ہاں دی ہیرا میں 'یہ کہہ کر وہ چل پڑا۔

فہر ہاں بولی 'بچھاؤ لے کی طرف ایک چور دووانہ ہے۔

ساڑا پتہ لے 'ہیرا ہاں اسی ایس حویلی دا پتہ پتہ کے آں ایس حویلی سا۔

مترکہ ہیرے دی اے۔ اچھا ہاں 'ہیرے نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ہاتھ سے لگائے 'واہ'

ساڑا سبب کوئی ٹٹ میں گیا ہاں 'ایسے تے ختم ختم راہ بندھن اے 'فیر ملاں گے ہے

روپے تے۔

لاج کی بات

فہر جا ہیرے 'چڑی چلائی۔

کی کہنی میں تو 'ہیرا رک گیا۔

میں تینوں اگلے جان میں دواں گی۔

کیوں۔

تو ہیرے لئی آیا ہے 'میں تجھے خود چھوڑ کے آؤں گی۔

اور میں کوئی رادتی تے فیر ہیرے نے کہا۔

مادریں 'میں میں تینوں چھڑ کٹوں 'چڑی چل پڑی۔

کتنوں تک چلوں گی ساڑے ہاں 'ہیرا سکرایا۔

چد تو پاؤر پانچ جانے گاتے میں آ جاؤں گی۔

مصل کر چڑی 'سکری نے کہا۔

میں ہاں ایسہ اکیلا نہیں ہائے گا میں ساتھ جاؤں گی 'یہ میری لاج کی بات ہے۔

اود دونوں چل پڑے آگے آگے چڑی تھی 'چپچپے ہیرا سیں تھا۔

جب وہ چلے گئے تو مچلی نے دوڑ کر مندر دووانہ کھول دیا۔ پولیس والے اندر آ گئے

میں ایک پناہوا موصوفہ زندگی کی بھینٹ سے گزر چکا تھا اور اب تھک ہار کر بیٹھ گیا تھا۔
خوب 'استیلا' کا دارا ہوا وقت کٹ رہا تھا۔

مٹی ان دنوں ایک گرین پلاٹھ تھا وہ بے حد خوب صورت تھا۔ دیر اس قدر غار
استیلا سے سرے سے واقف ہی نہیں تھا۔ ان جنگ تھا کسی سے دیتا نہ تھا۔ ذاتی طور
کبھی خیال نہ آیا تھا دنیا دار سے قلعی کرا تھا۔

میرے لیے مٹی کا ساتھ ایک بہت بڑی نعمت تھی اس لیے کہ جب بھی میں چاہا
بے پناہ جذبے کا دارا رکھتا۔ جن نمودار ہو جاتا، بول کیا چاہتا ہے۔ "میرا جو بھی میں کیا
سوچے مجھے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتا۔

لیکن مٹی کے لیے میں ایک مسلسل رکاوٹ تھا اسے ہر وقت 'ہر بات' پر فائدہ
لیے نہ کر دے نہ کر دے، یوں نہ کر دے، دوں نہ کر دے۔ دراصل مجھے ٹوکنے کی اور
کرنے میں لذت آنے لگی تھی۔ یوں میں ایک مغربہ بن گیا تھا۔

پھر ہم دونوں اکیسے جا بیٹھے۔ میں نے کہا، مٹی نے جاکر تو ہمیں سے بچ کر کیسے آگیا۔
کیسے ہوا۔

میں خود حیران ہوں، مٹی نے کہا کہ کیسے یہاں پہنچ گیا۔ میں تو سیدھا چلے آکر
گازی میں میں آیا تھا۔ وہ لاہور نہیں رکی تھی۔ سیدھی گورنر والے چلی گئی تھی۔

گورنر لاج

مٹی چار پائی کے قریب سٹول پر بیٹھ گیا اور اپنی کہانی سناتے لگے۔ یاد تو چلا آیا تو میں نے

طرح سے پٹ گیا۔ نہ جیب میں چہرہ تھا نہ کوئی ساتھی، نہ دو گار۔ وہ حالت ہوئی میری کہ
مٹی، مگر بچی بات ہے کہ بڑا ہی بڑا آیا۔

ہم نے گورنر لاج کے ہال کمرے میں بوسے ڈال لیے۔ اور میرا جی تھا اور ان کا دار
مراؤ فکڑ اور درمیان میں میں۔ تجھے پتہ ہی ہے کہ وہاں بھانت بھانت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

تیرے ہوتے ہوئے تو ہم صبح سویرے باہر نکلتے تھے اور سارا دن گھومتے پھرتے تھے۔

میں ایک پناہوا موصوفہ زندگی کی بھینٹ سے گزر چکا تھا اور اب تھک ہار کر بیٹھ گیا تھا۔
خوب 'استیلا' کا دارا ہوا وقت کٹ رہا تھا۔

مٹی ان دنوں ایک گرین پلاٹھ تھا وہ بے حد خوب صورت تھا۔ دیر اس قدر غار
استیلا سے سرے سے واقف ہی نہیں تھا۔ ان جنگ تھا کسی سے دیتا نہ تھا۔ ذاتی طور
کبھی خیال نہ آیا تھا دنیا دار سے قلعی کرا تھا۔

میرے لیے مٹی کا ساتھ ایک بہت بڑی نعمت تھی اس لیے کہ جب بھی میں چاہا
بے پناہ جذبے کا دارا رکھتا۔ جن نمودار ہو جاتا، بول کیا چاہتا ہے۔ "میرا جو بھی میں کیا
سوچے مجھے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتا۔

لیکن مٹی کے لیے میں ایک مسلسل رکاوٹ تھا اسے ہر وقت 'ہر بات' پر فائدہ
لیے نہ کر دے نہ کر دے، یوں نہ کر دے، دوں نہ کر دے۔ دراصل مجھے ٹوکنے کی اور
کرنے میں لذت آنے لگی تھی۔ یوں میں ایک مغربہ بن گیا تھا۔

پھر ہم دونوں اکیسے جا بیٹھے۔ میں نے کہا، مٹی نے جاکر تو ہمیں سے بچ کر کیسے آگیا۔
کیسے ہوا۔

گورنر لاج

مٹی چار پائی کے قریب سٹول پر بیٹھ گیا اور اپنی کہانی سناتے لگے۔ یاد تو چلا آیا تو میں نے

طرح سے پٹ گیا۔ نہ جیب میں چہرہ تھا نہ کوئی ساتھی، نہ دو گار۔ وہ حالت ہوئی میری کہ
مٹی، مگر بچی بات ہے کہ بڑا ہی بڑا آیا۔

ہم نے گورنر لاج کے ہال کمرے میں بوسے ڈال لیے۔ اور میرا جی تھا اور ان کا دار
مراؤ فکڑ اور درمیان میں میں۔ تجھے پتہ ہی ہے کہ وہاں بھانت بھانت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

تیرے ہوتے ہوئے تو ہم صبح سویرے باہر نکلتے تھے اور سارا دن گھومتے پھرتے تھے۔



منشی محمد حسین (والد) (۱۹۵۳ء)



(۱۹۶۴ء)

پتہ نہیں۔

کب تک یہاں قاتل کرے گا تو اس نے کہا دیکھ میں بہت غریب ہوں۔ اور کوئی امید نہیں رہی۔ کیسے ملے گا یہاں قلم کا کام رک گیا ہے قلم کے کام میں مسلمان ہیں پر اب وہ مسلمانوں سے کام نہیں لیں گے۔ پھر قلم کا کام کیسے چلے گا نہ چلے۔

راج کمار نے جب سے دس کالون نکالا میرے پاس اس وقت صرف یہی ہے تیری روٹی چل جائے گی۔ میں ہنسی کر پیچھے ہٹا تو وہ بولا نہیں نہیں یہ تو اوجھار دے رہا ہوں میں۔ جب وطن پہنچے تو اگر میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں تجھے کرلیہ دے دیتا تاکہ تو لوہا لاء اب تو یہاں نہیں رہ سکتا ہے۔ یہاں رہتا اب بہت مشکل ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے نوٹ میری جیب میں ڈال دیے۔

میراجی

پیسے ملنے پر میں نے پھر بار بار جانا شروع کر دیا۔ صبح سویرے اشتا اور منہ دھو کر ہل جاتی تھی تیار ہوتے دیکھ کر کٹ سے اٹھ بیٹا اور میرے ساتھ چل پڑا۔ وہ بے ہمارا طرح تھا۔ جیب میں پیسہ نہ تھا کام ملتا نہ تھا اس نے کبھی کوشش ہی نہ کی تھی کہ کام کایہ سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اس کی کیفیت اس کی کشتی کی تھی جو باریڈن پھر چھوٹے پڑی تھی نہ کوئی سمت تھی نہ جدوجہد تھی نہ آرزو تھی نہ امید تھی۔ گورو راج جاتے لوگوں کے ساتھ چل پڑتا اور انہیں ڈانٹ ڈنٹ کر گزارہ کر لیتا۔ لوگوں کو تنہا کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

خیر ملنے لگا تو ہم بے مقصد باہر نکل جاتے، کبھی خواجہ غلام عباس کے گھر یا سیوا پری پارک میں رہتا تھا کبھی دھڑا ستر محل کے ہاں پہنچ جاتے، کبھی ساحر کے۔ سارا گروہی کرتے۔ شام کو دادور میں سکھوں کے ہوٹل میں غوری روٹی اور وال کھاتے۔

محمی علی سٹریٹ یعنی جہاں جلال ملتا تھا مسلمانوں کے علاقے میں تھا وہاں چمرا

و شدت اختیار کیے جا رہے تھے۔

لیکن مسلمان نکلے خصوصی طور پر توجہ کا مرکز بن گئے۔ ان کی حالتوں میں ہوتی تھی، یہی آگ لگ جاتی اور چھرا تو خیر اسطابق چلا تھا۔

لیے وہیں جانے پر پیشہ تیار رہتا تھا۔ مجھے چھرے کی پر وہ تھی۔ مسلمان علاقے کا نام سن کر اس کے پیچھے پھر مجھے اسے لگتیں۔ پھر مجھے اس پر ترس آ جاتا اور میں اعلان کرتا ”چلو“

کرشن کے چند رشتے دار لاہور سے بھی آ



برین عاقل (کشیرواحرہ)

وہ ایک بڑی پاکیزہ عاقل تھی۔ جسم سوتلی ساڑھی پہنتی تھی اور چپ چاپ اپنے آپ میں گمن رہتی تھی۔ ہر لحاظ سے وہ ایک مہذب تھی اور چپ چاپ اس کی سیدھا میں لگی رہتی۔

دو گاہاتی تھی۔ دو گاہ بیٹی کی گھاٹ تھی۔ نہ اس کا کوئی آکا تھا نہ بہن۔ ”چھوٹا“ سا بولا رنگ۔ پرست خلکی تھی وہ ”معموم“ اور خلکی۔ اس کے بھائی مندرو نے اسے گھر ڈال رکھا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی



بھ میں بچپتا ہے نالور وہ میں تھی، سکہ بند میں ”دو گاہ“ اور مندرو کو تو جانتا ہی ہے۔ وہ کرشن کی ضد تھا کرشن دیوتا تھا۔

انسان۔ اتنا پیارا آدمی کہ اس پر دم لگتا تھا، مانی پشہ لگا۔ اس نے سلسلہ کلام جاری کیا کرشن کے گھر کچھ رشتے دار آ گئے۔ یہ انہوں نے آ کر وہاں کے حالات بیان کئے تو کوور لاج میں ایک کچاؤ

اُس، شاقب، قدرت اللہ شہاب، تہہ

عالم غاری ہو گیا۔ فن رشتہ داروں میں ایک چدرہ سولہ سالہ لڑکی، ایک چھ سالہ لڑکی، ایک چھ سالہ لڑکی اور دو لڑکیاں چلاں۔ اور وہ جمولی بھرتی جائے اور ساتھ ساتھ ہستی
 درخت تھے جو بکے ہوئے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔
 چیکوں کے یہ بڑا ملک مکان کی ملکیت تھے۔ فن کی حفاظت کے لئے ایک ہزار
 قہار ایک دن میں بارغ میں چلا گیا دیکھا تو درگا اور ساتویں لڑکی چلائی۔ اس نے
 طرف دیکھ دی تھیں۔
 میں نے درگا سے کہا چکیدار کو چائے پلانے کے بلاتے ہیں۔ وہ لڑکی
 چیکوں کے لئے تھکے تھے۔ اس شرارت پر ہم تینوں کا بچپنا ڈانک سے لڑنے لگے۔
 ہنس کر دھڑکی ہو گئیں۔

پھر یہ ہمارا معمول بن گیا۔ درگا چکیدار کو کسی ہلے اندر لے جاتی اور وہ
 ساتویں لڑکی جمولی بھرتی اور وہ بچوں کی طرح ہنسے جاتی۔
 مجھے وہ ساتویں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھی۔ اس میں ایک بچپنا تھا۔ وہ لڑکی
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ ساتویں لڑکی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکوں کے لئے بکے ہوئے پھلوں
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کپکے پکے پھلوں
 کرتے اور ہنستے چلے جاتے اور ساتویں لڑکی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لٹائی جاتی۔

ساتویں

مجھے ساتویں کی ہر بات اچھی لگتی تھی۔ اس کا کھڑا ہونا، ہنسا اور ہلنا،
 تم تو جانتے ہو، لڑکیوں تو میں نے کئی ایک دیکھی ہیں۔ ان میں سے
 بھی کیں ہیں، کئی ایک مجھے اچھی بھی لگتی تھیں، مگر وہ ایسا نکاح اور
 میں اس سے ملتا تو میرا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ پہلے ایسا ہی
 لڑکی کو دیکھتا تو میرے دل میں ہوا ہوا لگتا تھا۔ لیکن اسے دیکھ کر کبھی

مسلمان کی حالت بہت ہی نازک ہو گئی۔ پہنچے کے گردو
 ہوئے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے تھے۔ مسکراتے ہوئے تھے۔ مسکراتے ہوئے تھے۔

عالم غاری ہو گیا۔ فن رشتہ داروں میں ایک چدرہ سولہ سالہ لڑکی، ایک چھ سالہ لڑکی، ایک چھ سالہ لڑکی اور دو لڑکیاں چلاں۔ اور وہ جمولی بھرتی جائے اور ساتھ ساتھ ہستی
 درخت تھے جو بکے ہوئے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔
 چیکوں کے یہ بڑا ملک مکان کی ملکیت تھے۔ فن کی حفاظت کے لئے ایک ہزار
 قہار ایک دن میں بارغ میں چلا گیا دیکھا تو درگا اور ساتویں لڑکی چلائی۔ اس نے
 طرف دیکھ دی تھیں۔
 میں نے درگا سے کہا چکیدار کو چائے پلانے کے بلاتے ہیں۔ وہ لڑکی
 چیکوں کے لئے تھکے تھے۔ اس شرارت پر ہم تینوں کا بچپنا ڈانک سے لڑنے لگے۔
 ہنس کر دھڑکی ہو گئیں۔

پھر یہ ہمارا معمول بن گیا۔ درگا چکیدار کو کسی ہلے اندر لے جاتی اور وہ
 ساتویں لڑکی جمولی بھرتی اور وہ بچوں کی طرح ہنسے جاتی۔
 مجھے وہ ساتویں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھی۔ اس میں ایک بچپنا تھا۔ وہ لڑکی
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ ساتویں لڑکی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکوں کے لئے بکے ہوئے پھلوں
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کپکے پکے پھلوں
 کرتے اور ہنستے چلے جاتے اور ساتویں لڑکی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لٹائی جاتی۔

ساتویں
 مجھے ساتویں کی ہر بات اچھی لگتی تھی۔ اس کا کھڑا ہونا، ہنسا اور ہلنا،
 تم تو جانتے ہو، لڑکیوں تو میں نے کئی ایک دیکھی ہیں۔ ان میں سے
 بھی کیں ہیں، کئی ایک مجھے اچھی بھی لگتی تھیں، مگر وہ ایسا نکاح اور
 میں اس سے ملتا تو میرا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ پہلے ایسا ہی
 لڑکی کو دیکھتا تو میرے دل میں ہوا ہوا لگتا تھا۔ لیکن اسے دیکھ کر کبھی

مسلمان کی حالت بہت ہی نازک ہو گئی۔ پہنچے کے گردو
 ہوئے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے تھے۔ مسکراتے ہوئے تھے۔ مسکراتے ہوئے تھے۔

جب میں نے لاہور کا نام لیا تو اس کی آنکھیں ڈار پھل آئیں۔

ڈبے میں داخل ہوا تو وہاں خاصی بھیر بھیر تھی مسافروں کے ڈبے میں ہا سوار تھے۔ اندر گیا تو سب گھور گھور کر میری طرف دیکھ گئے۔ میں نے لاہروائی سے شروع کر دی۔ کوئے میں اپنا سوٹ کیس اور ڈرگمالور خود باہر نکل کر دو روزانے گیا۔ گاڑی چل پڑی۔

راستے میں اسٹیشن یوں دوران پڑے تھے پورا بھر گیا ہو، جھکوں سنسن تھے، نظر نہ آتی تھی، کوئی کتاب تک نہیں بھونک رہا تھا، باہر بھی دھماکی نہ دے رہا تھا۔ دو روزانے میں کڑے کڑے شام پڑ گئی، پڑا گیا تو میں اندر چلا گیا۔ پہلی سوٹ کیس رکھا ہوا تھا اس کے قریب بیٹھے لاکھڑی میں گھور کر دیکھا۔ وہ ڈر کر گیا اور میرے لیے جگہ بنا دی۔ بیٹھ کر میں نام لیاں کا چنا لیا، سامنے ایک اور مولوی بیٹھا ڈر لب کچھ پڑھ رہا تھا۔ ڈبے میں دلو اٹھایے مسلمان تھا، مکتے پر کراہی سیٹ تھے پتھان رکھا ہوا تھا اس کے ارد گرد لوگوں کڑے تھے۔ یہ تو جوں جوں جاتی تھے۔ باقی سب ہندو اور سکھ تھے۔

ڈبے کے دوسرے حصے میں مسلمان کی ڈھانچہ تھی۔ مولانا غلام جگر پر بیٹھ میں نے سوچا۔ پھر دھماکے بھٹے خیال آیا کہ ہندو غلامی تھی تقسیم تو سامان سلسلے سے وہ تو قوی نظر، نظریہ تو میں، یہ تو ایک حقیقت ہے، ہار بھڑا اس بات کا۔

میرے ساتھ بیٹھا ہوا لاکھڑی کا ہندو تھا، چارہ ہادی طرف دیکھا تو چوری چوری دیکھا تو دوسری طرف دیکھنے لگا۔

آخر وہ نہ سکا، ڈر لب پڑ چھا کھلی چو کے

میں نے بے پرواہی سے چاکر کر کہا لاہور چلو

لاہور — سارے مسافر ایک ڈار جیت سے میری طرف یوں دیکھ

تھے انہیں لپٹے کھول پر تھیں نہ آ رہا ہو۔ — یہ کون شخص ہے جو لوگوں کو مار

جا رہا ہے اور پھر باندھ کواڑ میں لاہور جانے کا اعلان ہے میرے اس اعلان کا اور

کونسی نے طرف سے ہلکی سی چڑچڑاہٹ دیا ہو۔

تھے، لگا ہوں میں دھمکی تھی، سوچیں کچھ زیادہ ہی آکڑی ہوئی تھی، پہاڑ میں لی گئی تھی۔
 لگ رہی تھیں۔

چھڑا کر خود چکڑ لیا۔ کچھ ایسے انداز سے جیسے وہ چاقو
 چل قتلے، وہ لڑکے کو گھور کر بولا۔ "میں نے

جان نہیں دی تھی۔

بے زاری

ذبح کے اندر پہنچ کر دھڑکے کے قریب ہی میں دھڑام سے گر گیا اور وہیں اس کا
کچھ دیر کے لیے خاموش رہا اور پھر وہاں
پتہ نہیں لگے کیا وہ گرنے پر پیش گوئی ہوا تھا۔ لوگ میرے ارد گرد کھڑے تھے
تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لگے غم تھے۔ آدم بوم، آدم بوم، وہ سب چلا رہے تھے۔
تھا جیسے وہ سب آدم خور تھے۔
میرے دل میں ڈر تھا خوف نہیں تھا، ایک عجیب سی بے زاری تھی۔
میں نے محسوس کیا وہ کوئی چیز کے قتل نہیں رہی، انسانیت کا ہتھیار نکل گیا۔
انقلاب ہو رہی سب ختم ہو گئی۔
زندگی میں پہلی مرتبہ نے خود کو کوچ محسوس کیا۔ بے بسی کے احساس نے مجھے ار
دیا تھا، پیار ہے سب سے بڑا۔
میں نے کچھ ایسے لڑائی جیسے سب کچھ بے معنی ہو چکا ہو۔ اب جو کچھ گزرا
پر گزر جائے، بے شک گزرا۔ مجھ میں کوئی امید نہ رہی تھی، تڑپ نہ رہی تھی۔
نہ خوف، نہ جینے کی خواہش تھی۔
پتہ نہیں کتنی دیر میں ادا ہے جان پڑا رہا۔
پھر پھر کوئی چلا رہا تھا
کوئی کوئی ہے کوئی گولہ
کوئی ہے جس نے مولا کو بک کر قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔
کوئی ہے۔

میرا ہی چاہتا تھا کہ جاگتا رہا میں نے دیکھا ہے۔ میں نے اس ہندو نوجوان کو
صاحب کے بیٹ میں چھرا لگے دیکھا ہے۔ میں نے اس نوجوان کو کوئی سے چھرا
بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا اس نوجوان کو پکڑا تھا۔ میں نے اسے پولیس کے پاس

دل انداز لگا رہا تھا۔ پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱۔

دل انداز لگا رہا تھا۔

دل انداز لگا رہا تھا۔ حرکت پڑا رہا میرے اندر کوئی کہ رہا تھا، کیا فائدہ

دل انداز لگا رہا تھا۔

دل انداز لگا رہا تھا۔ اور دم۔ اور دم۔

دل انداز لگا رہا تھا۔ کیا فرق پڑتا ہے اور میں ویسے ہی ہے

گیارہواں باب

مان سنگھ

میں نے دیکھا تھا جیسے روٹیاں بچھ گئی ہوں اور گاؤں کا ڈرائیو اندر میرا چادر

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

چائے پیتے ہوئے تھی ایک بھر تھری لی اور پھر سر اٹھا کر بولا۔

پتہ نہیں میں کچھ بگڑی کے فرش پر بے جان پڑا رہا۔ پھر غصہ گاڑی

اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھ رہا کہ گاڑی دھم دھم رقبہ سے چل رہی ہے۔ باہر جانے

سے سائے حرکت کر رہے ہیں۔

کچھ دیر تو مجھے کچھ نہیں لگا نہ کیا کہ میں کہاں ہوں اور میرے رویہ وہ

اس وقت مجھے قہقہہ پانہ حاکم میں بھیجی ہے آ رہا ہوں اور مجھے لاناور چاہا ہے

سینٹین پر ٹون کی پچھان دیکھ کر میرا ذہن موقوف ہو گیا تھا۔ معذہ ماش کر کے لگا

قادر آنکھوں کے لئے اچھڑا گیا تھا۔

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

قہار خود غل خواہورت تھے، ہونٹوں کے کاتے۔ جیسے مسکراہٹ دہائے بشارت سے خوش مزاجی کی پھوار اڑ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ کوئی شخص چادر میں لپیٹا ہوا دھڑلے اپنے منہ پر ٹھانٹا ہندھ ہوا تھا، صرف ہمیں غلی تھیں۔ وہ مجھے یوں کہہ رہا تھا، لنگھوں سے قہار رہا۔ لیکن اس کی نگاہوں میں غزواتی نہ تھی، نہ ہی مانتے کی گہری دھمکی تھی، ہائی سیشین غلی پڑی تھیں۔

چند مہینے پہلے نے مجھے طالبہ وکر کا پتہ چلا تھی۔

میں نے پڑت کی طرف دیکھا وہ مسکراہٹ میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔

چادر میں لنگھ۔ مجھ پر نظریں گاڑے بیٹھے۔ لیکن کی نگاہیں غامضی پر بیان کن تھیں۔

کے باوجود مجھے خطرے کا احساس نہ تھا۔

تم جانتے ہی ہو، ملنی نے مسکرا کر میری لڑکھائی پر نہیں مجھے خطرے کا احساس نہیں ہوتا۔ بس نہیں ہوتا۔ البتہ میں تنگ سکھوں کی کڑی نگاہوں سے مجھے گہرا ہتھیار ہو رہی تھی۔ جب بھی میں گھبرا جاتا تو چادر میں لپے ہوئے شخص کی طرف دیکھتا تھا۔

آنکھوں میں عجیب سی غمناک تھی۔

مڑلیا کا کا

کچھ دیر کے بعد منکھوں کی ہنگامی سے گھبراہٹ میں لپے ہوئے شخص کے دھڑلے سے "کوشش کی"

سنو سرداری میں اسے فوجی کہہ کر چلیں نے لی، اور بھی تن کر بیٹھ گئے۔

قہار نے مجھے گھورا۔

میں نے پڑت سے میری ہاتھ پکڑ کر جھکا دیا، مگر میں پڑت کی بات نہ سمجھا۔ اور

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

2. 12. 2014. - 1. 1. 2015. - 1. 1. 2015. - 1. 1. 2015.

اس کا اور کوہ ایک چار پیٹ لی۔

پندرہ سال پہلے۔ اب لگا تو گاڑی اٹالے کے مشین پر رکی ہوئی تھی اور پنڈت
 کے پیچھے چھپے گاڑی سے اتر گیا۔

اب وہ ایک دھڑ سے ہوئے کھڑے تھے۔ گیٹ پر ٹکٹ لینے کے لیے

نروش، نرمل

جامنہ دھو، بن سیاں، پنڈت نے کہا۔ میں نے منہ پر ہاتھ پھیر لیا میرا ہاتھ خون
 پائی نہ تھا۔ بلکہ تازہ خون تھا۔

میرا دل ہلش کرنے لگا اور میں غسل خانے کی طرف بھاگا۔

ابھی میں منہ دھو رہا تھا کہ پیچھے سے دروازہ کھلا۔ پنڈت کو دیکھ کر میں کرا

پھر اس نے منہ میرے گلن کے قریب کر کے 'گاڑو اور ڈرائیو دونوں' بھرا
 کر وہ تیزی سے چل پڑا۔

اچھا تو میں ڈرائیو پر ہوں' میں نے سوچا یہ سب اچھا کھدے کے جو کیا سوٹ

مجھے نہ تھا تو اب بھی میں پہلوں پہنے ہو گا اور لوگ مجھے خشک کی نظروں سے دیکھتے

جب میں ڈبے میں پہنچا تو کیا دیکھا ہوں کہ دو رنگ لوہے کے تختوں پر لیٹ گئے
 چلی سیٹ پر لیٹے خراٹے لے رہے ہیں۔

ٹھانے والا جو پہلے ٹھوڑی بنا ہوا تھا۔ میری سیٹ پر دروازہ تھا۔ اس کا سر میری ہاتھ
 اس کے قریب توڑی ہی جگہ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔ پھر شاید مجھے لگے کہ آگنی

دفتر' گاڑی کا زیروست جھٹکا گاڑو میں ٹھانے والے پر جا کر لے اس کے بازو اور
 گرفت میں لے لیا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔

اٹھے' مکی ہویا اسے' ایک نے پوچھا۔ میں پتہ لانا نہیں' کہہ کر دوسرا گاڑی سے نیچے اتر گیا
 ایسے دونوں سوں گئے' پڑھا لنگ ہوا۔

کون سوں گئے' اوپر سے رنگ نے پوچھا۔
 کچھ دیر تو میں ہرے کی گرفت میں پڑا ہوا تھے میں وہ خشک دایں آگیا اور

کھلی کھلی سرور ہی' اپنے ارمان تل سوں چاؤ۔
 گاڑی دی لین دیج کسی نے درخت کٹ کے سن تو اس' یعنی لٹی گاڑی بڑھا کر

مکی' فیروزہ نہیں کسے نے ڈرائیو سے گاڑو دو تلوں کو نقل کر دیا۔
 ٹیچر سن' پڑے نے پوچھا۔

ہاں' وہ بولا' دونوں۔
 گاڑی کیسے اسے چلے گی' ڈرائیو جو نہ ہوا' پڑے نے پوچھا۔

کے بٹے وقف نے اسے 'کاکے' پڑھا لنگ بولا۔ گاڑو سے ٹھیک ہے پر ڈرائیو سے
 گاڑی کون چلاؤ۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔ اس کی کمر بند پر ہاتھ رکھا۔

میں نے اپنے ہاتھ پر دباؤ محسوس کیا۔ یہ نہیں اس ہاتھ کے دباؤ اور اثر میں آ گیا تھا۔

ہر ہاتھوں نے میری جھک کو بیدار نہ کیا تھا۔ انا میں ڈرتا تھا، کہیں وہ کوئی دوسرے۔ کہیں پھر سے پہلے ہوئے وہ ہونٹ میرا نہ ٹھوٹنا شروع نہ کر دیں۔

سب سے بڑی بات تو ہر ہاتھوں کی محبت تھی۔ زندگی بھر کسی نے اتنی محبت سے میں کو لے نہیں والے تھے۔ میری اپنی ماں نے کبھی اتنی محبت سے نہیں کھلیا تھا اور پھر اس کا بچے، اڑیا، کہنا اس قدر بھرپور نظروں اور ہنسی جھلکی نگاہوں سے دیکھتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ نے مسکراتے ہوئے کہا، تجھے پتہ ہے میں لڑکھڑکھ کا راز دار ہوں۔ ہر ہاتھوں میرے لیے ایک پر اسرار لڑکھڑکھ تھی۔ وہ ایک پر اسرار عورت تھی جو خدا کا مسر کر رہی تھی، اتنی دلبری تھی کہ صورت حال سے ذرا غافل نہ تھی، غصہ پانچہ۔ اس روپ میں مسر کر رہی تھی اور چادر کی کوٹ میں ایک مسلمان لڑکے سے عشق لڑا اور اسے مولیوں والے پرانے کے لولے کھلا رہی تھی۔ اپنی ہنسنے لگا۔

وہ ایک عجیب چھوٹا سن تھی، اپنی نے چلا کر کہا، ہاں، خون ہی خون تھا، لاشیں ہی لاشیں تھیں، کچا گوشت تھا اور چادر کے اندر ایک اچھے کی سکنی مسلمان سے عشق لڑا رہی تھی۔

میرا جی چاہتا تھا کہ وہ بلا کسی میرے منہ میں پرانے کے لولے ڈالتی رہے، ڈالتی ساتھ تجھے بے ختم کھاتے دیکھ کر ہنسی رہے۔ میرا مذاق ڈالتی رہے۔ اپنے بڑے سے میرا سر سلاتی رہے، تھی کہ امر ترس آجائے۔ جگہ امر ترس بھی آئے ہی نہیں، یا اس کا گاڑی چلتی رہے۔ امر ترس نکل جائے، لاہور نکل جائے۔ ہندوستان نکل جائے، پاکستان نکل جائے۔

پھر نہ ہندو رہے، نہ مسلمان رہے، کچھ بھی نہ رہے، صرف اس چادر کا آسمان ہو، جو ہم لوہ پران رہی تھی اور اس آسمان تلے وہ ہو لوہ میں ہوں، اور کبھی کہ وہ لولے ڈالتی رہے، ڈالتی رہے، ڈالتی رہے۔

وے۔ اڑیا

اب خواب نہ دیکھو، میں نے اپنی سے کہا، یہ بتاؤ کہ پھر کیا ہوا۔

میں جیسا بولا وہ دن کا مہو کا تھا۔

UrduPhoto.com

میں نے جواب دیا۔

لڑا، اوشا، ہرناموں

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ
میرے پاس رہے، کتنی رہے، کتنی رہے، ہرناموں چارہ انار کر اٹھ بیٹھی۔
اس کا منہ تنفس سے لیل ہو گیا۔ تو اس نے میری طرف
پہرہ چڑی سے مخاطب ہوئی۔ کیا یہ ہے میرا من سنگھ؟
اگر کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"

میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"

میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"

میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"
میں نے کہا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔ "یہ میرا ہے۔"

ہرناموں کی بات کرتے کرتے "وہ تھا" مٹی اٹھ بیٹھا "درا فھر" وہ ہوا "ہمیں"
سے ہو آؤں۔"

ہرناموں کی بات نے مٹی کے دل میں پہچان برپا کر دیا تھا۔ جیسے ہوئے اور
تازہ ہو گئی تھی مٹی کی ہرناموں نے میرے ذہن میں چنگاری لگا دی تھی۔ لہذا وہ
دھواں نکلے گا۔

چڑھ گیا۔

”مس“ اس نے اپنی طبی بے نیازی سے پوچھا ”آپ کو پتہ ہے یہاں آقاؐ“

”ہے۔“

”میں“ بڑی لڑکی بولی ”ہو رہا ہے۔“

”کہاں ہو گا؟ مس۔“

”میں نہیں ہو گا۔“ وہ شرارت سے مسکرائی۔

”یہ تو رہائی کو بھی نظر آتی ہے۔“

”ہوں۔ ہے۔“

”کس کی کو بھی ہے یہ۔“

”یہ کرنل صادق کی کو بھی ہے۔“

”کون سا کرنل۔“

”جو انٹرویو کریں گے۔“

”تم جینہ جاؤ۔“ چھوٹی نے لقمہ دیا۔ ”جائے پئے گا۔“

”پلا دو تو ہائی لوں گا۔“ مائی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ چھوٹی نے ہیرے لگا دیے۔

جائے لگا۔“

اگر مائی نور سے ان لڑکیوں کو دیکھ لیتا، ان کے چروں کے اتار چڑھاؤ کی طرف

توجہ دے سکتا تو کبھی ان کے چہرے پر آنکھیں پڑتی۔ لیکن وہ وہاں یوں۔

بیٹھا کر دو پیش کی طرف دیکھ رہا جیسے وہ لڑکیوں ہی نہ ہوں۔ حالانکہ وہ دونوں ہمارے

زیادہ چاہتے نظر تھیں۔

دیر تک وہ وہاں بیٹھا نہیں ہاں تھا رہا حتیٰ کہ باقاعدہ انٹرویو جو ایک قریب، مارک،

رہا۔ وہاں رہا کہ وہی تھیں۔

”اٹھو۔“ یہ کیا ہو رہا ہے۔

”دونوں لڑکیاں اس سے لپٹی ہوئی تھیں۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

”کھڑا ہو کر دیکھا۔“

میں سر۔

"ہی کس لٹ ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہی اڈو سٹیک" چھوٹی نے کہا۔
 "ہی ڈیجرا کی لیک۔" کرنل نے تیری چڑھائی۔
 "نفل آف ڈیجرا پٹے ڈیڈ۔"
 "تم انٹرٹینر بننا پند کرے گا،" کرنل نے ہانی سے پوچھا۔
 "انٹرٹینر؟" ہانی نے دہرایا۔
 "سولین آفسر" کرنل نے وضاحت کی۔
 "لیس سولین آفسر" ہائٹ انٹرٹینر "ہانی نے کہا۔
 "یہ تو پتہ ہے ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہیڈ؟" کرنل نے حیرت سے ہانی کی طرف دیکھا۔
 "نو نو نو۔" لو پوٹ سر۔" ہانی چلایا۔
 "تم شراستہ کیوں ہو" بڑی نے ہانی کو گھورا۔
 "ہی اڈو ہسبل ڈیڈ۔" چھوٹی نے شور مچایا۔

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کدے سے لگ بھگ "دوسری گردن۔" اور
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔

"کل رائٹ آل رائٹ۔" بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ آئے۔
 "تم سولین آفسر ہے،" تمہارا کیم انٹرنشنل منٹ پونٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیڑھ گنگش
 ہے،" پوٹ۔"

میں ہی میں
 ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی گالری
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

میں ہی میں

ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی گالری
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

میں سر۔

"ہی کس لٹ ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہی اڈو سٹیک" چھوٹی نے کہا۔
 "ہی ڈیجرا کی لیک۔" کرنل نے تیری چڑھائی۔
 "نفل آف ڈیجرا پٹے ڈیڈ۔"
 "تم انٹرٹینر بننا پند کرے گا،" کرنل نے ہانی سے پوچھا۔
 "انٹرٹینر؟" ہانی نے دہرایا۔
 "سولین آفسر" کرنل نے وضاحت کی۔
 "لیس سولین آفسر" ہائٹ انٹرٹینر "ہانی نے کہا۔
 "یہ تو پتہ ہے ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہیڈ؟" کرنل نے حیرت سے ہانی کی طرف دیکھا۔
 "نو نو نو۔" لو پوٹ سر۔" ہانی چلایا۔
 "تم شراستہ کیوں ہو" بڑی نے ہانی کو گھورا۔
 "ہی اڈو ہسبل ڈیڈ۔" چھوٹی نے شور مچایا۔

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کدے سے لگ بھگ "دوسری گردن۔" اور
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔

"کل رائٹ آل رائٹ۔" بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ آئے۔
 "تم سولین آفسر ہے،" تمہارا کیم انٹرنشنل منٹ پونٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیڑھ گنگش
 ہے،" پوٹ۔"

میں ہی میں
 ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی گالری
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

میں ہی میں

ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی گالری
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

میں ہی میں

ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی گالری
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

نہانی کی کائنات نہ تھی۔ اشتقاق حسین کی شخصیت اس قدر رگھلی تھی کہ ہم اسے پیار سے کہتے ہیں۔ اس پر آئے جانے والا اوشاکو حلیس لکھوں سے دیکھا کرتا تھا۔ اوشاکو بھی اس کی طرف دیکھتے ہیں اور پھر اس کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔
راستے کی لڑکی رگھلی کی بیشک سے دور لیکن عین متقابل میں کھلی تھی۔ راستے کی ایک ننھی چلی چار دیواری تھی اور بس پھر وسیع میدان تھا جس میں

کڑی کی لڑکی بیٹھ کھلی رہتی تھی۔ کمرے میں اوجھ سے اوجھ اور اوجھ سے اوجھ کی جھانک کر گزرا کرتی تھی۔ لیکن اس نے کسی رگھلی کی بیشک کی دیکھی نہ تھی۔ دیکھتی ہی تو یوں جیسے رگھلی کی بیشک کا وجود ہی نہ ہو، جیسے وہاں بیٹھے ہوئے ہواؤں کے منہ کھلے کے کھلے وہ چلتے۔ اکثر ان میں سے ایسے ہوتے کہ اس کی سادہ ہڈ نہ رہتی چلی جاتی تو بھی سوچنے لگتے کہ اب کی بار آئی تو میں

وہ دوبارہ آئی تو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی سہمت ہی نہ ملتی۔ وہ یوں آئی اور چلی جاتی جیسے پر چمک والا دروازہ کھلتے ہی بند

ہو جاتا ہے۔ مانی اپنے ہاں اشتقاق حسین کے گھر آیا تھا تو بیشک کی صورت ملے دیکھ کر اس کی باتیں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

ایک بہت بڑی دیوہ دلیری کی۔ وہ اوشاکو بیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ اس نے فٹیں کیں، دھمکیاں دیں کہ وہ راکوٹ نہ بنے، لیکن مانی پر کوئی

نہانی کی کائنات نہ تھی۔

کرٹیل نے جب دیکھا کہ لڑاکی توجہ انیس سے مرکوز ہے تو وہ ہونکا ہونکا ہو گیا۔ لڑاکی انیس سے مرکوز ہونا اور بات تھی۔ لیکن لڑاکی تھی۔

ایک روز وہ لڑا کے پیچھے پیچھے انیس میں آیا اور پردوں کے پیچھے چھپ کر دیکھا۔ لڑا مانی کا طواف کرتے کرتے پار چلی گئی تو وہ پردے سے باہر نکل آیا۔

مانی نے کرٹیل کو دیکھا تو اس کا دم خشک ہو گیا۔ کرٹیل بولا "دیکھو یہ تم نے انٹرنیشن کرنا ہے، تم نے فک کو انٹرنیشن کرنا ہے، ہماری سیم صاحبہ کو نہیں، سمجھا۔"

"آپ سیم صاحبہ کو روک لیں۔" مانی نے مظلوم بن کر ہمدردی طلب لکھوں کی۔

"ہم سیم صاحبہ کو نہیں روک سکتے، کرٹیل بولا، لیکن ہم تم کو روک سکتے ہیں۔ یہ کرٹیل نے ہسٹل نکل لیا۔ "ڈکڑ بڑ، نو، بیٹھی بیٹھی، نہیں تو اس نے ہسٹل کی طرف اشارہ کیا۔ انیس سے باہر نکل گیا۔

اگلے روز جب سیم مانی کے ہاتھ کے ساتھ انیس میں داخل ہوئیں تو کمرہ خالی تھا۔

لوچ ہی لوچ

مانی کے اخراج کی وجہ صرف کرٹیل کا ڈر نہیں تھا۔ اگر صورت حالات رسمی انٹرنیشن تک محدود نہ ہوتی۔ اگر اس کھیل میں ایڈمنسٹریٹر کا مضر شال ہو جاتا تو کرسی کا ڈر جھاگ ہو جاتا۔

بلبلوں کی طرح اڑ جانے، بالکل ایسے جیسے لوشار دانی کے ساتھ ہوا تھا۔ مانی کو لوشار دانی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے نزدیک وہ ایک رہنمائی کھیل تھی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اوشاکو خوبصورت نہ تھی۔ خوبصورت تھی یا نہیں، دل آویز نہ تھی۔ بے انداز دل آویز تھی۔ وہ بیج کر باہر نکلتی تو ایسے گنگا جیسے ریشمیں "وہیں" "وہیں"

”گمن میں آج اس کے ساتھ نہیں تھا“ ہانی نے جواب دیا۔

میں نے کہا کہ ہاں، یہ سب اچھا ہے۔

"پھر" رنجی نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"کافی دیر تک وہ ڈری ڈری رہی کم سم بیٹی رہی۔"

میں نے کہا ڈرتی کیوں ہے رہی، میں تجھے کھا میں جاؤں گا۔ اور دیکھ میں

کی۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا ہوں۔ وہ اب بھی کھڑی

ارد کوئی بیٹری ہو تو دینا میں اسے ہلا کر ٹاکر لوں۔"

میں نے کہا، "خدا کا نام لے۔ ہر سال، اس کے لئے ایک ایک تہہ، عہد۔"

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔
کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

الاط منٹ

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔
کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔
کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

ہم قانونی طور پر مکان لاث کرانیں گے۔

اس فیصلے کے بعد ہم دونوں کرشن نگر میں محوم پھر رہے تھے۔ اپنے اپنے کام کے لئے تھے تاکہ کوشش کر کے اسے اپنے نام لاث کرالیں۔

جوں جوں میں مسلمان سے بھرے ہوئے مکان دیکھتا توں توں میرے اندر کی ہر آنکھوں تلے ہل خزانے کے ڈھیر لگ جاتے۔ میرا ہی چاہتا کہ جانی مجھ سے ہر مکان کو کر مکان کے اندر داخل ہو جائے اور مکان پر قبضہ کرے۔ مجھے اس بات پر فہم نہ آ رہا تھا کہ یہ ہے۔

اس کے برعکس جانی یہ سمجھتا تھا کہ میرے لیے اس کی تجویز ناقابل قبول ہے۔ جاگوار گزرتی ہے اور وہ نہایت سے سر لٹاک کر آگے چل پڑا۔ چلو نہ سہی، جیسے تم کہو، اس روز محوم پھر کر ہم نے چار پانچ مکان پسند کیے، ان کے نمبر نوٹ کیے اور گئے۔

زیر سے لہی چندی ہندی

ساری رات مجھے نیند نہ آئی۔

ساری رات میں ان مکانات میں گھومتا رہا۔

کبھی ساڈو مسلمان کا جائزہ لیتا، کبھی الماریوں کی صفائی لیتا، کبھی مچن کے کونے میں لپکتے زین کو دیکھتا، زین سے آوازیں آتیں، ہل ہل میں بیٹیں ہوں۔ قوسوں کی گرائی اور کھوروں اور کھوروں۔

ایک مکان میں گھومتے پھرتے تو ایک حادثہ رونما ہو گیا۔

چھٹی کارروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے سوچا شاید اس کا کوئی دہرا ہو۔

—و—

دفعہ میں نے دیکھا کہ سامنے ایک کھڑی ہے، جس میں بیشہ لگا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کونسی کھڑی ہے؟

اُسے میں حیران دیکھ کر سامنے پیچ کے ایک کونے پر، ریشمیں چادر میں لپیٹ کر رکھی تھی۔

ایک دفعہ پورا پورا ہمت کر کے آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔ دفعہ چادر میں حرکت ہوئی، ایک دفعہ میں آگے بڑھا۔

بجسٹریٹ لوجیز عمر کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی بے تعلقی اور بے ہوشی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں اس کے روزیہ کھڑے ہو کر اپنی بد قسمتی کا رونا روٹے، تو وہ انہیں دیکھ کر ہنس دیتا۔

اگر جمع ہو گئے۔ چاہے بولے۔ ضروری کارروائی مکمل ہو سکتی ہے۔ اب وہ نام بیان الٹ کیا گیا ہے۔ اس پر ایک موٹا تازہ متول مٹھن آگے

اول تو اسے سنائی نہیں تھا۔ مجبوراً سناتا تو وہ آنکھیں موندھ کر بیٹھ رہتا۔
یوں لگتا جیسے گہرا دھماکا میں مصروف ہو۔ ہر حال سائیکوں کی منتوں، سادقوں کے،
صرف ایک لفظ کا آقا تھا، یعنی ہو جائے گا۔ اور نہیں۔

اس کا طریق کار ایک سرسبز راز تھا۔ جس کی کبھی کتاب کے ہاتھ میں تھی۔

تپ ایک چٹا پرہو شیار آدمی تھا۔ وہ مسلسل مصروف رہتا تھا۔ جب کوئی کام
وقت بھی اس کے انداز سے لیا لگتا جیسے شدت سے مصروف ہو۔

سوتا مجسٹریٹ جاگتا تپ

تپ کے ہاتھوں میں ہر وقت کلندوں کا ایک پلندہ پکڑا رہتا۔ ہر چند ایک منٹوں
اس پلندے کو کھولنا، دیکھنا، اس راز تو تپ دہاتا اور پھر سے لپیٹ کر ہاتھ میں پاتا۔
مجسٹریٹ سویا سویا تھا، اتنی ہی تپ جاگتا جا رہتا۔ بلکہ بعض اوقات ٹک پڑنے لگتا۔
سے کچھ زیادہ ہی جاگ رہا ہے۔

وہ مجسٹریٹ کا تپ نظر نہیں آتا تھا، بلکہ مجسٹریٹ کو یوں چلاتا تھا جیسے اس کے ہاتھ
ہو۔ اب یہ کہتا ہے جب اب لوہر جانا ہے۔ جب اب بی ۳۳ کی لٹا منٹ ہے۔
اس کا لہجہ تھمکا ہوا لگتا تھا جیسے ہر بار تپ کہتا ہے کہ وہ اس لٹا کو شوگر کوٹ کر
مجسٹریٹ بغیر چوں و چرا کے تپ کے کہنے پر عمل کرے گا۔ تپ یوں جیسے سڑکیں کو
انجن مسٹری ڈرائیور کے طالع ٹریاں ہو۔

سائیکوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ مجسٹریٹ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہا
’میں بد بلی بڑھتی جا رہی تھی۔ جو کہ لٹا منٹ آرڈر ایسے لوگوں کو مل رہے تھے
نے بھی دیکھا نہ تھا۔

ہر روز وہ ایک نئے لوگ بھرم میں شامل ہو جاتے اور لٹا منٹ آرڈر لے کر چلا
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیچھے پیچھے پھرتے والے لوگ اور ہیں اور لٹا منٹ حاصل
اور۔ اس کے علاوہ بھرم کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہر اسرار مال خانہ جس میں ہر مکان کی
منتقل کی جاتی ہیں۔ ہمارے کمال خانہ نہیں بلکہ مجسٹریٹ ’تپ‘ پولیس اور کارندہ ہیں۔

ہم دونوں مجسٹریٹ کے گھر چلے جاتے اور وہاں انتظار کرتے۔ جب مجسٹریٹ

تپ کا بیٹا

تپ کا بیٹا کر بیٹیکسی سے سوچتے گئے۔ ہم دونوں غم دھن سے بھرے ہوئے
تپ کا کہ میں نے اپنی طبی شرافت کی وجہ سے مراد مستقیم کو چھوڑ کر اپنا
تپ میں اس کی تجویز مان جانا تو آرام سے کسی گھر میں داخل ہو کر ہم مدت

تپ کا اپنی تجویز پر عمل کرنے کے لیے وہ مجھ سے پوچھنے پر کیوں مصر تھا۔
تپ کہہ کر لیتا تو اس خواہ مخواہ کی بلویہ بیٹائی سے نجات مل جاتی۔
اس ممکن نہ رہا تھا کہ مانی سے کول، آؤ کسی مکان پر قید کر لیں۔ اس

تپ کے دل کی کیفیت اس عورت کے صدقائے تھے، جسے چاہتے والا کہتا ہے
تپ کی اجازت سے، تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ میں نہیں یہ کسی
اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ روزی دیتی اس کا ہاتھ پکڑے، پھر اسے فصد آئے
تپ کا ہاتھ کیوں نہ پکڑا۔ وہ بولنے بولنے ہاتھ آگے بڑھاتی ہے۔ اسے خود
تپ نہیں تو تاکہ وہ ہاتھ کیوں آگے بڑھا رہی ہے۔

تپ نے مل کر مجسٹریٹ کو پھانسی کی ایک سکیم بتائی۔ مانی کو اس سکیم سے کوئی
تپ ان چونکہ وہ ایک انوکھا تجربہ تھا، لہذا وہ اس پر عمل کرنے کے لیے بے

ہم دونوں مجسٹریٹ کے گھر چلے جاتے اور وہاں انتظار کرتے۔ جب مجسٹریٹ

کرشن نگر

IV



اشفاق احمد



جسٹس

ان لوگیاں

باہر لٹا تو ہائی دوڑ کر اس کے رو بہد کھڑا ہو جاگ۔ زور سے پاؤں زمین پر مارا۔ ہر
 قوی انداز سے سلٹ مار کر کتا، صاحب ہم بھٹوں سے آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔
 پھر ہم سیدھے کرشن نگر چلے جاتے۔

جب بھی مجسٹریٹ لائٹ منٹ کرنے کے لیے مکان سے باہر لٹا تو ہائی دنگے دنگے
 چر کر اس کے رو بہد کھڑا ہو گیا۔ زمین پر پاؤں مار کر اینٹیں ہو جاتا اور پھر قوی
 حضور ہماری طرف بھی توجہ فرمائیے۔

اس طرح دن میں ساتھ ساتھ آٹھ مرتبہ مجسٹریٹ کو سلٹ کیا جاگ حتیٰ کہ جب دو
 کے مقام سے فارغ ہو کر گھر پہنچتا تو دروازے پر ہم دونوں استہدہ ہوتے اور حسب
 اینٹیں ہو کر سلام مارا۔

پہلے روز ہی 'چھپے سلام پر' مجسٹریٹ نے چونک کر پہلی بار غور سے ہائی کی طرا
 پہلی مرتبہ تھی۔ جب اس نے پوری طرح جاگ کر کسی سائل کا جائزہ لیا تھا۔
 تیسرے روز مجسٹریٹ کی قوت برداشت نے جواب دے دیا۔ اس کی بے بسی
 مٹی۔

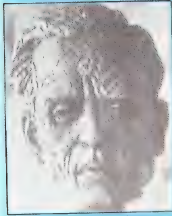
اس وقت وہ مکان سے قیمتی اشیاء کے انخلاء کے بعد لائٹ منٹ آرڈر دیتا ہے
 لٹا تھا۔ اس روز بھیڑ بست زیادہ تھی۔ ہائی نے اللہ اکبر کا ایک نعرہ لگایا۔ مجمع سسٹم کا
 دنگے دنگے ہوا غنڈوں کی طرح آگے بڑھ کر مجمع کو بچھے ہٹ گیا۔

مجسٹریٹ کے رو بہد پہنچ کر اس نے خود پر ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کی۔
 حضور

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔



فدوی کا بنایا ہوا بسٹ (۱۹۳۹ء)

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

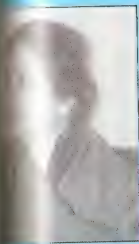
میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے ویسے ہی کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔



اداجعفری، ادبی تنظیم

منشی یاد، ادبی تنظیم رابطہ

ArduPhoto.com

ArduPhoto.com

جو ہر سائل کے دل میں بہتوں سے اچھل رہی تھی۔ وہ بات جو دلوں میں رستا رہا ہے۔
تھی۔

مائی کی باتیں سن سن کر سائیکوں کے دلوں میں ہمت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ دلی دلی

اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے تھے۔ اتفاق سے نائب ڈاٹر نکلا۔

مائی چلا کر بولا 'نائب صاحب دیکھئے کوئی چیز انہر نہ رہ جائے' ساری نگاہیں

لے چائیں 'لے چائیں میرے گھر کو پاک کر دیجئے۔'

نائب کو یہ سن کر پیش ٹالیا۔ اس نے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر

کرنا ہمارا فرض ہے، رہ بولا اور۔

ضروری کارروائی، کوئی قہر۔ مار کر رہا۔

ضروری کارروائی، ایک گروہ چلایا۔

ضرور کیجئے ضروری کارروائی، اوسر سے آواز آئی۔

ضروری کارروائی ہمت ضروری ہے، کوئی بولا۔

نائب صاحب ہمت سیانے ہیں، غیر ضروری کارروائی نہیں کرتے۔

کچھ زیادہ ہی سیانے ہیں۔

اللہ بچائے اس سیانے سے۔

بے زبان زبانیں

چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

نائب نے 'ہو آگاہ' دیکھ کر تفریح کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور چیپ چاپ اندر ہار دیا۔

ہر ایک نے عجیب تبدیلی محسوس کی۔ لوگوں کو گویا زبان مل گئی۔

میں چندہ دونوں سے مجسمت کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہوں، ایک نے کہا۔

بارہ دن ہو گئے ہیں، وہ میری بات ہی نہیں سنتا۔

یہ مکان آخر کے الٹ ہو رہے ہیں۔

پتہ نہیں، بس ایک بار آتے ہیں اور مکان لے کر چلے جاتے ہیں۔

لولی لالچ

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

لولی لالچ کی ریلوے کے پایہ کار تھا جو بالکل نیا تھا ہوا تھا اور وہی تک علی گڑھ کے پہلے ایک قہر تھا جو عمارتی سلاخ سے بھرا ہوا تھا، لوہے کے گھڑاؤں پر بنی، چپ لڑکیوں، کلاہ، کیل، پنچ، چالیاں، کھلی کی تاریں، سوچ ہو لڈر، پینٹ، لکڑی، لکڑی کی ہوائی تھیں۔

لوٹ کال

بارہ بجے کے شانوں میں پتھر کے چار قطار میں گئے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا کہ میں نے ایک بڑی کچی دالیں، چاول، بکڑ، گھنٹیاں، کھنٹیاں، چینی اور چائے لایا تھا۔ ہلو دینے کی ہڈی روٹی کا سلاخ تو ہو گیا، لالی نے چکیاں بھاتے ہوئے کہا۔

زندہ داخل لالی میں تو یہ سب چھینکوا دوں گی۔

کیاں لالی نے پوچھا۔

نہ نہیں، میں نے ہندوؤں کی چھڑیاں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ لولہ تو کوئی دھرم نہ کر رہا تھا، تم نہ برتو۔ تم اپنا دھرم بھرشت نہ کرو۔ اپنا تو کوئی دھرم نہ کر رہا تھا، اس کے پرانے پکا کر دیکھے، روز جمع شہ۔

کمال کے تھے ہیں ہندو جانتے وقت کھاتے پینے کی چیزوں میں دھرم لگاتے تھے۔ برا حال ہے نئے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے گئے۔ برتنوں کی لٹاری میں لوہے قہاریں ہی قہاریں لولہ لالچ کی ریلوے کے پایہ کار تھا جو بالکل نیا تھا ہوا تھا اور وہی تک علی گڑھ کے پہلے ایک قہر تھا جو عمارتی سلاخ سے بھرا ہوا تھا، لوہے کے گھڑاؤں پر بنی، چپ لڑکیوں، کلاہ، کیل، پنچ، چالیاں، کھلی کی تاریں، سوچ ہو لڈر، پینٹ، لکڑی، لکڑی کی ہوائی تھیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

کمال کے تھے ہیں دھرم کی گئے ہیں۔

بھرا تھا، مضبوط تھا۔ اس میں انگریز کے دور کے سیکڑ کلاس وینٹگ روم کی دھڑکیاں

نو دلیے

سلمان دیکھ کر مجھے اندر ہی اندر دکھ ہوا میرا ڈرائیونگ روم کا خوب ہمارا
لے، لیکن پھر بھی میں بہت خوش تھا، چلو ڈرائیونگ روم نہ سہی۔ جینٹل ڈرائیونگ
اگرچہ غلطی نہ تھا، لیکن فریجیئر تھا۔
بڑے روز میں بہت ہماری ڈرائیونگ تھے، بڑے بڑے آئی۔
ہوئے موٹے ڈگ قسم کے میز۔

مندوق کپڑوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن ان کپڑوں کی نوعیت ان
لڑے بازار کے فٹ پاتھ پر کپڑوں کے ڈھیر گے ہوتے ہیں اور پرچوں فروش
دروپے کا آواز لگتے ہیں۔

بہر صورت ہم محسوس کر رہے تھے جیسے دفعتاً غمت سے لہارت میں آنا
ایک صاف ستھرا مکان ایک الگ جینٹل، اتنے سارے برتن اور طرح طرح کے
ہر سائز کے کپڑے، سٹے ہوئے، اگلے سٹے، ان سٹے۔

اس لہارت میں صرف ایک کرسی وہ یہ کہ گھر میں بچلی نہیں تھی ہوئی تھی
کچلی کے بغیر گزارہ تو ہو سکتا تھا لیکن اتنے خوبصورت گھر کو لانا۔

میرے لیے قابل قبول نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ کچلی کے پول کی تدریس مکان کی
سے گزر رہی ہیں۔ میں نے تہ خانے سے تین رطلے گلوب لپٹ لکھے، ان میں
کے تدریس لکھیں۔ مچن میں گئے ہوئے پیڑ پپ سے نیکیو کرٹ حاصل کی
پیٹھ گیٹ جب شام کا دھندلا ہوا تو میں نے ایک لیے ہاس سے تار لٹکایا جس کے
تھا۔ ہاس کی مدد سے کپ پول کی تدریس لکھنا۔ تینوں بلب روشن ہو گئے۔

پھر جارا معمول ہو گیا رات کو ہم میں لاش پر کب کب دیتے اور صبح سویرے
کر دیتے مشکل یہ تھی کہ اپنے اہل خول کی وجہ سے میں تینوں کو کھانا لگا دیتا
لے گھر میں مدیم روشنی رہتی۔ ملتی اس پر سخت نہیں سمجھیں، تو کتنا تھا، کھلم کھلا

لاحول ولا قوۃ

مادران میرے دل میں ہم چمتی کی حقیر تلواری طرح تھی راتی راتی۔

پھر جب رات کو سو رہا لیٹ کر پڑنے کی کوشش کرتا تو کتاب پر چبھتا ہوا ہوتا۔

تھے بچتے اور بیچ کر ہانچ کر ہانچ کر لیٹے جیسے ہم چمتی کی کتاب،

کتاب سے نکل کر نکلیں بیٹھتا۔ پھر دوش آتا تو سامنے وہی ہم چمتی کی کتاب

ی آواز آتی۔ تھک ٹھک جاتا۔ کمر کی کے پٹ چلوں کر کے لیٹے۔

بن جاتی اور اس درز سے درز رات کے اڑے جھانکتے۔

چار چہ دن تو یہ کھنکھن گئی رہی۔ آخر ایک رات کتاب پیچیک کر میں اللہ

میں کیا صبح ہے۔ تو صبح کیوراشی ہے، لالچ تو میں۔ کیوراشی تو ایک صبح

دیکھتا تو صرف یہ ہے کہ اس ہم چمتی میں ہے کیا۔

جین سرسبز تھک۔ اگر تالے کی مروت بھی تو کیا ہو گا،

میں نہیں فضل ہے۔ خلوہ خلوہ خود کو ذلیل کرنا میں

پھر دھن۔ خیال آتا، دیکھوں تو سہی ہم چمتی کتنی ہی بی بی۔ اگر

کوئی درز تو ہوگی۔ میں اٹھ بیٹھ۔

ہم چمتی کی کوئی کمرے کے دروازے کے عین اوپر تھی۔ اس میں داخل ہو

کوئی زینہ نہ تھا۔

اُسے وہ اونچا سٹول جو ہے۔ ہاں یقیناً وہ سٹول اسی لیے بنایا گیا ہے کہ ہم

سکے۔

پہلی مرتبہ جب میں نے وہ سٹول دیکھا تھا تو حیران ہوا تھا کہ اونچا سٹول

میں آسکتا۔ پھر اُنہ اونچا بنانے کا مقصد پھر جب انہوں نے باورچی خانے کی

سے ٹفنوں کی تلاش کی تھی تو اقبل بیٹھک سے وہی سٹول اٹھا کر لے آئی تھی

نے غور سے دیکھا تھا کہ سٹول کی ایک طرف اوپر تک ڈنڈے لگے ہوئے تھے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہم تو خوش خرابے بند ہوں گے۔ میں بچے اچھے آؤں گے۔ یہ سوچ کر

کھنکھن گئی۔ پھر اُنہ اونچا بنانے کا مقصد پھر جب انہوں نے باورچی خانے کی

میں کیا صبح ہے۔ تو صبح کیوراشی ہے، لالچ تو میں۔ کیوراشی تو ایک صبح

دیکھتا تو صرف یہ ہے کہ اس ہم چمتی میں ہے کیا۔

جین سرسبز تھک۔ اگر تالے کی مروت بھی تو کیا ہو گا،

میں نہیں فضل ہے۔ خلوہ خلوہ خود کو ذلیل کرنا میں

پھر دھن۔ خیال آتا، دیکھوں تو سہی ہم چمتی کتنی ہی بی بی۔ اگر

کوئی درز تو ہوگی۔ میں اٹھ بیٹھ۔

ہم چمتی کی کوئی کمرے کے دروازے کے عین اوپر تھی۔ اس میں داخل ہو

کوئی زینہ نہ تھا۔

اُسے وہ اونچا سٹول جو ہے۔ ہاں یقیناً وہ سٹول اسی لیے بنایا گیا ہے کہ ہم

سکے۔

پہلی مرتبہ جب میں نے وہ سٹول دیکھا تھا تو حیران ہوا تھا کہ اونچا سٹول

میں آسکتا۔ پھر اُنہ اونچا بنانے کا مقصد پھر جب انہوں نے باورچی خانے کی

سے ٹفنوں کی تلاش کی تھی تو اقبل بیٹھک سے وہی سٹول اٹھا کر لے آئی تھی

نے غور سے دیکھا تھا کہ سٹول کی ایک طرف اوپر تک ڈنڈے لگے ہوئے تھے۔

UrduPhoto.com

برتنوں کے اس ڈھیر کے پاس ہی کپڑوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ چہرہ لڑکھٹے، قیض، انگوٹ، رومال، زیب کن، ڈسریہ

ایک لڑکھٹے کے ہاتھوں میں ایک رومال رکھ کر اقبال کو اشارہ کیا۔ وہ ڈبے

اور میں ایک تھا ہمارا مسافر تھا۔ میں نے کئی ایک مختصص کی تھیں اور میں نے

یہ دھا کر دیا تھا۔ مجھے باتیں کرنے کا شوق تھا لیکن بلند بخت کو سامنے بیٹھنے والے کی

بھول جاتی تھیں۔ وہ ذاتی صورت نہ تھی۔ اس کے خیالات رسمی اور مجید تھے۔ اس

خیال ممکن نہ تھا۔ اپنی آکٹہٹ کو دور کرنے کے لیے 'ذاتی شدت سے نجات پا

میرے پاس دو گھڑی کے جسی ملاپ کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہ تھا لیکن بلند بخت کا

نظام ملاپ سے مخالف تھا۔ اس کا سارا جسم اس کے خلاف احتجاج کرتا تھا۔

اسی وجہ سے آقبل نیگم کی تمام تر توجہ گھر پر مرکوز تھی۔ سارا سارا دن وہ گھر کی

کمرے میں بسر کر دیتی۔ فرمت کے اوقات اس غم میں آئیں بھرے میں کٹ پاتا۔

کوئی اس سے باتیں کرنے والا نہ تھا۔

لولی لانج میں آکر وہ بالکل ہی گھر میں کسوٹی تھی 'جو کچھ پہلی مرتبہ اسے چھو

آیا تھا۔ چیزوں کو بجا کر رکھنا اور پھر پھٹنے کے بعد ترتیب کو بدل دینا اس کا

تھا۔

ڈرا، سما

لولی لانج میں کئی بہت خوش تھا۔ پہلی بار اسے کھینچنے کے لیے ایک لہا چوڑا

تھا۔ وہ سارا دن چھوٹی چھوٹی چیزیں اکٹھی کر کے مچن میں کھیلتا رہتا تھا تاکہ وہ

کر سامنے چوگان میں کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھتا رہتا۔ اس میں اتنی جرات پیدا نہ

دروازے کو پار کر کے چوگان میں اتر جائے۔

انہی طور پر کئی ایک ڈرا ہوا، سما ہوا بچہ۔ اس کی عمر صرف چھ سات سال کی

اس نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا تھا۔

بالہینے میں گھر میں بیٹھ کر تھی 'بہنیں تھیں' بھائی تھے' انہی تھی' اور وہ

سے محبت کرتے تھے اور لاؤ لڑاتے تھے۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا 'ابو چلا گیا۔ پچھ میں کہہ

تھی کہتے تھے کہ وہ اب دلیس نہیں آئے گئے۔

پھر ابو دلیس آ گیا اور چھپ چھپ کر اسے مل رہا وہ اسے چھپ چھپ کر

پھر

UrduPhoto.com

پہنچی ہیں۔ دنگل دنگل کھڑی سے منڈیر پر، منڈیر سے کوٹھے پر، کوٹھے پر، ہاتھوں پر کھڑکی میں۔ کبھی دوپٹہ سنبھالتیں، کبھی ہنس ہنس کر دہری ہوتی جاتیں، کبھی کبھی اشارے کرتیں، مسکاتیں۔

مائی کو لڑکیوں سے دلچسپی نہ تھی، صرف چھیڑ چھاؤ کا متوالہ تھا۔ یوں اس نے ان بچیوں کے چہنچہ کو چھیڑ کر خوش ہوتے ہیں۔

مائی کسی ایک لڑکی کو چھیڑتا تو وہ اس حد تک چھیڑ جاتی کہ آپاں میں دھڑکی، آنکھیں گھمائی، طرح طرح کے پوز بناتی اور خود کو ہر دوسرے سے دکھائی دہائی ہو جاتی۔ پھر وہ دن بھر چھتری رہتی اور ایسی مسی دھکائی کہ مائی کی جگہ لالہ اور مارا اس پر چڑ جاتا۔ پتہ نہیں مائی کس مٹی سے بنا ہوا تھا۔ وہ لڑکی کو چھیڑ کر آرام دیکھا کرتا تھا۔

اگلے روز وہ کسی دوسری لڑکی کو چھیڑتا۔ اور پھر وہ بچکاری اس خوش مٹی کی آواز کا مرکز بن گئی تھی۔ پھر وہ پروانہ صفت پر پھر پھر زانی، تڑپتی، خود کو ہلکان لڑکی مائی کی اس تلاش میں چھیڑ چھاؤ سے محلے کی تمام لڑکیوں میں چھڑ مٹی جسم پر پڑا ہوا۔ ان چھتری ہوئی بہن بہن کرتی ہوئی کھیلوں کے سامنے مائی یوں پتہ پتہ اساتذہوں میں بیٹھا بین بجا رہا ہو۔

شخص، ذہنی

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشفاق احمد کو ملے۔ ایک دیران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے ٹکڑے کے ساتھ، مائی کی فطرت سے بھری ہوئی قدرتی طور پر بنی تھی، تعمیران میرے دوبرو میں تھا۔ میں نے کہا، آپ ممتاز مفتی ہیں۔

ممتاز مفتی نے کہا، جی، میں نے جواب دیا۔ میں ممتاز مفتی

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے کہا۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے کہا۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے کہا۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے کہا۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے کہا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں وہ پلاٹم مکتدر میں رہتے تھے، فیروز پور ضلع میں میر کرنے کے کرتے تھے۔ دن قمر میل میں چڑھ جاتے تھے اور قصور اتر جاتے۔

میں نے حیرت سے سیندھوری میدان سے بنی ہوئی خانوں کی طرف دیکھا۔
ملنے آئے ہیں آپ۔ میں ساتھ والے کپ میں کھرک ہوں اس نے جواب دیا۔
اور۔

داستان گو

پہلی مرتبہ میں اشفاق احمد سے ملا تو ایسے لگا جیسے گلابی ٹھل پر سرے آگے۔
کڑھے ہوں۔ اس کی بھرپور بولنی، جھل جھل کر رہی تھی اور اس پر انبساط کی
ٹانگی ہوئی تھی۔

پھر ہم کہیں ملنے گئے۔

پہلے اتفاقاً "برسرے" رہا۔ پھر "تزلزل" ملے شدہ جگہوں پر فن دونوں ایک
احمد نہیں بنا تھا۔ ابھی بننے کا عمل شروع نہیں ہوا تھا۔ غالباً صلاحیتیں ابھی خواب
ایک خصوصیت اپنے جوہن پر تھی۔ وہ پورے طور پر داستان گو تھا۔

مگن غالب ہے کہ آپ "داستان گو" کا مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھتے۔
کبھی روایتی لوگ داستان گو نہیں دیکھے، نہیں سنے۔

روایتی داستان گوئی میں غنہ ہوتا ہے، ساز ہوتا ہے، ڈرامہ ہوتا ہے، ساز
ہوتے ہیں۔ داستان گو داستان سناتا ہی نہیں، داستان پر قائم کرتا ہے۔ اشفاق احمد
طور پر پر قائم رہا۔ اسے بہت سے لطیفہ کہانیاں، داستانوں کے ٹکڑے، ڈراموں کے
ایسی بیسیوں چیزیں یاد تھیں۔ پہلے وہ محفل لگا تھا، لگ جاتی تو خود سٹیج میں جاتا اور
پڑاؤں دینا کہ محفل باغ ہو جاتی۔

اشفاق کی باتوں میں تفصیلات کی چاشنی تھی۔ بات میں تفصیلات کی پھول پاتا،
اس کی شخصیت سے انبساط کی پھوار اُٹتی، یوں ابھی جیسے فوارہ چل رہا ہو۔ اور وہ

میں نے اس کے ہاں لے گیا۔

اس کے ٹکار خانے میں طرح طرح کے نقش تھے۔
گلری سے بنے ہوئے گورکھ دھندے تھے۔ جنہیں دیکھ کر
اورا تھا۔ کیا ہوتا تھا مجھے سمجھ میں نہ آیا۔ کیوں ہوتا تھا؟ یہ تو خیر
"عام شعور تھا کہ کچھ ہوتا ہے" ایسے ہوتا ہے جیسے میری نیلی

کی قطار لگی ہوئی تھی۔

اسی صباغ سے رنگ افروز کر کے کالینک کو رنگوں سے ترتیب دے
پہلی کالینک کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ پاس ہی خانائے نصرت
کے بندہ سے خواہش کی پھوار پھوٹ رہی تھی۔

دیکھا رہا، دیکھا رہا یوں دیکھا رہا جیسے اندھا پہلی بار دیکھ

جسم کی ساری زندگی آنکھوں میں مٹ گئی۔
حیرت جس میں لذت تھی، ہمرانی تھی، فرحت تھی۔

اورا تھا کہ تم کو تھا کہیں بات میں پہچانی تھی۔ چھوٹا تھا، مٹھا ہوا
لیکن خود غل ایسے تھے کہ ذہن کی چمک منظر عام پر نہیں
پر بے نیازی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے "ابنہ ڈھیر کہ جود کا
بے نیازی کا گرواڑا جاگ
لیکن کڑک پیدا نہیں ہوتی تھی، چونکہ وہ مدہم
تھا۔

بے مدہم میری زندگی میں گویا ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ جب میں
تو ایک خوبصورت سرسبز گلستان میں جا پہنچا۔

یہ سرسبز گھٹن 'لارنس باغ' کی ایک پر فضا پہاڑی پر ایک پہاڑی کی ایک
 اترتے تھے کہ اس سے موسم تھی۔
 اوہنا اترتے تھے کہ وہاں نے قبضہ ہمارا کھا تھا جس دو چھوٹے چھوٹے
 درخت شہو بنایا تھا۔

انوکھا کاروباری

اولیٰ سارا دن اپنے کمرے کے مخصوص کمرے میں جس کی حیثیت شہنائی کی کرتا تھا کتاب کا سروسق، بوتل کا لیبل، اشتہاری تصویر اور نہ جانے کیا کیا پتہ نہیں اسے گھر بیٹھے شہنائی کلام کہے لے جاتا تھا۔ حیرت کی بات کہ سمجھتا تھا کہ کلام وہ ہوتا ہے جو چل کر گھر آئے، وہ نہیں جسے حاصل کرنے کو جانا پڑے۔

ذیلی نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ کتوں ہے، چپا میٹیں۔ حلائک ان
جینک تھا نہ بیٹیں تھا اس کے باوجود اسے کل کا فکر نہ تھا۔ روزانہ
ایک کمرشل کام مل جاتا تھا جو وہ بڑی آسانی سے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں
معموسہ ساٹھ بیٹھ روپے کا لینے تھا۔ حلائک مارکیٹ میں وہ کام چیکیں تیں
ذیلی کا دوسرا اصول یہ تھا کہ منگے، خیر ار کو خاطر میں نہ لائے۔ کوری

جھوٹے یا پھانسی کا درخت۔

مجھے ذہنی کی باتیں عجیب لگتی تھیں۔ اقتصادیات کے اصول جو میں نے اے۔اے۔ایچ۔ آئی۔آئی تو شاہد نشینی ختم ہو جاتے۔ کوئی ان چالی خلقت مجھے

تھے 'ذہنی' کے کاروباری اصولوں کو دیکھ کر ایک ایک کر کے 'جوں جوں مجھے تھے'۔

UrduPhilly

ہاں تو دن بھر ڈوبی صحر کی بیٹھک میں کمرشل کرتا۔ شام کے وقت وہ

پچھ ہو کر رہ گیا۔ اندھیرے اجالے پھر سے گڈو ہو گئے اور ایک ایسا دھندلا پن پھیل گیا
راستہ کوئی ڈنڈی سمجھائی نہ دیتی تھی۔

میں سوچتا یا لکھتا یہ کیا بھید ہے۔ اس پتھر کے بت میں وہ کون سی بات ہے۔
پکاروں میں تبدیل کر دیتی ہے 'روح کی پکار میں' 'ذہن کی' 'جسم کی'۔
دائیاں بلیاں۔

اس شخص میں وہ کیا بات ہے جسے دیکھ کر نسلی پھول چٹاں جھڑ جاتی ہیں۔
اُبھرتا ہے اور پھر مسلط و محیط ہو جاتا ہے۔
اس شخص کی پاندھی نہ تھی۔ جسم کی پاندھی نہ تھی۔
ایک لمبا نچہ لگتا، چنلخ دو سرا۔

جاذبہ۔

یہ تو غیر معمولی اور عام سی باتیں تھیں۔ مردیچہ گھر کا دروازہ کھینک کر بیٹا اور
کے اشاروں پر پچھتے رہے ہیں۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر گھر میں کوئی نوجوان لڑکی یا لڑکھنڑ محترمہ آجاتی
ہوتی یا دور کی 'چاہے دو ایک گھنٹے کے لیے یا دو ایک دن کے لیے آتی، اس کے لیے
ہر فرد کو جانا تیار رہ کر دامن گیر ہو جاتا کہ چرواہوں میں بیعت نہ کرے
نہ پائے۔ اس وقت ہر فرد کھڑکی میں بدل جاتا اور اپنی اپنی جگہ جالے تختے میں
لوہر سے نکل بھاگنے کا راستہ ہے، یہاں چلا تو دن دو۔ لوہر ایک سو راخ ہے اس کے
میں اڑن کی سکت ہے، جلدی سے اس کے پردوں کو چھیننا دے کر بھگو دو۔ اس کی
تقلی سنڈی بن کر کیٹنے پر مجبور ہو جائے، دیو تاکڑا دور بیٹھا آگ شل ہے اس کا
انتہام کو دیکھا رہتا۔ پورے ہی اس کے ارد گرد بچائے پرستے میں مصروف رہتے ہیں
بچے جاتی۔

ان باتوں کی وجہ سے میرا ذہن حیرت کردہ بنا ہوا تھا دل میں ذہنی سے نوجوان
لین میں اسے حسین بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھا ذہنی کی شخصیت کی
بند میں لہریں لہتی تھی، مجھے ذہنی سے عشق ہو گیا تھا۔

دروازہ - بند

ایک روز میں مختصر بیٹھا رہا کہ کب ذہنی کے ٹیوٹر پر کار دروازہ کھلے

اس روز ایک محترمہ قسم کی خاتون ذہنی سے ملنے آئی تھی۔ انداز سے معلوم ہو
مرتبہ آئی ہے۔ اس وقت وہ لبرل لگائے ایک پٹل سکے بیٹے میں مصروف تھا۔
خاتون صوفے پر بیٹھ گئی۔ ذہنی کچھ بیٹے میں مصروف رہا۔

آپ آکر ذہنی ہیں خاتون نے پوچھا

جی 'اس نے کچھ سے سرائے بغیر کر

آپ کو کچھ سے دلچسپی ہے، گھر سے یا بیٹے سے۔ وہ بڑی بے نیازی

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

جاذبہ۔

ریز کی گڑیا چوں چوں کرتی ہوئی پل پر چڑھ جاتی۔

آخر میں 'ہی ہی ہی ہی کی آواز آتی۔

پھر ایک معنی خیز خاموشی چھا جاتی۔

اور پھر 'چراں ٹھٹھ سے دروازہ بند ہو جاتا۔

پھر گھر کے سارے در و دیوار سرگوشیاں کرتے 'دروازہ بند ہو گیا' دروازہ بند ہو گیا

سرگوشیاں میرے کانوں کے ارد گرد منڈلاتیں 'میرا منہ چڑا دیتی' 'خسرو اڑا دیتی' 'دروازہ بند ہو گیا' مجھے غصہ آئے لنگ میرے نزدیک دروازہ بند ہو چلا آگوشی کاٹنے

کا نشان قتلہ میں بند دروازے والے کمرے کی طرف دیکھا اور محسوس کرتا ہوں وہ کمرہ

ہو جس سے پیپ رس رہی ہو۔ یہ جب کی بات تھی۔

اب بند کمرہ میری نگاہ میں پھوڑا نہ رہا تھا۔ اس میں سے پیپ میں رتی رتی

پلندہ دیکھ کرے پے غصہ ضرور آتا تھا 'اس لیے نہیں کہ میرا احساس پاکیزگی

لب میں خود آگوشی سے اس قدرت پت ہو رہا تھا کہ کس منہ سے پاکیزگی کا تصور

اب بند کمرے کو دیکھ کر مجھے اس لیے غصہ آتا تھا کہ میرے علم کے منہ پر پانا

پڑا۔ میرا احساس ہر دلی چور چور ہو جاتا۔ مجھ میں نہ آتا کہ دروازہ کس اصول

ہوا ہے۔

ذہنی کی شخصیت اور جسم میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ اس کی باتوں میں کوئی

اس کا ہر ٹکڑے 'نیازی' ہے پے دہائی اور آکاسٹ سے بھرا ہوا قتلہ پھر دروازہ کیسے بند ہوا

معصوم فنکار

اس روز میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ذہنی سے بات کروں گا۔ اسی لیے میں دروازہ

بٹھا تھا۔

دروازہ کھل گیا۔

محترمہ باہر اٹھیں۔ میں نے غصہ بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ یوں دھوئی دھلی

دیکھنے لگی جیسی کوئی بات ہی نہ ہو۔ پیچھے وہ پار سے کو کا کولہ پانی کر آئی ہوں۔ اترے۔

... نہایت کی لاج کیا جاتی۔

... ادا راضی ہو گیا۔

... یوں بھرا ہوا تھا جیسے ابھی ابھی اگر جی بھی ہو۔

... کوا کتبی میں مصروف تھا 'بے نیاز' 'بے لاگ' 'بے لگاؤ۔

... نے فیسے میں کہا۔

... نظر ہوا۔

... بھرا ہوا ہو ہے۔

... ہاں میں کر کے ہوا کو سونگھنے لگا 'کہا ہے یو۔

...

... ہے لیا۔

... ہوئی ہے۔

... ہو

...

... نے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔

...

...

...

...

... اس کا کیا ہے۔

...

... میری طرف دیکھا لیکن اس نے ترخو شہو لگائی ہوئی تھی۔

... ایک وہ خوشبو ہوتی ہے جو لگائی نہیں

... ہوئی ہیں۔

... جیسے میں تھا پتہ 'میں تو صرف ایک سے واقف ہوں' جو

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زہر لب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے 'نیکے' خرائی 'میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی 'نہ نہ نہ نہ' وہ بولا 'پری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ' وہ فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔
میں نے معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا 'میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا' میں تو مرنا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تیرے پاس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں 'یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں 'وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کو تو ہم
دول گا جہیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی مفت ہے 'جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
ہیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں 'اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
پنپنے لگی۔

میں نے ہر صفحے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔

میری آرزو رہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لٹ نہیں
میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا رہا پھر بولا 'کیا تمہارے ساتھ کیٹی نہیں

ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زہر لب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے 'نیکے' خرائی 'میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی 'نہ نہ نہ نہ' وہ بولا 'پری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ' وہ فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔
میں نے معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا 'میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا' میں تو مرنا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تیرے پاس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں 'یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں 'وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کو تو ہم
دول گا جہیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی مفت ہے 'جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
ہیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں 'اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
پنپنے لگی۔

میں نے ہر صفحے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔

میری آرزو رہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لٹ نہیں
میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا رہا پھر بولا 'کیا تمہارے ساتھ کیٹی نہیں

ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زہر لب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے 'نیکے' خرائی 'میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی 'نہ نہ نہ نہ' وہ بولا 'پری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ' وہ فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔
میں نے معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا 'میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا' میں تو مرنا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تیرے پاس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں 'یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں 'وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کو تو ہم
دول گا جہیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی مفت ہے 'جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
ہیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں 'اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
پنپنے لگی۔

میں نے ہر صفحے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

پھر بڑی محنت سے اس نے حلیت اللہ کا نام گنہ گار قبول کر رکھا۔

تخصیص ہے شروع ہونے کے بعد، اگر قبولی نے ذکر شل کام شروع کر دیا،
انہی دنوں قبولی نے لکھنؤ شہر میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

پیش گو

جب زمانے بابت بتا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا ذہنی

شر ہے۔ لیکن انکار میں مبتلا اس سے متاثر ہوتا ہے۔

اچھا وہاں انکار ہوا ہو گیا ہے۔

تجھے نظر لی آئی ہے میں نے پوچھا۔

میں تو بھلا۔

کیا نظر آئے؟ میں نے پوچھا۔

کتنے کنگاڑے نظر آئے ہیں، میں نے وہی بتا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش منل ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل گزرتے جاتے ہیں

ہو ہو قبولی کے لئے ہر بات سے میں متعلق ہو جا رہا ہے۔ دیکھا ہوں؟

باللہ یہ شخص نے زلف کے علاوہ پیش گوئی ہے کیا۔

غم خور۔ دکن

قبولی نے لکھنؤ بابت بتا تو میں سچے بھروسے اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اگرے یہ انکار آئے۔

کیا بتا دیا ہے؟

یوں بتا دیا ہے کہ اللہ کی پڑی ہو۔

اچھا وہ بھروسے کی پڑی ہو۔

میں باقی کی بات کرتے ہو چلا۔

میں بھی سسٹم میں آئے ہیں جو اب رہا۔

پھر بڑی محنت سے اس نے حلیت اللہ کا نام گنہ گار قبول کر رکھا۔

تخصیص ہے شروع ہونے کے بعد، اگر قبولی نے ذکر شل کام شروع کر دیا،

انہی دنوں قبولی نے لکھنؤ شہر میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

پیش گو

جب زمانے بابت بتا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا ذہنی

شر ہے۔ لیکن انکار میں مبتلا اس سے متاثر ہوتا ہے۔

اچھا وہاں انکار ہوا ہو گیا ہے۔

تجھے نظر لی آئی ہے میں نے پوچھا۔

میں تو بھلا۔

کیا نظر آئے؟ میں نے پوچھا۔

کتنے کنگاڑے نظر آئے ہیں، میں نے وہی بتا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش منل ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل گزرتے جاتے ہیں

ہو ہو قبولی کے لئے ہر بات سے میں متعلق ہو جا رہا ہے۔ دیکھا ہوں؟

باللہ یہ شخص نے زلف کے علاوہ پیش گوئی ہے کیا۔

غم خور۔ دکن

قبولی نے لکھنؤ بابت بتا تو میں سچے بھروسے اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اگرے یہ انکار آئے۔

کیا بتا دیا ہے؟

یوں بتا دیا ہے کہ اللہ کی پڑی ہو۔

اچھا وہ بھروسے کی پڑی ہو۔

میں باقی کی بات کرتے ہو چلا۔

میں بھی سسٹم میں آئے ہیں جو اب رہا۔

نیم چھتی کا رابنس کروڑو

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڑ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔

ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں ہوتا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جاننا ہی نہیں تھا۔ اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقوں کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔

اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ والی اور شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑواں ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا تھا۔ لے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڑ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں ہوتا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جاننا ہی نہیں تھا۔ اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقوں کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔

اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ والی اور شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑواں ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا تھا۔ لے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڑ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں ہوتا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جاننا ہی نہیں تھا۔ اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقوں کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔

اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ والی اور شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑواں ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا تھا۔ لے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڑ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں ہوتا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جاننا ہی نہیں تھا۔ اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقوں کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔

اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ والی اور شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑواں ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا تھا۔ لے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

بھلا، اشفاق کی زندگی دکھ سے آزاد تھی۔ اسے ہر قسم کی سہولت اور آرام حاصل تھا۔ ایک الگ کمرہ، میسر قابل کتابیں تھیں۔ وہ وقت کا مکنا بچے سے آجائے اور ضرورت ہوتی، صرف آواز دینے سے موجود ہو جاتی۔ اپنی سہولت کے لیے اس کا ایک کونہ کھائے پکائے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہاں چل کاچر لہا تھا۔ نہ پانی نہ برقی کولر تھا۔ چائے کی کلا پیسک تھی، پیالے تھے، چنب پی چاہتا چائے بنا تھا۔

بظاہر وہ ایک بے فکر انجمن قلم محبت کے روگ سے محفوظ تھا۔ نہ لکھنے کے لیے، نہ خبر قلم کوئی بری عادت نہ تھی۔ صرف وہ شوق تھے کہ لب اور مشین، مسطرت کا رول کا دلدادہ۔ رول چلنے ہی مشین کو دیکھ کر روک جاتا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنا کیے، جانی کرتی ہے۔ کس دعات کی بنی ہوئی ہے۔

پھر بار بار دوسرے گزرتے، ہر بار مشین کو اٹھاتا اور وہ پردہ اس سے کھینچ کر اس نے ورثے میں پلایا تھا۔ وہ ایک پیدائشی مسرتی قلم تھیں اسے انجمن تھیں۔ فائن آرٹس کا شوق تھا۔

ابتدا میں ادبی سے متاثر ہو کر اس نے پیشنگ کا شوق آزایا تھا۔ اس زمانہ میں چوری پیشنگ کیا کرتا تھا، اس نے چار ایک عمل بنائے تھے۔

سب سے پہلا عمل جو اشفاق نے بنایا، اس کا نام کل مل تھا۔ اس میں مورچہ، حصہ دکھایا گیا تھا، جسے چھپڑنے سے جن بوتل سے باہر نکل آتا ہے۔ یہ عمل بھی اس لیے کہ خاتون کا چہرہ جو دکھایا گیا تھا، اس پر ایسی کیفیت لگائی تھی کہ جن کا اور اشفاق کا دوسرا عمل بھی ایک عورت تھی، جس نے اپنی نہایت سے بھری اور کندھوں پر اٹھا رکھی تھیں۔

گہری اداسی

اشفاق احمد کے یہ فنکارانہ بڑے معصوم تھے، وہ خود بھی معصوم تھا، اس لیے وہ کسی جواز نہ تھا۔ لیکن وہ دیکھی تھا، بے وجہ دیکھی تھا اور صرف وہی نہیں وہ دکھ ساری نیم چھٹی لڑکی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر تھیں رول، وہ وہ نام

لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم نے بھڑا کر لایا۔ پھر میں پرگڑ کی گرم پت چڑھائی۔
 کہہ کر کہ لگاؤ کر کے انہیں پائے عا ستو بنائے۔ لہا نے پٹیاں بنائیں۔ ہم سب
 (اور ان) کو ڈھونڈ رہے۔

تو ان کو دیکھا کہ وہ نہیں چھوڑے تھے شیشیوں پر چھوڑے نہیں جاؤ گے کیا۔

لوگوں۔

کہاں۔

بس شیل ہی میں کیا۔

تو ان کو دیکھا کہ وہ نہیں چھوڑے تھے شیشیوں پر چھوڑے نہیں جاؤ گے کیا۔

چمک کرتی ہوئی سامنے آئی تو پہنچے نہیں کیا ہوا مجھے 'میری آنکھوں سے آنسو پڑنے لگا'۔ میں نے کہا 'جب سے وہ گئی ہے۔ اور میرا پیچھا کرنا چاہا کہ چنچ کر رو دوں۔' لیکن میں نے پورا ضبط کیا۔

کیوں؟ میں نے پوچھا۔

اسی اب گھر پر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب بھی میں برساتی پر چڑھ کر گاڑی، وہاں کھڑے ہو کر تائیں بٹاتا ہوں، قہقہے لگاتا ہوں، چلا چلا کر گھر والوں کو بلاتا ہوں۔

موسیقی کی چال چل رہی ہے آؤ دیکھ لو۔

ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کہہ بھری۔

میں خوف زدہ ہو گیا؟ شتو نے کہا 'اگر لہجے دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی' اس نے

کر رونا رہا۔

پھر 'میں نے پوچھا۔

پھر اشتیاق بولا 'میں رونا رہا، رونا رہا، رونا رہا۔ دیوار سے لگ کر رونا رہا، شیشوں پر چھوڑنے کے لئے' وہ گھر واپس آگئے۔ گاڑی پہنچے نہیں کتنے شیشوں پر، دیوار سے لگ کر رونا رہا۔

دیوار سے لگ کر رونا رہا۔

لور تجھے پتہ چل گیا کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے' میں نے پوچھا۔

نہیں! مجھے بالکل پتہ نہیں چلا۔ میں تو حیران تھا کہ میں رو کیوں رہا ہوں! مجھے پھر کرنل کے جانے کے بعد مہینوں اور بلاتھ جب بھی وہ وقت آتا تو میں کیوں

پچکے سے چڑی چڑی کرکے پڑ چلا جاتا اور جب گاڑی سامنے آتی تو میرے آواز میں ہینوں پر مہینوں کی گاڑی کو دیکھ کر رونا رہا۔

پھر تجھے پتہ کیسے چلا؟ میں نے پوچھا۔

مجھے میرے دوست نے بتایا 'شتو نے کہہ بھر کر کہا اس کا بیٹا وحید تھا اس نے گاڑی کے وقت کھیل کود چھوڑ کر کھٹے پر چڑھ جاتا تو اس نے میرا پیچھا کیا

ہوئے پکڑ لیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو رونا نہیں ہے۔

میں نے کہا 'پتہ نہیں۔

سب سے رونا ہے تو اس نے پوچھا۔

پھر 'میں نے پوچھا۔

پھر 'میں نے پوچھا۔

پھر 'میں نے پوچھا۔

اور وہ ————— اس کا کیا حال ہوا۔

کس کا شتو نے چمک کر پھیل۔

کزن کا۔

پتہ نہیں وہ بولا۔

اسے پتہ چلا گیا۔

کس بات کا۔

کہ تم گاڑی کو دیکھ کر رو رہے۔

پتہ نہیں وہ بولا پتہ چل بھی جاتا تو وہ قہر مار کر فرس دیتی۔

ہوں اب وہ کہیں ہے میں نے پوچھا۔

نہیں ہے شتو نے جواب دیا۔ پانچ بجے ہیں۔ تین بجے تو کھولی بھر رہی۔

انگور

تمہاری اور کوئی کزن نہیں ہے کیا۔

ہیں بہت سی ہیں۔

تو جان ہیں۔

ہاں تو جان بھی۔

تمہارے گھر آتی ہیں کیا۔

آتی ہیں۔

تمہاری طرف توجہ دیتی ہیں کیا۔

ہاں اتنی توجہ کہ میرا ہی گھبرانے لگتا ہے۔

کیوں گھبرانے لگتا ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کہیں۔ اس توجہ سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ایسے لگا

بولا۔ جیسے وہ یا خود کو پیش کرتی ہیں۔ کبھی ہیں۔ میں پکا ہوا

لوہا یا پھر جیسے مجھے پکا ہوا انگور سمجھ کر اپنا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔

اور وہ ————— اس کا کیا حال ہوا۔

کس کا شتو نے چمک کر پھیل۔

کزن کا۔

پتہ نہیں وہ بولا۔

اسے پتہ چلا گیا۔

کس بات کا۔

کہ تم گاڑی کو دیکھ کر رو رہے۔

پتہ نہیں وہ بولا پتہ چل بھی جاتا تو وہ قہر مار کر فرس دیتی۔

ہوں اب وہ کہیں ہے میں نے پوچھا۔

نہیں ہے شتو نے جواب دیا۔ پانچ بجے ہیں۔ تین بجے تو کھولی بھر رہی۔

انگور

تمہاری اور کوئی کزن نہیں ہے کیا۔

ہیں بہت سی ہیں۔

تو جان ہیں۔

ہاں تو جان بھی۔

تمہارے گھر آتی ہیں کیا۔

آتی ہیں۔

تمہاری طرف توجہ دیتی ہیں کیا۔

ہاں اتنی توجہ کہ میرا ہی گھبرانے لگتا ہے۔

کیوں گھبرانے لگتا ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کہیں۔ اس توجہ سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ایسے لگا

بولا۔ جیسے وہ یا خود کو پیش کرتی ہیں۔ کبھی ہیں۔ میں پکا ہوا

لوہا یا پھر جیسے مجھے پکا ہوا انگور سمجھ کر اپنا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔

دیکھے۔

اس وقت وہ جسم کی جنت بنا کر بیٹھا ہوا ہے مگر کسی وقت روح ہاگ ہاگا
نظر ہو جائے گی۔ قلاط کا احساس ہائے گا اور یہ جنت جہنم میں بدلی جائے گی۔

نے خواب دیکھا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک فلیک شیٹیں لائو اور آگیا، نہیں نہیں یہ ممکن نہیں۔

پھر میرے دوسرے دلی کے ملحق صاحب آکرے ہوتے جو کہ

ان کے آنے سے بڑے فائدے حاصل ہو جاتے تھے۔ لیکن انہوں نے

اپنا نہیں جانتے، لیکن اس نے کبھی اسے درخشاں سمجھا

میں آگیا ہوں، وہ بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔

بس آگیا، مانی نے قہقہہ لگایا، نوکری سے استغناء دے کر آگیا۔

لیکن کیوں کسی سے جھگڑا ہو گیا کیا۔

نہیں، مجھ سے جھگڑا کرنے کی کسی ہمت ہی نہیں تھی وہیں۔

نوکیلا کنڈیشہ آف سروس مناسب نہ تھیں۔

نہیں نہیں، بڑی عمدہ کنڈیشہ تھیں۔ الاؤنسز تھے۔ مرہبات تھیں۔

پھر چھوڑ دیں نوکری۔

بس چھوڑ دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں، بچنے کا کام نہیں کرنا۔

مجھے دکھنا داری سے نفرت ہے۔ جیسے میں پتہ مجھے اپنے کچھوں ایمین آپلو سے مراد۔

نفرت ہے کہ وہیں بھی لوگ دکھنا داری توگ ہیں۔ وہ دور دورہ چار گتے ہیں۔ وہ ہر جگہ تو

انہیں گھسنے کی تیار ہی ہے۔ جیسے مجھے اپنے رشتہ داروں سے نفرت ہے۔ ان کے لیے

دور دورہ چار ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں شاہد ہے، پہنچ کر میں نے محسوس کیا جیسے میں انہیں

ہوں۔ وہاں کپڑے کی بل میں دور دورہ چار ہے۔ وہیں لوگ جذبات کو نہیں سمجھتے۔

کتنے، صرف دور دورہ چار گتے ہیں۔ اس لیے میں نے استغناء دے دیا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میں نے کیا۔

کیوں؟

پہلے کوئی دوسری نوکری تلاش کر لیتے پھر اسے چھوڑتے۔

لنگ لنگ

ہاتھ باندھ دیا، وہ بولا، تم بھی دور دورہ چار گتے ہو۔ مجھے بس ایک انوس ہے کہ تم شاہد

آئے۔

UrduPhoto.com

جس محلے میں میں نے مکان لیا تھا۔ وہاں بہت جوان لڑکیاں تھیں۔ بہت ساری سدا

UrduPhoto.com

میں آگیا ہوں، وہ بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔

بس آگیا، مانی نے قہقہہ لگایا، نوکری سے استغناء دے کر آگیا۔

لیکن کیوں کسی سے جھگڑا ہو گیا کیا۔

نہیں، مجھ سے جھگڑا کرنے کی کسی ہمت ہی نہیں تھی وہیں۔

نوکیلا کنڈیشہ آف سروس مناسب نہ تھیں۔

نہیں نہیں، بڑی عمدہ کنڈیشہ تھیں۔ الاؤنسز تھے۔ مرہبات تھیں۔

پھر چھوڑ دیں نوکری۔

بس چھوڑ دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں، بچنے کا کام نہیں کرنا۔

مجھے دکھنا داری سے نفرت ہے۔ جیسے میں پتہ مجھے اپنے کچھوں ایمین آپلو سے مراد۔

نفرت ہے کہ وہیں بھی لوگ دکھنا داری توگ ہیں۔ وہ دور دورہ چار گتے ہیں۔ وہ ہر جگہ تو

انہیں گھسنے کی تیار ہی ہے۔ جیسے مجھے اپنے رشتہ داروں سے نفرت ہے۔ ان کے لیے

دور دورہ چار ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں شاہد ہے، پہنچ کر میں نے محسوس کیا جیسے میں انہیں

ہوں۔ وہاں کپڑے کی بل میں دور دورہ چار ہے۔ وہیں لوگ جذبات کو نہیں سمجھتے۔

کتنے، صرف دور دورہ چار گتے ہیں۔ اس لیے میں نے استغناء دے دیا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میں نے کیا۔

کیوں؟

پہلے کوئی دوسری نوکری تلاش کر لیتے پھر اسے چھوڑتے۔

لنگ لنگ

ہاتھ باندھ دیا، وہ بولا، تم بھی دور دورہ چار گتے ہو۔ مجھے بس ایک انوس ہے کہ تم شاہد

آئے۔

UrduPhoto.com

جس محلے میں میں نے مکان لیا تھا۔ وہاں بہت جوان لڑکیاں تھیں۔ بہت ساری سدا

UrduPhoto.com

اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو میں کچھ دیر اور کھاتھ انچکڑ بنا رہتا۔ وہ اور دو چار۔

مجھے ہائی کی منطق بھی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ پہلے مجھے ہائی کی منطق

اب مجھے پتہ چل گیا ہے۔ کہ غصہ بے کار ہے، غصے کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ ہمارے

والدین کے ساتھ رہتی ہے۔

دیکھو مانی! میں نے کہا: جب تم یہاں سے گئے تھے تو غلّی کی تمام لڑکیاں لڑا۔

لنگ کر چھپیں دیکھ رہی تھیں۔

سچ، مانی نے حیرت سے پوچھا۔

تم نے نہیں دیکھا تھا کیا۔

مجھے خیال نہیں آیا ہو گا۔

تم اس گلی کی لڑکیوں سے کھیلتے نہیں رہے تھے کہا، میں نے ہر محالہ۔

نہیں، مانی پولے۔

تمہارا خیال ہے کہ ہم اندھے ہیں۔

”نہیں، وہ بولا، دیکھو میں انہیں موپے لایز ضرور کرتا ہوں۔ مگر میں ان کے

مرکز، تهران، ۱۳۸۵. ۹۰

$$-\frac{1}{2} + \frac{1}{2} \sqrt{1 + 4\lambda}$$

..... اور اصل انہوں نے بچپن میں ہی میری شادی کر دی تھی۔

وہاں سے تھوڑے عرصے کے بعد ایک اور گاؤں میں پہنچے۔

والدین کے ساتھ رہتا رہے۔

[illegible]

۱۔ مجھے وہاں سے گھر میں رہا کرتی تھی۔ وہ وہاں سے گھر میں ہی رہتی تھی۔ وہیں

ابراہیم میں ہونا میرے لیے کوئی خاص بات نہیں ہے، البتہ اب کی بار لائیں

... اے یہ چلا کہ میری نوکری لگ گئی ہے ' تو اس نے جیلہ کو میرے پاس بھیج

اب کمال ہے۔

اس اہل کی گاڑی میں بٹھادیا۔ خود ادھر چلا آیا۔

بس میں اسے بیوی نہیں مانتا، کبھی نہیں ملے۔ صرف تم اس بات پر یقین رکھو کہ میں تم سے کبھی نہیں بچتا، رشتے دار نہیں بچتے، کوئی نہیں بچتا۔ تم بات تو کرو۔

میں اور بیلہ ایک ہی گھر میں رہتی ہیں۔ وہ میری کزن ہے۔ اس کے والد نے اسے ہمارے گھر بھجوا دیا تھا۔ والدہ کو اس سے بڑا پیار تھا۔ اس نے کہا کہ اسے اپنے گھر لے آؤ، لڑتے بھڑکتے۔

والدہ نے اسے لے کر پیار دیا کہ بیلہ کے لیے میری ماں ایک بھانجی ہے۔ میری ماں اس قدر اثر انداز ہوئی کہ جب بیلہ جوان ہوئی تو ہو ہو میری ماں کی کاپی۔ اس کی طرح اٹھتی۔ اس کی طرح بیٹھتی، اس کی طرح چلتی، اس کی طرح

پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں بھی گھر جاتا ہوں، بیلہ سے بے تکلفی کا برتاؤ کرتا ہوں، تم کو اس کا پتہ ہے؟ ہم آگے کھانا کھاتے ہیں، چڑی کھیتے ہیں۔ کانٹے بنتے ہیں، ستارے بنتے ہیں، لیکن رات کو میں بیچوں کی طرح منہ موز کر سوجاتا ہوں۔

پوچھا۔

میں نے کہا کہ کوئی کوشش کی ہے کیا۔

وہ نہیں سمجھے گی۔

پوچھا۔

پوچھا۔

اس کی ایک ایک حرکت بولتی ہے۔ وہ تم سے اس قدر متاثر ہے کہ اس
 کسی لگا رکھا ہے۔ دوسرے میری چھوٹی بہن ہے۔ وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔
 ہے 'بڑی منگو' وہ بھی تم سے متاثر ہے۔
 اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

پھر میری ماں ہے، وہ دو دلی ہے۔
 دو دلی کیا مطلب؟ میں نے پوچھا۔

ملفوظ خاتون

وہ بظاہر رسی ہے، لیکن اس کے اندر ایک بلورن لڑکی چھپی ہوئی ہے۔
 رسالے پڑھتی ہے، روایں پڑھتی ہے۔ اکیلے میں قہقہے مگنا کرتی ہے۔
 رہنے کی وجہ سے اس نے اپنا وہ حصہ دبا دیا ہے۔ اندر کا حصہ جو نکلتا ہے۔
 پردہ تمہاری باتوں میں دلچسپی لیتی ہے۔

حیرت ہے، میں نے کہا۔
 ہاں وہ بولا، حیرت ہے۔
 پھر بات کیا بنی؟ میں نے پوچھا۔

کہنے لگا، دیکھو تاہم دونوں دیکھائی انگڑے ہیں۔ یہ انگڑے کہلاتے ہیں کہ
 برف ہے یہ انگڑے لازماً ہمیں ماں نے دیئے ہیں۔ اس میں جو ڈھکی چھپی ہے
 اکیلے کردہ بات بن جائے گی۔ نہ بنی تو کوئی بات نہیں۔ اپنا کیا جاتا ہے۔
 دیکھیں۔

انہی دونوں اتفاق سے ماں کی والدہ لاہور آ گئیں۔

بغیر اطلاع کے میں نے ان کے ہاں چلا گیا۔ دروازہ بجایا، میں ماں کی ماں
 بڑے تہذیب کے بعد وہ مان گئیں۔ پھر کہہ کے بیٹھ گئیں۔

میں نے پچھنے ہی پوچھا کہ 'میں نے کہا تو اپنے بیٹے کی ماں کی ماں
 جیلہ بھی تو تھری بیٹی ہے، تو نے اسے بڑے پیار سے پالا ہے، اسے بچا ہے، وہ
 جیلہ کی وجہ سے خائف تھا۔

چرخِ حسنِ حشر

مولانا چرخِ حسنِ حشر عالمِ آدمی قلبِ اس کا مطالعہ وسیع قلبِ دہلیا کا
تہنِ اس کی لہریں میں رہے ہوئے تھے۔ رکھ رکھاؤ کا شیدائی تھا۔ نہ کہ
کرنے کا سلیقہ چاہتا تھا۔ وہ انسانیت کا دارلارہ تھا اور پرانے نوابوں کی طرح ادا
شدہ راگِ سننے کا شوقین تھا۔

مولانا نے بیسے قتل سے احمد نیر کی بات سنی، 'بول' صاحب تمام جگہیں پر
روڈ پہلے آتے تو شاید کچھ ہو سکتا مولانا کا انداز اس قدر سنجیدہ اور فیصلہ کن تھا
میں اس وقت چڑا اسی چائے لے آیا۔ اگر چڑا اسی کچھ دیر کے بعد آتا تو مٹی اور
اور مست رہتا، وہ صحافی نہ بنتا۔ احمد نیر نہ بنتا۔

چائے پینے کا مولانا نے اتفاقاً کہا۔
مٹی بیٹھ گیا اور وہ دونوں چائے پینے لگے۔
کھر کی کریں گے آپ، مولانا نے کچھ کہنے کی غرض سے کہا۔

میں، مٹی نے جواب دیا۔
کھینے پڑنے سے دلچسپی ہوگی۔
کچھ ایسی بھی نہیں۔
ترجمہ کر سکتے ہیں آپ۔

ہاں۔
کبھی کیا۔
جروم کے جروم کی کتاب "دسے ایڈ آئی" کا کیا تھا، مسودہ بہشتی رو کیا۔
کیسا تھا۔

خاصا کھینا تھا۔
مولانا چونکے۔ آجکل کیا کر رہے ہیں۔
کچھ بھی نہیں۔

کپڑے اس کی بیوی دھوا دیتی ہے۔ سگریٹ اور دھوا
بیس کا انتظار نہیں کر سکتا، لہذا پیدل چتا ہوں کوئی خاص
پھیلے اور پھر سٹ گئیں۔ دیر تک وہ سگریٹ کے لیے
کھڑے رہے۔

مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مولانا نے فریڈ کا ذکر چھیڑا۔
 احمد بشیر نے بیوی لاک کی کیس ہسٹیاں سنائیں۔

مولانا نے کلم سوتا کی بات کی۔
 احمد بشیر نے آسن گنوائے۔
 مولانا نے ملایا کی ریتوں کے پڑتائے۔

احمد بشیر نے دیو دایوں کی حواگی کی بات بتائی۔
 دلفن مولانا ترکگ میں بولے 'بات وہ جو بروقت ہو' بر مقام ہو۔

طرف چل پڑے۔ اور احمد بشیر صفائی بن گیا۔
 ملٹی کے صفائی بننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آدمی رات کو کمر آئے۔
 والے اور بھی چڑھے اور مجھے یہ فکر دامن گیر ہو گیا کہ کیس گمراہ۔
 رنگ میں گمراہ ہے۔

گھر آکر وہ قصہ چھیڑ لیتا آج یہ بولیں ہوا 'ایسے ہول اس کی باتیں ہیں۔'
 کہ ہم دونوں رات کے دو تین بجے تک بیٹھے رہے۔ مجھے یہ بھی ڈر لگا رہا۔
 باتیں نہ سن لیں۔

دو تماشا بین

مولانا حسرت اور احمد بشیر کا تعلق اپنی نوعیت میں انوکھا تعلق تھا۔ اس
 اور کشش کے دونوں جذبے کا فرما تھے۔ نعت 'ملٹی کی ناچنگلی' تیزی اور اور
 کو ہائیند تھی۔ کشش اس کی بے بیجا جرأت پر جو مولانا کو نصیب نہ تھی۔

دفتر میں مولانا سو فی صد ایٹھ غرہوے اور ملٹی ایک خام صفائی۔ مولانا کی فار
 کات ہوتی۔ وہ ملٹی سے کہتے، 'مولانا یہ کیا لکھا ہے آپ نے۔'۔
 ترکب لکھا فرمائی ہے۔

معلوم ہوا ہے، 'آپ صحافت کو کتنے ذرا بے خشے کا فیصلہ کرتے ہیں۔
 خوں کو نام ختم ہوتا مولانا کے لیے کی جتنی کم ہوتی جاتی۔ آخر وہ 'ا' کی

اور اس شخص کا طبع دیکھو، مرتکا ہے، پاؤں میں جوٹا نہیں ہے اور اس نے کما سنتری جی آپ کو ظم ہونا چاہیے کہ یہ صاحب بڑا دلدار ہے میں کام کرتے ہیں۔

یہ سن کر سپاہیوں کا رنگ اڑ گیا اور وہ سلام کر کے بھاگے۔

انہر پیر نے قہقہہ لگایا، چلا کر یولا، لومیاں سپاہی آؤنا، جٹو جٹوں کا ہا میں نے کہا، تم نے انہیں بتایا کیوں نہ تھا کہ تم انہار میں کام کرتے ہو مسکرایا یولا، میں نے کہا زارا اٹھا رہے گا۔

لیکن تمہارے پاؤں کیوں نیچے ہیں، میں نے پوچھا۔

کتنے لگا، رٹی کے چوبارے پر بوت امارے تھے، کوئی اٹھا کر لے آیا۔

پولیس شادی

پولیس اسٹیشن پر ایک آدمی کو پانی کی عالتیں پھیندتے تھے۔ اس پھیندے گی کا اگھار وہ بات بات پر کہتا تھا، ہمارے پاس یہ ہے، لیکن اس نے یہ بات مجھے بھی نہ بتائی تھی۔ اسی طرح وہ دھڑکتا تھا۔

پولیس اسٹیشن پر ایک آدمی کو پانی کی عالتیں پھیندتے تھے۔ اس پر گھڑیاں بھنگی جاتیں۔ دلی دلی ہنسی کی آوازیں اٹھتی تھیں، پولیس اسٹیشن کے چارے کے چارے، بیچ مولوں۔

پولیس اسٹیشن پر ایک آدمی کو پانی کی عالتیں پھیندتے تھے۔ اس قدر خوبصورت تھا، اس قدر خوبصورت کہ سارا نہیں جاتا تھا۔ ہائی کو اس نے دیکھا جانا پند تھا، لیکن وہ خود دیکھتا نہیں تھا۔ ایک لڑکی نما خاتون، سارہ، اس قدر متاثر ہوئی کہ سچے کپیلے کپڑے پہن کر ہمارے گھر آئی۔ کتنے گلی، آپ اس کی ضرورت ہے کیا۔ اس نے اپنی بے چارگی کی ایسی کہانی سنائی کہ گھروالوں کو ترس آ

پولیس اسٹیشن پر ایک آدمی کو پانی کی عالتیں پھیندتے تھے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں سر ہلا دیا۔

— کہوں۔

میرا صاحب راجم گھر میں رہتے تھے۔ وہاں انہیں ایک مکان لاث ہو چکا تھا۔

— صاحب سے جاننا۔

مراڈوں میں بڑا فرق تھا۔ میں غریب تھا وہ متمتع مزاج تھے۔ میں بات اگل دیا

— کہاتے تھے۔

میں نے قید کے کہا، آپ ہمیشہ کی شادی کیوں نہیں کرتے۔

— کہتا ہے، ہمیں 'وہ' بولے۔

— کہتے ہیں۔

— کہتے ہیں۔

— کہتے ہیں، وہ رشتہ پسند بھی ہے یا نہیں، 'وہ' بولے۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، 'یہ' اس کا اپنا چٹو ہو تو۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، لیکن میں بوڑھا ہو گیا ہوں، اگر تم میرا ہانڈو نہ

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، میں نے کسی لپا کا ساتھ نہ دیا تھا۔ کسی بیٹے کا حق لوانہ کیا تھا۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، 'یہ' اس کا ہنکار تھا۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، 'یہ' اس کا ہنکار تھا۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، 'یہ' اس کا ہنکار تھا۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، 'یہ' اس کا ہنکار تھا۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، 'یہ' اس کا ہنکار تھا۔

— کہتے ہیں، 'وہ' بولے، 'یہ' اس کا ہنکار تھا۔

سارہ نے گھر کا کام اسے شوق، چستی اور سلیقے سے کیا کہ گھر والے اس کے گھر

وہ سارہ کی تھی، مگر بڑی جالب نظر تھی۔ سارہ ہمارے ہاں تین مہینے بغیر جھگڑا کے کام آ

پھر گھر والوں کو شک پڑ گیا۔ پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسے نہ ہو

گن چھپانے سے نہیں چھپتی۔ گھر والوں نے محسوس کیا کہ سارہ کچھ زیادہ ہی گھر

ہے، سلیقے سے کام کرتی ہے۔ سارہ سب سے کمال مل گئی تھی۔ لیکن مانی کی طرف

ہوتی تھی۔

یوں گھر والوں کے لیے مانی ناقابل برداشت ہو آ گیا اور میری پوزیشن بہت ہی برا

گئی۔ مانی میرا واحد سارا تھا۔ اس نے ہر بات میں میرا ساتھ دیا تھا۔ اگرچہ میں بڑا بے

ساتھ چڑچڑ کرتا رہتا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں میں اس کا بے حد شکر گزار تھا۔

پھر وہ واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے ہمارا اکٹھے رہنا ناممکن ہو گیا۔

ایک روز میری سوتیلی بہن میرے پاس آئی۔ وہ تعلیم یافتہ تھی، سکول میں پڑھاتی

بڑی ہنسی لڑکی تھی۔ بڑی سوڈی، اس میں قیام نہیں تھا، بات بات پر اوتھتی بدلتی رہتی تھی

بڑی شہنی طور تھی۔

بہن

وہ میرے سامنے بیٹھ گئی اور ٹپ ٹپ دوئے لگی۔ اس بات پر میں گھبرا گیا۔ میں نے

بات کیا ہے، دو کیوں دیں، اس نے میری بات کا جواب نہ دیا اور دو بار چاری رکھ دیں

چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔ آخر میں کھینے لگی۔

اب میری بات، میں سمجھتی تھی۔

کوئی بات، میں نے پوچھا۔

شادی کی بات، اس نے جواب دیا۔

تم شادی کرنا چاہتی ہو کیا۔

اس نے لپٹت میں سر ہلایا۔

کوئی چیز ٹھیک ہے کیا۔

بات کیوں کی۔ خوار ہو کر پھر اسی سے بات کی تو۔

اس پر مجھے غصہ آئیل۔ میں نے کہا تو فکر نہ کر، ہم کوئی تاریخ مقرر کر لیں۔ تمہارا نکاح ہو جائے گا پھر وہ انگل مناسب موقع پر ہو جائے گی، لیکن اس بات کو رو رو کر سے کہنا نہیں۔

گھیراؤ

ہم نے ایک تاریخ مقرر کر لی۔ بشیر نے چند ایک صباؤں کو مدعو کر لیا۔

مقررہ تاریخ کو حسب توفیق ہم نے انکسالت کر لیے۔ مہمان خواتین آگئیں۔

اودا ہونے والی ہی تھی کہ باہر گھر میں ہنگامہ ہو گیا۔ مجھے یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ وہ گھیراؤ کیا گیا ہے۔ باہر کسی نے پاؤں نہ لگا کر توڑی کو کچ رہا ہے۔ اس پر ہم نے آئیں 'باہر لنگو اور گھر کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ یہ ہنگامہ 'شیر' روکنے کے لیے تھا۔

لولی لان میں کھینچ لی گئی۔ لہی مقرر کرنا پڑے گی۔ میری بیوی سخت گھبرا گئی۔ ہم خواتین کو بچھلے دروازے سے نکال دیا۔ ہائی میرے پاس آیا۔ وہ خوشی کے جذبے میں تھا۔ 'یار' اس نے کہا 'مجھے باہر جانے کی اجازت دے دے۔'

کیوں 'میں نے شے میں کہا 'باہر لنگو دھڑ رہے ہیں کیل۔ ہاں اس کی آنکھوں سے مسرت کی پھوار اڑ رہی تھی۔

میرا دل خوف سے بیٹھا جا رہا تھا۔

باہر جانے کا تو پتہ چلے گا ان کے ہاتھوں میں لٹھیاں ہیں 'میں نے کہا۔ پھر کیا ہوا 'وہ بولا۔

دیکھ 'یہ سارا غلام میری وجہ سے ہے۔ مجھے باہر جانا چاہیے 'میں نے کہا۔ تو باہر جا کر کیا کرے گا اس نے پوچھا۔

میں انہیں سمجھاؤں گا۔

باہر گاؤں ہے۔ کروڑوں نہشتہ ہے۔ نہ کھتا ہے۔ وہ تھکے ہوئے جا رہے ہیں۔

آپنی۔ انہیں دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا میں سمجھا کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے
دراصل ہمارے مہمانوں میں آئی جی پولیس کی یکم بھی تھی۔ جب وہ
شور مچا دیا کہ کرشن عمر میں قتل ہو گیا ہے، فوراً کچھ کیچے۔ آئی جی نے قاتل
فورا جانے وارادت پر پہنچے۔

پولیس نے آتے ہی ڈانٹ ڈھٹ کر کے لوگوں کو بھگا دیا۔ قاتل وار
گھیراؤ کر لیا۔ اور خود مجھے گھر کے اندر لے گیا اور تحقیق شروع کر دی۔
لڑکی کو حاضر کر ڈھونڈ لیا۔

ہشیرہ اندر آ گئی۔

آپ کا نام وہ بولا۔

ہشیرہ نے اپنا نام بتایا۔

آپ درگت دو کمن میں کیا۔

ہاں وہ بولی، میں سکول میں منچہ ہوں۔

آپ کی عمر۔

ہشیرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

مائی کہنے لگا قاتلے دار صاحب لڑکیوں سے عمر میں پوچھا کرتے خود اندازہ لگا لیا
ہے، استہنی ہے۔

تم کون ہو، اس نے مائی کو گھورا۔

جنتب میں جرنلٹ ہوں، امروز میں کام کر رہا ہوں۔

قاتلے دار غصہ اڑ گیا۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا، آپ کیا کرتے ہیں۔

یہ رائیٹر ہیں، مائی نے جواب دیا۔

کیا نام ہے۔

ممتاز مفتی۔

قاتلے دار سوچ میں پڑ گیا، ممتاز مفتی، اس نے میرا بدمعاش دیکھا۔

ممتاز مفتی نے اپنی بات سن کر کہنے روک دی کہ آپ کے خلاف جانے لگا۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں جانے لگا، آپ کو آفر کروں گا مائی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ کب سے اس مکان میں رہتے ہیں۔

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، آپ رائیٹر نہیں ہیں۔ ہمارے رجسٹر میں کسی ممتاز مفتی

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے لگا مائی بی بی بتائی کہ کیا نکاح آپ کی مرضی سے ہو رہا تھا یا۔

ممتاز مفتی نے کہا، لڑکی چاہ نہیں کر سکتا، وہ غصے میں ہوئی۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ اب اندر جائیں۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ اس لڑکی کے سوتیلے بھائی ہیں کیا۔

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، میں دشمنانہی حاصل کیے بغیر، آپ نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، یہ دیکر خاموش رہا، پھر کہنے لگا، معاف کیجئے گا۔ آپ بڑے

آکر لڑکی بیان دیتے وقت کہہ دیتی کہ اس کا نکاح زبردستی کیا جا رہا تھا، تو

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے جواب دیا کہ وہ مجھ پر جمونا الزام دھرے آپ کیسے رائیٹر ہیں

ممتاز مفتی نے کہا، میرا یہ قلعی عرواق ہیں۔ اب خیال رکھیے، لڑکی کو والدین سے لئے نہ

ممتاز مفتی نے کہا، یہ پولیس کا دستہ آپ کی حفاظت کے لیے آچکے گا۔ اور جب تک

کلج کی رسم ادا نہ ہو جائے گی۔ مکان کے ارد گرد زمینیں رہے جگ
چند روز بعد میرے ایک عزیز کا چاند ہو گیا اور وہ مکان چلے گئے۔ چلتے ہوئے وہ
مجھے دے گئے۔ ہم نے مکان میں منتقل ہو گئے اور ملٹی لولی لاج میں اکیلا رہ گیا۔
جب ہم نے مکان میں منتقل ہو رہے تھے تو ملٹی نے کہا سارہ کو بھی اپنے ساتھ لے
یہاں یہ اکیلا کیسے رہے گی۔ سارہ بولی میں تو اپنے بچوں جیسا رہی ہوں۔ اس پر گھر والے
گئیں۔ سارہ نے اپنی گھڑی اٹھائی اور باری باری سب سے مل کر دو روٹ ہو گئی۔
چار ایک دن کے بعد ملٹی مجھ سے ملے۔ وہ سخت گھبرایا ہوا تھا، ہوائیں اڑی ہوئی تھیں
میں نے پوچھا، خیریت تو ہے۔
بالکل نہیں، وہ بولا، خیریت کی تو ایسی تھی ہو گئی۔
کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔
وہ کہہ بھر کر بولا، یار ہم بڑے احمق ہیں۔
ہاں، مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔

سارہ

وہ جو سارہ تھی، ہم اسے کیا سمجھتے رہے اور وہ کیا فعلی، اپنی نے کہا۔
بڑی ٹھیکسی تھی، سرجنل تھی، چلاک تھی، میں نے کہا۔
وہ تو کرانی نہیں تھی، اپنی نے کہا۔
تو پھر کیا تھی، میں نے پوچھا۔
اس نے تو کرانی کا سواگ، بھرا ہوا قافہ، وہ عیال تھی، تعلیم یافتہ تھی۔ انگریزی بول
تھی۔ آواز بڑی اچھی تھی، سرلی، فنی، کھلے خوب کاتی تھی۔ جب اس نے تو کرانی کا کپڑا پہنا
تو مجھ سے لپٹی فن نمیری نکل آئی کہ میں ہکا بکا رہ گیا۔
چلو چلو، دوست بات کو وہ تو گاؤں چلی گئی ہے، میں نے کہا۔
لو، میں وہ نہیں گئی۔ وہ میرے ساتھ ملٹی لاج میں رہتی ہے۔ ملٹی نے جواب دیا۔
نہیں، میں چلیا، وہ تو ہمارے سامنے فدا مافکہ کہ کر دو روٹ ہو گئی تھی۔

رنگیلی ساتھی

اس وقت ملنی اور میں گول باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بانی ۔۔۔

چند دن میاشتی کر لے۔

میں اس نے جواب دیا 'میاں نہیں' میں تو آگ نکلتی میں پڑا ہوں،
کہ اسے بازوؤں پر اٹھا کر کسی ڈسٹ بن میں پیٹیک آؤں۔ لیکن پھر سہا اور ا
رنگیلی ساتھی ہے تو رک جاتا ہوں۔ وہ خاموش ہو گیا۔

چند ساتیں خاموش رہا پھر بولا،

ممتاز وہ لڑکھاپ کمپینین ہے۔ کیا ساتھی ہے۔ اتنی رنگ
شید نگہ، گاتی ہے، بچتی ہے، لپیٹے ساتی ہے، چکیں بجاتی ہے۔ اس نے
اکھاڑا ہوا رکھا ہے۔

ایک بچنے کے بعد ملنی پھر مجھ سے آگے۔

میں نے اس کی طرف دیکھا کیا ہوا میں نے پوچھا تو غصہ ہو گیا۔
ہاں وہ بولا، سارہ چلی گئی ہے۔

کیسے گزریں نے پوچھا۔

پرسوں ایک بیٹپر سا آدمی آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، کہنے لگا میں

یہی سارہ یہاں رہتی ہے۔

تم کون ہو میں نے پوچھا۔

بولتا میں اس کا مسینٹر ہوں۔

میں نے کہا پہلے یہاں رہتی تھی اب جا چکی ہے۔

اگلے روز ایک اور آدمی آگیا میں نے کہا تو کون ہے، کہنے لگا میں

ہوں۔

میں حیران رہ گیا۔ یہ میں اس کے کہتے مسینٹر ہیں۔ میں نے کہا

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں نے شدید سر درد کا بہانہ بنایا، اسے کہا کہ جا جا کر بازار سے چبن کھر
اور خود بخوبی دروازے پر تلے لگا دیا۔ اور خود بخوبی دروازے سے اندر آ

میں نے کہا 'میں چپ چاپ پڑا رہا۔

میں نے کہا 'میں چپ چاپ پڑا رہا۔

میں نے کہا 'میں چپ چاپ پڑا رہا۔

میں نے کہا 'میں چپ چاپ پڑا رہا۔

میں نے کہا 'میں چپ چاپ پڑا رہا۔

میں رہنے کی خاطر اس کا کھانا آڑ سکول میں پڑھتا تھا۔ فیاض کو کرینٹ ہاؤس میں رہنے کی
 سہولت مل گئی۔ اس پر مطالعہ کا جنون طاری تھا اور اس کے مطالعہ میں بڑی وسعت
 تھی۔ وہ اس کا اور کوئی شغل نہ تھا۔ اس کے ذرائع بہت محدود تھے، لیکن جو چیز اس
 کی دلچسپی کا باعث بنی اس کے ذرائع خرید لیتا تھا۔ اس کے کرنے میں فرش پر میٹریں بکھریں
 تھیں، ان کی ریت تھی، انگریزی ادب، پیٹنٹ، لکھ، لکھ سازی، پاسپری

ادب بیٹی

فیاض کا بھائی شیا دونوں کرینٹ میں مقیم تھے۔ وہ بیلار کے ایک معروف خاندان
 فیاض نے مجھے بھی پڑھنے کی ترغیب نہ دی تھی۔ اٹھابیس کے ہاتھ میں
 تھا کہ اس کا چھوٹا آپ کتاب دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں تو کوئی تصویر
 نہیں ہے، لیکن چاہیں گے۔ یہ کہتے ہوئے اس کی بات میں بڑی ہمت ہوئی اور انداز

کی وجہ سے میں چوری چوری فیاض کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہتا۔
 اس کا احساس مجھے فیاض نے دلایا۔

اب جبکہ بات مکمل ہو چکی ہے کہ علی پور کا ایل میڈری سوانح حیات ہے اور
 وہ مراجعہ لکھ رہا ہوں تو مناسب ہے کہ میں ادب کے متعلق کوائف کو تحریر
 میرے دل میں بھی آرزو پیدا ہوئی تھی کہ ادب ہوں میرے دل میں
 نہیں ہوا تھا کہ میں اردو میں لکھنے کا شغل اپنوں گا۔
 جوئی میں میں ایک باغی لڑکا تھا۔ میری توجہ کتاب کی جانب نہیں
 میں بیڑا سڑکا بیٹا تھا اس لیے اساتذہ پاس کر دیا کرتے تھے۔
 کالج میں شدید احساس کمتری کی وجہ سے میرے لیے جماعت میں بیٹا
 ۲۹-۱۹۲۸ء میں جب میں بی۔ اے میں تھا اور اسلامیہ کالج لاہور میں
 رہتا تھا تو اتفاق سے جو کہ مجھے ملا۔ وہ فیاض محمود کے کمرے سے ملتی تھا

میں اپنی بات دو رہی تھی کہ جریدے کے لیے کون کیا لکھے گا؟ وہ بولا ممتاز
 کے لیے کوئی مزاحیہ چیز لکھیں گے۔

علی پور کے ایل میڈری میں میں نے جان بوجھ کر ادب کا ذکر نہیں کیا تھا۔
 مکمل جائے قاری کو پتہ نہ چلے کہ یہ ناول میں بلکہ خود نوشت ہے۔

علی پور کا ایل میڈری میں میں نے اپنے غلط پورے چوک میں بیٹھ کر دوسرے
 اتنی جرات نہ تھی کہ اپنی حالتوں، غلطیوں، کیوں، کیوں کو اپنوں۔

اب جبکہ بات مکمل ہو چکی ہے کہ علی پور کا ایل میڈری سوانح حیات ہے اور
 وہ مراجعہ لکھ رہا ہوں تو مناسب ہے کہ میں ادب کے متعلق کوائف کو تحریر
 میرے دل میں بھی آرزو پیدا ہوئی تھی کہ ادب ہوں میرے دل میں
 نہیں ہوا تھا کہ میں اردو میں لکھنے کا شغل اپنوں گا۔

جوئی میں میں ایک باغی لڑکا تھا۔ میری توجہ کتاب کی جانب نہیں
 میں بیڑا سڑکا بیٹا تھا اس لیے اساتذہ پاس کر دیا کرتے تھے۔

کالج میں شدید احساس کمتری کی وجہ سے میرے لیے جماعت میں بیٹا
 ۲۹-۱۹۲۸ء میں جب میں بی۔ اے میں تھا اور اسلامیہ کالج لاہور میں

رہتا تھا تو اتفاق سے جو کہ مجھے ملا۔ وہ فیاض محمود کے کمرے سے ملتی تھا

میں نے عرض کی 'عالی جاہ میں انگلیش ٹیچر ہوں۔ اپنی کلاسز کو انگریزی 'اساتذہ' ٹاؤنٹ ہوں۔ انگریزی پڑھتا ہوں، پنجابی بولتا ہوں۔
 بیڈ ماسٹر بولے 'سینئر سسٹر میں اپنی بات دہراتا ہوں۔ ممتاز صاحب آپ ا
 مضمون لکھیں گے۔

میں نے کہا 'جناب دلا میں اپنی بات دہراتا ہوں۔
 میرے یہ الفاظ دیکھ کر رگڑ ثابت ہوئے۔ جنی باہر نکل گیا۔ مجبوری میں 'ا
 نے ایک نفسیاتی مضمون لکھ دیا۔ جو گھر کے موضوع پر تھا۔

ن م راشد

اس کے بعد چھٹیوں میں میں ملکہ گیا۔ میرے والد ان دونوں وہاں پر اڑا
 انکو یکیش تھے۔

ہمارے پردس میں راشد رہتا تھا۔ ابھی وہ ن م راشد میں بنا تھا۔ ہم اس
 ہوسٹیلٹی کے مریض تھے۔ اس کا باپ بھی نکلہ تعلیم میں تھا۔ میرا اور اس کا
 پروفیشن رقابت کے شکار تھے۔ جس قدر وہ ایک دوسرے سے اچھے تھے 'اتنی ہی را
 قریب ہو جاتے تھے۔
 راشد کا ایک دوست ملکہ سے ایک اردو جریو نکلتا تھا 'فکستان۔
 وقتاً 'راشد کے دوست کو گاؤں چانا پڑا 'جاتے ہوئے وہ رسالے کی اشاعت کہا
 راشد کو سوچ گیا۔ راشد کہنے لگا 'یار رسالے کے لیے مضامین کہیں ہیں، کچھ بھائی ا
 کہنی پڑیں گی۔ تاکہ ضخمت پوری ہو جائے۔
 راشد کے خاندان کے لوگ اردو فارسی دان تھے۔ میں نے کہا 'کیا مشکل ہے۔ تو
 پیش ہیں۔
 نہیں یار 'وہ بولا 'مگر انکم ایک مضمون تو لکھ دو۔
 انہی دونوں ملکہ میں ایک قلم چلا تھا 'پٹلی دمن۔ میں نے پٹلی دمن کے
 مضمون لکھ دیے۔

مجھے واپس لی گیا اس پر جا بجا سرخ چٹل کی ٹیکرس اور موالیہ نشانات تھے،
طبع دلاور چڑھ گئی۔

عاشق بناوٹی بھی کیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا ہوا قہقہہ ایک ڈرا ڈرا سا، سا
لڑکا جس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ سامنے کڑا ہو کر بات کر سکے، اس میں آگ
کتنی تھی کہ ایسے دھکے چپے لٹنیاتی موضوع پر قلم اٹھا سکے۔

عاشق نے سمجھا کہ وہ انسان سرتہ ہے، کسی مغربی انسانے کا چہرہ ہے۔

پھر اردو زبان کی بات تھی۔ عاشق اردو وطن قہقہہ وہ زبان کی پارکیوں کی
برعکس میں اردو زبان سے بالکل کورا تھا۔

میں نے اردو زبان صرف آٹھویں جماعت تک پڑھی تھی۔ اس زمانے میں
تھی۔ نویں جماعت میں طالب علم دوسرے مضامین لے سکتا تھا اس لیے میں
میں اردو چھوڑ کر سائنس اور ذرا اینک لے لیے تھے۔

زبان کے لحاظ سے میری دوسری کہانی "ڈاکٹر کا استعمال" خانیوں سے بھری ہوئی
عاشق حسین نے میری کہانی واپس کر دی تو میں گویا اندھے کنوئیں میں گر
کوں۔ کئی ایک دن وقت اٹھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارا رہا۔

پھر یہ نہیں کیسے "شاہد" نے مجھے ہاتھ ملاتے ملاتی دلی میں شائع کر دیا گوارہ کر لیا۔
خوش قسمتی سے عاشق حسین بناوٹی، کہانی دیا میں زیادہ دیر نہ رہے۔ اس کی
صلاح الدین اور میراجی آگئے۔

صلاح الدین نے آتے ہی مجھے اہل دنیا کے لیے لکھنے کی دعوت دی اور
سے اہل دنیا میں شائع ہونے لگیں۔

ایس ایم شریف

پھر سکول میں ہمارے دوست ایشیز ایس ایم شریف آئے۔ انہوں نے مجھ
کے "سٹر ممتاز" پر انصاف لکھنے کا فضل ٹھیک نہیں، اگر بچوں کے والدین کو یہ پتا
بچوں کو پڑھانے والے جنسی تحریریں لکھنے میں پوزیشن پڑ جائے گی۔ میں نے ا

کوئی اور صاحب ہیں۔ شریف مسکرایا، کہنے لگا "ہمارے ہاتھ بے کار ہیں۔"

اس نے دانا ہے۔ شریف میرے والد کے دوست تھے۔ میں لٹریچر پر کمال
پولے، اگر آپ لکھنا چاہتے ہیں تو انگریزی میں لکھیے۔ انگریزی میں
کمالی اصرار نہیں کرے گا۔

کمالی اصرار نہیں کرے گا۔

اس نے اپنی ان کی کی اشاعت کہ کہانی سن لیجے اگر چہ دوسری برکت ملی نہ ہو تا تو
برکت ملی۔

علی

علی ہاشم قہقہہ سکولوں میں پبلشر آیا ہی کرتے ہیں، وہ بھی کیا کرتا تھا۔
دوسری برکت ملی کی شخصیت نکلی ہے جس میں سے چند اقتباسات پیش کرتا

میں نے اسے سکول میں دیکھا تو خاص توجہ نہ کی۔ لویجر عمر کے پلہتو، وہ ایک
بھول میں پبلشر آتے ہی رہتے تھے۔ بڑے مودب، منہب، جی جناب،
اس کا انداز مفاد تھا، جی، نہ میں سر نہ جناب والا۔ آتے ہی وہ بے
تکبر کر اپنے گویا دیکھ کر ٹھنکنا لگا لیتا پھر اس کے قہقہے کو بچتے۔

پہلاں دلچسپی نہ تھی۔ اگرچہ میرے ہاں محلات بہت خراب تھے۔ چھوڑ
کے، انفراد زیادہ تھے، قرض پر کر رہے ہوتی تھی، لیکن یہ بات کبھی نہ سوچتی تھی کہ
وہ سائل کیا جاسکتا ہے۔

وہ دوسرے میں آیا تو قرض کا وقت تھا۔ استاد شاف دوم میں بیٹھے تھے۔ اس
دستور سارے شاف کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر میں شاف دوم
میں حیدر میں ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا۔

بعد میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ میرے دیکھتا تھا۔ السلام علیکم کہہ کر وہ

تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے مجھ سے یوں پوچھا جیسے میں سینئر انگلش ٹیچر نہیں تھا۔
 قلم

مجھے اس کی بے تکلفی اچھی نہ لگی۔ لیکن اس زمانے میں میں بری طرح کا
 کاغذ تھا۔ میرا نام ممتاز حسین ہے۔ میں نے جواب دیا۔

ممتاز حسین، ممتاز مفتی

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولیٰ جریدوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار کیا۔ چھاپے رکھی تھی۔ میرا
 رکی علاقہ کے دولہے تھے۔ میری تحریریں نفسیات اور جنسیات کا زلیوہ لیے ہو
 زلیوہ نظر ان دنوں ممنوع تھا۔ دراصل سکول کی ملازمت کے ابتدائی دور میں ہی مجھ
 ہو چکا تھا کہ میرے خیالات میرے ساتھی استاد کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔
 انہی دنوں ازراہ اتفاق میری ایک تحریر ہمارے سٹاف کے ایک ممبر کے ہاتھ آئی
 جریڈے کو سٹاف روم میں لے آیا اور سب کو مخاطب کر کے اس مسئلے پر گفتگو

میں قیافہ کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگا، میرا نام چودھری برکت علی ہے۔ میں
 ہم دور کی کتابیں پھیلتے ہیں۔

ممتاز حسین، میرا نام ممتاز حسین ہے۔ لیکن اس وقت کے لیے خاصا عجیب سا نام تھا۔
 ایک شخص نے کہا، "ممتاز حسین" نام ایک منٹ کے لیے خاموشی طاری رہی، پھر غصتا "وہ جوش میں آ گیا
 ان دنوں ہاتھ ہوں۔

ممتاز حسین، میرا نام ممتاز حسین ہے۔ لیکن اس وقت کے لیے خاصا عجیب سا نام تھا۔

ممتاز حسین، میرا نام ممتاز حسین ہے۔ لیکن اس وقت کے لیے خاصا عجیب سا نام تھا۔
 ایک شخص نے کہا، "ممتاز حسین" نام ایک منٹ کے لیے خاموشی طاری رہی، پھر غصتا "وہ جوش میں آ گیا
 ایک شخص نے کہا، "ممتاز حسین" نام ایک منٹ کے لیے خاموشی طاری رہی، پھر غصتا "وہ جوش میں آ گیا

ممتاز حسین، میرا نام ممتاز حسین ہے۔ لیکن اس وقت کے لیے خاصا عجیب سا نام تھا۔
 ایک شخص نے کہا، "ممتاز حسین" نام ایک منٹ کے لیے خاموشی طاری رہی، پھر غصتا "وہ جوش میں آ گیا

ساتھ چلو۔

اس پر مجھے بہت غصہ آیا۔ لیکن اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس کے پیچھے چلتے چلے جا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا یہ کیا بیشتر ہے جو نہ میں آئے کہ اسے ٹھکراتا۔ طبیعت کا چاہت ہے باہر از نظم بر نیلے ہے، بات بات پر ڈانٹا ہے، بات بات ہے۔ بات کا کڑوا ہے، لیکن ساتھ ہی بات سے سچائی اور خلوص کی برکاتی ہے۔ ایک ہوٹل پر جا کر دو رک گیا، بولا، مجھے بھوک لگی ہے، پہلے طعام پھر کام۔ ان دنوں میں نفسیات کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کس نے کہا تھا کہ شخصیت کو جانا چاہو تو اسے کھاتے ہوئے دیکھو۔

میں چودھری برکت علی کو کھاتے ہوئے دیکھا رہا۔ وہ بڑی بے تکلفی اور اشتیاق سے کھا رہا تھا۔ اسے یہ احساس نہ تھا کہ کوئی اس کے نچل میزیز سے بے نیاز لگتی دیکھتا ہے تو پرہیزگار بن جائے گا۔ خود کھانے کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھی کھلا رہا تھا۔ یہ عمدہ ہے، یہ اچھا ہے کیسے انہیں ہو۔ نہ جمیں بات کرنی آتی ہے، نہ کھانا آتا ہے، نہ چہہ کھانا آتا ہے۔ فارغ ہو کر اس نے بڑے سرسری انداز میں کہا، اچھا تو ممتاز ملتی آج تک تم نے کئے ہیں۔

اس کے اچانک سوال پر میں گہرا گیا۔

اب آئیں ہمیں شائیں نہ کرنا، اس نے مجھے ڈانٹا۔ میں نے شاہراہ احمد ایئر سٹریٹ پر کرنی ہے ہمارے گیارہ انساٹے میں نے حاصل کر لیے ہیں، سات انساٹے تم جمعہ چھاپیں گے۔

اس کی بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

کنے لگا، ہم نے ایک ذیلی ادارہ بنایا ہوا ہے، جو اپنی کتابیں چھاپتا ہے، کتب خانہ میں نہ رہتا، اپنی کتاب سے جمیں صرف ڈھائی ٹن سو روپے ملیں گے، اس سے زیادہ

میں خاموش بیٹھا رہا۔

اور ہاں دیکھنے کے بعد وہ پھر بولا، گھڑو گھڑو نہیں ہم کسی کو نہیں بتائیں گے کہ تم

کوئی قرض درض نہیں وہ چلایا میری طرف سے خند ہے چاہا۔ وہ لے
ساتھ لے جاتا توڑ پھوڑ دیا تو میں مرمت کر کے میں دواں لگا لوں گے یہ تو
سیٹ پر رکھنا۔
راستہ میں میں سوچتا رہا یا اللہ یہ شخص کیسی مخلوق ہے ایک طرف سے
طرف سے فائدہ انسان کی شخصیت سے حلق میرا سارا طمغش و غاشاک
ہوا تھا۔
پیراؤ اس

اس کے بعد ہم دوست بن گئے۔ لیکن میں یہ تعلق دوستی کا نہیں تھا۔ یہ
ماتعلق تھا جسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔
اگرچہ وہ میرا ساتھ دیتا تھا لیکن واقعی میں تھا بات بات پر دانا تھا
میں۔ آئندہ کرتا تھا مگر مہربانی نہیں۔ اگر کسی بات پر میں معذور احسان
اعتبار کرتا تو وہ قہر مار کر پیش دیا۔ یار تم کتنے احمق ہو۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ
میں دھرم میں تو بڑس میں ہوں، صاحب کتب کا کاپا نہیں، میں تو تم پر انور
چودھری برکت علی ایک عقل بڑس میں تھا وہ اصراف کا قائل نہ تھا
گستاخانہ لیکن وہ ایک عام بڑس میں نہیں تھا بہت بڑس میں تھا۔ وہ
انٹرنٹ کو بگ بڑس کے حوالے سے دیکھتا تھا چچی بات یہ ہے کہ چودھری
اور کردار کے لحاظ سے ایک بڑا آدمی تھا جتنی اتنا کہ بننے کے کنارے پر رک
جائے، غنی ایسا کہ سوچے سمجھے بغیر دیا پھانگ جائے۔ بگڑنے پر آئے تو پہلی
جائے۔ درگزر کرنے پر آئے تو بڑی سے بڑی بات کو نظر انداز کر دے۔ چودھری
شخصیت مجموعہ افتراء تھی، لیکن اس میں حقی مضرت تھا اسے مل کر پہلی
پیراؤ اس کا منہ مسموم سمجھا۔

جان ہی جان

اس کا بڑا مرف مجھ سے ہی اس ذمیت کا نہ تھا اس کے تعلقات بہت

عمل کے حوالے عام طور پر سوچتے نہیں۔

وہ ہنسا اچھا تو مجھے مشورہ دے، میں چاہتا ہوں کہ باری کو کچھ دیں۔

اس میں کیا مشکل ہے، دینا چاہتے ہو تو دے دو، میں نے کہا۔

تم بھی نہ اسے ایسا ہو، اس نے باک پڑھا کہ "ممتاز مفتی دینے لگا"۔

انداز ہوتا ہے، یہ نہیں کہ دوسرے سے کہا ہاتھ پھیلا اور دے دیا، یہ کہ اگر

اور چلا گیا۔

باری ایک ایسا تھا، دانشور تھا، اس نے چودھری کے کہنے پر ایک کتاب

کی حکومت" جسے کتبہ اردو نے شائع کیا تھا۔ باری ملی مشکلات میں گرفتار تھا

دار چودھری نے کئی بار اسے کہا تھا۔ باری تو مت ہنسا ہے۔ کچھ لکھ، اپنے لہجے

بیٹھا دیتا ہے۔ غلط دانشورانہ باتیں کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن باری

غلطی دانشورانہ باتیں کر کے گزر لو گات کر رہا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

ہزار روپیہ

وہ ایک دن کے بعد چودھری نے مجھ سے کہا، دیکھ باری کچھ نہیں لکھ سکتا

تصنیف "کتاب کی حکومت" پر نظر ثانی کرے۔

بڑی مشکل سے باری نظر ثانی کرنے پر رضامند ہو گیا۔

جب کتاب کی رو پڑیں مکمل ہو گئی، تو باری مجھ سے کہنے لگا، باری میں بھی

کتاب کی تصنیف پر مجھے صرف تین سو روپے ملے تھے۔ اس پر نظر ثانی کے

سو ڈیڑھ سو مل جائیں گے۔ خواہ مخواہ میں نے تین سو روپے مانگ لیے۔

جب چودھری نے نو سو چھپک کٹ کر باری کو دیا، تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

کہ چھپک نو سو کا ہے۔ نو سو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔

باری نے مجھ سے کہا، باری کل میرے گھر آنا، بہت ضروری کام ہے۔

وہ ایک چھوٹی سی غم چینی میں بیٹھا تھا، کمرے میں کوئی سلمان نہ تھا۔

ہوئی تھی۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

میں۔ حیرت کی بات تھی کہ کہیں تو ہزاروں روپوں کی رقم بے درجہ ہوئی۔
معدول رقم کی ادائیگی میں باقی بچر کسی کی کل لگادی جاتی تھی۔

منٹو

پھر یہ بھی ہوتا تھا کہ مینے میں ایک یا دو بار منٹو مکتبہ اردو میں آکر
منٹو وہ تقاضا کرتا۔ چودھری گھبرا جاتا تو منٹو چلاتا، اسے چھپکا تا کہیں ہے۔
کر دے کر چلاؤں گا۔ یہاں تیرے پاس بیٹھ کر لکھوں گا، لیکن دیکھ جاؤں گی۔
اور اوسار نہ ہو۔ چودھری نڈر بکھراتے، گھبراتے چھپکاتے، بکھرتے اور
پڑتے۔ لیبیوں کی مانگیں طرح طرح کی ہوتی تھیں۔ منٹو وحوش سے مانگا تو
کبھی ہوٹنوں تک نہ آئی تھی۔ صرف نگاہوں میں جھلکتی۔ اس میں بھی
کبھی چلتی کبھی چھ جاتی، یہ نہی چلتی بھتی رہتی۔

فکر تونسوی

فکر تونسوی کا ہی تھا، کوٹا تھا، لوب کا رواج تھا، یہ میں کہیں کہیں
چودھری کے پاس آ پٹپٹا تھا۔ چودھری بظاہر فگر کو گھاس نہیں ڈالتا تھا۔
کرتا تھا، اس لیے کہ چودھری کے اوارے میں فکر واعد کا ہی تھا۔ باقی
چودھری کا ہی کی بڑی قدر کرتا تھا چونکہ سرمایہ دار ہونے کے باوجود بنیادی
سے کا ہی تھا۔

تقسیم کے بعد پنجاب اور ہندوستان سے آنے والے لیبیوں کا تانا بانا
بست بوجہ بڑھ گیا مابہر لیبیوں کی مانگوں کا رنگ بدل گیا اور چودھری کی تلخ
حالات نے اسے ڈی سلف کر دیا۔

اس کے فوجیوں عزیزوں نے چار پڑے نکال لیے اور وہ علیحدگی پر خند کر
کا اپنا بیٹا چودھری جیسی سلاطنت کا مالک نہیں تھا۔ وہ چودھری کے کاروبار کے

اس کی کواڑ میں جا کی کٹ ہوئی۔ حقیر کی جھک ہوئی۔ اس کے بارے میں
 قنادور فیاض کی کتابیں چرا کر، پھپھپ کر پڑھا کرتا تھا۔
 میں نے فیاض سے کہا، بھائی (اسے بھی دوست بھائی کہتے تھے) میں فیاض
 ملازمت کے متعلق تفصیلات پوچھ لوں کیا۔
 بے شک پوچھ لو۔ لیکن اسے یہ نہ بتانا کہ یہ اطلاع جن میں نے دی
 فیاض کا دفتر ایک بزرگ نما عمارت میں تھا۔ ملحقہ کمرے میں اس کا
 "نے کہا کہ آپ اپنا کارڈ اندر بھجوا دیں۔ میں نے کہا میرے پاس تو کوئی کارڈ نہیں
 اپنا نام پتہ اس سلف پر لکھ دیں۔

سلف اندر گئی تو میں سوچنے لگا، ابھی ابھی میں اندر جاؤں گا۔ وہ میری
 حیرت سے دیکھ کر چلا گیا کہ میری جانب بڑے کاٹھے گئے۔ وہ کارڈ
 فوارت میں پانے سے کیسے لٹکے کیا قافے میں آئے تھے۔ کون کون پتلا کر
 آجکل کھل ہو گیا کر رہے ہو۔ پتہ نہیں میں جب تک سوچوں میں پڑا رہا۔
 پانی اُسے نے مجھے جھجھوڑا دیا، چائیے، آپ کو بلایا ہے۔ اندر داخل ہوا
 مطالعہ کر رہا تھا۔ میری طرف دیکھ کر پتلا رہا، "یہ اے سیٹ۔ میرے
 دشمن نکل گئی۔ پھر پتہ نہیں وہ کیا کہ رہا تھا۔ یہیں سفارش میں چلی
 پہچان پر بھروسہ نہ کیجئے گا۔ ————— بہر حال اپنی کر دیجئے۔ ہم
 گئے۔ جو کم از کم اہم۔ اسے ہوں۔ البتہ ہم آپ کو کنسٹرڈ کر لیں گے
 کا مطالعہ کر لیں پاس کرنا ضروری ہے۔ ————— کرونگ ہوا چارہ تھا۔
 تھا۔

آٹھ دن یہی کیفیت جاری رہی۔ سلف نکل گیا تھا لکیریں چلتی رہیں
 جانا کہ سلف کی نسبت لکیریں زیادہ دھیر لٹی ہوئی ہیں، چنگل میں پڑ گئی ہیں۔
 دس چودہ دنوں کے بعد انٹرویو کی کل آگئی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ
 ابھی تو پرائی کیسوں کا جہل ختم ہوا تھا، اب وہ کیسوں سے غافل تھا۔

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

میں نے پہلے بھائی

مجھے نفسیات کے نیکشن میں قیادت کیا گیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اعلیٰ درجہ اور اس
شٹ دول۔

لاورک شاگ شٹ سیای کے وجوں سے بنا ہوا شٹ قبل آپ کاٹنے پر
گرائیں پھر اسے فوڈ کر لیں تو سیای پھیل جائے گی۔ اس پھیلاؤ میں مختلف
اور ان میں سیای کی مختلف کیفیتیں ہوں گی۔ کہیں وجہ بہت گاڑھاں کا
کہیں پیچیدہ کہیں کہیں کاٹنے کی سفیدی پھوٹ جائے گی۔ دور شاگ شٹ ایسی ہی ہے۔
چھپے ہوئے سیای کے وجوں پر مشتمل تھا۔

پہلا امیدوار جو شٹ دینے میرے پاس آیا۔ ایک اونچا لمبا جوان تھا۔ اس کی
پاکیزگی کی مرہلی ہوئی تھی۔ دیکھنے میں سراسر سستی نظر آتا تھا۔ ویسے لگتا تھا
ایک ضرورت ہے مگر بیوقوف نہیں 'حرکت کامل وارہ ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ لڑائی
میں نے اسے پہلا کارڈ دکھا کر کہا 'دیکھیے تو آپ کو کیا نظر آتا ہے۔ ایک مار
اس نے کارڈ کی طرف دیکھا اور لاجول پڑھ کر اسے میز پر پیچیدہ دیا۔ اس نے
کارڈ دیکھے اور فزٹ سے انہیں میز پر الٹا کر کے رکھ دیا۔
میرے اصرار پر 'وہ بولا 'جواب یہ تو قفس ہیں۔

میں اس کے رد عمل پر بڑا حیران ہوا کہ معصوم سے سیای کے وجوں میں اس کی
نظر آئی 'انتہا پاکیزہ شخص اور اس قدر جس آلود لگا۔

ان سیای کے وجوں پر امیدواروں کے رد عمل نے میرے ذہن میں ایک لہلہ
کسی کو ان وجوں میں یکہ نہ کچھ نظر آتا تھا کسی کو جنگل نظر آتے کسی کو صحرا
دکھائی دیتیں۔ کسی کو ہنگامے نظر آتے جن میں مار جیت ہو رہی ہو تو بھی اس سے
سے بات کرتے تھے۔ یوں نہیں کہ میرا اندازہ ہے کہ 'یا لگتا ہے کہ 'بلکہ یوں اس
نہیں آ رہا کیا۔ یہ دیکھنے سے سکندر اعظم کی فوج ہے۔ سروں پر پلاٹن فیمیاں ہیں اور
فوجیں ہیں 'دو میدان میں دو بارہ رہا ہے یہ دیکھنے دریا کی لہریں صاف دکھائی دے رہی ہیں
ایک رنگیلا امیدوار آیا۔ کارڈ دیکھتے ہی بولا 'بھئی واہ' اس کی آنکھوں میں آن
رہی تھی۔ بھئی 'وہ چاہتا ہے تو پڈٹ کو کاٹے آستوں کی تصویریں ہیں۔ اس

اشعار کر دیا۔ واہ 'واہ اس خاتون پر کیا سرشاری کا عالم ہے اور یہ دیکھو یہاں
کاٹیل ہو رہا ہے۔

نفس

نفس نے میرے ذہن میں جھلکے چا دیے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہم سب ایک سادہ سمجھتے
ہیں۔ مجھے سمجھے پڑے گئے۔ اگر ہم عام سے سیای کے وجوں کو ایک سادہ سمجھتے
ہیں تو ایک سادہ سمجھتے دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارا نظر کارڈ ایک دوسرے سے اس قدر
ساری شخصیت کے رخ کا آئینہ دار ہے یا شخصیت کے کارڈ پر ایک دوسرے
نفس طرح سفید برکی پر کالے دے ہوئے ہیں۔

نفس کی بھول بھلیاں میں یہ میری پہلی صفا تھی۔ اس سے پہلے میں انسانی
نفس کے حروف سمجھتا تھا۔ انسانی شخصیت کو سمجھنے میں میں خود کو بنا پائے خان
نفس نے میرا سارا کلف اتار دیا۔ میری مونچھ کر گئی۔ گردن ڈھلک گئی۔

اب میں ایک امیدوار کا دور شاگ شٹ لینے کی تیاری کر رہا تھا تو ڈاکٹر لطف آ
ہمارے نیکشن کے انچارج تھے۔

میں سر میں سر کہہ کر ٹرغا دیا کرتے تھے۔ جس طرح سیکرٹ میں بیورو
میں سر میں سر کہہ کر ٹرغا دیتے کے علوی ہوتے ہیں۔

نفسیت ہی ایسی تھی۔ وہ چال ڈھال یا بول چال سے ڈاکٹر لطف ہی نہ تھے۔
ڈی کے آؤ قہی ہوں۔

ڈاکٹر احمد تھے 'جو سہولت حسن متلو کے چاہتا تھے۔ ان کی شخصیت سارے
جائے رہتی 'جیسے خیرہ لگا ہوا ہو۔ ڈاکٹر لطف کی طرح ان کے برتاؤ میں میں نہیں
تھے 'پینڈو لہجہ تھا 'انداز بے تکلف اپنے باحت لڑکوں کے ساتھ مکمل مل کر
ان کے انداز سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ ڈبل ڈاکٹر ہیں 'فرانس کے ڈی ایس سی اور
ایچ ڈی۔ ان کا نیکشن ابگ تھا۔ ہم دو ڈاکٹر لطف کے نیکشن میں تھے 'حریت
ان کی جانب دیکھا کرتے تھے۔

ہاں تو ایک روز جب میں ایک جوان امیدوار کا دروازہ شک لینے کی تیاری کر رہا تھا، ایک لطف آگئے۔

نوجوان امیدوار کچھ زیادہ ہی صحت مند تھا۔ چہرہ سرخی سے لہلہا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنس مچا۔
 ہوا جسم، سر پر سولہ سینٹ، لباس خاصہ، بن خاصہ انداز میں خود اچھڑی۔
 ڈاکٹر لطف آئے تو نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے لوپ کے لیے ٹوپی اتاری
 آئیے آئیے آپ میرے ساتھ بیٹھیں، ڈاکٹر لطف نے کہا پھر مجھے مخاطب کر
 کہ یہ شٹ لینے کی چاند ضرورت نہیں۔
 لیکن ڈاکٹر نے اس نے کہا ابھی تو میں نے انہیں شٹ کیا ہی نہیں۔

فیک ہے فیک ہے، وہ بولے۔ تیرا لینڈ ہے کہ کرو تو نوجوان کو ساتھ لے کر
 کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر لطف واپس آئے بولے "میں متفق نہیں کہ جس کو اسے
 رہا ہو، اب تو اس پر اس پر وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
 لیکن مجھے غلط فہمی ہو رہی ہے تو کئی ہے" میں نے کہا۔

ہیلتھ کسٹرن

لکھئے، وہ بولے "اے کیس آف ہیلتھ کسٹرن۔"

میں نے کہا "یہ نوجوان تو بہت صحت مند تھا۔"

صحت مند دکھتا ہے، وہ بولے "ہے نہیں۔ جو لوگ ہیلتھ کسٹرن کے بارے میں
 نہیں ہر وقت اپنی صحت کا خیال دامن گیر رہتا ہے، یہ چیز صحت کے لیے اچھی
 عمل صحت پر برا اثر رکھتا ہے۔ آج میری صحت گری کی سی ہے" ایسے لوگ ایسا
 بنا رہے ہیں۔ اور ہیلتھ کسٹرن جملہ بیماریوں سے زیادہ خوفناک ہے۔ ڈاکٹر لطف
 قسم کے امیدواروں کو آؤٹ رائٹ ریجیکٹ کر دیا کہ "ہیلتھ کسٹرن" خروس
 فکرا رہا۔ ملاجیت۔ ایسے لوگ فوج کے کھل نہیں ہوتے۔

میں نے کہا "یہ تو کئی ہیلتھ کسٹرن ہیں۔"

صحت کا خیال رکھنے والے لوگ میرے نزدیک صحت مند لوگ تھے۔ پہلی

میں مرکوز ہونا بہت بڑی بیماری ہے، ایسا ہی فعل ہے جسے "شٹ" کی جس

میں حکم کرنا ہمارے لیے یوں تھا جیسے ایس وینڈر لینڈ میں جا پہنچی ہو۔ روز

حیرت انگیز حقیقت آجاتی اور ہم اسے دیکھ کر حیران رہ جاتے۔

ہمارے لیے ہمدردی کے پارے سے کم نہ تھا۔ صرف نفسیات کے طالب علم

آرس میں دلچسپی رکھنے والے بھی "عالم حیرت" میں تھے۔

اس نے کہا "آئیے آپ کو خروس نوجوان کا تماشہ دکھائیں۔ وہ ہمیں میڈیکل

ہاں امیدواروں کا میڈیکل شٹ ہوتا تھا۔

پہلی انچارج سے بات کی کہ ہم خروس امیدوار کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے

ساتھ تعاون کریں۔ میڈیکل انچارج نے ہائی بھرلی۔

امیدوار کو بلایا گیا اسے کہا کہ اب آپ کا میڈیکل شٹ ہو گا۔

انچارج نے کہا کہ بڑے ڈاکٹر صاحب تو مجھے ہوئے ہیں وہ کچھ دیر کے بعد آئیں

تو وہی نہیں گئے۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو ہم غیر سرکاری طور پر امیدوار کے

میں "ہیلتھ کسٹرن" کی سی جی "سب نارمل" تھے۔

آواز بلند اعلان کیا کہ بڑے ڈاکٹر صاحب آگئے اور بائیں کے مطابق "میڈیکل

اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے امیدوار سے ہاتھ ملایا اور حکم دیا کہ نوجوان کے

شٹ لینے والا عمل وہی تھا جس نے امیدوار کے غیر سرکاری شٹ لینے تھے۔

میں نے کہا "تو ہر چیز تبدیل ہو گئی۔" بعض کی رفتار بڑھ گئی، دل کی دھڑکنیں تیز ہو

گئیں، لیٹین کا تپنا، ہوا تھکھ بول گیا۔ دونوں درجہ ہمیں دکھائے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا

تھا کہ شٹ دو مختلف امیدواروں کے شٹ ہوں۔ ایک فرد کے نہیں۔

مشکلات اور مسائل کو جان سکیں۔ کتنی والوں کا خیال تھا کہ شاید اس بات کی وجہ سے
چونکہ یہ سیوری کا معاملہ تھا۔

غیر از توقع ایذازت ملی تو سفر میں خوشی بھرا شور مچا گیا۔ پھر رسالہ درجہ اولیٰ کی
ہو گئیں۔

یوسف ظفر

اے یوسف ظفر! میں نے اے اطمینان سے کہیوں کی فرست بتاتے ہیں
تجھے پتہ نہیں کہ ہم پائلٹ کی تربیت حاصل کرنے رسالہ درجہ چارہ ہیں۔

پتہ ہے، بھائی بھئی پتہ ہے، وہ بولا۔

تو تم تیاری نہیں کر رہے۔

تیاری تو میری بیوی کرے گی۔ میں تو ٹیڈی کر دوں گا، چڑیاں ہی بیک کرتی ہیں۔

کتنی باتیں

بہترین پائلٹ کون ہے۔

پہلے

ہو گیا ہے، وہ بولا۔

یوسف ظفر! اشارہ تھا۔ اپنی حلقوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ وہ حلقہ ارباب ذوق
تھا۔ حلقہ کے بنیادی میسوں، ضیا چاندھری، مختار صدیقی، قیوم نذر کا ساتھی

تھا۔ بھوٹا تھا، لیکن چھوٹے قد میں اتنی جان تھی کہ سنبھالے نہیں سنبھالیں

تھا۔ شاعر ہونے کے باوجود گھر بیٹو نہیں تھا، ایکشورورٹ تھا، بے چین

تھا، لڑکی پسند پسند کے عور پر گھومتی تھی، جو پسند تھا وہ اچھا تھا، جو نا پسند تھا

دوسرے کی وجہ سے پاکستان ابھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔
پاکستان انٹر فورس کے پاس کتنی کے چند ایک پائیلٹ تھے۔ اور وہ کسی پول تھے۔ چند ایک ٹوٹے پھوٹے جہاز تھے۔

رسمل طور میں چند ایک باریکیں تھیں۔ چند ایک سرکس، چند ایک ہتھیار، ایک ویرانہ علاقہ وہاں صرف دو باتیں چاہتے تھے۔ ایک تو تہیہ کی طرح چاہا دوسرے آسمان کی طرح چھایا ہوا اور خان۔

نور خان رسالہ پر کا کلمہ پڑھتا تھا۔
لوگ نور خان سے ڈرتے تھے، لیکن ساتھ ہی نور خان کے لیے ایک نام کرتے تھے۔

نور خان نے اسٹیبل دوم میں ہم سے خطاب کیا۔ یوں، لڑکوں ہم یہاں کی نہیں دیتے آپ کو ہم نے صرف اس لیے اجازت دی ہے کہ آپ پاکستان کی ہم

اہم مسئلے پر تحقیق کر رہے ہیں۔ یہاں آپ کو دو باتوں کا خیال رکھنا لازم اور ہمارے ڈسپلن میں ظن اندازی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ملک کی سیوری پر آج نہ

رہا پور میں ہمارا قیام مختصر تھا۔ جس کے دوران پہلے ہمیں ملائکہ پر چاند گئے۔ پھر ہوائی جہازوں میں بٹھا کر کل پرزوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔

پائیلٹ کے تحت کو پائیلٹ کی حیثیت سے اڑنے کے چند مواقع فراہم کیے گئے۔

بائیلٹوں کو ہدایات دی گئیں۔ کہ ہمیں انگریزوں کے قلائد کی بنیاد پر کیا جائے۔

پہلی مرتبہ جب میں کو پائیلٹ کی حیثیت سے جہاز میں بیٹھ کر اڑاؤ دیا گیا۔

پہلی مرتبہ جب میں کو پائیلٹ کی حیثیت سے جہاز میں بیٹھ کر اڑاؤ دیا گیا۔

پہلی مرتبہ جب میں کو پائیلٹ کی حیثیت سے جہاز میں بیٹھ کر اڑاؤ دیا گیا۔

چھ حسین لڑکیاں

رسل پور سے واپسی پر ایک ایسا لوٹ روٹا ہوا کہ حقیقی سنٹر جتنا تھا، اس لڑکی پر اس روز انپکشن ڈس تھا۔ ہر مینے دو مینے کے بعد ایک انپکشن ڈس کیا اور اسے بڑے افسر آکر سینٹر کا معائنہ کیا کرتے تھے کہ آیا سنٹر ٹیکس طور پر چل رہا ہے۔ ان تو نہیں پڑی، سیکرٹری لو کے ہے یا نہیں۔ انپکشن ڈس پر ہم سب ہانک اٹھتے۔ اسے سترے کپڑے پہنے ہوتے، عمارت سپک اینڈ پین ہوتی، ہانپنے کی لٹنوں پر ہوتی۔

اے یہ کیل سارے ریسرچ اسسٹنٹس کی آنکھیں غلاؤں سے باہر اٹھنے کے چچے چچے قہار میں چھ لڑکیاں خرابی خرابی آ رہی تھیں۔

ان کے آتے ہی اعلان ہوا، "حقیقی سنٹر کے تمام افراد اسمبلی ہال میں آؤ" ایک اہم خطاب کیا جائے گا۔

ہال میں لڑکیاں بیچ پر بیٹھی تھیں۔ درمیان میں ایک افسر بڑے طور پر خطاب کرتے ہوئے شروع کیا۔ بولایک مین۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑا تھا کہ حقیقی یونٹ کو تکمیل دینے وقت ایک اہم بات کو نظر انداز کر دیا۔

اس حقیقی یونٹ میں ہر مضمون کا ایک ماسٹر موجود ہے۔ جو اس مضمون کی ہے۔ اس یونٹ میں عمر رسیدہ لوگ بھی ہیں، فنکار بھی ہیں، لکھ بھی ہیں اور اور آرٹ کی لمانڈگی کرتے ہیں۔ لیکن اس یونٹ میں کوئی غارتوں نہیں ہے اور لمانڈگی کرتی ہو۔

آپ کو یہ جان کر خوش ہو گا کہ اس کا کوئی اور کام ہے۔ چھ لڑکیاں

اس قدر حسین تھیں کہ ان کی طرف دیکھنا مشکل تھا۔ یہ احساس ظاہری ہو رہا تھا۔ وہ میلی ہو جائیں گی اور اگر دیکھتے تو سانس لینا مشکل ہو جاتا تھا۔ صرف یہی نہیں، جسے سونے پر ساگر اس وجہ سے تھا کہ انہیں علم تھا کہ وہ حسین ہیں۔ انہیں ان لڑکیوں کے دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن ان میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہتا۔ بالی، "جینپ جاتے ہیں۔ وہ سب جانتی تھیں کہ ان کا حوصلہ کیسے بندھایا جاتا ہے۔ چوتھی نہیں تھیں۔ انہیں دیکھنے کا فن آتا تھا۔ ہندو کھیلوں کے ذریعہ ان کی راتی جیسے پیسے پیسے نہ ہو کہ دیکھا جا رہا ہے۔

ان کے مختلف تھا۔ چھ مختلف تھیں۔ ایک کتابی چرو تھی۔ ایک سیکرٹری تھی، ایک مسکراتی تھی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ گویا ایک ذاتی پرائیویٹ فعل تھا، وہ اسے نہ چھینکتی تھی۔ ایک نیلی آنکھوں والی تھی، وہ آنکھیں نہیں تھیں، ان میں وہ دوڑتی تھی بلکہ خود ڈوب جاتی تھی۔ ایک سار مرادی تھی، جسم پہلوں سے نکل کر لکڑی جھانکنا تھا۔ ایک مرچیل تھی، اسے دیکھ کر سوں

ان میں ایک لڑکی متعین کر دی لیکن یکشن زیادہ تھے، اس لیے وہ جینپ کے محروم رہا۔ میرے ساتھی اس محرومیت پر بڑے غمزہ تھے۔ ہم حسرت بھری سیکشنوں کو دیکھتے تھے۔

سرکار کے بیٹے تھے کہ یوسف ظفر آریلہ یوسف ظفر کے انداز میں دعا کرتے تھے۔ اس روز "ای لیشن" کچھ زیادہ ہی چمکی ہوئی تھی۔ آتے ہی

بنیاد کا شیرازہ

یائے کتب ہیں بنیاد کے شیرازہ بھی نہیں جاتے چاہے وہ فخر کو کتنی لڑتی

ہیں۔

طبی طور پر میری شخصیت کے بنیادی خواص چار ہیں۔ احساس کسری ہیں۔
کے پردے میں چھپائے پھرتا ہوں۔

قدار ہو مثیلی، جواب اتھارنی ہو شیطانی میں بدل چکی ہے۔

جنسی جنوں، جواب آنکھوں میں تو دم ہے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

اور آخر میں شدت تھے میں بیش ایک خوبی سمجھتا رہا اور غلوں کا کیا۔

۱۹۸۵ء میں مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ شدت ایک عجب ہے،

کی ایک عقیم رکاوٹ ہے۔ اللہ کے راستے کی رکاوٹ نہیں، انسانیت کے راستے کی

۱۹۵۰ء میں جب میں اس حقیقی سفر میں کلام کر رہا تھا تو میری عمر ۲۵

نے مجھ پر ایک پرانا لڑے سے خریدوا ہوا اور رکوت لگا رکھا تھا ساری زندگی

میں لپٹ رہنے کے بعد میں کنارے پر لگا سوکھ رہا تھا۔

اس کے بعد دوسری چھ بھائی بہنیں ختم نہ ہوئی تھیں بلکہ وہ بھی تھیں۔

سے بھی سناڑ ہوا تھا لیکن ان نوجوان بنے تھے لوگوں کے مقابلہ میں،

تھی۔ میرا کوئی چانس نہ تھا، ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی جانب متوجہ

اسی وجہ سے صورت حال پر مجھے فسر آتا تھا۔

ایک دن بحری محفل میں میں نے کہہ دیا کہ یاد یہ مشراب ریسرچ سٹر

ہے جیسے یہ بازار حسن ہو۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس لیے کہ ہم میں

میں رہا۔ ہم اپنی تدبیر پر خوش ہو رہے ہیں، پھولے نہیں مالتے۔

پاکل درست کہتے ہو، یوسف ظفر بولا۔

لیکن اس کا مل کیا ہے، کسی نے با آواز بلند پوچھا۔

میں اٹھتے دے کر جا رہا ہوں، میں نے کہا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

یوسف ظفر بولا، میں نے تھے میں کہا، میں تو جا رہا ہوں۔

یوسف ظفر بولا، میں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

یوسف ظفر بولا،

یوسف ظفر بولا، ہم نوجوان بگڑ گئے۔ وہ بولے، ہم صورت حال سے بالکل مطمئن ہیں۔

یوسف ظفر بولا، یہاں تک کہ لوگ اسٹنٹ دینے کے حق میں تھے کچھ خلاف تھے۔

یوسف ظفر بولا، وہاں کہ اسٹنٹ کے دیا جاوے۔ کبھی کے ناظم کو یا سرکاری کانفرنس کو۔ میں

یوسف ظفر بولا، حق میں تھا چونکہ میں فیاض محمود کے سامنے جانے سے تنگ پایا تھا۔ فیصلہ یہ

یوسف ظفر بولا، کوئی وجہ نہ تھی کہ اسٹنٹ الگ الگ اسٹنٹ پیش کرے۔

یوسف ظفر بولا، اسٹنٹ پیش کیا جائے۔

یوسف ظفر بولا، اسٹنٹ پیش کرنے کے حق میں نہ تھا۔

یوسف ظفر بولا، اس کے ہم خیال تھے۔

یوسف ظفر بولا، فائن کیا۔

یوسف ظفر بولا، قریب میں کانفرنس کے کمرے میں داخل ہوا۔

یوسف ظفر بولا،

یوسف ظفر بولا، میں نے فیاض محمود کے سامنے اپنا اسٹنٹ رکھ دیا۔ وہ چونکا ہوں وہ بولا، کیا

یوسف ظفر بولا، مل گئی ہے۔

یوسف ظفر بولا، بڑے نازل انداز میں جواب دیا۔

یوسف ظفر بولا، یہ سنا ہوں کہ وہ فیلی ایفرو کیا ہیں، جن کا بناء پر آپ اسٹنٹ دے رہے ہیں۔

یوسف ظفر بولا، میں نے خشک انداز میں جواب دیا، میں اپنے فیلی ایفرو کو ڈسکس کرنا پسند

یوسف ظفر بولا، اس نے میری بات کی کات کو محسوس کر کے ایک جھرمھری لی۔

یوسف ظفر بولا، میں فیاض محمود سے انتقام لینے کا تھا۔

یوسف ظفر بولا، میں شریعت سے پہلے جب میں اسے ملا تھا تو اس نے لاہلق سے کہا تھا میں

کم ان اور پھر ایک ناکل کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ لک میں وہ بولا: "ملازمت میں لے گی۔ سوچ لیجئے۔"

نیو رابنڈر سر میں نے آخری وار کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دفتر کا صدر دروازہ بند تھا، وہاں سیکریٹری کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ مجھے باہر جانا پڑا۔

آپ ویٹنگ ہال میں بیٹھیں سر میں اجازت لے لوں۔

ویٹنگ ہال ایک لمبی پارک تھی جس میں دس پندرہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

ابھی میں بیٹھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ یوسف ظفر داخل ہوا۔

اُسے تم "یوسف ظفر" میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

ہاں میں "یوسف"۔

تم تو اسٹیفن دینے کے جن میں نہ تھے۔

میں نے اپنا ارل وہ بدل لیا "بھائی جی۔"

کیسے میں نے پوچھا "وجہ۔"

فیصلہ وجہوں کے محتاج نہیں ہوں "بھائی جی۔"

تیرا لڑکا داخل ہوا یا وہ قفسے میں بموت بنا ہوا ہے۔ جب دسواں لڑکا ویٹنگ ہال

مجاہد ریڈیو

در اصل کہانی کے افسانوں کے رویے کے خلاف ایک احتجاج تھی۔ خطرناک

میں۔ افسانے اپنی حسن پسندی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی رپورٹوں میں اسے

حقیقی کہانی ٹوٹ گئی۔ جن اراکین نے اسے نہیں بھی دیکھا

راول دیس

فیاض کے پاس جا کر اس کی منت کرنا مجھے گوارہ نہ تھا۔ پھر یہ بھی قرار دیا تھا کہ فیاض بہت پڑھا لکھا عالم آدمی تھا اور وہ علم کے تکبر کا شکار تھا۔ ایک دن لاہور چرائی ہونے کے باوجود اس نے بڑی تنگ دستی اور محنت میں زندگی گزار دی تھی۔ اس سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اور اب جب وہ ایک باعزت مقام پر پہنچ چکا تھا تو اس نے رات بھر

مجھے جھین تھا کہ فیاض میری بات نہیں مانے گا، کسی کی بات نہیں مانے گا۔ پھر یہ تھا کہ اس زمانے میں مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا، ایسا نہ تھا کہ «سروا» کی اپنی توبہ کیل گوارا کرتا۔

لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ساری بات پریس میں لائی جائے تاکہ لوگوں کو بہتر اندازہ ہو۔ حقیقی کام جو قوم کے مفاد میں تھا، صرف چند حسین لڑکیوں اور چند بھوسا افسروں کا کام نہیں تھا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ بات پریس میں نہیں آئے گی۔ آگنی تو بات نہ کرے گا اور بگڑ جائے گی۔ میں نے بار بار انہیں سمجھایا تھا کہ پریس میں آئے گا وہیں قاتلہ ہے۔ ورپبلک لوینین ہو، جو حکومت پر اثر انداز ہو سکے۔ انا ہمارے پاس حکومت اس قدر ہے کہ وہ ورپبلک لوینین کو اپنے کام میں لاسکتی ہے۔

میرا اندازہ تھا کہ افسران خود مخالف تھے کہ پریس میں نہ آجائے اور اپنے مفاد خف افادات پر قی مے تھے۔

ہم روز آہں میں ملا کرتے تھے۔

پہلے تادم خبریں سنائی جاتیں۔

پھر ان پر تبصرہ ہوتا، پھر ساری چوینشن کا جائزہ لیا جاتا۔

اور آخر میں یہ سب نظر اور مجھ پر الزامات کی برچھاڑ ہوتی، ہمیں مورد الزام نہ

مجھ پر سب زبانی جارائی تھی، لیکن کیا بات تھی

ایک دن ایک ایسی ہی روشنی منگب میں شمولیت کے لیے جب یہ سب غور و خوض کے رستوران میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ چند روزہ جوان چائے کے پیالے سامنے رکھے

UrduPhoto.com

ابا ریڈیو
ہندی
دیں کالی بی



محمود نقشبانی



محمد عسر



سجاد حمید



ابو الدین



ابو الدین

یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔
 چپ چاپ بیٹھے تھے۔ یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

انہی کے نام پر ووٹرز کی لسٹ سے خارج کر دیا گیا ہے، اقبال نے کہا۔

اس کی اسٹیٹیوٹ کر دی گئی ہے، سعید بولا۔ اور ایک سرکولر گورنمنٹ کو لکھ دیا
 کہ ان کے نام والوں پر بین لگادی جائے۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

کسی کو سرکاری نوکری میں نہ لیا جائے۔

نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہو سکتا، یوسف ظفر بولا، ہم سب کہنی کے ملازم تھے، سرکار کے
 ملازم نہ سکتا ہے۔

اب اس میں وہ سکتا، اقبال فیسے میں پٹائی۔

یہ بات کہنے کی کوشش کی، یہ بات قانون کے خلاف ہے۔

اقبال نے پوچھا۔

قانون، سعید بولا۔

اب اس کا کیا کرایا ہے، معین نے فیسے میں کہا۔

اسے ٹھیک کر دے، اقبال بولا۔

یہ کیوں نہیں لے، سعید مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔



حمید اعظمی



اے آپ نکالی صاحب، یوسف ظفر اے دیکھ کر چلایا، آپ یہاں کیسے
دیکھ لو بھائی، نکالی نے جو انوں کو مخاطب کر کے کہا، چاروںوں میں اس
ہوں، لڑھو کا کونہ کونہ چھان لرا ہے اور یہ کس مصیبت سے پوچھ رہے ہیں،

میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ نقل ہوا ہوں لیکن مجبوری کی بنا پر
اجازت دیں تو میں ان سے بات کر لوں۔

نکالی کا انداز بڑا بے تکلف تھا۔ لیوان مسکور ہو گئے۔ بولے، بے شک،
ان سے بات کر لیں۔ ہم اپنی بات چیت کل پر ملتوی کر دیے ہیں۔ دوستو، کل
لوہن انٹرستورن کے باہر نکالی کی جیب کھلی تھی۔ یہ جیب کہاں سے
نے پوچھا۔

یہ جیب تمہیں لینے آئی ہے، وہ ہنسا۔
لیکن ہم تو یہاں بری طرح سے بچنے ہوئے ہیں۔ یوسف ظفر نے ہنسا۔
خوبصورت لڑکیوں کی کھلی نکالی۔

نکالی کی آنکھوں سے مسرت کی ایک چھوڑاڑی۔ بولا۔ چھ خوبصورت لڑکیاں
تھیں جیسی مٹی تھیں۔ تاکہ آپ یہاں سے فارغ کر دیے جائیں۔

نکالی صاحب، یوسف ظفر نے کہا، چند روزوں کے کیڑ کا سوال ہے۔ ان
سروس سے بین کر دیا گیا ہے۔ ہم انہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔

افراد کا سوال اہم نہیں، نکالی نے کہا، اس وقت قوم کی خدمت کا سوال ہے۔
ضرورت ہے، آپ کو میرے ساتھ چھانا ہو گا۔

کہاں میں نے پوچھا۔
مجاہدوں کے محل پر، وہ بولا۔

لیکن ہم پر تو بین لگی ہوئی ہے، یوسف ظفر نے کہا۔
دیکھو بھائی، نکالی نے کہا، یہ بین دین کی باتیں وہاں جا کر ملے کر لیں گے۔

کے لیے صرف پچیس منٹ کے سکا ہوا۔ کل اس وقت ہم سڑک پر
اور مجاہد کے لشکروں کے مفہوم سے پورے طور پر واقف نہ تھا۔ یوسف ظفر کے

دل میں اسلامی جذبہ یوں بھرا ہوا تھا جیسے مائتار سے بھرا ہوتا ہے۔ نکلی کی بات یہ کہ اس کے لیے جو 'انہوں نے کہا۔

دن میں تین یا چار بار بلاوا آ جاتا۔ آ جاتے ہو چلاؤ۔ بلاوا آ جاتے
جائے، میٹنگ بھی اونٹنی میٹنگ ہوتی، کبھی درختوں کے جھنڈے، کبھی کسی
اوت میں اور کبھی کچھ میدان میں۔ سنو سنو نکلا دلی آواز میں کہنا: تازہ خبر
ہن دونوں ہمارے لیے سب سے اہم بات خبر تھی۔ چونکہ کواڑن کی کواڑ
ترین خبر کو جانا اہم قلم دار تیر، چونکہ اور قلم دار بھی خبر کو غور سے سنتے تھے۔
بولنا پڑے تو تازہ ترین حالات سے باخبر ہوں، یہ خبریں بھی عجیب نوعیت کی تھیں
کسی عجیب کی جرات کی حیران کن داستان، کسی جانناؤ کی جان کی قربانی کی قصہ
چلاؤ نہ دیری۔

میٹنگ ختم ہوتی تو سب اپنی اپنی جگہ سوچنے لگتے کہ خبر کو پروگراموں میں کیسے
پروگرام کا کاروبار کیا ہو۔ نام کیا ہو۔

استاد معلم

دیے تو سب اہم خبریں میں ایک پر بولا کرتے تھے، لیکن ہمارے پاس
فکر موجود تھے۔ محمد حسین، تاج اور امیر خان۔

محمد حسین چوٹی کا فطرت قلم، ہن دونوں مجھے علم نہ تھا کہ یہ شخص صرف اس
کہ ریڈیائی اور لٹری خبروں میں میری راہ نمائی کرے۔ میں بتائے، سمجھائے کہ
کیا ہے۔ کردار کیسے بنے ہیں اور ڈرامے کس طرح لکھے جاتے ہیں۔ آج تاج اس
کہ محمد حسین میرا استاد قلم اور ریڈیو آزاد کشمیر میرا معلم قلم جس نے مجھے بات
تاج اور امیر خان دو سمجھنے آوازیں تھیں، جن کے پاس دل دلا دینے والی
نور ایک امیر تاج اور افکار تھا جو بعد میں شہرت سے بھگتا ہوا۔

آزاد کشمیر ریڈیو میں پروگرام عجیب انداز سے مرتب ہوتے تھے۔ ایک
ساتنے کے بعد کہا جاتا۔ یہ کیسے دماغ ہے، مجھے جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا ہے۔
آگیا۔ بولنا میں کھولوں گا ان کے جھوٹ کا پل۔ مسودہ چلایا۔ دھول کا پل
کواڑن میں اور امیر خان۔

دن میں تین یا چار بار بلاوا آ جاتا۔ آ جاتے ہو چلاؤ۔ بلاوا آ جاتے

جائے، میٹنگ بھی اونٹنی میٹنگ ہوتی، کبھی درختوں کے جھنڈے، کبھی کسی
اوت میں اور کبھی کچھ میدان میں۔ سنو سنو نکلا دلی آواز میں کہنا: تازہ خبر
ہن دونوں ہمارے لیے سب سے اہم بات خبر تھی۔ چونکہ کواڑن کی کواڑ

پہلا

اصل کا پل کا پل ٹھہرو رہا تھا۔ تاج اور امیر خان شکر کرے تھے۔ ساتھ ساتھ
ہوئے۔ یہ لائسنس لکھ لکھ کر دیے جا رہا تھا۔ وہاں اتنی وقت میسر نہ تھا کہ سرکٹ پورا
کے اور پھر شہر وہاں لیے۔ سرکٹ ساتھ ساتھ لکھا جاتا تھا اور شکر کرنے والوں کو یوں
کا پل کیوں کہ چکا رہتی ہے۔

اصل کا پل ٹھہرو رہا تھا، نلے پر دھلاؤ رہا تھا، چلاؤ چلاؤ چلاؤ ہو رہی تھی۔
اتحاد یار یہ ہاتھ ذرا کمزور رہا۔ لگا ہاتھ سنبھالے، یوسف ظفر کہ رہا تھا ہم نے کر
اس چلاؤ چلاؤ کی کواڑن کی ایک سال دلی میں کوئی رہی۔

محمد حسین میرے پاس آیا، بولا، مفتی بی، ایک پروگرام ذرا ہٹ کے ہو جائے۔
میں چلائی تو ہوتی ہی رتھ ہے، ایک پروگرام دھیمی کواڑن میں ہو جائے۔ میں نے
لکھ لکھ بھارت کے دل کی باتیں باہر لائی جائیں۔ میں نے کہا مشاغل و غم
بولو بولو بولو سے بول۔ ایسا بولو جو لوہے سے میٹھا ہو، اندر میں کھلی ہو۔ اوپر
اندروں کو دھو ہو غصہ ہو۔ کچھ پر ہنس ہو، بغل میں چھری۔ کچھ ایسا ہو۔ محمد

آزاد کشمیر سے ایک پروگرام شہر ہو رہا تھا۔ بھارت کی نئی پینک۔ مندر کی
تھیں۔ محمد حسین پڈت کی آواز میں پاگوں کو کر سکا رہا تھا۔ پاگوں کو بولنے سے
وہات کا کام ہے کہ جو ملے ایسے تھیالے۔ دوجے کی پیچ پر اپنا حق جتانے۔
کاؤنٹ ایک ہے۔

محمد حسین آج تو رنگ لگا دیا۔

میں نکلائی بولا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ چاؤن کی آواز سن کر بھارتیوں کے

اور انہوں نے کہا: کیا کیا کہ انہیں دیر سے آیا ہے؟

انہوں نے کہا: 'ہاں نہیں' وہ کچھ دیر رک کر لو۔

انہوں نے کہا: آئی کہ بڑا عا کیا کہ رہا ہے۔

انہوں نے کہا: ہوا جا اسٹائن دے۔

انہوں نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ مجھے انٹرویو دینا ہے کہ میں اسٹائن کے

ساتھ جاؤں گا۔ انہوں نے کہا: وہ بھی یہی کہتا تھا، اور چلا جا جس پہاڑی ہیں، تجھے

انٹرویو دینی کے لئے اسٹائن کی پہاڑیوں کی قطار بھی ہوتی تھی۔

انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں

جاؤں گا۔

انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، میں نہیں جانتا کہ میں

راولپنڈی

میرا خیال تھا کہ چھ مہینے کے بعد میں واپس لاہور چلا جاؤں گا اور وہاں رہا کروں گا۔

گا۔

میرا بیٹا مجھے ریڈیو سے فارغ ہوا تو تم سب پنڈی آگئے۔ پنڈی میں

پروگرام تھا۔

ان دنوں پنڈی ایک چھوٹا سا شہر تھا، چلی چلی سڑکیں، کچھ گلیاں، کچھ

مکانات پرانی وضع کی دکائیں۔ ہوٹلوں کے سامنے بازار میں دو کاسٹ چار کاسٹ

جن پر بیٹھ کر لوگ چائے پیتے اور حقے کے کٹن لگاتے۔

شہر سے ذرا فاصلے پر صدر کا علاقہ تھا جو مقابلہ صاف ستھرا تھا۔

لیکن وہاں کوئی چھلے نہ تھے۔

پنڈی کو دیکھ کر میں بت لایس ہوا۔ بس کی بات ہوتی تو میں پنڈی میں

دو گلیاں پہلے پوسٹ ٹھہراؤں میں نے پچھلے سروس کیشن کو ملازم

تھیں۔ انٹرویو پنڈی میں ہوا تھا لہذا میں پنڈی میں رکنا چاہا۔ انٹرویو

میں نے ایک بڑے فٹرنے مجھے اشارہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ بیک باک

پلو میں ایمان بندھا ہے، دوسرے میں سائنس۔ ایک جیب میں فنون کا شوق، دوسرے کی دکان۔
 ایک سست ہے۔ ایک حذر ہے۔ ایک سست ہے۔

لوگ رسیا سیاحت کا وطن ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پہاڑ پر ان کا اصل چیز تو لوگ ہیں۔ لوگوں کو دیکھو ان سے باتیں کرو انہیں سمجھو ان کے لئے پاکستان کے دروازے علاقوں کو دیکھا ہے۔ دوسرے

رات کی گیارہ بجے اپنے اپنے سائیکل نکلتے اور راولپنڈی شہر کی طرف
والہ اہل بات چہڑ جاتی اور ہم دونوں باؤں میں اس قدر محو ہو جاتے کہ
سائیکلوں پر سواری کی کوسٹ ہی نہ آتی۔

اور میں رات کے وقت ریڈیو سٹیشن سے چل کر کیبل چوک پہنچے اور
وہاں روانہ ہو جائے۔

سے تھیں یہاں اصرار ہے کہ اس طرح کے قریہ ہو سکا اور اس کے قریہ ہو سکا۔
 لیڈر کو اس بات پر قسمہ آتا ہے کہ اگر تجھ کو چاہیے کہ تھیں۔
 حق صرف لیڈر کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ تھیں چاہتا تو قریہ ہوتا۔
 یوں رائے پیش میں اولیٰ کے تمام کسی اور چار یاری میں وقت گزارا۔
 پھر محمد حسین اور ریڈی کی مصروفیات تھیں۔

محمد حسین

دولہ پٹنڈی آکر جوں جوں مجھے عمر حسین کے قریب ہاتھ ۱۰ سالہ ۸
حسین کے جوہر کھلے۔

محمد حسین بیابلی طور پر گونگا آدمی تھا۔ عقل میں بات نہ کرنا اور دیکھنے میں وہ نہایت مستقل اور سنجیدہ آدمی نظر آتا تھا۔ ریاضی سے بالکل مختلف تھے۔ مشافہ تاج تھا اور تھا امیر خان تھا۔

یہ جتنی صدا کی دے پاس کے فکر تھے۔ تاج کو اپنی کھجور کی
 ڈھیلوی پر غرق خاور نور کو اپنی فوٹو لپی پر مجبور تھا۔ یہ لوگ فکر طبع
 حسین مہمان سے ہٹ کر قبائلی اس میں غرق خاور ہوش نہ رہا۔
 ہی معمولی نوعیت کی حتیٰ اور شاید اسی لیے وہ چھوٹی کواڑ کے زیرِ زمین میں
 قتل سسرل میں محمد حسین کا اور کیا ہو سکا۔ "عام سامکارہ سنائی اور تاج کا کار
 اور لیے لڑاؤ پیچھے سے لڑا ہوا تو میں اسے سن کر حیران ہو جاتا تھا۔
 لے اور غازی خان سے

ذریعہ لکھنؤ پبلیشر سے لرا ہوا کتاب اس سے سن کر حیران ہو جاتا تھا۔
 محمد حسین قیصر میں کلام کر چکا تھا وہ قیصر کے اب و بھتیجے تھے اور
 ان دنوں رولینڈ کی کامیاب شیشوں پشاور روڈ پر واقعہ تھا۔
 سڑک تھی۔ سر شام ہی شیشوں میں شیشوں سے آگے چھڑ رہا تھا۔

تھے۔ شر کے پڑے اہل کاروں سے ان کا رابطہ تھا۔ وہ اکثر دوست اہلکاروں
دیکھا کرتے تھے۔ مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس چوٹی میں
لوہاڑے اور وہ آٹھ شر کے کیل پیش کیا کرتے تھے۔ اس لیے میں آٹھ
بڑی اچھی طرح واقف تھا۔ انہوں نے چار ایک بار اندر سما بھی پیش کیا تھا۔
ترنگا لے گیتوں کی نقل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اندر سما ایک نیا
جب محمد حسین نے اندر سما کا نام لیا تو میں حیرت زدہ ہو گیا۔
عقل کی بات کہ محمد حسین میں نے کہا اندر سما کی پیشکشیں کون کیا کرتے
اس کا آپ فکر نہ کریں وہ یوں۔

تم گناہ جانتے ہو میں نے پوچھا۔
میں وہ یوں میں گناہ نہیں سکتا، لیکن میں اندر سما کے گناہوں کی نہ
آپ سکرپٹ کو ریڈیو کے مطابق ڈھال لیں، بس باقی میں سب سنہیل لوں
میں نے سکرپٹ لکھ کر محمد حسین کے حوالے کر دیا۔
سکرپٹ لے کر محمد حسین سازندوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دس چودہ دنوں
ریسرچ کروا کر آیا ایک دن کہنے لگا آج آپ فارغ ہیں تو ذرا ہماری ریسرچ میں
ریسرچ میں کریں جیڑن ہو گیا۔ اندر سما کے گیتوں کی تمام دفعیں وہ
محمد حسین نے ایسی عمدہ کاسٹنگ کی تھی اور میڈیک پائل ٹیپ کے رنگ میں ترجمہ
جس روز پیشکش سے اندر سما شرم ہوا تو چاروں طرف سے لوگ بیٹھے۔ ہار کا
تھے۔ بھی لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اندر سما میں نے پروڈیوس کیا ہے۔
محمد حسین کو کریڈٹ لینے کا شوق نہ تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک عظیم فن کار
محمد حسین کو میں نے سچے دل سے اپنا استاد بنا لیا۔

آج محمد حسین اس دنیا میں نہیں ہے لیکن جب بھی میں کسی انٹرویو میں
مکالمے لکھتا ہوں تو محمد حسین میرے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی تمام باتیں
ہے، نہیں مفتی جی یوں نہیں اگر وہیں ہو جائے تو کیا رہے۔ اس وقت
چاہتا ہے کہ محمد حسین نے مجھے کیا کچھ دیا ہے اور اس کی دین کا سلسلہ ختم نہیں ہوا

میں نے کہا مفتی جی مجھے ایک شیخ ڈرامہ لکھ دیں۔

میں نے پوچھا۔

میں نے کہا ہاں ہے کہ راولپنڈی میں ایک ڈرامہ شیخ کروں۔

میں نے پوچھا۔

میں نے کہا نہیں مجھے نظام سند کا کھیل لکھ دیجئے۔

میں نے کہا محمد حسین میں نے کہا نظام سند کا کھیل تو ریڈیو سے نشر ہو چکا ہے۔ بخاری

میں نے کہا کھانا تھا۔

میں نے کہا وہ یوں۔

میں نے کہا کوئی نئی چیز کیوں نہیں لکھواتے۔

میں نے کہا اور ل کر چاہتا ہوں وہ یوں۔

میں نے کہا مفتی جی بخاری کی نقل ماری ہے۔

میں نے کہا وہ یوں آپ کی کہی ہوئی چیز کی بات ہی طور ہوگی۔

میں نے کہا ایک دن سمجھا رہا لیکن وہ نہ مانا۔ کہنے لگا مفتی جی دلیل کی بات نہیں۔ چاؤ کی

میں نے دلیل نہیں ہوتی، عقل نہیں ہوتی، خالی چاؤ ہوتا ہے۔

میں نے شیخ کرے گا کیا میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ

میں نے کہا شیخ یا پروڈیوسر والی اصلی شیخ پر۔

میں نے کہا اصلی۔

میں نے لائے کہ

میں نے کہا دوست ہے پراہنہ دل کا دوست اس نے پانچ ہزار کی ماہی بھری ہے۔

میں نے کہا بات بن جائے گی کیا۔

گزارہ ہو جائے گا۔

میں نے اختیار ڈال دیے۔ اچھا، مہ کن سی بولی بولے گا۔

وہ میں کروٹا، آپ سیدگی زبان کھ دیں۔

نہیں یہ نہیں ہوتا، میں نے کہا۔

تو پھر۔

نومے کے طور پر تو سننے کی زبان بولتا جا میں لکھتا جاتا ہوں۔

وہ بولتا کیا، میں لکھتا گیا۔ چار ایک دن میں وہ بولی یاد کرتا رہا۔

پھر ایک مہینے میں سکرٹ تیار ہو گیا۔

میں نے کہا محمد حسین اب تو اسے روایت کر دے۔

کہنے لگا میں نہیں مانتی جی۔ جتنے لکھتے تھے میں جتنے بولتے تھے۔

یہ ایک عظیم حقیقت تھی، جو میں نے محمد حسین سے سیکھی۔

کہنے لگا جب میں سسرل میں بولوں گا تو فقرے آپ بیٹھ جائیں گے۔

سسرلوں میں فقرے بیٹھ گئے۔

پھر وہ کاسٹ کا انتظام کرنے کے لیے لاہور چلا گیا۔

دس دن کے بعد وہ چھ ایک ڈنچی عورتوں کو لے کر آیا۔

میں نے ان خواتین کو دیکھ کر کہا محمد حسین یہ کیا چیزیں لے آیا ہے۔

کہنے لگا مفتی جی، یہ دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو سچ بولنے کی چیزیں ہیں۔

آٹھ دس دن وہ کاسٹ کو سسرل کو دانا رہا۔ پھر کہنے لگا مفتی جی اب کچھ

آ رہا ہے، آ رہا ہے

پیشی کا سر، ایک نیا انداز سوجا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک وال پوسٹر لکھا۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھا تھا۔

اس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھا تھا۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھا تھا۔

دوسرے دن سسرل کے کھانا پینے کی چیزیں آ رہا ہے۔ نیچے جلی عہدہ میں آ رہا ہے۔

UrduPhoto.com

میں نے اختیار ڈال دیے۔ اچھا، مہ کن سی بولی بولے گا۔

وہ میں کروٹا، آپ سیدگی زبان کھ دیں۔

نہیں یہ نہیں ہوتا، میں نے کہا۔

تو پھر۔

نومے کے طور پر تو سننے کی زبان بولتا جا میں لکھتا جاتا ہوں۔

وہ بولتا کیا، میں لکھتا گیا۔ چار ایک دن میں وہ بولی یاد کرتا رہا۔

پھر ایک مہینے میں سکرٹ تیار ہو گیا۔

میں نے کہا محمد حسین اب تو اسے روایت کر دے۔

کہنے لگا میں نہیں مانتی جی۔ جتنے لکھتے تھے میں جتنے بولتے تھے۔

یہ ایک عظیم حقیقت تھی، جو میں نے محمد حسین سے سیکھی۔

کہنے لگا جب میں سسرل میں بولوں گا تو فقرے آپ بیٹھ جائیں گے۔

سسرلوں میں فقرے بیٹھ گئے۔

پھر وہ کاسٹ کا انتظام کرنے کے لیے لاہور چلا گیا۔

دس دن کے بعد وہ چھ ایک ڈنچی عورتوں کو لے کر آیا۔

میں نے ان خواتین کو دیکھ کر کہا محمد حسین یہ کیا چیزیں لے آیا ہے۔

کہنے لگا مفتی جی، یہ دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو سچ بولنے کی چیزیں ہیں۔

آٹھ دس دن وہ کاسٹ کو سسرل کو دانا رہا۔ پھر کہنے لگا مفتی جی اب کچھ

آ رہا ہے، آ رہا ہے

پیشی کا سر، ایک نیا انداز سوجا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک وال پوسٹر لکھا۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھا تھا۔

اس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھا تھا۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھا تھا۔

دوسرے دن سسرل کے کھانا پینے کی چیزیں آ رہا ہے۔ نیچے جلی عہدہ میں آ رہا ہے۔

UrduPhoto.com

اور ان کے سلسلے میں مجھ سے جرح کرتے رہتے۔

میرا علم نامہ موصول ہوا کہ ممتاز مفتی فوراً نیکرٹری وزارت امور کشمیر کی خدمت میں

گئے کہ شاید نیکرٹری نے مجھے رپہ پمانڈ کرنے کے لیے بلایا ہے یا شاید وارننگ دینے

والے الفاظ صائب آباد رسکروٹم، تھو۔

پی آر ڈی

دفتر میں پہلے دو ایک سال تو ڈائریکٹر صاحب مجھ پر بہت خوش رہے۔

پھر دو ممتاز بلگیر کسی وجہ کے فیاء الا سلام نے بات بات پر مجھ سے الہ آباد

ہر بات پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ بدلتے بدلتے بات اس قدر بڑھ گئی کہ

کیوں۔

جو شخص بغیر وجہ مخالف ہو جائے، اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہ دیکھے جنہاں، اگر وہ مجھے ناراضگی کی وجہ بتاتے تو میں اپنی پوزیشن مبالغہ آفرین کر دیتا۔

اظفر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا، کہنے لگے۔

آپ اوتھ ہیں۔

جی۔

آپ قدرت اللہ شباب کو جانتے ہیں۔

صرف نام سنا ہے۔

ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے کبھی۔

جی نہیں۔

آپ ان سے کبھی نہیں ملے۔

جی نہیں، کبھی نہیں۔

اظفر پھر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولا اس میں سے ایک لاکڑہارا

اللہ شباب نے مجھے یہ خط لکھا ہے۔

لکھتے ہیں، ممتاز مفتی میرے عزیز دوست ہیں۔ وہ آپ کے ایک ذیلی وزیر ہیں۔

جس کو بڑی مشکلات میں گرفتار ہیں، ہو سکے تو ان کی مدد کریں۔

وہ خاموش ہو گئے، پھر میری جانب دیکھا کہنے لگے قدرت اللہ شباب کا

کے عزیز دوست ہیں، لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ انہیں نہیں جانتے۔

جی۔ میں انہیں نہیں جانتا۔ میں نے جواب دیا۔

پھر وہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ ان کے عزیز دوست ہیں۔ اظفر نے پوچھا۔

جناب یہ بات آپ ان سے پوچھئے کہ وہ مجھے کیوں دوست سمجھ رہے ہیں۔

سفارش کر رہے ہیں۔

ان سے بات تو میں کروں گا، اظفر نے کہا۔

UrduPhoto.com

دل میں شوق پیدا ہوا تھا کہ وہ بچے جاکر گھروں کی دھانچہ کڑی میں حصہ

لے لے۔ مگر اس کا کہنا لے کر نیم چمتی میں آئی تھی۔ وہ اشفاق کی منتیں کرتی کہ

تیرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن اشفاق اسے ٹل دیتا تھا۔

آقا تھا کہ اشفاق نیم چمتی میں رہیں کہ سوئی زندگی گزارنے پر کیوں مصر

نیم چمتی میں کالی بلی

اشفاق کی طبیعت دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔

ایک حصہ اشفاق جو سارا دن نیم چمتی میں پڑا آہیں بھرتا رہتا یا اس کمرے میں بے مقصد

گھومتا رہتا تھا۔ دوسرا حصہ اشفاق جو کمرے کے باہر نکلتا تھا۔ وہ کبھی کبھی

کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔

کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔

کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔

کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔

کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔

کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی کالے بلی کے لیے تھپ تھپ کرتا تھا۔

راولپنڈی آجائے کے بعد بھی اشفاق سے میرے تعلقات انہوں کے قریب قائم رہے۔

جب بھی میں لاہور جاتا تو اشفاق کے پاس ٹھہرتا تھا۔

۱۹۴۹ء میں اشفاق نے گورنمنٹ کالج میں ایم۔ اے کے لیے داخلہ لے لیا تھا۔

نیم چمتی ویران ہو چکی تھی۔ ڈوبلی پینٹنگ کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے

تھا۔ لوہن انٹر ٹیچر واپس سرکاری تحویل میں جا چکا تھا۔ اس لیے اشفاق کی زندگی

چمتی تک محدود ہو چکی تھی۔ سارے لاہور میں اشفاق کا کوئی دوست نہ تھا۔

جن کی نیم چمتی میں رسائی تھی۔ مگر حسین اور میں۔

اشفاق سارا دن نیم چمتی میں یوں پڑا رہتا جیسے ہمیشہ جوڑے کے کچھڑ میں

ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہمیشہ لت پت کے عالم میں خوش رہتی ہے، اشفاق نیم چمتی

بلی آہیں بھرتا تھا اور ساتھ ساتھ مطالعہ میں مصروف رہتا تھا۔

جب بڑے خان گھر نہ ہوتے تو بچے خان محل میں ہڑنگ بچ جاتا تھا۔

تھے۔ بلی کے جانے کے بعد چوبہ دھانچہ کڑی نکالتے۔ ان کے شوق آواز میں

پہنچی۔ اشفاق کے گلن کمرے ہو جاتے، لیکن وہ حتی الوسع بچے خان محل میں قدم

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مضمون سیدھا سادہ تھا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر پنڈی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر مانا کرتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

بے کار ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

وہ اس بات نے کی اہلیت نہیں رکھتا، اکیلا تھا۔

اور

میں نے کہا، حسین بولا، کوئی محبت و جنت کا جینجھٹ تو نہیں پالی جینجھٹ۔

میں نے جواب دیا، یہ بات نہیں۔

وہ بولا۔

میں نے جواب دیا، اشتقاق کو لڑکیوں کا شوق نہیں ہے۔ وہ عاشق مزاج نہیں

ہے، وہ خوب طبیعت کا مالک ہے۔ اچھا یہ بتا محمد حسین۔

وہ بولا۔

میں نے خیال کیا کہ محبت کا جینجھٹ ہے۔

میں اس سوال کو سن کر گھبرا گیا۔ کہنے لگا جی وہ جو کالی ملی ہے اسے دیکھ کر میں نے

اور، کون سی کالی ملی۔

میں نے کہا، میں نہیں کس کی ہے۔ کہاں سے آئی ہے۔ وہ بلی شہم چستی میں آتی

تھی اس کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس کے لیے دودھ منگوا کر رکھتا ہے۔ جب وہ آتی ہے تو

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مضمون سیدھا سادہ تھا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر پنڈی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر مانا کرتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

بے کار ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

آپ تو جانتے ہی ہیں، اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔ پہلے میں نے اسے

پورے طور پر نہیں جانا تھا کہ اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔

میں بھی اشتقاق کی باتوں اور محفل آرائی سے اس قدر متاثر تھا کہ میں نے اسے

دوسرے پہلو کو قطعی اہمیت نہ دی تھی۔

زہلی نے جب لوہن اثر تھیں اشتقاق کا مجھے بتایا تھا، تو میں اسے دیکھ کر

زہلی کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

میں نے کہا، زہلی یہ کیا بتایا ہے تو نے۔

مجھے ہے، وہ بولا۔

کس کا مجھے ہے یہ۔

اشفاق احمد کا ہے۔

میں نہیں مانتا، میں نے ہنسنے سے کہا۔

نہ مانو، وہ بولا، میں کب کہتا ہوں کہ جڑ۔

یہ اشتقاق کا مجھے نہیں ہو سکتا۔

اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔

اس کو بڑے شوق سے دودھ پلاتا ہے، پھر اسے گود میں لے کر اس پر ہاتھ پھیرتا رہتا ہے۔
میری ہنسی لکل گئی، اس سے کیا پتہ چلتا ہے۔

میں، محمد حسین یونان، جب وہ بلی پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو چٹالوں میں گھویا ہوا تھا۔
جیسے اس کے ہاتھ تلے بلی میں کوئی کچھ اور ہو۔

محمد حسین بچا کہتا تھا۔ میں نے بھی محسوس کیا تھا جیسے بلی محض ایک علامت ہو۔

چوکی بھری، چٹی سفید

مجھے پتہ تھا کہ اگر میں نے مکمل کربات کی تو وہ گھبرا کر خود کو سیٹ لے گا۔
خطرے کے وقت اپنا سر ڈھل میں پھپھاتا ہے، اس لیے میں نے بلی دی وی سے پوچھا۔
میں نے کہا، یار تیرے گھر والے تیری شادی کا سوچ رہے ہیں۔

وہ چونکا، 'جی'، تجھے کیسے معلوم ہوا۔

میں نے کہا، نیچے ہاتھیں کر رہے تھے۔ میں نے جھوٹ بولا۔

کیا واقعی؟ وہ گھبرا گیا، پھر آہ بھر کر بولا، وہ اپنا چوک پورا کر کے رہیں گے۔

وہ تجھ سے منظور نہیں کریں گے کیا میں نے پوچھا۔

کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ بولا۔

کیوں تمہاری رضامندی سے ہو جائے تو کیا حرج ہے۔

تو نہیں سمجھتا، وہ آہ بھر کر بولا۔

تو سمجھنا مجھے۔

خاندان میں سے کوئی لڑکی جن لیں گے۔

تمہارے خاندان میں کوئی خوبصورت لڑکی نہیں ہے۔

ساری ہی خوبصورت ہیں، ہنسنا شروع کر دیں، چوکی بھر جاتی ہے۔

کیوں چنے سفید رنگ کو کیا ہے۔ میری تو جان تھی ہے، ہر چنے سفید رنگ پر۔

مجھے ذہن لگتا ہے، اس نے ہنر بھری لے کر کہا۔

تو خاندان سے باہر کی لڑکی نہ کر لیتا۔

اس نے انہیں ہونٹ۔

میں نے پوچھا۔

ہاں، ہاں، لڑکی وہ بھی قبول نہیں کریں گے، اس نے بلی سے بھرے انداز میں کہا۔

میں نے کہا، تم چٹان ہیں چٹان، غیرت کے مارے ہوئے، ہانوس کے دیوالے، خدی۔

محمد حسین بچا کہتا تھا۔ میں نے بھی محسوس کیا تھا جیسے بلی محض ایک علامت ہو۔

میں نے اشتقاق اپنے خاندان سے باہر شادی کرنے کا محسوس تھا اور کوئی خصوصی خاتون دیر

میں شادی کے خاتون میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

چھا گیا۔

تقسیم سے پہلے میری ماں نے بتائے میں اپنے گھر کی چلی منزل میں لڑائی اور
کھول رکھا تھا۔ مقصد صرف مصروفیت تھی۔ میری ماں اپنی طور پر ایک کافی تھی۔
یہ سکول جیسے کیسے سات آٹھ سال چلا رہا پھر پینہ نہیں کیسے ادا کی لڑائی
سکول کو باقاعدہ لے لے گئی۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم کے افسر سکول کا معائنہ کر لے گئے۔
ایک بار مسز جنہ بھی آئیں۔

اس روز سے لہاں مسز جنہ کی مداح بن گئی۔ لہاں کی زبانی مسز جنہ کی شہرت
ہمارے گھر تک پہنچ گئی۔
لہاں مسز جنہ کے ذکر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے نکلتیں۔ کتنی بار
پانچ وقت کی نمازوں ہے۔ ساری تجوید غریبوں کو خیرات دینے میں خرچ کر دیتی ہے۔

لہاں مسز جنہ کے ذکر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے نکلتیں۔ کتنی بار
پانچ وقت کی نمازوں ہے۔ ساری تجوید غریبوں کو خیرات دینے میں خرچ کر دیتی ہے۔

کما کر اس معاملے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ خاتون مسز جنہ
اشفاق کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اشفاق کے ماں باپ کی رضامندی
اور اس کے وہ تو جوتے مار کر ہمیں گھر سے نکال دے گی۔

ام کا کیا۔

وہاں آیا تو ہمارا خیال تھا کہ روم کی گماہمی میں دھیمان کسی اور طرف لگ
گئی ہو گی۔ لیکن اشفاق نے آتے ہی گلی بلی کی تلاش شروع کر دی۔
اس کی ہمت ہو تا تو دو سال میں بجز بھڑکے راکھ ہو جاتا لیکن وہ تو سنگین تھا۔
ہو تو گئی رہتی ہے۔ اور ہوا تو قد سید بھی خاتون تھی، مشرقی رنگ
تھے۔

ان اذ سر ہو سکتے گا، مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو،

تو پھر کچھ کرالیں۔

بولی میں کیا کر سکتی ہوں، میری کون سنا ہے، اس گھر میں۔

میں نے کہا، اہل تو اس گھر میں اسنے سارے جنوں کو سنبھاتی ہے، اہل!

بات بن جائے۔

وہ بولی، میں بڑے خان نہیں بنائیں گے۔

میں نے کہا، کوئی مانے نہ مانے اگر تو مان جائے تو ہم کر دیں گے۔

وہ بولی، مجھے تو کسی اعتراض نہیں۔

میں نے کہا، دیکھ اہل تو ایک بار بچے دل سے کہہ دیں کہ ہاں میں تو!

تیک کلام کر دو۔

بولی اندر سے تو تمہارے ساتھ ہوں لوہے سے نہیں، مجبور ہوں۔

میں نے کہا، ٹھیک ہے، ہمیں لوہے کی پرولہ نہیں۔ دل سے ہمارا ساتھ دے۔

کھکھو

اشفاق احمد کے بہت سے بھائی ہیں۔ سارے ہی ٹیلنڈ ہیں، فنی ہیں۔

فیلنڈ کا رخ اور ہے۔ اس لیے وہ سارے خاندان سے وکرا ہے، یوں

براہمن ہو۔

اشفاق کا ایک بھائی جسے ہم کھکھو کہتے تھے منڈو کر دوار کا مالک تھا۔

منہ پر بات کہہ دینے والا، کڑوی سے کڑوی بات کہہ دینے والا۔ ڈانٹ کر

داری سے بے پرواہ بات کا لپکا، خیر! سچ کا ساتھ دینے والا۔ کھکھو ایک

مالک تھا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کھکھو سے بات کی۔

میں نے وہ چلا کر بولہ۔ میں شتو کی زندگی چاہے ہوں میں کلہ کہ

نہیں۔

میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی تمہاری بات بکری آنکھ سے نہیں

دھاک کی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

بولی اور تلی۔

کھکھو کی دھار کو پاؤ قد سید نے کند کر دیا تھا۔

آپ کے ایک کوارٹر میں ایک رات مولوی صاحب بیٹھے، اشفاق اور

تھے، محمد حسین اور میں تھر تھر کاپ رہے تھے کہ بڑے خان پولیس لے

کھکھو کھڑا ہمیں حوصلہ دے رہا تھا۔ مراد بنو وہ کہہ رہا تھا، حوصلہ رکھو۔

میں نے کہا، تمہاری طرف کوئی بکری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔

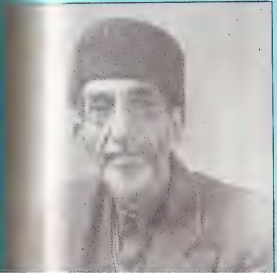
خواجہ جان محمد بیٹ

و وسیع ہیں۔ اوب، حکمت اور اسلام کے متعلق وہ بے تکلن گفتگو کر سکتا
 ہے۔ ملک کی عزت پیدا ہو گئی۔

ملک بھٹ سے آکر لائے گئے تھے معلوم ہوتا ہے آپ پریشان ہیں میں نے کہا
 میں نے ملک کو دفتر کے متعلق تمام حالات بتا دیے۔ میری بات سن کر وہ بہت
 افسوس منہ پر لایا آپ چاہیں تو میں کسی بزرگ سے درخواست کروں کہ آپ کے لیے دعا

کرائے گا۔ لیکن میں نے اس کو نہ مانا۔ لیکن میں نے بزرگ کے مضمون سے واقف تھا نہ دعا
 کرائے گا۔

پہلی مرتبہ میں نے چلیہ کے گھر میں سنا تھا۔ چلیہ میری قریبی عزیزہ تھی۔ پھر
 دوسری مرتبہ میں نے چلیہ کے گھر میں سنا تھا۔ چلیہ میری قریبی عزیزہ تھی۔ پھر



چلیہ کک

چلیہ کی کوٹھڑی سے صرف دو آوازیں گونجتی تھیں ایک 'فخو' دوسرا 'قتہ'۔
 قتا اس میں تسخیر تھا، سرت نہ تھی، مسق نہ تھی۔ اسے عروہ اس قتا
 ہی نے بنادی تھی۔ جب بھی کوئی چلیہ سے کسی کی شکایت کرتا یا بدھستی کا رونا
 وہ ایک بھر پر قتا لگاتی، یوں جیسے وہ شکوہ کرنے والے یا بدھستی کا رونا دہا
 چھوٹی عروہوں اور رنجشوں سے بے نیاز ہونے کی دعوت دے دیتی اور
 چھوڑ دیتا، 'فخو' یہ نام لیا، ایسی ہی ہے۔ یہ نکلتی ہی تو اس پچھت کی رنگ ہمار
 والا ہولی کھیل رہا ہے۔ کھیلنے دو، اسے کھیلنے دو۔ جس رنگ میں چاہے کھیلے۔ اس
 جیون ہے اس کے کھیل کی وجہ سے ہی دھرتی ہری بھری ہے۔

یہ واقعہ ۱۹۶۱ء کا ہے جب میں چلیہ کے گھر میں پناہ گزین کی حیثیت سے گیا تھا
 ۱۹۶۱ء میں میٹرکولیشن کر کے میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گیا تھا۔ ا
 ہاسٹل میں ایک میٹ دلاؤدی تھی۔ لیکن ہاسٹل میں رہتا میرے لیے نعمان نہ تھا
 گھیر ہی گھیر تھے۔ جن کے درمیان ڈرا ہوا 'سما ہوا' ایک بالشتیہ
 اس زمانے میں اسلامیہ کالج میں لڑکے نہیں بلکہ چودھری اور دامہ ہا
 لوچنے لپے، بڑی بڑی ٹوئیس، کلف دار طرے، جب وہ گھول سے لاہور آئے
 پائین ان پر ایک کالی حق پکڑے بیٹھا ہوتا۔ ہوسٹل میں ایک کالی مٹی چالی
 پاجامے کی جگہ چادر بندھی ہوئی، بے کلف کچھاڑ، قہقہے لگاتے، دوپٹے مڑا
 لگاؤں سے گھورتے 'ایسی گھوڑی کہ دم رک جائے' جان نکل جاتی۔

ایک ڈرا ہوا 'سما ہوا' اکلیا، فوکرانی کا بیٹا، بھٹا ان گھوڑوں کے ساتھ بیٹھ
 لیے میں ہوسٹل سے بھاگ آیا تھا۔ اور چلیہ کے گھر چلا لیٹے پر چھوڑا ہوا کیا تھا
 دروازے میں تھا اور بھٹا دروازہ، ہیرا منڈی کی شاہراہ قتلہ ان دونوں نے
 معیوب نہ تھا انٹیشن میں تھا۔

ایک دن میں نے چلیہ کی بوسے پر چھایا یہ رانا کانفو کیوں لگاتی ہے۔

پانی لے پچھل

دراگ ہے اس نے کھل ہر جمعرات یہ اس کے مزار پر جاتی ہے۔ رانا کا مزار
 قتا ہی تھا۔ ایک روز میں مزار کی طرف چل پڑا۔ چھوٹے بازار میں رانا پر ایک
 نے لے کر آیا، رات بھر بچتا رہا۔ پتہ چلا کہ رانا ایک سخی آدمی تھا۔
 جس روز میں مزار پر گیا وہ بھرت کا اون قتلہ ان دونوں ہیرا منڈی کی مٹی
 ات کو جلوس کی صورت میں رانا کے دربار چلیا کرتی تھیں۔ راستے میں یہ
 کی انھیں پھٹی کی پھٹی دو گئیں۔ میں جلوس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ مزار پر
 اس نے پچھل۔

میں ہر جمعرات کو مزار پر پہنچتا، لیکن دربار میں حاضری نہ ہوتی۔ شاید رانا نے
 دنانے کے لیے اس جانب نظر جلوس کو کام پر لگا رکھا ہو۔

دراگ کا تذکرہ لیں کرتی رہتی تھی۔ ان کا ہم عالمی رفیع الدین قتلہ دلی میں
 رہتے تھے۔ سلسلہ پشتیہ تھا، امیں سبھی حاجی صاحب کہہ کر بلایا کرتے تھے۔
 حاجی صاحب کیسے اور کب پٹالے آئے اور منیبلے میں طے پہنچے، جہاں ہم رہتے
 کی بیت کر لیں۔ ان دونوں جیسے نہ تو بزرگ کا پتہ تھا کہ کیا ہوتا ہے، کیسے ہوتا
 کاظم تھا۔

صاحب نے مجھے بری طرح رنج کر رکھا تھا یہ کہیا بزرگ ہے، میں سوچتا ہو
 حالت میں خواہ مخواہ مداخلت کرتا ہے۔ بھٹے آدمی تو لعلہ اللہ کہ جو بزرگ کا کام ہے
 قتلہ کو پرانی کیا پڑی اپنی بیڑ تو۔

تھے کہ ان دنوں میں ایک خاتون کے عشق میں سرشار تھا۔ خاتون کے عشق
 انرا ایک عام سے بات ہوتی ہے۔ میری شکل یہ تھی کہ وہ خاتون شادی شدہ تھی
 اس کے علاوہ ایک اور بدھستی کے میرا عشق وصال سے بے نیاز قتلہ وصال کے
 ارف طاری ہو جاتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو دوس بارہ وصالوں کے بعد جی بھر جاتا اور

میں والہیں مگر آجائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ سال میں محترمہ کی لڑکی میں لہجہ
پہنچاؤ تھا۔ وہ ملاپ نہیں چاہتی تھی۔ صرف یہ آردو تھی کہ کوئی نگار پہ
آئے تھے، جب محترمہ کا شوہر اکیلا اپنی ملازمت پر چلا جاتا اور مجھے والدہ کی
میں کوشے پہلا لگ کر وہاں جا پہنچتا اور پھر محترمہ کے پاؤں سے کیلا، والدہ کی
اور بیروں سے کیلئے کا بڑا شوق تھا۔

ان وقتوں کے دوران میں انتظار کرتا کہ کب لہجہ سوجائے تو میں
سے کیلئے، جب لہجہ خراٹے لینے لگتی تو میں دے پاؤں چل پڑتا، لیکن وہ گھر
قرب پہنچتا تو لہجہ بڑھ کر ٹھیکہ دینے جاتی اور بڑی منت اور پلانت سے
میں اپنی چارپائی پر لوٹ جاتا اور از سر نو انتظار کرتا کہ کب لہجہ کوئی چہرہ
بچے پاؤں۔

یہ واقعہ روز ہوتا تھا، کبھی رات میں دو دو، تین تین مرتبہ۔

ایک دن میں نے لہجہ سے کہا، لہجہ یہ تاکہ تو اس وقت کیے۔
تیری چارپائی کے قریب سے گزر آؤں۔
لہجہ نے کہا، مجھے حلقی صاحب دیکھ دیتے ہیں۔

یہ سن کر مجھے بے حد غصہ آیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں، جو عین موقع پر لہجہ
خوا خواہ میری زندگی میں دخل دیتے ہیں۔

پھر مجھے خیال آتا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لہجہ کے بیٹاؤں کو بچے میں ایسا
بڑھاکہ لٹالے میں سوئی ہوئی لہجہ کو جگا سے اور وہ بھی اسی رات کے وقت۔
بہر صورت حلقی صاحب کے خلاف میرا دل قم و غصہ سے بھرا ہوا تھا۔

ایک رات جب لہجہ خراٹے لے رہی تھی اور میں دے پاؤں اس کی چارپائی
تو لہجہ کو حسب معمول حلقی صاحب نے جگا دیا۔ لہجہ بڑھ کر اسی رات میرا ہاتھ
مستاز نہ، اس کا انہدام اچھا نہیں ہو گا۔

میں نے کہا، لہجہ ڈال سے لڑتا ہوا ابھی کسی جڑا ہے تو کیوں اپنے کپڑے
رہی ہے۔ بات بھی صحیح تھی۔ قصور میرا تھا، لیکن لہجہ میرے قصور پر غور نہ کیا۔

میں نے ایک کمرے میں لے گئی اور ہاتھ پدھ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔
میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ۔

کیا واقعی 'میں نے حیرت سے پوچھا۔

بولی 'ہاں' اور میرا مرشد بڑا حلقہ دور ہے۔

جی کون ہے وہ۔

بولی 'تو جو ہے۔

'اس پر میں نے غموں سے کہا جیسے مجھے تخت پر بٹھا کر تاج پہنا دیا گیا ہو۔

دو ایک دن میں اہل نے مجھے دلی بیچنے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے۔

دلی

دلی میں حیدر میں ایک عزم کے گھر ٹھہرے۔

اگلے دن ہم ملی ملاں گئے، ٹنگ اور گھومتی ہوئی گھیاں ہی گھیاں۔ حلقی صاحب

ایک بند گلی میں واقع تھا۔ ہم نے دروازہ کھٹکایا۔ ایک فوجیوں لڑکا باہر نکلا۔ حیدر

بغائب سے آئے ہیں۔

حلقی صاحب سے ملنا ہے۔ لڑکا ہمیں مشک میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد ایک پتھر دار پست قد آدمی داخل ہوا۔

ارے 'میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میرے سامنے ایک نحیف و زار آدمی کھڑا تھا۔ اس کی ناکھیں مشکل سے جسم کو ڈال

ہوئے تھیں اور سر پہل دبا تھا۔ انداز میں بے بسی بھری ہوئی تھی۔ وہ ہمیں بڑے تپانے

اور جھڑ سے ملے۔ پھر حیدر سے ہملہ لوگوں کی خبر پتہ چلے گئے۔

میں نے سوچا یہ نحیف و زار بڑھا جس کی ناکھیں لڑکھارہی اور سر جھول رہا ہے۔

باتھ کیسے پکڑے گا۔ چلو جو بھی ہے 'مفتقد دہلی کو خوش کرنا ہے۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ حلقی صاحب تو بد پھیلائے، کچھ کچھ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور

میرداد کی بیڑ ہوگی۔ جیسے ہمارے ہاں بھڑوں کا دھڑ ہے۔ سر دھن کر کے دلی ٹنگ دار

سے بات کریں گے 'میرداد انداز سے سر ہاتھ پھیریں گے۔ لیکن یہاں تو بات بالکل بالکل

خیر خیریت پوچھنے کے بعد حلقی صاحب بولے 'فرمائیے کیا حکم ہے۔

کہا 'جناب ان کی والدہ نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ فرمائی ہیں کہ

اس وقت میں نے میں تو کرم نوازی ہوگی۔

اس کا حکم سر آکھوں پر 'حلقی صاحب بولے۔

کہا اور ہے کہ اپنے مریدوں کی بات کو اپنے لیے حکم سمجھتا ہے 'میں نے سوچا۔

وہ وقت حلقی صاحب سے مل کر میں بہت دلی ہوا ساتھ خوش بھی۔ دلی اس لیے

کہا کہ وہ نہیں سنبل سکا تو مجھے کیا سنبھالے گا 'خوش اس لیے کہ یہ میرا کیا کڑے گا۔

اس وقت حلقی صاحب نے میری طرف دیکھا۔ دو کھلی سیادہ سرے کی دھار والی 'پاکی

سے میری آنکھیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے پتہ نہیں کتنی بڑی دولتیں

نے

آگے

وہ اہل خانہ صاحب میں نے چشیرہ آکھ کو دیکھا تھا۔

وہ اہل خانہ میں چشیرہ سے واقف تھا نہ چشیرہ آکھ سے۔ نہ اللہ کا مہموم سمجھتا تھا نہ اسلام

کا۔ میرے نزدیک فرسودہ رسوں کا ایک گھٹا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ وہ ہوتا ہے جو

ہم سے 'کھل ہوئے دلی بات آج تا آگے 'پھونک مارے تو بیماری دور ہو جائے لائق

ہو جائوں کا حامل ہو۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ ایک طرح کا ہدایتی ہوتا ہے۔

لیے یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ ارے یہ حلقی صاحب تو ایک انسان ہے۔ نحیف

میں 'اس سے بات کی جا سکتی ہے۔ اس کی بات کٹنی جا سکتی ہے۔ اس پر میرے دل میں

آگے

اسی شام ہم تینوں حلقی صاحب 'حیدر بخاری اور میں دلی کی جامع مسجد میں جا پہنچے۔

اس وقت کرلیں 'حلقی صاحب نے کہا۔

اس گھر پر آج بڑے وضو کے کوٹھ میں بھول چکا تھا۔

نے مجھے ٹوکا نہ نہ دے ایسے نہیں۔

حالی صاحب نے حیدر سے کہا 'میں ٹوکے نہیں 'جیسے چاہیں وضو کریں۔

وضو کے بعد انہوں نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔

اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے دیجئے، وہ بولے۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

جی فرمائیے۔ حاجی صاحب بولے۔

یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

آپ کی والدہ محترمہ کا حکم بھاننا رہا ہوں۔ آپ کو بیعت کر رہا ہوں۔

بیعت کیا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

ہاں، قلعہ مار کر خوسوں۔ یہ صحیفہ و نذر پڑھا جس کی فائلیں لڑکھڑاتی ہیں اور سر

سے چائے پلانٹک کے پلوے کا آکا ڈھیلا ہو گیا ہو۔ یہ بھلا مجھے دلی کی سیر کیا کرائے گا۔

ایک

ہاڑی ہاڑی بازار دلی کی واعدہ سیر گاہ تھی جہاں دلی کے بچے گھوما پھرا کرتے تھے۔

میں نے کہا کیا آپ نے ہاڑی کی سیر کی ہے کبھی۔

اب وہ بولے، ہم تو وہیں رہا کرتے تھے۔

آپ نے اسے آزمایا کیا۔

ہاں صرف ایک بار وہ پوئے۔

کیا واقعی عورت مطہج ہو جاتی تھی۔

ہاں وہ بولے۔

دوسری پارکیوں نہ لگایا۔

اس لیے کہ عورت کا ذہن شل ہو جاتا تھا، پتا ایک بے جا عورت ہو رہا تھا۔

کیا کہ بے چلن بت کو کیا کرتا ہے، 'بھئی ہوئی لائین کو اٹھائے پھرے' ۱۰۰۶۱۸

۱۹ سرمد دریا میں پھینک دیا۔

پھینک کیوں دیا" میں نے سوچا، کسی کو دے دیتے۔

ممتاز صاحب 'وہ پورے' ساری لذت طلب میں ہے۔

حصول تو اک بے جان کیفیت ہے۔

ایمان اور شکوک

ملا سے واپسی سفر میں 'میں مسلسل سوچ میں کودا رہا۔ حلقہ صاحب کی کنفیوز کر کے رکھ دیا تھا۔ حلقہ صاحب میں بزرگوں والی کوئی بات نہ تھی۔ رولواری اور وسعت خیال۔ وہ ایک اعلیٰ انسان تھے بزرگ نہیں۔

میرے دوہو ایک طرف حلقی صائب کھڑے تھے دوسری طرف میرے
 پڑ پڑ رسل، ایڈیٹر، ٹرانسلیٹر، نیبشے، کالکا، دستودکنی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

کہ ہر بات کو قلب و شہر کی نظر سے دیکھو۔ اسے جانچو، پرکھو، ٹھونک جاؤ، لٹاؤ۔ بند آنکھوں سے جو ایمان لایا جاتا ہے اس میں استحکام نہیں ہوتا۔

عالمی صائب کہہ رہے تھے۔ ایمان آنکھیں کھول کر حاصل نہیں کرتا۔ ایمان دوسرے جانتے ہیں جو راہ کوئی کر دیتے ہیں۔ بند آنکھوں کا ایمان سچا ایمان نہیں ہے۔

UrduFiction.com یہ واقعہ ۱۹۳۵ء کا ہے۔

UrduPhoto.com

اپنی دھول اڑی تھی کہ ہم بکسوں کے لیے سانس لیتا ہوں۔ وہ بکسوں کے
 دھول سے رہے تھے اور مکے والے لائیاں اٹھائے ہمیں تلاش کرنے پر آمادہ
 ختم ہو چکا تھا اور اپنے عتب میں بدنامی 'لو اسی اور ورائی چھوڑ کیا تھا۔
 جب ہم بلا کے ڈیرے پر پہنچے تو وہ کھیت میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔
 بچے کڑی ہو کر نماز پڑھنے لگی۔

ادری۔ نہیں دی۔ بولو۔ کیا نہیں کیا اللہ نے۔ کیا نہیں کیا وہ پھر پکر
 ہدیہ پانچ پورے میں چھپا ہوا تھا تو صوفی صاحب نے اسے حفاظت
 کے لیے در میں شامہ جی نے خود حفاظت کی۔ نہیں کی بولو۔
 ہدیہ پانچ پورے میں چھپا ہوا تھا تو صوفی صاحب نے اسے حفاظت

میں نے ان دنوں وہی کوئی آبادی نہ تھی۔ ریل کی پٹری پار

میں، جس کے عقب میں قبرستان تھا۔

میں نے اس کو دیکھا تھا۔ اس کے گرد

عالمی صاحب کے کردار کا مجھ پر بہت گہرا اثر تھا۔ وہ کیا تھا؟

قرب ہے۔ کسی بات کا برا نہیں مانتے، کسی بات پر آزرہ نہیں دیتے۔

میں نے اس کو دیکھا تھا۔ اس کے گرد

تجربے کا راقبہ۔

والا ایڈی سے ڈرنا قلم۔

... ..

اور لکی رتھین محفل کہ رنگ رس میں ڈوبے بیٹھے رہو گے۔

اے مجرمے میں لے گیا۔

ایک کلی میں وہ ایک لپا سا کرا قلہ قرش نور دیواریں مٹی سے لپے پتے
چٹائیاں پھینچی ہوئی تھیں۔ دونوں دیواروں کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگ
کھڑیاں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے درمیان میں ایک پہلو ان نما کوئی بیٹھا
تھا۔

یہاں نہ تھا۔ انا وہ بڑی گرم جوشی سے مجھے ملک بات بات پر مجھ سے
 ہے مابے بات۔ بیامیری بات کو بہت اہمیت دیتا تھا۔

میں روز ڈیرے پر جانے لگا۔ وہاں چائے عام ملتی تھی، مفت اور پار پار
 دن بیامیری کے دن بیامیری دیکھیں پکا تھا اور ہمیں بڑی محبت سے کھانا تھا بلکہ وہ
 گھر لے کر لے جاتوں۔

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ
 میں نے اس بار بار سمجھا تھا کہ

کیے جا رہا تھا۔ اس کی باتیں عائدہ میں تھیں، لیکن وہ بڑی بڑی باتیں
 رہا تھا۔

میں نے قوم سے پوچھا، یار یہ بیامیری ہے۔
 وہ کہنے لگا، تجھے کیا لگتا ہے۔
 میں نے کہا، یار مجھ کو تو یہ جن لگتا ہے، جن۔

اس پر بیامیری نے خود چاچا دیا۔ کہنے لگا، دیکھو بھائی، یہ پہلا آدمی ہے، یہ
 آیا ہے اور اس نے ہمیں پہچان لیا ہے۔ کہتا ہے بیامیری ہے۔

سب کی نگاہیں ہماری طرف اٹھ گئیں۔
 میں نے دیر لپک کر یار اس نے تو سن لیا۔
 قوم بولا، اس کے کان کھڑے رہتے ہیں، بہت مست ہے یہ۔

تجھے پتہ ہے، بیامیری منہ موڑ کر ہمیں مخاطب کر کے کہتا۔
 بولنا لگتا ہے، نہ مٹا دھک ہے۔

اوسے یہ جن تو بڑا حاضر جواب ہے، میں نے سوچا چلو اسے چھیڑو۔ میں نے
 پھلجڑیاں چلائی شروع کر دی۔

وہی محفل میں لب اور احترام کی وجہ لوگ چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے اور
 ناگواری بات چینی نہ کرتی تھی۔ میں نے باتیں شروع کیں تو سب میری طرف
 دو کر بولا۔ تو بھئی ہمارے ڈیرے پر آج جلیبیاں ملنے والا آگیا۔

بیامیری خوش مزاجی مجھے بھی پسند آئی۔
 روز کی حاضری

اس کے بعد بیامیری میں دوست بن گئے۔ بیامیری نے کر میرے بیچے، بیامیری
 ڈیرے پر آیا کہ، بس ہم نے تیری حاضری لگی کر دی ہے۔ میری حاضری کو تو
 تعلق تھا، نہ میری میری سے، نہ روحانیت سے۔ وہ حاضری تو لذت کا نام ہی تھا۔

بے تکلف باتیں کیا کرتے۔ محفل میں رونق پیدا ہو جاتی۔ بیامیری بھری نظروں
 سے



لائے گئے تھے تو عید محمد کا تقرر شاہی مجلس میں بطور پورہی ہو گیا تھا۔

مسجد میں آپ نے قرآن کریم کی تعلیم پائی۔ مدرسے میں پانچویں اور تعلیم سے دل اٹھات ہو گیا۔ بچپن سے ہی شغلی سے رغبت تھی بہت ہی خدمت میں حاضری دینے کا اشتیاق تھا۔

لال کزئی میں فضل الدین تھکنڈی رہتے تھے ان کی خدمت میں ما عقیدت ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی بیعت کر لی۔ توجہ پہلوانی سے وٹ کر مبدول ہو گئی۔ ذکر ابھی میں ایسا ہی لگا کہ باقی سب کچھ وھٹلا گیا۔

وگدے مرنے سے پہلے اپنا فرض پورا کرنے کی غرض سے آپ کی غلب پر استغراق عالم طاری تھا۔ شادی کے بعد وینڈ کے پابند رہتا تھا۔ قضا کے بعد المیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اُسے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد ۲۵ مزاری۔

اس کے بعد استغراق اس حد تک پہنچ گیا کہ خود پر اختیار نہ رہا۔ مسہ میں کرتے، لیکن سچے میں جاتے تو سر اٹھانے کا ہوش نہ رہتا۔ نماز ختم ہو پائی گھر پہنچ جاتے لیکن آب و ہوا، سکھ سے بی، دے، سحر۔

ہذا احمد خان کی رفاقت کا بہت اثر ہوا۔

ناس مقام رکھتے تھے، آپ کو ہندو خان کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ ہندو

ایمان مائل ہوا۔

اور کہ آپ کی طبعی اور موروثی خصوصیت 'شدت' کو تاویز نہ لگا جس کے کی کیفیت پائی تھی۔

ان نے ایک نو مسلم نیسائی خاتون سے عقد کر لیا۔ خاتون کی سچھ لگ بیٹی کے زیر اختیار رہتی تھی۔ ماں نے چاہا کہ بیٹی کو اپنے پاس بلا لے۔ مشن کے خاتمے کے وقت اس نے انکار کر دیا۔ پلوا صاحب نے عدالت میں چارہ جوئی اس پر چڑی کے مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوا لیکن لڑکی چرکے 'اس لیے پلوا صاحب کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ مسلمان مقدمہ ہار گئے'۔

ایمان دہی

ایمان دہی، ایمان دہارے ساتھ کبھی نہ ہوا تھا۔

۲۵ مزاری۔

سورہ الحمد کا بیان ہے۔

اللہ کی لہاں ہے۔

اللہ کی لہاں ہے۔ سورہ قلندر کیوں میرا شکر ہے۔

۳۵ سال تجرہ کی زندگی گزارنے کے بعد سائیں اللہ بخش نے غرضی سے نہیں کیا تھا، ظاہر تھا کہ سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔

حرم خانی ہستی تکیوں کا باعث بنا اور آپ نے فن تکیہ، برداشت کیا۔

۱۹۵۳ء میں مئی کے آخری پٹے میں غرضی بیماری کے بعد آئے۔

تذکرہ

عزیز ملک نے سائیں اللہ بخش کا تذکرہ ”مرد قلندر“ پر لکھا ہے۔

ملک جانے پچانے صاحب طرز لکھتے ہیں۔

اس تذکرے کی غلطی یہ ہے کہ اس میں رمی انداز میں لکھا گیا،

عالمی مقام، حضرت جیسے رمی احترام کے انقلاب سے سہل میں کیا۔

سے بوجھل نہیں بنایا گیا۔

عزیز ملک نے یہ تذکرہ دیکھی نہیں بلکہ اپنی انداز میں تحریر کیا۔

میں اپنا سکہ میں نے تو مصلحت پیش کرنے کے خیال سے سادہ اور

سائیں اللہ بخش کی زندگی کے مومنے واقعات پیش کر دیے ہیں۔

مرد قلندر کے مطالعہ کا مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا اس سے پہلے میں نے

تھا۔ کتب پڑھ کر میں نے سوچا، ٹھیک ہے یہ ایک بزرگ کے مالا۔

بزرگ نے میری زندگی میں کیں مداخلت کی ہے۔ کیوں ایسے مالا۔

مزار پر غاضبی دہاں اور پھر رقت ظاری کر کے میرا تشاؤ دیا۔

میں دونوں میں اس واقعہ کو کرم نوازی نہیں بلکہ مداخلت ہے جا

پھر مجھے یاد آیا کہ دہاں میں عالمی رنج الدین نے فرمایا تھا، انہیں

میرے ذہن میں مرتب ہوئی تھی، بھائی جان کی شخصیت اس سے لپٹی ہوئی تھی۔
 سائیں اشد بخش میں شدت تھی، جذبہ تھا، دوا دوا غم و غصہ تھا، بھائی جان میں ہوش مندی تھی اور سب سے بڑی بات کہ توازن تھا۔
 اس زمانے میں میں بزرگ اور انسان کو دو مختلف کیفیتیں سمجھتا تھا
 انسان سے عقیدت پیدا ہو جاتی تھی۔

بھائی جان کی شخصیت کا بنیادی جزو انسانیت تھا۔ اس لیے اسی انسانیت سے کوئی بات نہ کر سکا۔ میں ان سے دو باتیں پوچھتا جانتا تھا یہ کہ آپ کی رقت کیوں طاری کی اور کیا سائیں اشد بخش یا آپ اپنے حالات اور معبود ارادے کے غرض پر بھیس بھیس کر کے روئے علیہ کر سکتے ہیں اس لیے نہ کر سکا کہ وہاں یوسف ظفر اور عزیز ملک موجود تھے۔ رنج کا خاموش قاتل یوسف ظفر حسب عادت محفل کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ درخشاں کے کفن سے واقف تھا اور طبی طور پر سردار شخصیت ہونے کی وجہ سے اختیار کر لیا کرتا تھا۔

راجہ شفیق
 میں اس وقت نیچے سے آواز آئی۔ یوسف ظفر، یوسف ظفر، عجل۔ چنداں اہمیت نہ دی اور بھائی جان سے باتیں کرنے میں مصروف رہا۔ تیسری چوٹی کو آواز پر بھائی جان رک گئے تو بے فکرگی صاحب آپ کو ٹھیک ہے، جب ٹھیک ہے یوسف ظفر نے جواب دیا۔ "اکیس۔"

میں یہ صاحب ہیں کون بھائی جان نے پوچھا۔
 میرے ایک دوست ہیں، محمد شفیق عجل، ری، سبلیٹیشن میں
 کہ وہ اس محفل میں شریک ہوں۔ یہ ماحول ان کے لیے سازگار ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔

ایلا جان مجھ پر حاوی ہو گیا اور لیکٹر ایسی کی دیکھ جائے گی۔
 ایسے لگا جیسے کوئی میرے کمرے میں داخل ہو گیا ہو۔ وہ چپکے سے دبے
 جیسے ایک تلی سی ہو گئی کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔
 روز باندھ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر وہ ہر چند ساعت کے بعد دم

سرانے بیٹھتا۔ سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔
 کیا مجھے جیلوس نہیں آنے لگے ہیں۔ کیا میں میٹل ہو گیا

کا دروازہ چاکلنگٹیا، ملک صاحب یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کون ہے جو دفتر
 میری چارپائی کے سرانے کھڑا رہتا ہے۔ جو ہر چند
 ہے، سب ٹھیک کہہ کر مجھے تسلیاں دیتا رہتا ہے۔
 تو یکدم اچھا ہے کہ آپ کا حوصلہ بندھ گیا جا رہا ہے۔
 مجھے جھوٹی تسلیاں نہیں چاہئیں میں نہیں چاہتا کہ میرا حوصلہ بندھ گیا

ہاٹے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ملک نے کہا۔ آپ کی قوت ارادی سے
 آپ کو ہر مسئلہ ہو گئی ہے۔
 میں اپنی زندگی خود جیتا چلتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں میٹل
 میری زندگی میں اللہ کیسے داخل ہو گیا ہے۔
 مگر میں نہ کر سکیں۔

(۲۰۱)

میں ایک متوسط سلسلے کے سرانے میں پیدا ہوا تھا۔
 اور مری اسلام رائج قبلہ پڑی بڑیوں کا راج تھا، جن کی زبانیں قہقی کی
 لوگوں کو اور لوگوں پر کڑی نگاہ رکھتی تھی، کلمے کے سرو سمسکار

چھبیسویں باب

یہ اللہ، وہ اللہ

رقت کی بات ختم ہوئی تو مجھے اللہ کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ مجھے جب کہ اللہ
 آسمان کی طرف دیکھتا تو ایک سمجیر آواز آتی تھی میں بولتا ہر ایسے عرس
 آسمان پر من کا تخت بچھا ہوا ہو۔
 درخت کی طرف دیکھتا تو یوں لگتا جیسے ہر پتے کے چپے اللہ چھپا بیٹھا ہو۔
 بنائے جھول رہا ہو۔

ان دونوں دفتر میں میری کوئی حیثیت نہ تھی نہ ہی میرے پاس کوئی کام تھا۔
 میرے قریب نہیں آتا تھا وہ سب فیاض الاسلام سے خائف تھے۔ میں
 بشارت تھا۔

اجنبی ساتھی

جب فیاض الاسلام نے مجھے رازدار قرار دیا تھا تو میں نے سوچا تھا چلو ایسا ہوا
 میں اپنا کام کیا کروں گا۔ ایسا نہ کہوں گا یا مسلمانوں کو کہ دو ایک دن تو میں

میں جانا تھا۔

مولوی صاحب کی تفتیش کے مطابق 'انجے' کلم صرف تین تھے، 'نار'، 'ہ' اور 'ا'۔ مولوی صاحب کے افکار کے عمل کرنا درحقیقت یہ کلم بھی انجے کلم ہے۔ فرائض میں داخل تھے اور فرض وہ ہوتا ہے جسے عمل میں لانا آپ پر لازم ہو۔ فرض تو ہر صورت میں ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس لیے اسے اپنا کلم جوں جوں میں اللہ میاں کی اس تصویر سے ملاں ہوتا تھا تو اس تصویر میں اللہ کی دہشت بڑھتی گئی اور ساتھ ہی یہ احساس بڑھتا گیا کہ میں گنہگار ہوں اور اللہ بھی میں جانا ہے جو اللہ نے جلا کر رکھی ہے۔

یوں میرے لیے اللہ میاں کا خیال تکلیف دہ ہوتا تھا کہ اس تکلیف نے طریقہ تھا کہ حتی الوسع اللہ میاں کے خیال سے بچوں۔ اللہ میاں کو بھلائے دلالت دیتے تھے کہ اللہ کے خیال سے بچ کر رہنا بہت مشکل تھا۔ خدا سے میں ہوا کی گھر میں دلدی اور دل میں تھے اور کلمے میں بڑے بڑے تھے جو بات بات پر اللہ کیلے دیتے تھے۔ کتب کے بعد مجھے اسلامیہ سکول میں داخل کرا دیا گیا۔

گریز

میں دنوں اسلامیہ سکول کچھ زیادہ ہی اسلامیہ تھے۔ وحیات کی کتابیں پڑھ کر آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اساتذہ کرام کے لیے کچھ زیادہ ہی کراہت معاشرے میں اپنی سموت کے لیے اللہ میاں کے خوف کو استعمال کرنا کچھ زیادہ ہی اپنی آسائش کے لیے بچوں کو ڈراتی تھی۔ بڑے بڑے اور اساتذہ اہل عرب ہمارے کام استعمال کرتے تھے۔

کسی نے مجھی یہ نہ سوجھا تھا کہ اپنی آسائش حاصل کرنے کے لیے وہ لوگوں کو اللہ کا خوف بڑے ہیں 'ایسا خوف جو زندگی بھر کے نفس لاشعور کا گھبراہٹ ہے' سے نجات نہیں پاسکیں گے۔ بڑے ہو کر ان بچوں کو کبھی یقین نہیں آئے گا کہ اللہ سے بے حد محبت کرتے ہیں کہ وہ سراسر رحمت ہیں۔

آجائے تمام تحفلات روٹی کے گلاؤں کی طرح اڑ جائے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ
 کرنے کی کوشش عظیم مکتبہ ہے اور میں اس مکتبہ کا مرکتب ہوا ہوں۔
 سونج کی روشنی گرد و پیش کو منور کر دیتی تھی اپنے دشتِ شات پر فنی آتی اور
 خوف کو رد کرنے کے لیے میں لاول پڑتا۔ لیکن دونوں مجھے لاول کے منہم کا
 احسان نہ تھا کہ لاول پڑا کر میں اللہ کے خوف کو رد نہیں کر رہا بلکہ اس کی
 ہوں۔

اگر میں یہی افنی طور پر اللہ کے وجود سے منکر ہوتا تو اور بات ہوتی کہ اور
برسرِ پکار نہ ہوتے۔ لافنی گفتگو کا آرا نہ چلا۔ اس کے برعکس اگر اللہ پر میرا ایمان
میں انہیں بے دل سے لایا تو بھی دل اور ذہن میں اک ہم آہنگی ہوتی کہ میرا
ایسی قسم جیسے سمندر کی سطح پر آف کا ایک ٹکڑہ تھا ہوا ہو۔ یہ عقیدہ میری ہی بنا تھا
تھا اور میں ایمان کے پتوں میں ڈبکیں کھانے لگا۔ پھر رکتا پستکرا کر پناہ
تختے پر چڑھ جاتا۔

میرے دل میں پشتوں کا ایسا موجزن تھا۔ ذہن الخلو کی ایک جگہ تھی، وہاں
پانیوں میں ڈول رہی تھی۔

مغربی مشاہیر

کالج میں جب میں مغربی مشاہیر کے افکار سے واقف ہوا تو میرے زانوں پر
تبدیلیاں عمل میں آئیں۔

بعض زمین کے کائنات کے بیان کو پڑھ کر میں درمطرح حیرت میں ڈوب گیا
سات آسمانوں کا کیا مطلب ہے۔ جناب والا آسمان تو خود ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ
مکمل ہوتا ہے۔ یہ تو خدا ہے۔ ہوائے روشنی کی نیلی لہریں جذب کرتی ہیں۔ آسمان
کے پتھر میں کیسے پڑے۔ میل تو کروڑوں میل ہیں ابروؤں زمیں ہیں آسمانوں
ہائے اس کائنات کی وسعت کیا ہے۔ اور یہ وسعت لفظ یہ لفظ چھٹی چارٹی ہے۔
جس کا پتا ہے۔ میں تو یہ نہیں کہ کتنی کائناتیں ہیں یہ تو ایک عظیم حیرت انگیز

— 22 —

مطل کی بات کرو۔ کیا سات دن میں یہ وسیع و عریض کائنات تھیر کر جا
 ہار دے گا کیل نہیں۔ ہاتھ کی مٹکلی میں، شہیدہ بازی نہیں۔ تخلیق
 کرنا ہے، حیرت انگیز ہے تو ارادہ کا مسئلہ ہے۔ صبر اور ارادہ
 "دن تو ایک ہے معنی سا لفظ ہے" جو زمین پر رہنے والوں نے اپنی

نی چاہے شوکی تلی دی کنفیوز ہونے کی کوئی بات نہیں۔ دیکھو ہر
 آدمی کو اگر دوسرے میں دیکھ لیں گے تو ضعیف لائق قرار دی جاتی ہے۔
 امداد پر سوار نہیں ہوتی ہر بات پر شک کر دے دیکھو شوک کہا کہ
 بات بات چھی جان ہے۔ اس طرح انسان دھوکہ نہیں کھاتا۔ شک
 نہ کرنا۔

ایک بولا، یہ جو جو کچھ تمہیں دکھتا ہے، کیا ایسا ہی ہے، جیسا دکھتا ہے،
ایک اور بولا، ہم تو اس قسم کے قیدی ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ ظاہر

ہی کی بات کرتے ہو۔ اللہ میاں کو کس نے چاہا ہے۔ ہیں ان کے بارے
 میں وہ خود رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے مگر میں بت کر آدھے کر دو نہ
 سالی کے لیے ہم انہیں جھٹکتی کر لیتے۔ ہوں سمجھ لو کہ اللہ میاں جھکے
 گئے ہیں، جس پر سر رکھ کر آپ سکون حاصل کر سکتے ہیں۔ چوہا چٹنے لگا
 کی ہوئی نیکی نہیں ہوتی تو آگ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ نیکی وہ ہے
 جس سے بے نیاز، اجر کی امید سے آزاد ہو، مقصد بے لاگ، بے
 پائوں ہو، لا اہول سوچ نہیں، سوچ تو ایک اعتقاد سمندر ہے اس میں
 کی بنا تو صرف ڈوبنا جاتی ہے۔ باہر کی آنکھیں بند کر لو۔ تو چاہن کی

آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ باطن ایک کائنات ہے۔ باہر کی کائنات سے وسیع (Vast) ہے۔ چھٹا چلایا 'لورنوں' مذہب تو ایک مفروضہ ہے۔ سید سہروردی کو ان کے لیے ایک گڈ بڈی ہے۔ مذہب تو سمیت خیال کے راستے کی ایک پیمائش ہے۔ چھوڑو اپنے خیالات کو سیکرٹ کرنا۔

ان مشائیر کی باتیں نئی تھیں۔ چارپ چھپ 'معتول' تھیں 'وقت' ہر گز نہیں تھے 'ہر کوئی اپنی ذہنی ہیبت رہا تھا۔ دونوں ذہن میں بہت سی نئی باتیں ڈال دی گئیں۔ 'غیر اہل' ہے 'جھاگ پیدا ہوتی ہے' 'پیلے پیلے اتنی ساری باتیں' تو میں چھو چکا رہ گیا 'کسٹینوز' ہو گیا۔ جوں جوں زیادہ کسٹینوز ہو کر رہا کرتا۔ جوں جوں زیادہ مطالعہ کرتا توں جوں زیادہ کسٹینوز ہو گیا۔

آوارگی

راست تلاش کرو یہ دور مسلسل آوارہ گردی میں صرف ہوتا رہا۔ 'آوارگی' پر مبنی اور کوآرگی میں لذت آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوآرگی میری خطرات میں اس دور میں یہ عقیم حقیقت میری آنکھوں سے اوجھل رہی کہ مائیں نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں ہمتا رہا کہ مائیں کیسے جانا اشد ضروری ہے۔ مجھ میں جانے کی غلب تو تھی مگر اس غلب کی کوئی سمت نہ تھی۔ یہ ہمارے کے حروف تھا۔

برٹنڈرسل نے مجھے سائنسی ذالیہ نظر اٹانے کا درس دیا۔ لیکن یہ ہمارے کی تو اپنی کوئی خطرات نہیں۔ وہ تو خود کوآرگی کی دلدہا ہے۔ اس کی تک پہنچ ہے۔

سائنسی ذالیہ نے مجھے غلط بنا دیا۔ کیوں 'کیسے' 'کس' لیے 'تہذیبوں' میں

ذہن میں مکوں کی طرح رہنے لگے۔

پرانے خیالات 'رسم و رواج' بزرگوں کے اقوال روایت سب بھول گئے 'پتھر کے پت' جنہیں لوگ عار کا نام دیتے اور رسا پڑتے تھے۔ ہنسی کی

پتھر کے پت' جنہیں لوگ عار کا نام دیتے اور رسا پڑتے تھے۔ ہنسی کی

اس خطرناک صورت حال سے بچنے کا صرف ایک طریقہ قائم رہا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بھی اللہ میاں حضور ﷺ اور اسلام کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔

ہم جو ہیں

اللہ میں کی موجودگی کا یہ نیا احساس جو مجھ میں جاگا یا مجھ پر ملایا گیا تھا، مختلف تھا، متغیر تھا، ڈیر یا خوف کے احساس سے مبرا تھا۔

اللہ کے چہرے پر ایک سکراٹھ تھی۔ انداز میں ایک بے غم لگا، تھا، نہ، باعث تھا۔ گہرا نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم اکیلے نہیں ہو، ہم جو ہیں۔

میرے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا، باعث حیرانی تھا، میں یوں محو، دریا، پتھر، کی گود میں ڈال دیا گیا ہے۔

ان دنوں میں حیرت میں تھا۔
پہلے میں رقت کے عالم میں بے سانس تھیں۔ عیسٰی کر کے وہ
کیا ہو رہا ہے۔

اب میں ڈال ڈال پات پات میں اللہ میاں کو جھانکتے ہوئے ہے۔
 قتال یہ کیا ہو رہا ہے۔

مجھے علم نہ تھا کہ یہ سب کچھ مرد قلندر کے مزار پر حاضری دینے یا برائی

عزیز ملک نے ہمارا مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اللہ کے ہاں ہر شے ممکن ہے، لیکن مجھے ملک صاحب کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔

بھائی جان

۱۔ انظر ما تسمیہ ہو جسے یوسف ظفر کے ہاں یا عزیز ملک کے گھر لیں
۲۔ مکمل کر بات نہ کر سکا اس کے باوجود ان کی شخصیت سے میں بہت
۳۔ ان کے مطابق نہ تو وہ بزرگ نظر آتے تھے نہ ہی پیر فقیر، سامیں یا دورو لیں۔
۴۔ یہ سب باتیں کہتے تھے۔

اور اس کا صرف ایک ذریعہ تھا، عزیز ملک، عزیز ملک اپنی
 طور پر ایک غمراہ وادائی قلاتر ورت ہونے کے بدلہ وہ خاقان
 اور اس کے جائزے پڑی حد تک غارتگی یا الجھکیو ہوتے تھے۔
 میں گدھا ہوا تھا۔ اس لیے میں نے بھائی جان کے متعلق عزیز ملک

قائد کے تذکرے میں عزیز ملک نے دو عہدوں وطن کے تحت خواجہ
دین کا سرسری ذکر کیا تھا۔ میں نے وہ باب از سر نو توجہ سے مطالعہ

”مجھے ۱۸۳۶ء سے وہ ایام اب بھی یاد ہیں، جب میں نے جان محمد کو پہلا دیکھا تھا، دراز قامت، سرخ و سپید چہرہ، آنکھوں پر دیدہ و زیب لٹائی پٹہ، سرمہ ملل کی دستار، ایک پادشہ حشیت کا خوش پوشاک، پادشاہ انسان، خود خواہ خواہ اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔

بچپن میں والدہ کی وفات کے بعد آپ نے بہت جگہ دستی کے دن اور جوتی تک حالات بناسا گزر رہے تھے۔ پھر مسلسل محنت و مشقت کا دور آیا۔ نوع کے کام کیے، کنٹینن چلائی، اونچے درجے کے ہوٹلوں کے میزبان رہے، آپ مری میں مقیم تھے اور ان دنوں مری میں انگریز گورنر اور برٹنی جارج آ کر رہے تھے اس لیے ہماری جان نے مناسب آداب اور اصولوں کے مطابق اہل ذہال لیا تھا۔ عمر کے آخری دور میں آپ نے فنی تعمیر کا کام اپنایا۔ مری اور آباد میں آپ کی پہلی کوئی بہت سی عمارتیں آج بھی ان کی یاد دلاتی ہیں۔

جوتی میں حسن کا یہ عالم تھا کہ میسین اور خواتین دیکھ کر بس میں نہ رہتی، سائیں اللہ بخش کے دامن حقیقت میں آنے کے بعد بھی یہ کیفیت قائم کسی طبیعت پسند نے سرکار قبلہ تک یہ خبر پہنچادی۔ کہنے لگا: اپنے بھائی کی توجہ دیکھیے حال چاہ۔ آپ کا ایک مرتا مریضوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ سائیں اللہ بخش کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ طبیعت میں جلال تو قسانی لازم آجاتے تھے تو سببنا مشکل ہو جاتا تھا۔

سائیں کرم دین

خوش قسمتی سے عین اس وقت سائیں کرم دین آ گئے۔ سائیں کرم دین ساری عمر بزرگوں کی حاضری میں گزرتی تھی، وہ ایسی صورتِ حالات میں آ کر کو دوسری جانب منہ منظر کرنا چاہتے تھے۔ سائیں اللہ بخش غصے میں نہ رہے۔ دین، ہمارا مرتا جو مریضوں کے پیچھے پھرتا ہے تو کیوں نہ اسے حلال کر لیں۔ جوتی میں کرم دین بولے۔ سرکار قبلہ! کون جانے صورت حال کیا ہے؟

جس وقت سائیں اللہ بخش نے اس امید پر گھومتے پھرنے کہ مرشد نے جس قسم کی فنی اہلی ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ طبیعت کے بہت صابر اور بے غصہ، وہ ملک کی مرضی۔

اس قسم کے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویش صورت آدمی چلا آتا ہے۔ سائیں کرم دین کو روک لیا، خیریت پوچھی۔

”بھائی! جان کی ملاقات سائیں اللہ بخش سے ہوئی اور وہ حقیقت کے لیے بندہ گئے۔“

”یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ سائیں کرم دین سے مل لوں۔ ایک مرتبہ دلچاہہ ہوئے عزیز ملک نے مجھے سائیں کرم دین سے ملنے کی اجازت دی۔“

مرد ہزار کے آخری سرے کے قریب وہ ایک عام سی دوکان تھی۔
شکل و صورت دکان کی سی تھی، لیکن کچھ اونٹوں کی کھلی سے وہ ایک بہتر
ایک جانب ایک چنڈو فٹس ہاتھ میں ایک بہتر ہزارے افشارے کھلی سے
اس کے چہرے پر عجیب سی کشتی تھی۔ نہ نور نہ ملا نہ ت۔ نہ تو اس کے
میں نے جبکہ کر سلام کیا۔

وہ عظیم السلام انہوں نے میری جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔ ذرا غصے
یہ کہہ کر انہوں نے بسکٹوں سے ہمارے بھتی میں ڈال کر بھٹی کا دروازہ
طرف متوجہ ہوئے، آئیے آئیے بیٹھے۔

ہم دونوں مچن میں تجھی ہوئی چار پائی پر بیٹھ گئے۔
میں نے اپنا مختصر سا تھاراف کر لیا۔

کتنے گے سرکار قبلہ میں چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔ وہ بیٹے دلا ہے
ہیں۔ کسی کی بات نہیں سنتے۔ کسی کو مزار پر بیٹھے نہیں دیتے۔ ایک دو
کوشش کی تھی۔ بس وہ ایک دن بیٹھے تھے، میرے دن انہوں نے انکار
کسی کی جرات نہ ہوئی۔

میں نے کہا سائیں بی میں ہانکل، ان جان ہوں۔ اس راستے پر چلے
اسلام سے کورا ہوں، ہانکل ہی ہے خبر ہوں۔

وہ مسکراتے ہوئے، ہم سب ہی بے خبر ہیں جی۔ پہلے میں سالکوت لے رہا
کھانا رہا۔ پھر انہوں نے یہاں بھیج دیا اب پھر یہاں ٹھیلے سے کھانا لے رہا
ہے، چل کوئی نہیں ہے۔ شاید ہو، ہمیں پتہ نہیں ہمارا کام تو بس چلے رہا
آپ راستے سے تو باخبر ہیں، انہوں تو ہیں۔ میں تو ہانکل لٹا رہی ہوں
ظاری کر دی اور اب۔

سائیں جی قہقہہ مار کر کہنے لگے، ہرکار قبلہ ملک ہیں۔ ایسے قہقہہ
ہیں۔ وہ دہکتے کی مت لاد دیتے ہیں۔ پھر جی آپ ان باتوں سے نہ گھبرا سائیں۔
سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا
سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

اور اپنی بات

ہے۔ اب آپ اسے اپنا لیتے۔

میں نے کہا بھائی جان مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔

کیا وہ بولے۔

مجھ پر رقت کیوں طاری کی گئی۔

وہ مسکراتے ہوئے 'وہ مالک ہیں جسے چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔

آپ ہی نے تو مجھ کا مجھے مزار پر۔

ہاں وہ بولے 'مفتی صاحب ہم تو حکم ماننے والے ہیں۔ ماننے والے 'لام' نہیں

میں 'مفتی جی ماننے میں سکھ ہی سکھ ہے۔ پوچھتے میں چٹائی چٹا ہے۔ اور

انت نہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے اقبال بھی یہی کہتے ہیں کہ مقام بندگی

خداوندی 'بنا ہی بندگی ہے۔

میں نے کہا آپ کو علم تو ہو گا کہ۔

انہوں نے میری بات کئی بولے 'میں عالم نہیں ہوں۔ مجھے مسائل کا علم

نہیں وہ حرف بتاتے تھے۔ صرف دو حرف۔ آج تک انہیں طوطے کی طرح

دہرائے چکے 'دہرائے چکے۔

میں نے کہا 'جناب میرے جیسے لوگ جنہیں سوچنے کی عادت ہے وہ کیا

بولے 'کچھ نہیں کرتے' کچھ بھی نہیں۔ بس اپنا آپ حوالے کر دو۔ 'کوئی' یا

میں ہوں 'اس سے جو چاہے کہ۔

مفتی جی وہ بولے 'جب حضور پہلی بار مجھ سے ملے تھے تو میں بھی سوچتا تھا

کہ آپ نے تو بات کہہ دی ہے۔ مجھ میں جرات نہیں تھی کہ کہوں۔ سرکار

صاحب سوچ تو ایک روک ہے۔ روک لیتی ہے۔ آگے چلنے میں دیتی۔

چیز کیسے پہچانتی ہیں اس کا سہارا کیا لیتے۔

بھائی جان کی باتیں اتنی معصوم تھیں 'اتنی سادہ تھیں کہ جواب میں ہمارے

وہ باتیں ضعیف الاعتقادی کی باتیں تھیں 'وہ جذباتی باتیں نہ تھیں۔

کچھ باتیں لگتی ہوئی ہیں جو جواب دینے پر کھاتی ہیں۔ 'بولو' بولو۔ کچھ لڑی 'اور

حریصوں نے بیٹے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہی طرح سے بھانجے
نہیں دیتے۔ گنبد بنانے نہیں دیتے، بس یہ ایک چھوٹی سی چار دیواری
کرنا چاہتے ہیں، نہیں مانے۔

مزار کے قریب ہی دو ایک گھر بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک گھر میں میرا
مشغول کر دیتا تھا۔

بھائی جان سے ملنے والے ہم چند لوگ تھے۔

عزیز ملک تھا، آغا حنیف تھا، یہ دو انھیں ایسے تھے جنہیں میں بھائی
بخش کی خدمت میں بیٹنے کا شرف حاصل تھا۔ انہیں سرکار قبلہ سے بہت
جان کا بھی احترام کرتے تھے چونکہ بھائی جان سینئر تھے لیکن بھائی جان کے
چونکہ ان کا گناہ تھا کہ ہمارا سائیں اللہ بخش سے بدو راست تعلق ہے۔

حنیف آغا

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
وہ ایک نہایت اچھے اور چالے پچالے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا
دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
چلی بات یہ ہے کہ اسے ایک غلط فہمی بیٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی ہمت
لے سوجھا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی بڑی فطرت کے چال میں
حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی
فی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں
حنیف آغا فطری انگوٹھیں کے گھٹے میں ملازمت کرتا تھا، دفتر میں
اسٹنٹ کا تھا۔ اگرچہ اس نے انگریز کا امتحان پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک
اس کی تقرری نہیں ہوئی تھی۔ نام دیننگ لسٹ پر تھا۔ آغا کی خواہش تھی کہ

نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا لیا لگتا تھا جیسے کسی من جانے والے ہاتھ
 کر سر کو دوسری جانب موڑ دیا ہو، پہلے میرا رخ مغرب کی جانب تھا۔ اب
 دیکھا تھا۔

پہلے میری نگاہ میں ہتھیلیاں تھیں، ہمارے تھیں، کارخانے تھے، پھر
 تھی، سڑکی تھی۔ اب پھیلاؤ ہی پھیلاؤ تھا، پہاڑ تھے، وادیاں تھیں، آسمان
 میں قند بلکہ آبدی سے زیادہ اقل تھا۔ ہر جہاں زندگی سے بھرا ہوا تھا، ہر جہاں
 لے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر جہاں ایک ہی مرکز کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔ اس
 یہ سب کیا ہے۔

پھر ایک مسکراہٹ چاروں طرف پھیل جاتی۔ اوپر کو بجی، میں سر اٹھا
 ایک ذریعہ سنائی دیتی۔ ہاں میں ہوں۔

یہ ایک عجیب کیفیت تھی۔ لیا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ جب میں روک
 میرے دل سے ایک احتجاج اٹھتا ہے کیا ہو رہا ہے، نکلاں، پھر میں سوچ میں
 کیا یہ سب کچھ اس وقت کا نتیجہ ہے جو مجھ پر طاری کی گئی تھی۔ کیا اس
 وجہ سے اب اس قدر رقیق ہو چکا ہے کہ اس میں سے جھینٹے اڑتے ہیں اور
 ہوا وہ تو اقل ہی اقلہ جھینٹہ ہو گیا ہے۔ ایک معمولی سا زبردیا دیکھ کر اس میں
 گرت ڈیرا مڑتا ہے، ہر ذرے میں ایک کائنات نظر آتی ہے۔

میں نہیں، میرے اندر کوئی چیز، میں اپنی دنیا میں والہی جانا چاہتا ہوں۔ میں
 میں رہتا میں چاہتا، اس وقت دشمنی میں ایک چاروں طرف کی گھومتی ہوئی آواز
 بھائی جان مسکراتے، پھر کوئی کہتہ تم جو چاہو کہو، ہم تو چاہیں گے کہ
 وقت ہے تھی کہ میرا اپنا نظام آرزو میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ جس کو
 ہر سوار رہا تھا اس کی لقم میرے ہاتھ سے چھین لی گئی تھی۔

ڈاکٹر کبیر ضیاء الاسلام

ڈاکٹر ایک طرف میرے قریب آنے سے خاکہ خاکہ ڈاکٹر کو پتہ چل گیا تو اس
 ڈاکٹر او جا نہیں گے۔ صرف ایک غلط فہمی تھی جس نے اعلائیہ مجھ سے

ڈاکٹر

ڈاکٹر ڈاکٹر ایک ڈاکٹر آرڈر لیا اس کو کہتے تھے، جس میں میری تبدیلی کی
 ڈاکٹر میرے خلاف رہا نہیں بھیجی جاتی تھی۔

ڈاکٹر جس روز میں مزار پر گیا تھا اس کے بعد دوسری پریشانی میرے ذہن
 میں آئی، اس میں کٹ منٹ دہی تھی۔ جیسے پین کلر (Pain Killer) کھانے کے
 ڈاکٹر، راتی، وہ لکھا تھکن میں بدل جاتا ہے۔

ڈاکٹر، اس سے پہلے میرے شانوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ اب دور جا بیٹھے تھے اور
 ڈاکٹر کے بالوں میں بدل گیا تھا۔

ڈاکٹر، ابھی مجھ سے ملے کہتے، آپ ظلمت کا ٹکڑہ کریں، اس میں ڈک ٹکل دیا گیا
 ڈاکٹر، میں ہوں، میں رہا ہے۔ کرتے دیں اسے بھولیں۔ بھائی جان ڈاکٹر ضیاء

ڈاکٹر

ڈاکٹر، میرا واحد ساتھی راہبہ شفیق تھا۔ راہبہ شفیق ذہنی آدمی نہیں تھا۔ دانش ور نہیں
 ڈاکٹر، پھر جینا تھا اس لئے سبھی رہتا تھا اس کی زندگی میں ایک روحانی تھی۔ اس
 ڈاکٹر، ایک پھوار ڈھکی رہتی تھی۔ جو گرد و پیش کو بھگو دیتی تھی۔ اگرچہ وہ دیر فقیر کو
 ڈاکٹر، اس کے دل میں عقیدت کا ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا جو
 ڈاکٹر

ڈاکٹر، دینی خیالات اور عبادت اور جذبات میں بری طرح گنبد ہوا تھا اس نے سچے
 ڈاکٹر، ہر دن ساتیں اللہ بخش کو اپنا تیرا لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دینی انداز سے اپنی
 ڈاکٹر، جب اس کے اظہار کا راستہ روک لیا جاتا تو وہ دیکھ ہو جاتا اور دکھ دور
 ڈاکٹر، طرف دوڑا تھا مجھ سے مل کر وہ شکایت کا اظہار کرتا، کتنی سختی میں کیا

ڈاکٹر، میں اسے پرہیز

بڑی مشکل ہے یا 'بڑی مشکل ہے۔ دیکھ تاہم زمیندار لوگ ہیں' زمیندار ہے۔
 ہے 'وہیں آتی ہیں، مگر آتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جو چیز آئے وہ بھائی جان! وہ
 کیوں میں اس سے پوچھتا ہوں کہ میں دیوں کی حرکتیں کیوں کرتے ہوں۔
 بھی کیوں نہ کروں۔ عقیدت اور محبت کا اظہار ایسے ہی تو ہوتا ہے۔ والہ! وہ
 تو وہ کہتے ہیں نہیں نہیں لیکن دین کا معاملہ چھوڑو۔ ہمارا تعلق لیکن دین کا تعلق نہیں ہے
 کیسے چھوڑوں۔ لیکن دین ہی تو تعلق ہوتا ہے اس کے بغیر کیسے تعلق ہو سکتا ہے۔
 میں اسے سمجھتا ہوں راجہ بھائی جان رکی دیر نہیں ہیں۔ پھر تو کیوں رکی دیر
 زبردستی انہیں رکی دیر بنا رہا ہے۔
 میں کیا کروں 'وہ چلا آ' دے بغیر میری تلس نہیں ہوتی۔
 راجہ کو یہ بات سمجھنا بہت مشکل تھا۔

انکوائری

پھر ایک روز دفتر میں ایک زیریں اٹھی اور سارے دفتر میں پھیل گئی۔ لوگ
 کے کالوں میں باتیں کرتے اور پھر میری طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے۔
 وہ تو محض اتفاق کی بات تھی کہ مجھے ایک چار دیواری نے گھیرے میں لے لیا تھا
 دونوں دفتر میرے لیے بھڑوں کا ایک بڑا تھا جو مسلسل بھین بھین کرتا رہتا۔ لیکن غریب
 دیواری کے اندر نہیں آسکتی تھیں یا یہاں لگتا تھا جیسے ان کے ڈنک نکال دیئے گئے ہوں اور
 بھین بھین رہ گئی ہو۔
 چاروں طرف سے مجھے ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں 'انکوائری ہو گی۔ انکوائری تو
 ہوتی رہتی تھی۔ ہر آٹھویں دسویں دن کے بعد وزارت امور کشمیر سے دو افسر آجاتے۔
 وہ ڈائریکٹر کے کمرے میں جا داخل ہوتے۔ پھر کمرے سے شے بھری آوازیں بلند ہوتی۔
 کے چالے چھٹکتے پھر دو دنوں افسر میرے کمرے میں داخل ہو جاتے۔ ہم انکوائری
 مشنری سے آتے ہیں۔ آپ ہمارے سوالات کا جواب دیں۔
 جی میں گذشتہ تین مہینے سے یہی کام کر رہا ہوں۔
 انکوائری کی ذمہ داری میں ایک ٹاپا بن تھا۔

پھر ایک دفتری آرڈر آیا۔۔۔۔۔ لکھا تھا کہ یہ دفتری وزارت اعلیٰ
 دیا گیا ہے اس لیے کراچی سے وزارت اطلاعات کے ڈپٹی سیکرٹری انکوائری
 مجھ پر لازم ہے کہ میں دفتر میں حاضر ہوں۔
 اتفاق سے ان دنوں بھائی جان پٹری میں ہی تھے۔
 شام کو میں نے ان سے بات کی کہ کراچی سے انکوائری افسر آ رہے ہیں
 میرا خیال تھا کہ بھائی جان یہ خبر سن کر غرور مند ہو جائیں گے لیکن وہ تو میری
 خوشخبری ہو۔

بولے مت اچھا ہے، بہت اچھا! انہیں آئے دو۔ آپ بھی کراچی آئے۔
 نہیں۔
 نہیں بھائی جان میں کراچی نہیں جا رہا، انکوائری افسر کراچی سے آیا ہے۔
 وہ سرکارے۔ آپ کا حکم اب وزارت اطلاعات کے تحت ہو گیا ہے۔
 سب کچھ سرکار قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہو گا۔ انشاء اللہ۔ پاکستان کی طرف
 رہے گا۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان قابل فخر ہو گا۔ سارے مسلم دنیا
 کے نشاۃ ثانیہ کا منہ ہو گا۔

بھائی جان کی بات سن کر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں اپنی انکوائری کی بات کر رہا تھا
 مجھے نشاۃ ثانیہ کا قصہ سنا رہے ہیں۔ میں بتا رہا ہوں کہ انکوائری افسر کراچی سے آیا ہے۔
 رہے ہیں کہ آپ بھی کراچی سے ہو آئیں تو بہتر ہے۔
 رات کو سوئے وقت دغتاً مجھے خیال آیا کہ بھائی جان سرکار قبلہ کے پروگرام
 کیوں کر رہے تھے کیا میں بھی اس پروگرام میں شامل تھا۔ لاجل و لا قوت یہ ہے کہ
 میری کیا حیثیت ہے کہ پروگرام میں میرا بھی کوئی حصہ ہو۔ میری حیثیت تو
 جیسی ہے جو خانہ پر کی کے کام آتا ہے۔
 پھر مجھے خیال آتا کیا بزرگوں کے بھی کوئی پروگرام ہوتے ہیں۔ نہیں۔
 پروگرام کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ذات کی لٹی کر چکے ہوتے ہیں۔ پھر ذاتی پروگرام
 پروگرام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہو سکتا ہے۔ وہ جو قادر مطلق ہے، وہی گنہگار نہیں۔

پھر بھلا۔ پہلے آپ سے کیسے تعلقات تھے۔

بہت عمدہ، میں نے جواب دیا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بیورٹ ہوں۔ والی

تقد

پھر وہ کس بات پر گڑبگڑا۔

مجھے علم نہیں۔

کوئی بات تو ہوئی ہوگی۔

قلبی نہیں۔

ہوں، وہ بولا، آپ پر دو الزام ہیں ایک یہ کہ آپ نے کراچی کا دورہ کیا۔

چارچ کیا لیکن سب سے زیادہ میں کیا۔

جی، میں نے جواب دیا، یہ سچ ہے۔

دو سر الزام ہے کہ آپ نے ایک سیکورٹی کا کھتہ کم کروا دیا۔ جی میں نے، وہ اب

اسے جلا دیا لیکن وہ غصہ کھتہ میں تھا۔ ریڈیو کی مانیٹرنگ رپورٹ تھی۔ اب

رکھا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔ مفتی صاحب، اگرچہ یہ بات مجھے بتائی نہیں

لیکن میں جتنا چاہتا ہوں کہ آپ کی فائیکل ڈائریکٹم کے پاس بھیجی گئی تھی۔ انہوں نے

سے کہ اس افسر پر مسلسل حقی پر مشورہ دی جا رہی ہیں اور رپورٹ لکھنے والے

ہیں۔ مناسب ہو گا اگر اسے کسی اور افسر کے ماتحت کام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے

دیکھ سکیں کہ نئے افسر کی اس کے کام اور برتنوں کے متعلق کیا رائے ہے۔

مجھ بگے آپ اس نے پہلے شاید آپ کا چہرہ کراچی ہو جائے۔

جی مجھ گیا لیکن میں کراچی پرانی تھا میں چاہوں گا۔

کیوں، کراچی بہت بڑا شہر ہے۔

وہ تو ہے مگر میں چنڈی سے جانا نہیں چاہتا۔

کیوں یہاں کیا دھرا ہے۔

بڑی دیر کے بعد میں نے ایک مرکز ملا ہے۔ میرا کھانا کھرا ہوا تھا، مرکز نے

کہاں کہ یہاں سے چلا گیا تو پھر کچھ نہ جاتوں۔

میں نے کہا کہ مرکز کے متعلق پوچھ سکتا ہوں۔

وہ اب کا ایک بندہ ہے، میں نے جواب دیا، صحیفہ و نزار بندہ۔

وہ اگر ارادہ نہیں

کہاں، انکواری، میں نے پوچھا۔

اس کی آپ ضرورت نہیں رہی۔

میں نے کہا کہ پتہ چلا تو وہ دفتر سے باہر نکل آیا اور غصے میں بولا، یہ کیسی انکواری ہے، آپ

میں وزارت کو لکھوں گا۔

میں نے کہا، وہ بولا، اور گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

میں نے کہا کہ بعد میرے چلنے کا حکم موصول ہو گیا مجھے ڈی ایف بی کراچی میں قسم

تعمینات سے تعلق نہ کر دیا گیا۔

اور پھر کن

والی سے پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا، اہم ہانے پر مختلف قسم کے رد عمل تھے۔ عزیز ملک اور آغا مطمئن تھے۔ وائی اور

میں تھے۔ بھائی جان غیر از معمول خوش تھے۔ مجھے بھائی جان کی خوشی کھل رہی

تھی، میں نے کہا، اس بات پر خوش تھے۔ میں انہیں میرے چلنے پر خوشی میں ہو سکتی۔ بھائی

خوش تھے۔ وہ ہمیشہ مجھے دعا دیا کرتے تھے۔ مفتی کی اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش

جائے گا۔

جائے گا۔

جائے گا۔

جائے گا۔

جائے گا۔

جائے گا۔

جائے گا۔

آپ

انہوں نے صفت ظاہر تھا کہ وہ بچ بول رہا ہے 'اگرچہ بات حق ہوئی تھی۔ میرا افسر
 تھا وہ مجھے کی صلاحیت سے محروم تھا کہ وہ خود بلا کے پاس صلی کی درخواست
 کے لئے اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ بہر صورت میں نے بلا سے کہا 'بلا میں اس
 چاہتا۔

بلا میں آگیا کیوں نہیں چاہتا۔ وہ بولا۔

بلا میرا جی نہیں چاہتا۔

وہ بولا 'وہ چاہتا۔

بلا نے کہا 'مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔

مجھے طاقت 'بلا' چاہی میں آگیا۔

بلا نے کہا 'جب آپ کی دی ہوئی طاقت مجھ تک پہنچے گی تو میں آ جاؤں گا۔

انہوں نے کہا 'وہ بولا۔

بلا انہوں کا۔

بلا نے کہا 'آج میں آ جاؤں گا۔ بلا ہم تیری ایسی تھی کریں گے۔

بلا نے کہا 'ایسی تھی۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

بلا نے کہا 'وہ بولا۔

یہ اقدام مجھے ڈانکسٹر کے غم دھن سے بچانے کے لیے نہیں تھا۔ کیونکہ اس
 ڈانکسٹر تو چور چور ہو چکا تھا۔

بلا جانے خود کا تھا بھارہ غلت۔ اس کی رپورٹیں سب نے کر
 الزامات رد کر دیئے تھے۔ بھارے کے ہاتھ پٹے کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

یہ ایک مفروضہ نہیں تھا۔

جہاں لے کا حکم نہ موصول ہونے کے ایک دن بعد مجھے ایک فون آیا۔ 'وہ بولا
 تھا 'آواز بڑی ناخوش تھی۔ مفتی۔ مفتی۔ وہ کہہ رہا تھا 'وہ اسی ہمارے ذمے ہے۔
 ذمے پر آپ ابھی دیر نہ کر۔

دھن مجھے احساس ہوا کہ بازار سنٹر والا بلا بول رہا تھا۔ بازار سنٹر والے بلا
 بھول چکا تھا۔ عرصہ دراز سے میں نے اس کے ذمے پر حاضری دینی چھوڑ دی تھی۔

بلا بازار سنٹر کے بلے کو ایک پینڈاٹ آئے تھے کہ تم آتے کیوں نہیں۔ نام تو
 کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے دل میں بلا کی بڑی عزت تھی۔ عزت نہیں بلکہ ایک انگ

لکڑی میں روحانیت کا رنگ نہ تھا۔ میں اس کے لیے دوستی کا جذبہ محسوس کیا کہ آقا
 کے بعد میں کبھی وہاں نہ گیا تھا۔

بلا کی کل آئی تو میں سمجھا کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔

میں نے کہا 'میری بلا میں کیا حکم ہے۔

بلا بولا 'تو فوراً آ جاؤں گا ہمارے پاس۔

میں نے کہا 'میں ضرور حاضری دوں گا لیکن اس وقت تو میں اپنا کام
 ہوں۔ میرا چالو ہو گیا ہے۔ میرا افسر مجھ سے ناراض ہے۔ وہ ٹھوکر بھجوا کر چارنگ

آ جا۔ آ جا۔ بلا بولا 'میرا ڈانکسٹر نہیں بیٹھا ہے۔ ہمارے ذمے پر۔

مجھے بلا کی بات پر یقین نہ آیا۔ یہ کہے ہو سکتا ہے کہ میرا ڈانکسٹر جو سولہ
 سولہ میٹس کاشت سے ٹاکس ہے۔ جو ایک عقیدہ انسان ہے وہ بھلا بلا کے

سکتا ہے۔

بلا نے کہا 'میں نے جیسے ڈانکسٹر کو بلا ہے۔ وہ آگیا ہے اور تجھ سے ملے گا۔

لہذا وہی ضرورت پڑتی ہے کہ گورامن کی
ڈاکٹر کی آنکھیں خانوں سے باہر نکل آئیں۔ وہ بت بنا کر اٹھا۔

باہر میں نہیں آ رہی میں نے ڈاکٹر سے کہا تھا کہ دو چار شیشیاں سنبھال کر میرے پاس آؤ۔
ڈاکٹر نے میری آنکھ کو پونے غور سے دیکھا کئے لگا اس پر کوئی پتہ نہ تھا۔
میں، پائلٹ ٹھیک ہے۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ قریب صبح میں یوں شدت سے پھرکتی ہے، جیسے آئے گی
ہے اور آپ کہتے ہیں کوئی بات نہیں۔

وہ ہنسا کہنے لگا یہ ڈاکٹر کے بس کی بات نہیں۔ کسی اور ڈاکٹر سے پوچھنا تو وہ
مسکولہ کزوری ہے۔ یہ محض تالے کی بات ہوگی۔ میں آپ کو بل نہیں رہا۔

آنکھ کی بات ختم ہوئی تو گورامن کی بات شروع ہو گئی۔
راجہ کہنے لگا، جناب گورامن چاہیے۔

ڈاکٹر بولا کہ ابھی دس دن ہوئے ہیں میں نے آپ کو دو شیشیاں دی تھیں۔
ہاں، 'راجہ نے جواب دیا، وہ ختم ہو گئیں۔

ختم ہو گئیں، ڈاکٹر نے سر ہٹ لیا۔ دس دن میں گورامن کی دو شیشیاں ختم
دو قوف ہمارے ہیں کیلے صاف کہہ دیجیے کہ بلیک کر رہا ہوں۔

نہیں نہیں بلیک نہیں کر رہا۔ 'راجہ نے کہا۔ انہوں نے پی لی ہیں۔
وہ کون محض ہے جو دس دن میں گورامن کی دو شیشیاں پی جاتا ہے۔ بھئی یہ وہ ان

تقدروں کے حساب سے پی جاتی ہے۔
نہیں نہیں، 'راجہ بولا، ہمارے بھائی جان پیتے ہیں۔

تمہارے بھائی جان چلو کر ہیں یا فرلو ہیں۔ ڈاکٹر ہنسا۔
خیر دارے اولیٰ سے بات مت کر، 'راجہ بولا۔

پھر جو اتفاقاً دیکھا تو راجہ شعلے کے پیچھے بھائی جان خود کھڑے تھے۔
آپ کب آئے، میں بھائی جان کو دیکھ کر چلا گیا۔

ابھی آئے ہیں ہم۔ 'راجہ کے گھر گئے تھے۔ پی لی نے کہا ڈاکٹر صاحب کی طرف گئے ہیں۔
ہم یہیں آ گئے۔

پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے، ہاں دونوں شیشیاں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمیں
پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے، ہاں دونوں شیشیاں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمیں



قدرت اللہ شہاب

۲۸۔ کراچی

۲۹۔ عطیت

۳۰۔ ستارہ

۳۱۔ ولیج ایڈ

۳۲۔ دربار

۱۔ اہل قلم، ریڈیو اے بخاری، احمد بشیر سے واقف تھا۔

۲۔ میں جب ہم دونوں بمبئی میں تھے تو بخاری وہاں کے ریڈیو شیش کا ڈائریکٹر تھا۔ اس وقت وہاں کا بزمِ مغل بنا ہوا تھا۔ بزمِ مغل کی بڑی دھوم تھی۔ محفل میں نورتوں کی بھیڑ تھی۔ میں ٹھکانے تھے۔

۳۔ اہل قلم کا کرتا اور برقع سافید پامپل۔ زیب تن ہو کر ہاتھوں میں سگریٹ کا دھواں اُڑھاتے تھے وہ منجیسے مصائب ہوتے۔ حالانکہ ان دنوں بمبئی میں چمرا پیل رہا تھا، بزمِ مغل پر ایک بے نیازی کا عالم طاری ہو گیا۔

۴۔ اہل قلم کا کھانا، کچھڑا تھا، فن کار تھا، اہل قلم کے پاس کھانا اور شور تھا، بات پیدا کرنے کا سلیقہ رکھتا تھا، بڑے بڑے کار چلتا تھا، پڑوں میں کوئی اس سے سبقت نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس کا سبب انصاف اور آزادی کھینچ تھی۔

۵۔ میں ایک روز میں نے احمد بشیر سے کہا تو بخاری سے نہیں ملا۔

۶۔ اجال لیتے ہیں وہ بولا۔

۷۔ اس سے پہلے پرچہ قلم کے لیے مضمون لکھوا۔

۸۔ لکھوا لیتے ہیں۔ احمد بشیر نے بے نیازی سے جواب دیا۔

۹۔ وہ ایک آدمی ہے۔

۱۰۔ پا کر آیا وہ بولا۔

۱۱۔ تم سے بڑا ستارہ ہو گا میں نے کہا۔

۱۲۔ بات پر۔

۱۳۔ خوش فہم لوگوں اور بہت متاثر ہو گا، میں نے وضاحت کی۔

۱۴۔ احمد بشیر مغلان کے پاس جا پہنچا۔ چھوٹے ہی بولا۔ ہمارے لیے ایک مضمون لکھیے۔

۱۵۔ چو لگا۔ کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو۔

۱۶۔ احمد بشیر ہوں۔ لاہور سے آیا ہوں۔

۱۷۔ کسی نے بات کرنے کی جیز نہیں سکائی کیل۔

۱۸۔ نہیں۔



محترمہ عطیت



قیصر شہابی



مفتی (۱۹۵۵ء)

سعود

مر

ہوں، پھر مغل نے قلعہ لگایا، بات کمرہ دینی جانتے ہو۔
اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔

بات کرنا سیکھ لو تو۔
کیا فرق پڑتا ہے، احمد شیر نے اس کی بات کٹ دی۔

بے باک، صاف گو، جہت نظر، القاطنوں تم ایسے پسند کرتا تھا، پھر مغل نے
لگاؤں سے احمد شیر کی طرف دیکھا۔ امروہہ پستی کے قلعے کو جانتے ہو۔

جانتا ہوں، مہاشا نہیں احمد شیر نے جواب دیا۔
تسکھی مانتے ہیں صوفی، فقیر، لوب، شاعر، ایکٹر، موسیقار۔ تم کیا چیز ہو۔

میں نسائی نہیں ہوں۔ نہایت سے ستار ضرور ہوتا ہوں۔
اس کی گھنٹی، متحرک، تاثر سے بھر پور، ہمیں اہمیں، مستعین، یولا، عورت کی

صرف پیدوارانہ محبت ہے، عام لوگوں کا مشغلہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں زندگی بسر کرنے والا
وقت کٹی۔ امروہہ پستی فن کاروں کا اقداری نشان ہے۔

میں فن سے متاثر ہوتا ہوں۔ فن کاروں سے نہیں، احمد شیر نے کہا۔
پھر مغل نے تھکے ہوئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اس نے آنکھیں پٹائیں۔ بھونچے پڑ گیا، یولا

یولا آؤ تم دوست بن جائیں۔
احمد شیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس سستی میاش کے لیے وقت نہیں ہے۔

پھر مغل کاہت اودھنے منہ کر کر پاش پاش ہو گیا۔
احمد شیر کو بہتینی والی ملاقات قابلِ یاد دہی تھی یا اس نے اسے چنداں اہمیت نہ دی تھی

اس لیے اس نے بخاری کی آفر کو منظور کر لیا اور وہ کراچی آ گیا۔ احمد شیر کے ساتھ موافق
بھی تھے لیکن بخاری میں اتنی وسعت قلب نہ تھی کہ وہ مولانا کی طلحہ شہیت کے مخاطب

برہنہ کر کہ لہذا احمد شیر نے استغنے دے دیا۔
UrduPhoto.com

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

وہیے وہ ایک بکرا ہوا مضی تھا، آواز دے سمیت، ووتر سے نکل کر وہ سیدھا کافی اور
اور کونے کی میز پر بیٹھ کر کیبل سڑک سرگٹ اور کافی کے پیالے پیتا رہتا تھا۔ وہ اکثر
انگریزی فلم دیکھتا اور گومی رات کے وقت اپنے بیسے بھائی کے گھر کا دروازہ آگلیا اور
ایک لٹنی ہوئی چارپائی پر ڈھیر ہو جاتا۔

صبح سویرے چائے کا ایک پیالہ پی کر وہ دھڑپا جاتا۔ وہ ایک بگڑا ہوا جوان تھا۔ اس کی
سے لگاؤ نہیں تھا۔ ہاں باپ سے اسے نفرت تھی، کھوئی ہوئی نفرت، شاید اس کی اس نفرت
گھر کی بجائے ایک دیوانے میں پرورش پائی تھی۔

اس کے والد بیسے قہل تھے، لیکن بے حد توجہ طلب تھے۔ فن کی پوری، میری
بگٹ تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ میں پوری ایک دوسرے کی طرف متوجہ رہتے اور گھر میں
رہتا۔

بچے اس دیوانے کی پیدوار تھے۔ قیصر کا بڑا بھائی ریاض بھی کراچی میں مقیم تھا۔ ان کی
پوری بڑی حسین تھی اور وہ خود بڑا پوڑیو اور تیل تھا اگرچہ قیصر بھائی کے ساتھ ہی رہتا تھا
لیکن یہ رہتا برائے نام تھا۔ وہ صبح سویرے وہاں سے نکل آتا تھا اور پھر رات کے بارہ بجے
ذرا دُور گئی میں پڑ رہتا تھا۔ بیسے بھائی کے گھر میں بھی اسے گھر فیصہ نہ ہوا تھا۔

پتہ نہیں کہ کیوں قیصر کو مجھ سے بہت لگاؤ تھا۔ بسا اُور سوشل میں تھا کسی کے قریب
جاتا تھا کسی کو قریب آنے میں رہتا تھا۔ اس کی شخصیت کے دیوانے خانے میں ایک
جو شاید اس نے اپنے تحفظ کے لیے پل رکھا تھا۔ زندگی میں چار ایک بار وہ خود کشی کر چکا تھا
ملاقات سازگار نہ ہوتے تھے اور وہ کامیابی حاصل نہ کر سکتا تھا۔

اب اس نے خود کشی کا ایک انوکھا طریقہ اپنا رکھا تھا اس نے اپنی موسمِ حق دونوں اطراف
سے چار رکھی تھی۔ صبح دھام کافی کے پیالے پیٹ میں انڈیا رہتا۔ سرگٹ سے سرگٹ
گرد و پیش کو خشک و شہر اور حقیر بھری نگر سے دیکھتا اور اتنے بیسے شہر میں خود پر تھائی
کیے بیٹھا تھا۔

کراچی میں میرا چلا ہوا تو قیصر کے لیے گریابی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ کھلا۔
کی طرح کسی چھینکے کے نلے کا مہلت مند تھا، نہ میرا چھینکا کسی کام کا تھا، چونکہ وہ تو نکل

میں سراسر مہلت مند تھا۔ میری تھوڑی رگ تھی۔ اسے جی پی آر
پر چلنے کے کمیشن ہوگی پھر تھوڑے کئے گی۔ بڑی مشکل سے ایک انکوائسٹر
کا گروہ الاؤنس منظور کروا دیا تھا۔

میں نے قیصر کو کافی پوس سے تو نکل لیا لیکن اسے کوئی سمت نہ دے سکا۔
ان دنوں میری اپنی کٹی سمت نہ تھی۔ وہ چار دیواری دور ہوئی جا رہی تھی۔
میں نے اپنی آوارہ گردی میں وہ دھلائے جا رہے تھے۔ بھائی جان کو اپنانے کے لیے تھائی
اس علاقے کو ہزار ہا رکھنے کے لیے دھیمان دنا ضروری تھا۔ لیکن نہ مجھے تھائی میسر
تھا۔

میں نے ہر کرسی پر قیصر کا میسرے پاس آ جاتا۔ چل کیا پروگرام ہے آج۔ اس نے کبھی
میں سے کہا تھا۔ مثلاً کہہ کر بگٹا کہ تو تراک سے بات کرنا اور سارا دن کچھ نہ کچھ کھانا
کھاؤ۔

میں نے سنا دیکھنے کے بعد گھر چھوڑ دیا تھا۔
میں نے کراچی کی سڑکوں پر ہم تین آوارہ گرد تھے۔ قیصر، میں اور کسی۔ کسی میزک کا
میں نے بہت کچھ کراچی آگیا تھا۔ ہماری آوازہ مثالی کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان
تینوں میں سے ہر ایک بیٹا ہے۔

میں نے قیصر کو کھانا کھا کر شلرنگ لگایا۔ شلرنگ کھینے میں قیصر بہت ماہر تھا
میں نے کبھی اس کا آواز نہ سنا تھا۔ ہم اندر بیٹھے کے گھر کا ڈر لگاتے۔

میں نے قیصر کی مسلمان فوازی میں بڑا مشتاق تھا۔ وہ اپنی غربت کو چھپاتا نہیں تھا بلکہ اس کا
میں نے ہائی پر لگائے پھرنا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھی کسی وقت گھر آ جاتا تو اندر بیٹھے گروں
میں وہ جاتا تھا۔ ان کو ایک ایک پیالے کا نمونک دے۔ کیا کامیابی نہیں
میں نے بہت کچھ کئی لیں گے۔ کیا کامیابی نہیں گے۔

میں نے قیصر کی مسلمان فوازی میں بڑا مشتاق تھا۔ وہ اپنی غربت کو چھپاتا نہیں تھا بلکہ اس کا
میں نے ہائی پر لگائے پھرنا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھی کسی وقت گھر آ جاتا تو اندر بیٹھے گروں
میں وہ جاتا تھا۔ ان کو ایک ایک پیالے کا نمونک دے۔ کیا کامیابی نہیں
میں نے بہت کچھ کئی لیں گے۔ کیا کامیابی نہیں گے۔

تھوڑے کی تو تک ٹھکرا دیں گے۔

مودی احمد بشیر کی بیوی تھی۔ کیا عجیب شے تھی وہ۔ کمرے سے چلی جاتی تو مودی احمد بشیر کی بیوی تھی۔ کمرے میں آ جاتی تو پتہ نہ چنانچہ آگئی ہے۔

مودی بڑی خوش مزاج ہے اسے میل ملاپ سے دلچسپی ہے۔ خوب صورت اور شوق ہے۔ کبھی استے پیٹے ہاتھ میں لے کر لباس خریدے، اس لیے لڑنے سے باز رہا ہے اور ایسا بنا سچا کر پہننے سے جیسے کسی کوٹے سٹور سے خریدے۔ مودی احمد بشیر کی ہاتھ اسے کھلاتی ہے 'پلائی ہے' 'سلائی ہے' 'جکائی ہے' 'لور نہ بنائے بغیر اس کے رانٹا ہے'۔

دعوتی ہے۔ اس لیے احمد بشیر کو مودی سے ایسی ہی محبت ہے جیسی لالچ کو بھانگی گھر کے معاملات میں میں نے احمد بشیر کو کوئی لالچ نہیں دیکھا۔ اس نے کہہ کر کہا کہ میں سے انکار کر دیا نہیں دیکھی۔ گھر کے لیے کوئی چیز خود نہیں خریدی۔ کبھی بازار تلاش نہیں کیے، کبھی گھر سے گلاس بھر کر پانی نہیں پیا۔ اگر مودی نہ ہو تو انہوں نے قیض پین کر دفتر چلا جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔

احمد بشیر کہتا ہے، مجھے مودی اس لیے پسند ہے کہ وہ بہت معصوم ہے، اسے وہ دیکھے مودی کو سب پتہ ہے، لیکن وہ یوں موم کی گڑیا بن کر بیٹھ رہتی ہے، جیسے کہ احمد بشیر سمجھتا ہے کہ مودی ذہنی لحاظ سے بچہ ہے، سمجھتی نہیں۔ مودی سمجھتی ہے کہ میں احمد بشیر یا نکل کورا ہے، کچھ بھی نہیں جانتا۔

دونوں بچے ہیں۔ دونوں بھوتے ہیں۔

ان دونوں مودی پیارک سے راگ نیکہ رہی تھی۔ موسیقی میں پیارک ہر فن شدہ راگ، 'ضمری'، 'غزل'، 'میت' اور 'جھیر کی' موسیقی۔ مودی کو سکھاتے ہوئے پیارک میں آ جاتے پھر محفل موسیقی شروع ہو جاتی۔

ابن انشاء

UrduPhoto.com

بھیر کو موسیقی سے دل بھی نہیں تھی۔ وہ محفل کو ختم کرنے کے لیے ہاتھ بھی تکی بڑی کلام پکڑ کر رہی ہے، وہ میرا ساتھ دے گا، نکل آؤ گے۔ مودی فرمایا

UrduPhoto.com

بھیر زبردستی انشاء، چلے جاؤ زور ہم لقم دیکھنے چلے جاتے۔

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

انشا مسکرانے لگا۔

دیکھا احمد بشیر یوں آئے تاہم تجھے اپنے دفتر میں ویسے تجھ سے کہہ دیا
تارے پاس تو ابھی نہ مانا۔

انہوں نے اس شام اپنے منصوبے کی کامیابی پر احمد بشیر کے گھر ایک نو
قہا جس میں ہم سب مدعو تھے۔ قیصر نکلی اور میں۔

دعوت کے دوران احمد بشیر یوں تو نے اکبر الہ آبادی کا وہ شعر سنا ہے کیا۔

تارے، میں، مرے مرنے کے بعد کا ہو گا

میں نے کہا اس لیے کہ میری عزت صرف دو گنے کی ہے اور جس کی عزت دو گنے

کے برابر ہے وہ خاص جی حضور یہ ہوتا ہے۔ کہیں۔ بے ضریب

اور انہوں نے اپنی صدمہ میں کیے ٹیڑھا کے پاس ایک کھلی میں واقع تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی
گھر کی باغیچہ کھروں پر مشتمل تھی۔

پہلے ہی

میں نے، عراب، چار افسر تھے۔ خطبہ جانور حری ڈائریکٹر تھا۔ احمد بشیر اس کا نائب تھا۔ انہیں انشا

نیکسن کے انچارج مشہور موسیقیار مرگ ہے۔ وہاں کمرے ہے 'ستائیں' تیس' اور ایک مرگ ہے۔ یہ دفتر ہمارے لیے دفتر 'کلب' تھا 'کلی' ہوس تھا 'کمال' تھا۔

عطر

۱۔ ان قدرت اللہ شہاب کا ٹیلی فون آگیا اس وقت حنیفہ اور میں وزارت کے متعلق
۲۔ اسی وقت میں مذہب چلیاں دینے کی کوشش میں شدت سے مصروف تھے کہ اٹھا
۳۔ اٹھا، باب مفتی ممتاز کا ایک فون ہے۔ اٹھا، مجھے مفتی ممتاز کا راقی، خصوصاً
۴۔ اٹھا کے کرے میں جا کر میں نے چوکا اٹھایا۔

انہوں نے کہا قدرت اللہ شباب آپ سے ہات کریں گے۔
انہوں نے کہا میں گمراہ گیلہ میرا بس چلا تو فون بند کرنا مگر مجھ میں اتنی جرات نہ

ان میں قدرت اللہ شباب ایک پہلوؤں کے حیثیت اختیار کر چکا تھا۔
 اور اس دورِ کشمیر کے سیکرٹری انظر کے ہات پر آگئی، جس نے مجھ سے پوچھا: کیا
 اللہ شباب کو جانتے ہیں اور میں نے جواب میں کہا تھا: میں، میں نہیں

انظر نے کہا تھا لیکن مجھے شباب صاحب نے ایک خط لکھا ہے جس میں کہا ہے کہ عز دوست ہیں اور میں نے جواب میں انظر صاحب سے کہا تھا جناب یہ بات

آپ قدرت اللہ شہاب سے پوچھیے۔
گمان غالب ہے کہ اکثر نے اسی روز فون پر شہاب سے بات کی ہوگی اور یہ خبر سن کر

کہ میں قدرت اللہ شہاب کو نہیں جانتا۔

اس کے بعد اشفاق احمد نے مجھے خط لکھا تھا کہ قدرت اللہ شہاب راولپنڈی آ

آپ ان سے ملنے لور میں نے اسے جوب میں لکھا تھا کہ میں بڑے افسروں سے

کہتا۔ اور اشفاق نے میرا وہ خط قدرت اللہ کو بھیج دیا تھا۔

ان دونوں واقعات کے بعد میرا قدرت اللہ شہاب سے ملنا ناممکن ہو گیا تھا۔

سے ملنا میرے لیے ایک ناخوشگوار بات بن چکا تھا۔

ملاقاتیں

فون پر کوئی بڑی لذت سے کہہ رہا تھا میں قدرت اللہ شہاب ہل رہا ہوں

صاحب مجھے نصیحت کی کتابیں خریدی ہیں۔ اگر آپ قاری ہوں اور میرے ساتھ

مذاکر کریں تو — میں ایک بچے آپ کے دفتر پہنچوں گا۔ اگر آپ دفتر سے

تو مناسب ہوگا۔ حقیقت صاحب سے میری آمد کی بات نہ کریں۔ پورے ایک بجے میں

ہو گیا۔

کیوں خیریت حقیقت نے پوچھا۔

میں نے جواب میں انہی کلمی کر دی، جیسے جوت سکول کے بچے چھٹی نمائندگی کے لیے

کلمی کرتے ہیں۔

حقیقت میرا اشارہ سمجھ گیا مسکرایا۔ بولا: چھوڑا یا ہوا۔

میں نے کہا: جاب چھوڑا۔

حقیقت نے مسکرا کر لپٹت میں سر ہلادیا۔

کلی سے گل کر میں مڑک پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد ایک کھلی دکان

قدرت اللہ شہاب کی تصویر میں نے اخبارات میں اکثر دیکھی تھی۔ اس

ہم دونوں ہاتھ آگے لیٹے میں رہتے ہیں 'شباب' نے کہا 'اور صبح سویرے مٹا دیا
پھوٹی بجی کو کندھے پر ہشاک میرے گھر آجاتے ہیں۔ کہتے ہیں 'وہ شہاب' میرے گھر آجاتے ہیں۔
کچھ نہ کر، لیکن اس بچی پر توں کھلے دوندے یہ معصوم بچی جوان ہو کر پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔
میں نے حیرت سے شباب کی طرف دیکھا۔

جیب آگئی ہیں حنیف صاحب 'خوب آگئی ہیں۔
ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں تیسری بار جب شباب آیا تو حنیف میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا
سے باہر نکل آیا۔ جب شباب کی گاڑی آئی تو اس نے کہا متنی متنازع مجھے بھی اور ہمارے
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔
شباب نے حنیف کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حنیف نے مجھ سے پھر چھ متنی متنازع شباب کیسا آگئی ہے۔
میں نے کہا 'حنیف صاحب اگر کسی ایسی لڑکی میں اس کا متفق ہوتا تو انہوں نے اس کی
پاس نہ کرتے۔
حنیف کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔
میں نے کہا افسری کے لائن میں ہے 'اس میں پھول پھول نہیں' خاموشی اور سکوت کا
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح دونوں۔
یہ سن کر حنیف کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کہنے لگا 'تو میں نے ان لیا کہ تو واقعی دانشور ہے۔ متنی متنازع کیا بچنے کی بات کی ہے
نے۔
۱۹۵۸ء میں میری شباب سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشتقاق کراچی آیا اور وہ
شباب کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔ وہ
شل انفرانڈ تھی نہ مزاج۔
شباب کی بیوی ڈاکٹر مفت شباب دیکھنے میں یوں محسوس ہوئی تھی جیسے دو ایک
ہو۔ اس کے انداز سے قلمی معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ قلمی بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔
ایک بار اشتقاق احمد 'شباب کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں
UrduPhoto.com

ملاقاتیں 'سرسی ملاقاتیں تھیں۔
۱۹۶۱ء روز شباب نے مجھے فون کیا بولا 'سنا ہے آپ کی پرسیشن ہو گئی ہے۔
اس کی ہنسی ہے 'میں نے جواب دیا۔
ریپریزنٹیشن (Representation) دے رہے ہیں نا۔
راہوں۔
ایک ایک لٹل مجھے ابھوا دیتے کل ہی۔ وہ نہ ہو۔
اگر روز میں شباب کو ریپریزنٹیشن دیتے مگر تو وہ قانع بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے
نے کر ایک طرف رکھ دیے۔ کہنے لگا 'میں نے کس کے بارے میں معلومات حاصل کی
تھا۔ انہوں نے کہا ہے آپ کی پرسیشن مل جائے گی۔
انہوں نے کہا۔
'ایک لڑکی وہ بولا آپ کی حق تلفی ہو رہی ہے۔
'پہلے چھ سال سے ہو رہی ہے 'میں نے جواب دیا۔
'آپ اسے ہارو میں کرتے کیا اس نے پوچھا۔
'پہلے کرا تھا۔ اب نہیں کرتے۔
'وہ سکراب 'اب کیا ہوا۔
'اب 'میں نے جواب دیا 'اب 'میں 'میں نہیں رہا۔
یہ کیسے ہوا۔
ایک لٹل کے بندے نے مجھے اُلٹے بُلٹے کر دیا۔
ایک دم اس کی دلچسپی خوشی میں آگئی۔
کیسے کر دیا اس نے پوچھا۔

پتہ نہیں، میں نے کہا 'اللہ کے بندوں کا کچھ پتہ نہیں چٹنگ دھاری ہوتے ہیں'۔

جی

یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ کیا آپ کے ساتھ بھی قماشہ کیا؟ انہوں نے۔

ہاں، میں نے کہا 'مجھ پر رقت طاری کر دی۔ دس دن بے وجہ دوٹا رہا'۔ میں

دوٹا رہا۔

کوئی چڑی کا بزرگ ہے کیا؟ اس نے پوچھا۔

موجود و مغفور ہے۔ مزار ہے، میں نے کہا۔

ایچہ قیصر ایک چائے خانے میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنے سکوتر پر بٹھا کر

121

اٹھا۔ گاڑی۔ تم تو کاندھ دینے آئے تھے، قیصر نے کہا۔

ہاں، میں نے کہا 'وہ فارغ بیٹھا تھا' اس نے بات چھیڑ دی۔

دو! ————— دیکھ میناز، وہ چولا 'تو اس شخص سے بچ کر رہنا

میں نے پوچھا۔

افیر آدمی ہے۔ بڑا ذہین ہے ایک نظر میں بات پالیتا ہے۔

رائے نہیں کرکے وہ سمجھتا ہے کہ ماننا ماننا اس کا ذاتی معاملہ ہے جس کا انکار نہ ہو۔
کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ بات بڑھانے کے خوف سے سرکشت ہو جاتا ہے۔

اشفاق حسین گہرا گیلہ میری کوئی خاص پر اہم نہیں ہے وہ بولا۔ بس ایسا
راستے میں رکاوٹیں آتی رہتی ہیں۔ معمول کی رکاوٹیں نہیں غیر معمولی رکاوٹیں۔
لوگوں پر اثر رکھتی ہے مجھ پر نہیں رکھتی بلکہ انشاؤں رکھتی ہے۔ حالات کا رخ مٹا
ہوگا۔ وہ ایک مصرعہ ہے غرضاً یہ آپ نے سنا ہو گا۔

ظہر ڈوبے جھول تو دریا نے پیاب مجھے

اس پر ایک قلمبر پرانا۔

علیہ نے کچھ دیر کے بعد مراقبے سے سر اٹھا بولی آپ ٹھیک کہتے ہیں آپ نے
میں رکاوٹ ہے۔ آپ پر کوئی بھول اٹھوا نہیں ہے۔

کب سے ہے اشفاق حسین نے پوچھا۔

نوجوانی سے وہ بولی۔

اس کا کوئی علاج بھی تو بتائیے۔

علیہ مسکرائی بولی میں ایک میٹر ہوں۔ علاج نہیں ہوں۔ مجھے تو جو دکھ ہے وہ
ہوں۔ جہیز سے نہیں کہہ سکتی کہ جو دکھ ہے وہ درست بھی ہے یا نہیں۔ پھر وقت
میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ایک چیز مجھے دکھائی جاتی ہے کہ مستقبل میں یہ ہو گا یوں کہ
پتہ نہیں چلا کہ کب ہو گا۔ کل ہو گا یا دس سال کے بعد ہو گا۔

دوسرا قلمبر انشا کا قلم۔

علیہ نے حسب معمول پوچھا جی فرمائیے۔

انشا مسکرایا کہنے لگا 'محترمہ میں تو لوشن ہوں۔ لوشن دے اونٹ تھیری کوں'۔
یہ جی۔ مجھے کوئی چیز راس میں آئی۔ کام راس میں آتا، آرام راس میں آتا، اندر لپ
میں آتا، سکون راس میں آتا، جینا راس میں آتا، مرنا راس میں آتا۔

اس پر ایک قلمبر بند ہوا 'محترمہ خود بخشنے لگی۔

میں نے جتنے ہوئے گردن پھٹکی اور پھر سر اٹھا کر بولی۔

آپ نے جو پھوڑا پانا ہے وہ اب پھوٹے والا ہے، آپ کو بڑی شہرت ملنے والی ہے۔ عزت
ملنے والی ہے۔ بہت کچھ ملنے والا ہے۔

ملنے کا انشاء ہے پوچھا۔

ہاں، وہ بولی، آپ کو دلیر پر کھڑے ہیں۔

انسانے گا۔

میں والا۔ بہت جلد آپ کو ایک دینے والا ملے گا۔

اس کے بعد قیصر کی باری تھی وہ بیٹھا مسکرائے جا رہا تھا سوچی مسکراہٹ نہ ملنے والی

انسانے گا۔

آپ کچھ نہیں پوچھنا، وہ بولا، میں مستقبل کو جاننے سے خائف ہوں۔

کچھ اپنے حلق پوچھ لو، احمد شیر نے کہا۔

اپنے حلق میں چلتا ہوں، قیصر نے جواب دیا۔

قیصر کے بعد میری باری تھی۔ میں نے کہا مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔

پھر دشمن کے بارے میں پوچھ لو، انشاء نے کہا۔

نہیں یہ بہت چھوٹی بات ہے، میں نے جواب دیا۔

پھر کاروبار ہے اور کتاب ہے چھوٹی بات ہے، احمد شیر نے کہا۔

دوران دے

آپ متاثر مت ہوں، علیہ نے پوچھا۔

جی میں نے جواب دیا۔

شاہ صاحب نے مجھے آپ کے حلق فون کیا تھا۔

اب احمد شیر بولا، دراصل یہ شخص اپنی سرشت کے خلاف کسی کو بھربان بیٹھا ہے، یہ صاحبوں کا

انسانہ ہوت جائے گا۔

علیہ مسکرائی وہ بزرگ کہی ہیں۔ جنہیں بھربان بیٹھے ہیں۔

پنڈی میں احمد بھیرے کا۔
عفیہ نے مراقبہ میں سر جھکا دیا۔ چند ساعت کے بعد سر اٹھایا۔ بولی، وہ نہ، اگے
لے کر دے چے، سر پر رومی ٹوپی تھی۔ ہاتھ میں حقہ تھا۔ بچپن بولتے ہیں کہ گندم
اسی آپے سیدھا کر لاس گے۔

عفیہ کی بچپن پر سب ہنسنے لگے۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ رومی ٹوپی پہنتے ہیں، حقہ پیتے ہیں اور
بولتے ہیں۔ اور وہ خود کیسے آگے۔ ایک مرحوم و معذور بڑھا پنڈی سے کراچی گیا۔ احمد
بھیرے بھی تو انیس کا قافلہ یہ سب کیا ہے۔ یہ کیسی دنیا ہے جہاں لوگ مرے کے بعد آؤ اور
پھر جاتے ہیں۔ ہادی زندگی کے انتقام پر بھی، ٹوپی پہنے پھرتے ہیں۔ حقہ پیئے۔

پھر مجھے خیال آیا کہ وقت طاری کرنے کے بعد بھی وہ مجھے سیدھا کر رہے ہیں۔
اب بھی جاری ہے، کہیں ایسا تو میں کہ انہوں نے مجھے از خود کراچی بھیجا ہو۔

احمد بھیرے کو آواز نے مجھے چڑھا دیا۔
میرا ہاتھ دیکھ دیجئے، وہ کمرہ کا قافلہ
میں اس فن سے واقف نہیں ہوں، عفیہ نے کہا۔
تو کیڑو سے دکھوا دیجئے، وہ بولا۔

اچھا وہ بولی، اپنا ہاتھ کھول کر میز پر رکھیں۔
عفیہ زانوں میں چلی گئی۔ بولی، یو آر کلیور، ویری کلیور۔ ویری ویری۔
عفیہ کیو کے انداز میں انگریزی بولے جا رہی تھی۔ احمد بھیرے کے منہ پر لہو چھوٹا
تھے، جیسے کلیور ہوتا بڑا دھف ہو۔

میرے ساتھیوں میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جس سے اس موضوع پر بات کی جائے۔
جب بھی میں کوئی ایسی بات چھیڑتا تو وہ میرا مذاق اڑانے لگتے۔ کہتے، یہ تو کس طرف، یا
ہے۔ یہ رمانت تیار رمانت نہیں ہے۔ اس رمانت پر بچے کچھ نہیں ملے گا۔ لی والی سلف، ا۔
محبت کر کے چھوڑ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون میرے علاوہ بھی کچھ ہے۔
میں نے پوچھا۔

کہا۔ جب یہ باہر نکلے تو ہم دونوں حیران ہوئے۔

میں نے پوچھا کہ آپ نے انکاف کمال کیوں نہ کیا۔

وہ ہلکے جھپٹے نہیں دیتے کہتے ہیں جس غلظت کا دودھ چٹا ہے وہ اسے انکاف پر

کہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے علیہ سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کون ہیں جو چٹے

میں نے سرٹھی میں بلا دیا۔

وہ کون تھے جنہوں نے اسے آپ کا گرد دکھایا تھا کہ یہاں انکاف کرو میں نے پوچھا۔

میں نے 'وہ بولا' دراصل یہ غلظت بڑی پاکیزہ غلظت ہے اس سے کچھ پوچھنے کی مجھ میں

TELL THAT BLOCK HEADED PATHAN THAT

I SEE HIS DEAD BODY ON A GUN.

کہا یا میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ اصل میں سمجھتی شاپ نہ کیا۔ اس کے گھر فرنی افسر جاتے ہیں 'سول افسر جاتے

میں نے چاکر صدر صاحب کو بتایا کہ ایک غلظت آپ کے بارے میں یہ کہتی ہے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

انکاف

پتہ نہیں کیا ہے۔ گھر ہے۔ جب یہ بولی بار بار سے گھر آتی تھی،

ہوا قتل میری بیوی عفت بھی حیران ہوئی۔ اندر داخل ہو کر بولی۔

کیا اس کی گود میں ایک بے لگتہ کرسی پر بیٹھ گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔

یہی گھر ہے، بالکل بیکار ہے۔

میں آپ کی بات سبھی نہیں، عفت نے کہا۔

غلظت کہتی تھی، میرا ارادہ تھا کہ انکاف کروں۔ خواب میں مجھے یہ گھر دکھایا گیا۔

یہ پاکیزہ گھر ہے، اس میں انکاف کرو۔ آج صبح سے میں اس گھر کو دھونڈتی رہی۔

لی کیا ہے۔

آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی گھر ہے، عفت نے پوچھا۔

بالکل 'وہ بولی' اس گھر سے پہچانا والا جو گھر ہے بائیں ہاتھ کو اس

انکاف کرتا ہے۔

یہ سن کر عفت بڑی حیران ہوئی۔ اس غلظت کو یہ کیسے پتہ چلا کہ اس گھر

ہاتھ کو ایک اور گھر بھی ہے۔ اور وہی ایک گھر تھا جو ہمارے گھر میں غلط پڑا تھا۔

پھر کیا اس نے وہاں انکاف کیا میں نے پوچھا۔

ہاں کیا شاپ بولا کیسے کیا میں نے پوچھا اس نے بچے ہمارے حوالے کر دیا۔

انکاف میں بیٹھ گئی۔ ہم باہر داری پر بیٹے کو بھلاتے رہے اور وہ ساری رات نہیں نہیں

پھر ایک موہبت تھی کہ میں اپنا دودھ پلائی تھی، بولتھا کہ میں نے لیا۔

نقشہ بنایا تھا۔

جب وقت آتا تو ہم بیٹے کو بے لگتہ میں ڈال کر کمرے کے دروازے کے باہر

اور دروازہ بجا کر خود چلے آتے پھر وہ دودھ چاکر بیٹے کو دروازے کے باہر رکھ کر دروازہ بند

یہ تو بڑی معیت ہوئی میں نے کہا۔

وہ تو گھر ہے، شاپ نے کہا کہ یہ غلظت ایک دن اور وہ راتوں کے بعد باہر

نگہ لو، انہوں نے بچے پر دایسی سے کہا۔

پھر کیا آپ اس خاتون سے ملے، میں نے پوچھا۔

ہاں، شہاب نے کہا، ملا تھا۔

شہاب کی یہ عجیب عادت تھی۔ وہ بات رک رک کر سناتا تھا۔ بڑی سے بڑی

میں نے پوچھا۔

وہ کہتی ہیں، میں کب سے دیکھ رہی ہوں کہ سرور دی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں دیکھتی

ایک تھکی داڑھی والا شخص جس کی آنکھیں سبز ہیں، ڈائریکٹر بن کر آ رہا ہے، جو بہت سخت

اور ستارہ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ خیال نہ آیا کہ قدرت اللہ شہاب کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہو

تھا۔ کاکوئی کی کنوئیں سے متعلق رابطے شروع ہو گئے۔ اور ہم سب کو بار بار شہاب سے

بار بار حری شہاب سے ملنے کا کوئی موقع ملنے میں کرتا تھا۔ لیکن شہاب اسے ملنے

کا کوئی موقع نہ دیا۔ صرف ایک ہی مطالبہ تھا۔ عہدہ چھوڑ لو اس کی سوئی اسی ایک بات پر

شہاب سے مل تو لیتے تھے لیکن ایک شان بے نیازی سے۔ اس کا کوئی مطالبہ نہ تھا۔

لیکن شہاب سے کوئی خصوصی دلچسپی تھی۔

شہاب سے بے حد متاثر تھا۔ اس کا کوئی مطالبہ نہیں تھا۔ لیکن شہاب کا نام سنتے ہی

پر دوشی ہو جاتی تھی، بھابھا ہو مٹی کا دواجل امتا تھا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی

میرے لیے ایک معرہ تھا۔

لیکن ان الفاظ کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ یا اللہ یہ کیا چیز ہے، جو جلتی جھپتی

تھی، تو چہو مسکراہٹ سے منور ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ مسکراہٹ میں مسرت کم

پہنچ کر آتا فطرس اور بھکتا ہے تو اندر چرا چھا جاتا ہے۔ میں سوچتا تھا کہ یہ بھکتا

بھکتے بھگتے چلا کہ یہ تو انی طور پر بھجا ہوا ہے۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ اتنی

بے پرواہی کے باوجود یہ جتا کیسے ہے۔

اس کی یادوں کے طے میں ایک بھنسر مٹپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ جس

مارے اس نے یادوں کا طاقتور بند کر رکھا ہے۔ یادوں سے خود کو محفوظ کرنے کے

لیئے میں ایسا چلائی ہے اس نے خود پر اندھیرا غاری کر رکھا ہے۔

تو ہوتا کہ یہ تو ایک کھلاوی عورت کے صداقت ہے جو ایک ساعت میں آپ کی طرف

کا ایک خط ملا۔ جس میں معنی طور پر شہاب کا تذکرہ تھا۔ لیکن معنی ہونے لگے۔

اپنا تیت تھی، حیران کن اپنا تیت تھاموں نے لکھا کہ شہاب صاحب ستارہ کو راز رکھو۔

یہ بتا رہا ہے لیکن ستارہ سدا قائم رہتا ہے۔

بھائی جان کی اس بات نے میرے ذہن میں الجھن مچادی۔ شہاب کو ستارہ کا نام اپنے

ہے۔ اسے راز رکھو، کیوں، یہ کیا فتنہ، کیسے قائم ہو کیوں قائم ہو۔

ابھی میں اسی سوچ میں پڑا تھا کہ بھائی جان کے دوسرے خط نے بات کہیں نہ

دی۔

لکھا تھا ستارہ سے ملاقات ہو ہی جائے گی لیکن ہمیں تو اُمید بڑھے سے ملاقات

اس دن پہلی مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ قدرت اللہ شہاب ان

بھائی جان سائیں اللہ بخش سے ملاقات چاہتے ہیں۔ کئی ایک دن میں اس بات پر سوچا۔

لیکن بات سمجھ میں نہ آئی۔

پروگرام

پھر ایک روز بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ بھائی جان اکثر موہندو کے بارے میں بتا رہے

کہ ان کا ایک پروگرام ہے یہ پروگرام پاکستان سے متعلق ہے۔ موہندو کے تذکرہ

اس کا ذکر ہے، قیام پاکستان سے بہت پہلے ۱۹۳۱ء میں سائیں اللہ بخش نے ریاست

کے نواب کو ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں دعوت دی تھی کہ آؤ ہم جنس ایک

کالینہ بنادیں۔ جس کے جواب میں نواب دکن نے اپنے ایک بڑے عہدے دار کو

خدمت میں بھیجا تھا۔ جس سے سائیں اللہ بخش نے تخیلیہ میں دو گھنٹے بات چیت کی

لیکن نواب صاحب پس و پیش میں پڑ گئے، گھبرا گئے اور تھکان پر کلمہ نہ ہوئے۔

میں نے سوچا شاید شہاب سے اپنا تیت اور اس بڑھے سے ملانے کی خواہش اس پروگرام

حوالے سے ہو۔ شہاب کا چننا اس کے عہدے کی وجہ سے کیا گیا ہو۔ مقصد صدر

رابطہ قائم کرنا ہو۔

پھر خیال آئے میں ایسا نہیں، اگر یہ مقصد ہو تو بھائی جان خط میں یہ نہ لکھتے

یوں بے گنہ وار دیکھتی ہے، جیسے باقی ہی نہ ہو۔ دوسری ساعت میں صلیب
آپ کی گود میں آ بیٹھی ہے۔

بھی محسوس کرنا کہ بکھر خوش ہو شیار روانہ ہے، کبھی ایسے گناہیں کوئی نہیں
کے پکر میں پھنسا ہوا ہے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ابن انشا ابھی ابن انشا میں بنا تھا۔ ابھی اندر سے
میں ہوئے تھے ابھی وہ دباؤ پر کھڑا لنگھا رہا تھا، برسر عام نہیں آیا تھا اس نے
بجھن کی گزری میں کوئی صلاحیت پہنچتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

بہر صورت شباب کا نیم سن کر ابن انشا روشن ہو جاتا تھا۔ شباب بھی اس کی
باتیں سن کر بہت محفوظ ہوا تھا۔

پھر میں تھا۔ مجھے شباب سے محفل میں ملنے سے کوئی دل نہیں تھا۔ ابھی
وہ بات کی بنا پر میں اسے ملنے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک تو میری پے کشش میں
تھا۔ دوسرے ابن دونوں میری زندگی میں جو عجیب و غریب واقعات رونما ہو رہے تھے
متعلق نہ تو قیصر سے بات کر سکتا تھا نہ احمد بشیر سے۔ وہ دونوں میرا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے میں یہ باتیں صرف شباب سے کر سکتا ہوں۔ اس لیے یہ کہ
ذاتی پریشانی کو دور کر سکے۔

مرکی شیش سن

انہی دنوں شباب کے پاس ایوبوں کا ایک وفد آیا۔ ایک ایوب فیمم نے خانی
پر فیمم میں آکر اپنی توی کو بڑی بے دردی سے نقل کر دیا تھا۔ مقدمہ چلا۔ کورٹ
موت کی سزا دی تھی۔ اب اس کے والد نے صدر پاکستان کی خدمت میں رحم کی درخواست
کی تھی۔

شباب نے وفد سے کہا کہ کل کے اوائف اس قدر گھٹا ہے ہیں کہ صدر صاحب
اس پر فیمم کے والد علیہ سے جانے علیہ نے مزاح کیا اور کہنے لگی کہ ہاں

اس کی سزا مل جائے تو پھر اسے پھانسی نہیں دی جائے گی۔

والد کا مطالبہ تھا کہ کسی طرح وہ مینے کے لیے پھانسی کی بڑا کو محل میں آنے سے روک دیا
شباب نے وفد سے کہا کہ میں علیہ سے مل کر آپ کو بتا سکوں گا۔

اس سلسلے میں شباب کے کہنے پر ابن انشا علیہ سے ملا۔ علیہ نے کہا یہ درست ہے، اگر
ہاں تاک کوئی انکشن نہ لگایا تو اسے پھانسی نہیں ہوگی۔ پھانسی کی سزا عرقیدہ میں بدل

گئی۔

تاک

تاک بعد ازاں کے لیے شباب نے علیہ کو فون کیا۔ علیہ کہنے لگی، آپ یہاں آ جائیں، میں
راہ۔ بہت بڑے خوشخبری سناٹا چاہتی ہوں۔ جو کسی اور کو نہیں سنا سکتی۔ شباب علیہ سے
تاک اڑھا دیا مجھے بھی لے گیا۔

اس روز علیہ بڑے موڈ میں تھیں۔ کہنے لگیں آج کل عرش پر بہت خوشیاں سنائی جا رہی
ہیں، انہیں وہ رہا ہے۔ حضور دو لمبا بنے ہوئے ہیں۔ پھولوں کے پار پھوٹے ہوئے ہیں۔ گلاب کی
لہلہاؤں پر وہی ہیں۔ سب خوشیں سنار پے ہیں۔

یہ ہیں، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہونے والا ہے۔ عرش اور فرش ایک دوسرے
کے قریب آ جائیں گے۔ پاکستان اس دور کا گوارہ ہو گا۔ وہ رک گئی، پھر رونق کے بعد کہنے لگی،
میں نے دیکھا ہے کہ صدر پاکستان کی کرسی خالی پڑی ہے، وہاں نکلا بیٹا لگا ہوا ہے۔ جو شخص ابن
انشا کے ساتھ بہت سخت گیر آدمی ہو گا۔ اس کی وائزی گھٹی ہے۔ آنکھیں سبز ہیں۔ میں دیکھ
اس دن اس کے ایک خونیمن جنگ ہو گئی۔ ایبٹ آباد پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کثیر
ہے۔ اب ہائے گلاب پاکستان کے علاقے میں وسعت ہوگی۔ ہم دلی پر قابض ہو جائیں گے۔

اس روز علیہ بڑے جوش میں تھے وہ مسلسل باتیں کیے جا رہی تھیں۔ شباب اور میں چپ
ہائے سن رہے تھے۔ پھر شباب بولنا کہنے لگا مختصر کچھ ایسی باتیں بھی تو ہیں جو آپ عرصہ
راہ سے دیکھ رہی ہیں لیکن وہ وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔

بولنا بولی کچھ ایسی باتیں بھی ہیں۔ لیکن نشاۃ ثانیہ کی بات تو ہو کر رہے گی۔ چاہے آج ہو

یا چائیس مل بود۔ اور پاکستان نشاۃ ثانیہ کا مرکز ہو گا۔ یہ تو لے شدہ باتیں ہیں۔

عطیہ کی باتیں میرے لیے بے حد پریشان کن تھیں۔ یہ نشاۃ ثانیہ کیا چیز ہے۔ مثال کے طور پر اس کے بارے میں بات کیا کرتے تھے۔ کما کرتے تھے، تم پاکستان کا ٹکڑہ نہ کرو۔ پاکستان کو
کرنے والے اللہ کے بندے سوچو ہیں۔ تم جب بھی کوئی قدم اٹھانے لگو تو سوچو کیا یہ اللہ کے
پاکستان کے لیے باعث نقصان تو نہ ہو گا۔

اس پر مجھے خیال آتا کہ پاکستان کو اتنی قیمت کیوں دی جا رہی ہے۔ کیا اس لیے اس
مسلمانوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کے تو دنیا میں بیسیوں ملک ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہم پاکستان
برائے نام مسلمان ہیں۔ نہ ہمارے کردار میں اسلام کی جنگ ہے نہ اعمال میں اسلام کا رنگ۔
ابنہ ایک دھف ضرور ہے کہ ہم میں اسلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے
موجود ہے۔ کیا پاکستان کو یہ شرف اس جذبہ کے لیے حاصل ہو گا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔
پھر میری توجہ عطیہ پر مرکوز ہو گئی۔ یہ کون خاقان ہے اسے یہ گفت کیسے ملا۔

ای ای ایس بی کا مطالعہ کرنی کی وجہ سے مجھی سبب سے میرے پاس یہ معطوفات ملے
تھیں مجھے علم تھا کہ کچھ لوگوں کو پیدائشی طور پر مستقبل کی جنگیں نظر آتی ہیں۔ اور کچھ لوگوں
میں سر کی جوت گتے پر یہ خصوصیت ابھرتی ہے۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ اس خصوصیت کو
سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن حیرت کی بات تھی کہ عطیہ کو مذہب سے گمراہ تعلق تھا۔
میں نے فیصلہ کیا کہ عطیہ سے انکلی میں ملوں اور اسے پوچھوں کہ یہ گفت اسے کیسے
میں نے ملے فون پر عطیہ سے وقت لگا دیا لیکن۔

عطیہ کی کہانی

میں نے آپ یہ جنگیں دیکھ رہی ہیں۔

میں نے ہی۔ جب مجھے پوری طرح شعور نہیں تھا۔
میں نے شروع شروع میں میں یہ جنگیں دیکھ کر راز چلا کرتی تھی کہ یہ کیا نظر آ رہا ہے
میں نے یہ بھی نہیں تھا کہ یہ مستقبل کی جنگیں ہیں۔
میں نے مجھے اپنے بچپن کی مختصر سی کہانی سنائی۔

میں نے میرے والد بہت پرے کھسے پڑھیں۔ انہیں مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی
میں نے کہ اللہ کو نہیں مانتے تھے۔ مگر یہ بندش لگا رکھی تھی کہ کوئی مذہب کی بات نہ کرے
میں نے بات نہ کرے۔ کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

میں نے کئی بھئی پڑھیں کیں شاید اس بندش کی وجہ سے یا دینے ہی مجھے بچپن سے ہی
میں نے عاشق تھا۔ اسی نے چوری چوری مجھے نماز سکھادی تھی۔ پڑوس میں جا کر میں نمازیں
میں نے کوئی اور قرآن پڑھا سکتی تھی۔

ایک دن پڑوس کی ساس بیمار پڑ گئی۔ اس نے شرمچا دیا کہ چلو ڈاکٹر کو بلاؤ۔
اس وقت میں مریشہ کے پاس کھڑی تھی۔ میں نے مریشہ کی طرف دیکھا مجھے یوں نظر آیا
میں نے مریشہ کو۔ میں نے ڈاکٹر کو بلائے کا کیا فائدہ یہ تو مریشہ ہے۔ یہ کہہ
میں نے مریشہ کو۔ ڈاکٹر کے خنبے سے پہلے مریشہ فوت ہو گئی۔

میں نے بات سارے کھسے میں مشہور ہو گئی۔ ہر لوگوں نے مجھ سے پوچھا شروع کر دیا میرا
میں نے بات میں پاس ہو جائے گا کیا مجھے تو کبھی مل جائے گی کیا ہم مقدمہ جیت جائیں گے۔
میں نے ان کے سولات پر توجہ دینی تو مجھ پر محسوس طاری ہو جائے۔ اپنے محسوسات

تکلیف دہ بات ہے۔

اس روز ملتے سے قلعہ ہو کر میں لیٹ گئی تھی۔ وقتاً میں نے دیکھا کہ ایک اداکار لڑکی سے کمرے میں داخل ہو گیا اور دوسری چاہائی پر آکر تک گیا۔ وہ وہاں پر رہا پھر چھپیل ہو گیا میں نے شدت سے محسوس کیا کہ آج اس کمرے میں کوئی فوت ہوئے والا ہے۔

ان دنوں گھر میں صرف تین فوٹے میرے والد میرے میاں اور میں یعنی ہم میں ایک فوت ہو جانے والا ہے۔ وہ کون ہے وہ روکھے خیال آگ۔

پھر یہ بھی ہے مفتی صاحب 'دہ بولی' کی ایک مناظرہ میں دیکھتی ہوں 'دور باہر' ہوتے۔ ہر سال اس روز دس بجے میں نے کفن کا منظر دیکھا تھا وہ بجے سے تین بجے تک پر گویا نزع کا عالم طاری رہا۔ میں مرمر کر بیٹی رہی۔

اس وقت گھر میں میں اکیلی تھی۔ میں دفتر گئے ہوئے تھے 'بالکل گئے ہوئے'۔ بارہا میں فون کرتی کبھی میاں کو کبھی بابو 'اتنی بار فون کیے میں نے کہ انہیں غلگ پڑا'۔ بات ہے 'تم اس قدر مضطرب کیوں ہو۔ خیرت تو ہے' میاں مجھ سے پوچھتے، لیکن مجھ پر وحشت سوار تھی۔

تین بجے وہ دونوں گھر آئے تو مجھے تسلی سی ہو گئی۔

پھر چار بجے کے قریب بابا کے پیٹ میں درد اٹھا اور وہ اسی چاہائی پر لیٹ گئے۔ لگا رہا تھا میرے میاں نے ڈاکٹر کو فون کیا لیکن ڈاکٹر کی آمد سے پہلے ہی ابار رخصت ہو گئے۔ قصہ سننے کے بعد علیہ دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس واقعہ کو بھر رہی تھی۔

مستقبل کی جھلکیاں دیکھنے کے علاوہ کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے مافوق الفطرت کا یا جانے 'میں نے پوچھا۔

ہاں 'دہ بولی' صرف ایک بار جب ہم نے لے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے۔ وہاں ہمارا مہلت ٹائٹل ہے 'جی۔ کوئی ڈیڑھ آدمی نے قلعہ ایک ٹوٹے پھولے گھر میں ہم لادنا شروع کر دیں۔ قلعہ بڑے تھے۔ ہاتھ پھیلائے کی بات نہ تھی۔ فاقوں پہ نالائے آ رہے تھے۔

ایک روز میری قتل کا وارن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ قلعہ میں ایک لڑکھا ہمارا کیا بنے گا کیا بنے گا ہمارا انجام ہے۔ پھر مجھے کڑکڑکی آواز آئی۔ یہ بات کی طرف دیکھا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک منور کالڈ ہوا میں ڈول رہا ہے۔ وہ کالڈ ہوا میں نے اسے روک لیا۔ دیکھا کہ اس پر منور حریف میں ایک آیت لکھی ہوئی ہے۔

میں میں تڑپا تھا۔

ایک ملامت قاس کا میں نے پوچھا۔ اس میں اسید بھرا پیٹم تھا کہ مشکل کے دن ختم ہوئے۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو نوازا۔ اس میں اس روز کے بعد حالات بدلتے گئے۔ روزگار کا سلسلہ بندھ گیا۔ ایک معقول مکان مل

میں کی کٹائی سن کر میں نے جان لیا کہ وہ غالی تیرہری نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ میں گھری۔

مجھے کم کم دیکھ کر قیصر چاہتا 'یہ جہنم کیا ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں تم شباب سے میل کھاتے ہو۔ وہ تجھے ڈی صلف کر رہا ہے۔ چلو اچھی سی بچکر دیکھیں۔

میں نے قیصر کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اسے لے چلا۔ فلم دکھا لاؤ۔ یہاں بنا بیٹھا رہتا ہوں۔ بات نہ چیتا۔ چلا اسے 'قیصر مجھے کراچی میں کھانا پھرنا فلم دکھانا لیکن میرے اندر گرا ہوا کا ہوا تھا۔ وہ کسی صورت لکھنا نہ تھا۔

فخر میں ان دنوں ہم سب گویا ریکٹریشن لیوہ تھے۔ سارا دن تفریح چلتی تھی۔ چونکہ حفیظ صاحب دوسرے کے لاہور گئے ہوئے تھے۔ وہ دوسرے نہیں تھا بلکہ تقریبی ٹپ تھا کیونکہ وہ اپنی 'نئی' بات کو ساتھ لے گئے تھے 'ہم سب ان کے اس دورے کو اتنی مومن ٹور کئے تھے۔

پھر 'لکھنا' حفیظ صاحب کا کار موصول ہوا۔ مفتی ممتاز کو فوراً لاہور بھیج دو۔ اسے ہدایت کی۔

لاہور میں اس پتہ پر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔ اسے 'لکھنا' چاہا اپنی مومن بی بی اسے کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔

اسی تب تک کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنا ہو گا 'امد شیرے کا۔

ایسا ہے تو پھر فیصلہ کیا نہیں نے کہ
 'لکھو' وہ دیکھو 'حفظ چلایا۔ جب یہ تیری طرف دیکھتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر
 'اہا ہا ہا' ہے، آنکھوں سے مسرت کی پھوار اڑتی ہے، جب میری طرف دیکھتی ہے تو
 'اہا ہا ہا' ہا ہا ہا ہے۔

ان دنوں قہر مار کر ہنس پڑی ہوئی، بس من کا یہی ایک شغل ہے۔ یہ میرے غلبہ میں
 وہ نہ کر سکتے رہتے ہیں۔ یہی انعام ہے۔ یہی جرم ہے۔ یہی مقدمہ ہے۔
 ان دنوں اس وقت لازم چائے کا ایک پیالہ لے آیا۔

ماہی متنازعہ فیصلہ نے کمالور مقدمے کے کوائف پر گہری نظر ڈالو۔
 پتہ چلتا ہے کہ وہ بے میں فیصلہ سے متعلق ہوا۔ میں نے کہا 'حفظ صاحب آپ اپنا شغل قائم
 محترمہ کے غلبہ کے کر سکتے ہو۔ اس کی اشد ضرورت ہے۔

اشتغال میں آجاتے ہیں 'عقاون نے استعجالی انداز میں کہا۔
 انہیں اشتغال میں آنے کی ضرورت ہے، میں نے کہا۔ حالات کا تقاضا ہے کہ یہ اشتغال
 اس کے اندر ہے اشتغال میں نہ آئیں 'محترمہ' تو آپ 'کوشش کر کے انہیں اشتغال میں

اشتغال میں آنے کی مجھے عادت نہیں 'حفظ نے مشتعل انداز میں کہا۔
 'حفظ صاحب' میں نے کہا 'یہ ایک مفید عادت ہے۔ جب آپ کی مجلس کوئی جوان لڑکی
 لائی کرتا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اشتغال میں آئے' بار بار آئے چونکہ اشتغال
 میں ایک ٹانگ ہے اور حفظ صاحب آپ کو ٹانگ کی ضرورت ہے۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا۔ محترمہ آپ ان کے اس شغل کو برا نہ ٹالیں۔ یہ عدم
 الاعتدال نہیں ہے۔ غم دھیسے کا اعتدال نہیں ہے۔ یہ تو خود کو اشتغال والا کر طاقت حاصل کر
 رہا ہے اور محترمہ یہ سب آپ کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے اجازت

حفظ چلانے لگا، بزرگ چاٹتی متنازعہ رک چلا۔
 میں جناب میں نے کہا 'بچ اپنا فرض لدا کر چکا ہے۔ فیصلہ سنا دیا گیا۔ اب بحث میں ہو

میں نے کہا 'یار احمد شیر اگر میں لاہور گیا تو وہاں سے چٹری ہو کر کلاں چلا
 لوں گا' وہ تجھے چھٹی نہیں دے گا 'نشا بولا۔

احمد شیر نے کہا 'تو پرانم تو مجھ سے چٹکی چھٹی لے چلا

لاہور پہنچ کر میں سیدہ حافظہ کے دیے ہوئے پتے پر پہنچا تو کہنے لگا 'آئیے
 میں صاحب کو اطلاع کر رہی ہوں۔

کچھ دیر کے بعد نوکر نے آکر کہا وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ وہ مجھے لوہ دلی لائی ہوئی
 گیا۔

اشتغال ٹانگ

کمرے میں قائلین بچا ہوا قہر دو رسمی رضائیاں لود چھٹے پڑے تھے۔ ایک ایک
 مثال میں چلنا ہوا تھا 'دوسری طرف جانب ایک نئی ستوری جانب نظر عقاون نہیں تھی۔

بیٹہ چاہتا تھا 'حفظ بولا۔ بہت اچھا کیا جو تو آگیا ہم نے تجھے ایک بہت اہم کام
 ہے۔ یہ کام بہت ہی اہم ہے۔ اور تجھے اس سلسلے میں بہت بڑا رول لونا کرنا ہے۔ تجھے ہم

اس کی حیثیت سے نہیں بلایا۔ بلکہ جج کی حیثیت سے بلایا ہے۔ جسے سامنے اپنی اہم
 مقدمہ پیش کیا جائے گا۔ دونوں فریق اپنے اپنے بیانات پیش کریں گے اور تجھے بیٹہ خود
 کے بعد عدالت و انصاف کی بنا پر فیصلہ سنانا ہو گا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

یا اللہ! یہ کیا کھیل ہے، میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ڈرامہ ہے 'بزم کون ہے' میں نے
 کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ پر توری تھی 'فصیح کی نہیں کرب کی توری۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں 'دوسری
 زندگی تھی۔

بزم کو حاضر کیا جائے نہیں نے ازراہ مذاق کہا۔

عالمیہ میں حاضر ہوں 'حفظ نے سر جھکا کر ہنس کر کہا۔

اور آپ محترمہ 'میں نے عقاون کی طرف دیکھا وہ مسکرائے گی۔

ہم دونوں ہی خرم ہیں 'حفظ نے کہا 'دونوں ہی خالم ہیں۔ دونوں ہی معلوم ہیں۔

کئی۔

جب میں بیڑیاں اتر رہا تھا تو حقیقت چلا رہا تھا، رک جا ملتی ممتاز، رک جا۔
جب میں اشتقاق کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ وہاں قدرت اللہ شہاب بھی موجود ہے۔ اور.....
کسی نے کئے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

آپ یہاں کیسے، میں نے شہاب سے پوچھا۔

میں دورے پر آیا ہوں، وہ بولا۔

تم یہاں کیسے، اشتقاق نے مجھ سے پوچھا۔

میں یہاں ایک مقدمے کا فیصلہ سنانے آیا تھا۔

اچھا، اشتقاق بولا، مجرم کون تھا۔

حقیقت جانور ہری کی بی بی بیگم۔

جواب سن کر دونوں اشتقاق اور شہاب چرکے۔

جرم کیا تھا، اشتقاق نے پوچھا۔

بست گناہنا جرم تھا، میں نے جواب دیا۔

شہاب نے بڑے اشتیاق سے میری جانب دیکھا۔

اس کے غلبہ میں ابھرے ہوئے تارے، میں نے کہا۔

دونوں نے قہقہہ لگایا۔

اور تم اسی کام کے لیے سرکاری طور پر کراچی سے بلوائے گئے تھے، اشتقاق نے پوچھا۔

جی جنتاب۔

قاضی صاحب

گواہی میں سوار ہونے کے بعد میں نے شہاب سے پوچھا، آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔

میں روڈ پر، قاضی صاحب سے ملوانے۔

وہ کون ہیں، قاضی صاحب، میں نے پوچھا۔

UrduPharba.com

میں نے شہاب سے جواب دیا۔ آپ دیکھ لیں گے تو یہ چل جائے گا۔

میں نے انہیں ایک مکان پر رک گئے۔ مکان کا صدر دروازہ بند تھا لیکن مکان کا ایک کمرہ

کھلا تھا۔ اس کمرے میں تین کونکریں تھیں۔ جن پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ کونکری

کمرے کے کچھ حصہ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ کوئی جی سلیڈ چیز حرکت کر

تھی، قاضی صاحب، میں نے پوچھا۔

میں ہیں، شہاب نے جواب دیا۔

شہاب نے کہا، شاید وہ کونکری میں آ جائیں، وہ اکثر کونکری میں آ جایا کرتے

تھے، ایک کونکری پر ایک خاتون بیٹھی تھی۔ اس کی شخصیت سے مٹاس کی پھواراڑ

تھی، اشتقاق بولا، قاضی صاحب کونکری میں آ گئے ہیں۔

میں نے کہا، کونکری کا جاب دیکھا، کونکری میں ایک منور چرو سکر رہا تھا۔ چرے پر اتنی تازگی

تھی جیسے ابھی ابھی کس صابون سے منہ دھو کر فیر لینڈ لوٹی کر کم مل کر آیا ہو۔

وہاں ہے، میں نے کہا۔

میں نے انہوں سے منہ نہیں دھویا، شہاب نے مسکرا کر کہا۔

نہاں ہے، انکا منور چرو۔

یہ ہے یہ اس کمرے میں بند ہیں۔ شہاب بولا، باہر میں نکلے۔ آٹھ آٹھ دن کاٹا

کمرہ والے دروازہ کھول کر اندر دیکھ دیتے ہیں، لیکن وہ جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔

میں نے کہا، غلاطی پڑی رہتی ہے۔

اشتقاق بولا، انہیں خود کا ہوش میں ہے۔

میں نے کہا، آپ شہاب نے کہا، یہ فن کی بات ہے۔ یہی ان کی واحد خدمت

ہوتی ہے۔ غلاطی کرتی ہے، غلاطی اغلاطی ہے۔

لیکن سب کیا ہے۔ کیوں ہاں نہیں لکھتے، کیوں مدد دہاری گئی، میں نے ہم پر
 پتہ نہیں شہاب نے کہا، قاضی ایک خوش فعل نوجوان تھا، قلیم یافتہ، خوش الحان
 ہوئے سارے گھر والے کسی تقریب پر جا رہے تھے۔ چلنے لگے تو
 قاضی نے کہا، ایک منٹ دیکھے، میں ہاں کو کنگھی کر لوں، اس روزت میں
 میں کنگھی کر رہے ہیں۔

وہابی بیماری ہے کیا میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر بھی کہتے ہیں۔

مچھلی بہت کی کیفیت ہے کیا، اشفاق بولا۔

ہاں کہہ سکتے ہیں، شہاب نے کہا۔

میں نے اشفاق سے کہا، ہم یہاں بیٹھ کر
 آپ واکرڈ لور جاگڑ سے انٹرویو کر لیں۔ اشفاق چائے کا چال پیئے کے لیے رک
 ایک غاروب آگیا لور جمانڈ سے سوکھے چوں، کاندوں اور لغافوں کو اٹھا کرنے

بات کرنے کا چسکا ہے اس نے غاروب سے بات چھیری، کئے لگا، اے میاں، تم
 دیکھتے نہیں کہ چھڑے ہو۔

میں یہاں ہوں۔ چہڑا نہیں ہوں۔

ان کے لیے جائے ایک بالائے شہاب کے کلمہ

فصل نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہتے پر رکھ لیے۔ یوں 'میں سرگرداں کی تلاش

چاہ میں بیٹا۔

کیوں میں پیٹے 'اشفاق نے پوچھا۔

تک میں ہے پڑی 'دہ بولا۔

جائے کی منائی ہے کیا۔

میں منائی تو میں۔ دہ سے لے کر پیٹے کا حکم میں ہے۔

لیکن کیوں۔

حکم تو حکم ہوتا ہے۔ اس میں نہ میں ہو نہ کسی لیے میں ہو نہ بچہ نہ

بچہ نہ جیت ہے۔ حکم ہے کہ فصل سچ کسی کا دیا ہوا میں کھانا چیلہ کسی کا دیا ہوا

لوہار میں منگنا چاہے تانے آئیں پڑے آئیں تانے۔

بڑے سخت حکم ہیں 'اشفاق نے کلمہ

پڑی 'دہ بولا 'جو سخت ہو تو پھر وہ حکم ہی کیا ہوا۔

تم نہ تو میں نے کلمہ

فصل سچ بنا بولا 'صاحب جی جو مرشد ہاں کر حکم نہ مانے وہ مرشدیں چہرا ہے

ہم مسلمانوں میں تو بہت سارے ایسے ہیں فصل سچ جو مرشد تو بنا جیتے ہیں

مانے میں نے بات کی وضاحت کی۔

بس جی اسی لیے مسلمان دل رہے ہیں۔ کوئی قدر میں 'کوئی مان میں 'دہ دہ

ہیں 'انکس ہی انکس 'محم نہ بنے۔

ج کہہ رہا ہے فصل سچ 'شہاب تنگنائے۔

صاحب صرف مسلمان کی کل نہیں۔ مسلمان ہو 'عیسائی ہو 'سکھ ہو 'ہندو ہو 'کوئی

اس سے فرق نہیں پڑتا۔ بس شرط اک ہے حکم بنے۔ گوں بولنا نہیں۔ بچہ نہیں

دنا ہے 'ن قوم نے حکم منادو چڑھ گئی نہ منادو دل گئی۔

شہاب 'اشفاق بولا 'تو کبھی بائیں کر رہا ہے فصل 'پر یہ تاکہ تیری سزا ہے

اشفاق نے

میں نے ہاتھ پر زور ہے ہاتھ مارا بولا۔ وہ تو پورے ہو گئے تھے۔ صاحب جی۔ پر آخری

بھل ہو گئی۔ بندہ ہر ہے 'صاحب جی 'دہ بولا۔ بھل ہو ہی جاگدی ہے۔ سزا میں

بھل ہو گئی۔

اشفاق نے اسے چھیڑا۔

ہاے گا 'دہ بولا 'میں تو بیکسی رہوں گا۔ جی۔ جو میں ہوں 'میری بھل بھی یونسی

بھل ہو جائے تو بندہ پر اسچیت کر لیتا ہے۔ مسلمانوں میں تو بھل ہو جائے تو

اک چانس بھی نہیں دیتے۔ اور پھر مسلمان بیروں نے بڑی لوجی شرطیں

کوئی ساواں مل کدو میں لنگ کر نام بیٹا ہے 'کوئی ساواں مل بیٹہ پر پتھر پٹے

اپنے پتھروں خودوں تھراں کرنے کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ توہ جی۔ توہ 'یہ تو بیٹوں

ان کے لیے سمندر جیہا تو صلہ چاہیے۔ صاحب جی۔

اٹھ بیٹا۔ اٹھا صاحب جی 'دہ بولا۔ لب میں اپنا کام پٹھاؤں۔

اشفاق اٹھ بیٹا 'میں بھی اپنا کام پٹھاؤں تم یہاں بیٹھو میں ابھی آیا۔

فصل سچ جو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ یہ فصل سچ کتنا بڑا آدمی ہے۔ میں نے

اپنے ہاتھ کی ہت رکھتا ہے۔ زندگی بھر میں نے اس کی محفلت کو نہیں سمجھا تھا۔

ہاں ہاتھ بغیر مانا ممکن نہیں 'جو لوگ انکس ہر کہہ کر مان لیتے ہیں وہ جاہل ہیں۔

سب سے پہلے میں نے نور بیلا کے دربار میں شاقلا

۱۱

میرا خوارق اشفاق احمد نے کرایا تھا۔ اشفاق احمد قابل کا پرانہ ہے۔ بولنا اس کے

ہے اور خاموشی موت۔ اس لیے وہ بیٹوں کی وضاحت لگا رہتا ہے۔ اسے کسی منزل

ہے۔ لیکن نئی نئی باتیں میں نور بیلا سے منھگو کرنے کا شوق اسے ڈیروں اور

ہے۔

دکھ دس طرح نور بیلا کے دربار میں جا پکا نور بیلا کا ڈیرا لہو چھانڈی میں کیو لری

روڈ پر تھا، جو تین چار کمال دشمن پر مشتمل تھا۔

اس کی مریدی کا وعدہ اچلا رکھا ہے۔ اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہیے۔

سوار

جو چاہے کر دے، جب چاہے کر دے اور پھر نہ تو ایک سواری ہے۔ سواری نام ہے
 ہے کہ سواری کا رخ کدھر کو ہے اور پھر وہ جب چاہے رخ بدل دے۔ نہ چاہے
 چلنے پڑی پر چڑھائے، جسے چاہے مانے کی سڑک پر ڈال دے۔

علاوت کی قید

وہی بات ہوئی تاجس کا مجھے ڈر تھا، اشفاق کی آواز سن کر میں چونک
 کیوں کیا ہوا، شب نے پوچھا۔

یہ لوگ جو منہ اندھیرے باغ میں دوڑ لگاتے آتے ہیں۔ اشفاق نے کہا، یہ
 نہیں آتے، علاوت پوری کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور علاوت بہت بڑا کام ہے۔ اس
 میں ایک کوڑا ہے۔ کوڑا لہرا کر حکم دیتا ہے۔ اٹھ اور اپنے معمول کا پالن کر۔ اس
 تلے جسم چٹخا جاتا ہے اور ایک جیش کی طرح بھلے آتا ہے۔

یہ تو کیا تقریب تھا رہا ہے، شب نے پوچھا۔

انٹرویو لے کر آیا ہوں وہ بولا، تقریر نہیں بھانڈ رہا۔ دن روزوں کی عقلوں پر
 ہوں۔ وہ بڑھا جو چالنگ کر رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ شروع شروع میں نام
 خیال سے روزش کرنے آیا کرتے تھے۔ پھر علاوت پڑ گئی۔ ہم نے لب جانا ہے۔ اس
 کر کوئی ظالم نہیں ہے۔ کتا تھا اگر کسی وجہ سے یا کسی مجبوری کی بناء پر کسی کو
 کرنے کے لیے نہ آئیں تو جسم انتقام لیتا ہے۔ مددہ کام کرتا چھوڑ دیتا ہے، شہ
 ہیں۔ نہیں جام ہو جاتی ہیں۔ سارا جسم پڑھتی کر دیتا ہے۔ اس روز میں میں نہیں
 کچھ بدل جاتا ہے۔ سارا دن یوں پڑا رہتا ہوں جیسے مردہ خانے میں لاش پڑی ہو۔

میرا خیال تھا، اشفاق بولا کہ صرف بری علوتیں ہی ہے بس اور لاچار کر دیتی ہیں
 نہ تھا کہ ہر علوت ایک مجبوری بن جاتی ہے، چاہے وہ اچھی علوت ہو یا بری۔

شب اب بولا، تھادی اگر تھاد نہ پڑے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے اس نے لہا
 لگنے کا احساس اسے دکھی بتا دیتا ہے۔

ستارہ

دو لڑکیاں میں راجہ شفیع بڑی بے مبری سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے کہا راجہ کیا حال

ہوا۔ اچھا نہیں۔ تیرے چلنے کے بعد میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ کس سے بات کروں۔

اب کیا ہے، میں نے پوچھا۔

ہوا۔ بڑی گڑبڑ ہے۔ کنفیوز ہو گیا ہوں۔

میں نے کہا۔ پھل جان کا کیا حال ہے۔

ہوا۔ انہیں ستارہ ہو گیا ہے۔ ہر وقت ستارہ کی بات۔

تارہ کیا میں نے پوچھا۔

انہوں نے قدرت اللہ شباب کا نام ستارہ رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ ہلال اولہ پڑا رہتا ہے

ستارہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو تو ان کا نام نہ لو۔ انہیں ستارہ کو اور

کسی غیر سے ان کی بات نہ کرنا۔ یہ تعلق خفیہ رہے۔ ہاں اگر وہ ہمیں اپنائیں تو اور بات

ہمیں ان کو اپنانا نہیں چاہیے۔

جہاں جان کو قدرت اللہ سے کیا تعلق ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں۔ پندرہ میں دن ہو گئے۔ پہلی جان شب کے بکھر میں پڑے ہوئے تھی۔
پہلی جان تو شب سے لے لی نہیں، کبھی انہیں دیکھا ہی نہیں۔ راجہ بولا، "اگر میں
جس ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ہمارا کیا ہے۔" عقیدہ پڑھے کو من سے ملتا ہے۔
اُسے میں نے کہہ کیا سرکار قبلہ کو قدرت اللہ سے ملتا ہے۔
ہاں بیکے کہتے ہیں۔ تم نے اپنے فطوں میں قدرت اللہ کے متعلق پہلی جان کو بے

کیا۔

ہاں "میں برکتی تھو کہ۔"

تم قدرت اللہ سے کہتے رہتے ہو کیا۔ راجہ نے پوچھا۔
کبھی کبھی۔

یہ قدرت اللہ شب کیا چیز ہے "راجہ نے پوچھا۔

وہ ایک سی ایس بی افسر ہے اور صدر ایوب کا ٹیکر ٹری ہے۔ میں نے جواب دیا۔

یہ تو مجھے بھی معلوم ہے "وہ بولا۔ کیا تو بی ہے۔"

چھوٹے قدم کا ہے۔ جسم گھٹا ہوا شخصیت میں کوئی خاص کشش نہیں ہے۔ بہت عورتیں
انگریزی لکھتا ہے۔ کم فطوں میں بڑی بات کہہ جاتا ہے۔ دفتر والے اس کے فوٹ پتہ پر
سے پڑھتے ہیں۔ اس کی قابلیت کی بڑی دھم ہے۔ بڑا ذہنی آدمی ہے۔ آپ بات شروع
فورا ماری بات سمجھ جاتا ہے۔ سنا ہے "بڑی توجہ سے سنا ہے۔ بولا نہیں۔ گولا ہے۔ ہر
سے دل نہایت کا اظہار نہیں ہوتا۔

کیا مطلب راجہ نے پوچھا۔

چہرے سے اس کے خیالات کا اظہار نہیں ہوتا کہ خوش ہے یا غمناک۔ چلیک چڑھتا ہے۔
جیسے پھر کا بڑا ہو۔ اس کی خاموشی دوسرے کو کٹ کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن اس میں ذرا ہر
نہیں ہے دکھانا نہیں "میں" نہیں۔ مگر اور ہر دہائی سے بھرا ہوا ہے۔

ٹھیک ہے "وہ بولا" لیکن پہلی جان اس کا ذکر نہیں کرنے لگے ہیں۔ بات کیا ہے۔

مجھے نہیں معلوم۔
پہلی جان اس کا ذکر نہیں کرتے لگے ہیں جیسے اسے اپنا کیا ہو "جیسے وہ سرکار قبلہ کے پرکار

پہلی جان۔"

حیرت کی بات ہے "میں نے کہا

پہلی جان کی باتوں سے ایسے لگتا ہے جیسے جہیں کراچی اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تم شب سے دلو
راجہ "اگر وہ اور اتے دوبار میں لے کر آؤ۔"

راجہ کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا میں کراچی کسی کام سے بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے
اس کا شعور تک نہیں۔ نہیں نہیں یہ میں ہو سکتا "میں نے راجہ سے کہہ
کیا تم نے شب سے سرکار قبلہ کی بات کی ہے نہیں۔"

ہاں۔ دو ایک بار سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ جگہ ایک بار اسے کہا بھی تھا کہ پنڈی جاؤ تو
راجہ کے مزار پر ضرور جاؤ۔ میں نے اسے مزار کا پتہ بھی بتایا تھا کہ پنڈی سے ریل کی چوڑی
پہلے لالہ کی طرف جاؤ تو ایک مضبوط گلوں آتا ہے جس کا نام میرٹھ ہے۔ اس گلوں کے عقب
میں مزار ہے۔

پھر کیا وہ مزار پر آئے تھے۔

نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں ریل کی چوڑی پر چک لالہ کی
دکان گیا تھا۔ کمرچھے کوئی کچھ نظر نہیں آیا۔ ساتھ اشفاق احمد بھی قبلہ
راجہ خاموش ہو گیا۔ بولا کہ مجھ میں آج تک کتاب ہے کہ تمہارے پنڈی میں آنے سے
پہلے پہلے پہلی جان نے اسے بتایا تھا کہ تمہارا ایک پہلی جان آنے والا ہے جو تمہاری طرح قلم کار
ہے۔ ہانا چکا قلم کار۔

ہاں میں نے جواب دیا۔ ملک نے مجھے بھی بتائی تھی یہ بات۔

اب وہ شب کے آنے کی بات کر رہے ہیں "راجہ بولا۔

جب سے میں مرقد کے علاقہ میں داخل ہوا قبلہ عجیب عجیب باتیں سناں ۲ رہی
تھیں۔ ایسی باتیں جو عقل سلیم کے دائرے سے باہر تھیں۔

پہلی مرتبہ میں نے ہانا تھا کہ دینی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا
ہے۔ میں نے ہانا کو بزرگ لوگ وقت کے بعد بھی فعلی رہتے ہیں۔ پوری بات سمجھ میں نہیں
آتی تھی۔ مگر ایک میزبان بدل چکا تھا "میں عقل کا پابند نہیں رہا تھا۔ پھر بھی میرے دل میں یہ

ہر ایک ایسے واقعہ پذیر ہو گا جیسے بڑے نے طے کر رکھا ہے۔

ابہ ایذا دینے نہیں ہے۔ وقت آگیا ہے۔ شاید ابن کھوڑے پر چڑھ کر آئیں گے اور ہم
میں جہاد میں حصہ لیتا ہے اور وہ آپ کے دوست بھائی جان نے مجھ سے مخاطب
ہوا۔ وہ ذریعہ قربت ہیں۔ ہاں وہ جلد یہاں دربار میں حاضری دیں گے۔ ہماری اپنی بات
ہم بھی مل لیں گے۔ اصل بات تو بڑے کو ملانا ہے۔ وہ بھی جلد ہو جائے گا۔ اب
میں ہی ملاقاتیں ہوں گی اور کیا۔

اور روز بھائی جان پر جب کیفیت طاری تھی۔ بولے جا رہے تھے۔ ہمارے سچے بھائی بولے جا
رہے تھے۔ اور ہم حیران بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

بھائی کی باتوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا میں سمجھا کہ قدرت اللہ کی اہمیت اس کے
نے حوالے سے ہے اور مردِ قلندر کے پروگرام میں اس نے اسی حوالے کے تحت کوئی
نام لیا ہے۔

اسلامی جمہوریہ

اسلامی کونسل میں نے قدرت اللہ سے کہا کہ بھائی جان کہہ رہے ہیں کہ آپ مستقل طور پر
اسلامی آئے والے ہیں۔ ہاں وہ بلا اس بات کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں، شاید وقتی
تہا ہیز کا ورڈروپولڈی میں منتقل کر دے۔ اس کے ساتھ اور بہت سی تبدیلیاں اور
میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کس قسم ہو رہا ہے۔ حلقہ کی چھٹی ہو جائے گی۔ احمد شیر خاواؤی طور پر سندھ
کا دارالافتاء ہے، اس لیے وہ سندھ میں قیادت کر دیا جائے گا۔ ابن الفکرہ اسماعیلی میں خراسانی
کی حالت سے دلچسپ چاہتا ہوں کہ وہ آپ کو اور آپ کو دلچسپی میں چلے جائیں گے۔

ان آپ کچھ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا۔ میں نے ایک بہت بڑا کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اب دور رہا ہوں کہ شاید
بہانہ نہ سکوں۔ آپ اب جائیں گے، میں نے سنی۔ دعا کریں کہ میں اپنا کام بھرا سکوں۔

میں نے ازراہ مذاق کہا۔ دعا کرے کہ سکوں گا جب تک مجھے کچھ علم نہ ہو کہ مشکل کیا ہے۔

ایک معمولی سا دفتری معاملہ ہے، وہ بولا۔ آج کل کابینہ میں یہ مسئلہ زیرِ غور ہے کہ کیا

خواہش ملتی ہے کہ جانوں کہ بات کیا ہے۔

جب بھی میں بھائی جان سے بات کرتا تو دے، مفتی صاحب جانے کا فیصلہ نہ کرنا
نکچہ۔ جانے کے عمل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل لیکن ہے۔ دیکھیے نا، میں
بہت سی باتوں کی منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس میں اتنی چٹک نہیں کہ بات کا اظہار کر سکے۔
بھائی جان کی یہ بات میری قلمی کے لیے کافی نہ تھی۔ میرے اندر جانے اور سمجھنے

کا اور اس کی تحسین کی خواہش کو میں تیاگ نہ سکا تھا۔

وہ آ رہے ہیں

اگلے روز جب ہم دربار میں حاضر ہوئے تو بھائی جان بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ ان
کوئی خوشی میں ایک اشرافیہ کیفیت تھی۔

مجھے دیکھتے ہی بولے بڑا اچھا ہوا کہ آپ آگئے وہ بھی آ رہے ہیں۔ مستقل طور پر رہا
رہے ہیں۔ انشاء اللہ۔ بہت جلد آپ کا وہاں رہنا ہے معنی ہے۔ جس کام کے لیے آپ
وہاں بیٹھا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب آپ کو وہاں آ جانا چاہیے۔

کون آ رہے ہیں یہاں، وہاں نے پوچھا۔

بھائی جان نے وہاں کی بات کا جواب نہ دیا بلکہ اپنی ہی بات میں مگن رہے۔ کہنے لگے۔
چونکہ وہ یہاں مستقل طور پر آ رہے ہیں۔ ہم سب کو اعتیاد برتنی پڑے گی۔ اہم نے ان کا نام
سندھ رکھ دیا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو۔ سندھ کا نام۔ اور ہمیں دوسروں کی موجودگی میں
ان کی بات نہیں کرنی چاہیے۔ انیس راز رکھو یہ ظاہر نہ کرو کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔
اگر وہ خود تعلق کا اظہار کریں تو اور بات ہے۔

بھائی جان پر اس روز ایسی کیفیت طاری تھی جیسے بی ہوئی ہو۔ نقشے میں دھت ہوں۔
وہ بار بار ہر کار قبضہ کے پروگرام کا تذکرہ کرتے۔ مردِ قلندر کا پروگرام ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اور قادر نے وہ بھی پرحلہ صدر ایوب نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔
 کہ امامتِ ائمہ شہاب کی حق دلائل کے میرا نقطہ نظر بدل رہا ہے۔ میں ان کے خیالات
 کو قبول کر رہا ہوں۔ لہذا پاکستان کو اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ ساری کلمینے میرے دلائل سے
 ہلکتی ہیں۔ پتہ نہیں ہے کیسے ہوگا۔

اب آپ لمبی نقطہ نظر کی وجہ سے اس شبانے کے حامی ہیں۔ میں نے پوچھا
 کہ 'وہ بولنا چاہتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ دنیوی نقطہ نظر سے پاکستان کا اسلامی جمہوریہ
 ناممکن ہے۔'

دہلی

ہر معلوم نہیں کیسے یہ خبر جنگ کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ حکاموں میں رد و بدل ہو رہا
 ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ختم کیا جا رہا ہے۔ یہ خبر سننے ہی لوگوں نے قدرتِ اللہ شہاب کی جانب
 سے اس کی ردی۔ حقیقت جانور حسی نے اپنی چھوٹی بچی کو کندھے پر بٹھا کر شہاب کے گھر کے پتھر
 کے شوارع کر دیے۔

انہوں نے کہا۔ ٹھیک ہے میں دائیں اسٹیبل میں چلا جاؤں گا اور پھر سے تڑپے کا حکم شروع کر
 دوں گا۔ لیکن ایک بات کا وعدہ کیجیے۔ اس نے جیب سے ایک تاشا نکالا کہنے لگا۔ پوٹیکو کے
 نام کے مطابق یہاں ایک نیا حکم کھولا جائے گا۔ یک کلاں۔ وعدہ کریں کہ آپ مجھے اس
 حکم کا انکریٹر بنا دیں گے۔

شہاب نے کہا۔ پتہ نہیں ہے حکم کب کبے شاید آپ کو لمبا انتظار کرنا پڑے۔
 کوئی بات نہیں 'انتظار' کے کلمہ میں انتظار کروں گا۔
 ہائی نے کہا 'مجھے لوگوں کی بات دینی ہے اور کراچی صدر کمر میں ایک رہائش گھر لانا کہ

اور بشیر کا کوئی مطالبہ نہ تھا۔ ٹھیک ہے 'وہ بولا۔ کس تا کس حد تین تالی تو ہوگی۔ اپنا کیا ہے
 میں سے اڑایا وہاں جا بیٹھا۔

پاکستان کے سیکر حکومت بننا چاہیے یا اسلامی جمہوریہ کی شکل کلمینے کی مشینک میں
 جناب منظور قادر نے ایک حمایت دلائل تقرر کی جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ پاکستان
 سیکر حکومت ہونا ہمارے لیے فائدہ مند رہے گا۔ اس تقرر کے بعد صدر ایوب نے تمام
 ارکان کلمینے سے پوچھا تو سب نے منظور قادر کی تجویز کی حمایت کر دی۔

اگرچہ میں کلمینے کا رکن نہیں ہوں لیکن صدر ایوب کی عداوت ہے کہ وہ میری رائے کو
 پوچھتے ہیں 'انہوں نے میری رائے دریافت کی تو میں نے کہا 'جناب منظور قادر کی باتیں
 معقول ہیں۔ لیکن میں ان کا نام خیال نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ
 چاہیے۔ دینی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ دنیوی نقطہ نظر سے اس میں ہمارا مفاد وابستہ ہے۔

اس پر صدر ایوب نے کہا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ
 میں منظور قادر کی طرح قائل آدمی نہیں ہوں۔ جو اپنی تقریر نہیں کر سکتا ہل اگر آپ مجھ
 ملت ویں تو میں لکھ کر ایک ہیج پیش کر سکتا ہوں۔

صدر ایوب نے میری بات مان لی۔ کل مجھے کلمینے میں وہ بھی پیش کرنا ہے۔ پتہ نہیں
 میں کلمینے کو حقین دلائل سکوں گا کہ میں کہ پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا ضروری ہے۔
 اگلے روز میں قدرتِ اللہ سے ملا تو وہ بہت خوش تھا میں نے لکھا کیا ہوا۔

ہو گیا وہ بولا۔

کیسے 'میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کیسے ہوا وہ بولا۔ ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ حیرت ہے کہ کیسے ہو گیا۔

آپ نے وہ بھی لکھا تھا کیا۔

سارا دن لوگ آتے رہے ایسے لوگ جنہیں میں جاسکتا تھا۔ رات تک ایک لفظ بھی
 نہ لکھا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ ساری رات بیٹھ کر لکھوں گا۔ پھر میں ہسٹری میں بیٹھا۔
 لکھنے میں کارپٹ پر بیٹھ گیا اور لکھنے لگا۔

صبح چار بجے صحت لے بیٹھا۔ پتہ نہیں کیوں غیر از معمول میں لکھتے لکھتے سو گیا تھا۔

صبح چار سے سات تک میں نے جلدی جلدی ہیج ختم کیا۔ کلمینے میں میں نے جناب منظور
 قادر سے درخواست کی کہ ازراہ کرم آپ یہ بھی پڑھ دیں جو کہ میرے پڑھنے کا اثر اچھا نہیں

ابن ابی اسحاق نے کہا میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے

ابن ابی اسحاق

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ دیکھا وہ خط بخوبی ہند میں غلام سے تھا۔ لکھا تھا کہ میں ہمارے قلعہ ۲۵
میں صاحب فراش ہوں۔ پہلے تو پائل ہی حرکت کے قائل نہ تھا اب بھی کبھی کبھی پریشان
ہوتا ہے۔ ہاتھ بھی کچھ کچھ پٹنے لگے۔ پتہ نہیں میں آپ کو کیوں خط لکھ رہا ہوں۔ میں آپ
کو کسی طور پر نہیں جانتا لیکن دو ایک سال سے میرے ہاتھ میں یہ خط چھپ رہا ہوتا ہے جس کی آپ
کو خبر ہو۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ سوا میرا کوئی شغل نہیں ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ بالی طور پر میں علاج
اللہ کی مصلحت ہے کہ مجھے کوئی فکر نہیں کوئی پریشانی نہیں۔ یہ بیماری جو ہے یہ بھی دور ہو
گی۔ کیونکہ اس نے مجھے راہِ علاج کیا ہے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک عظیم خدمت پر مامور ہیں۔ اس لیے میں روزِ بابتہ آپ
کو دعا کرتا رہا ہوں۔ اللہ کرے آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور وہ دور جس کا ہم
کو انتظار ہے جلد آئے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں حیرت میں ڈوب گیا یہ کیا بات ہے میں آپ کو قطعی طور پر نہیں جانتا لیکن
دل میں خواہش تھی کہ آپ کو خط لکھوں۔ میں سوچتا رہا کہ قدرت کون سی عظیم خدمت
پر آپ کو مامور کر رہا ہے کہ آپ کو یہ چاہا کہ قدرت اللہ خدمت پر مامور ہے۔ بات سمجھ میں
آئی۔ اری حقی۔

ابن ابی اسحاق

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ قدرت اللہ کا بی اے داخل ہوا کتنے کا محترمہ علیہ کافون
ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں حیرت میں ڈوب گیا یہ کیا بات ہے میں آپ کو قطعی طور پر نہیں جانتا لیکن
دل میں خواہش تھی کہ آپ کو خط لکھوں۔ میں سوچتا رہا کہ قدرت کون سی عظیم خدمت
پر آپ کو مامور کر رہا ہے کہ آپ کو یہ چاہا کہ قدرت اللہ خدمت پر مامور ہے۔ بات سمجھ میں
آئی۔ اری حقی۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں آپ کو
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر مسکراتے تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں آپ کو
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر مسکراتے تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں آپ کو
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر مسکراتے تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں آپ کو
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر مسکراتے تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں آپ کو
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر مسکراتے تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں آپ کو
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر مسکراتے تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ کن سے کہئے کہ عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے

لئے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملے آتے رہتے ہیں۔

والی کلام کے لیے ملے آتے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

میں نے وہ بولا۔ ویسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

عجیب سی ہیں۔

آپ تو کن کے لیے آئے ہیں، آپ پر تو بھید کھل جانا چاہیے۔

پاکل نہیں، پاکل نہیں مثلاً پر سوں کی بات ہے، انہوں نے مجھے ایک نوٹ بھیجا تھا۔

لے۔ میں اس نوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ نوٹ شہاب صاحبہ کے ہے۔

اس قدر کچی گھلائی تھی پیسے کس پانچویں جماعت کے طالب علم نے لکھی ہو۔

صاحب کے چٹڑا لینگ سے دور کے منہبت نہ تھی بلکہ میں نے فون پر شہاب صاحبہ سے

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ کن سے کہئے کہ عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے

لئے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملے آتے رہتے ہیں۔

والی کلام کے لیے ملے آتے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

میں نے وہ بولا۔ ویسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

عجیب سی ہیں۔

آپ تو کن کے لیے آئے ہیں، آپ پر تو بھید کھل جانا چاہیے۔

پاکل نہیں، پاکل نہیں مثلاً پر سوں کی بات ہے، انہوں نے مجھے ایک نوٹ بھیجا تھا۔

لے۔ میں اس نوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ نوٹ شہاب صاحبہ کے ہے۔

اس قدر کچی گھلائی تھی پیسے کس پانچویں جماعت کے طالب علم نے لکھی ہو۔

صاحب کے چٹڑا لینگ سے دور کے منہبت نہ تھی بلکہ میں نے فون پر شہاب صاحبہ سے

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ کن سے کہئے کہ عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے

لئے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملے آتے رہتے ہیں۔

والی کلام کے لیے ملے آتے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

میں نے وہ بولا۔ ویسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

عجیب سی ہیں۔

آپ تو کن کے لیے آئے ہیں، آپ پر تو بھید کھل جانا چاہیے۔

پاکل نہیں، پاکل نہیں مثلاً پر سوں کی بات ہے، انہوں نے مجھے ایک نوٹ بھیجا تھا۔

لے۔ میں اس نوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ نوٹ شہاب صاحبہ کے ہے۔

اس قدر کچی گھلائی تھی پیسے کس پانچویں جماعت کے طالب علم نے لکھی ہو۔

صاحب کے چٹڑا لینگ سے دور کے منہبت نہ تھی بلکہ میں نے فون پر شہاب صاحبہ سے

مئی میں نے کہا گستا ہے آپ بھی حیرت کے عالم میں ہیں۔ آپ کی سمجھ بھی اسی
 رہی ہے۔

خداوند بولیں، لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ خداوند صرف ہونٹوں تک محدود تھا۔

یہ آج بزرگ کو دیکھنے آئے ہیں، شائب نے داخل ہو کر کہا۔

بزرگ بھی کیا دیکھنے کی چیز ہیں، وہ مسکرائیں۔

میں اس وقت کھٹی تھی۔

وہ آگے، شائب نے کہا، میں چلا ہوں، بے شک آپ چاہیں تو ڈرائنگ روم

جائیں۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

میریج

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پردے سے ہٹا کر دیکھا۔

موسے پر ایک ٹکڑا صوف چلا دیا، غصے کیسا بزرگ ہے میں نے سوچا۔ بزرگ

بھرے جسم کے ہوتے ہیں، دھکی داڑھی، نواہی چرو۔

وہ جھکی آواز میں بول رہا تھا۔

IF YOU ALIVE PUT BRAN ON YOU AND PUT YOU IN THE SUN

ارے، میں چونکا یہ تو انگریزی بول رہا ہے۔ یہ کیسا بزرگ ہے جو انگریزی بول رہا ہے۔

یوں بولتا ہے جیسے لفظوں کی دھار سے لگت رہا ہو اور اس محل میں لذت محسوس کر رہا ہو۔

بولتا۔

WE DONT GIVE WARNINGS WE JUST CUT

THE MAN OUT OF THE LIST. YOU ARE A LUCKY CHAP

ارے، یہ تو وارننگ دے رہا ہے۔ ٹھیکس بات کی وارننگ۔ نام کاٹنے کی دھمکی دے رہا

ہے۔ کس لٹ سے نام کاٹنے کی دھمکی۔

وہ بولے جا رہا تھا اب اس کے ہر لفظ میں دھمکی اور شائب چپ چاپ بیٹھا سن رہا تھا۔

’کاچرو زرد ہو رہا تھا لیکن وہ بڑے ضبط سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر دم آواز میں بولا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

WHO ARE YOU. WHAT ARE YOUR CREDENTIALS.

I AM A MESSENGER SENT TO WARN YOU THAT IS ENOUGH

کیوں کیوں مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور میں وہیں سے چلا آیا۔

اس وقت میرے چہرے کا کیا عالم تھا۔ ڈاکٹر صحت مجھے دیکھ کر گھبرا گئی۔ کیوں کیا

ہو گیا۔ بات تاخیر پلڑیں نے اسے کہا۔

’اس کی قدرت اللہ شائب کون ہے۔ انہوں نے پہلے بات مانگنے کی کوشش کی، پھر بھر

پھر میری جانب دیکھا اور خوف زدہ ہو کر بولیں، مجھے خود پہ نہیں، میں تو آپ حیرت زدہ

ہوں، بتائیے کہ ہوا کیا۔

’اے ہوا تو میرا انتظار کر رہا تھا۔

’اے ہوا ہے، جہیں اس نے میری جانب سے دیکھ کر پوچھا۔

’اے ہوا، میں نے دہرایا۔

’اے ہوا تو ہوائیں الٹی ہو گئی ہیں۔ کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

’اے ہوا کی طرف گیا تھا۔

’اے ہوا وہاں۔۔۔

’اے ہوا تو نہیں۔

’اے ہوا اس بات نہیں۔ ایک بزرگ آیا تھا شائب سے ملنے۔ اسے وارننگ دینے حیدر آباد

آ گیا تھا۔

’میرا ستار، وہ بولا، شائب کے متعلق میں نے جہیں پہلے بھی خبردار کیا تھا۔ ٹھیک

’اچھا آدمی ہے، میں مانا ہوں لیکن وہ اوور اسٹیلی جنٹ آدمی ہے اور اپنا بھید نہیں

’اے آدمی ہے۔ ایسے آدمی سے بچ کر رہنا چاہیے یاد رکھو کہ اس کی زندگی میں کوئی

بہت برا بھلا ہے۔

تمہارا ذہن خراب ہے، میں نے اسے کہا۔

دیکھو، ہوا بولا، تم خود کہہ رہے ہو کہ حیدر آباد دکن کا ایک محض اسے خیردار کہہ دیا گیا ہے۔ ہے۔ ہاں، یہ دارنگ کیسی تھی۔ کس بارے میں تھی۔ آخر کوئی بات ہوگی۔ اے اے اے اے اس سطر کے دارنگ دینے کے لیے نہیں آئے۔

میں مانتا ہوں، میں نے کہا، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

وکیو وہ یولا ہے شک تم اس سے ملو۔ اگر وہ تمہاری بی فکشن میں مدد کرے گا
 سے یہ کام لو اپنے حمد کے وجہ سے وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے لیکن تم اس سے متاثر
 رہے ہو۔ یہ غلط ہے۔ اسے اپنا گھر بناؤ۔

ہاں ہاں ٹھیک ہے، میں نے بات ماننے کی کوشش کی۔

چند جگہ ہیں، اس نے کہیں کر سٹی پر بھاڑا۔ میری بات غور سے سن کر

بولو کیا کہتے ہو' میں نے پوچھا۔

دیکھو ممتاز، یہ جس راستے پر تم چل گئے ہو۔

کوئٹہ سارا سہ "میں نے پوچھا۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھا تھا۔ شاید یہ راستہ درست ہو گا۔
اس طرح زندگی کے ساتھ حاصل نہیں ہو گا۔ تم جانتے ہو کہ تم جلد ہی پر کیا ہو گا۔
پتہ نہ لگتا تھا کہ اس سفر کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔ تم فتنے کے چاروں طرف ہو گئے۔

قیصر جی کہتا تھا۔ اس کی باتوں نے مجھے سچے سچے مجبور کر دیا۔ مجھے وہ دیکھ خیاں آ

UrduPhoto.com

روحانی نظام

ٹھیک ہے، دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا ہے۔ یہ نظام

مطابق ایک چرواہا لکھتا ہے۔

میں نے کہا، یہ بتاؤ کہ شباب کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔

ٹھیک ہے، وہ بولا ایک ہمدرد انسان ہے۔ اچھا کوئی ہے۔ ہلپ فل ہے۔ اس سے

احمد بشیر سے بات کرنا پے کار تھا۔

میں نے ابن انشا سے پوچھا۔ میں نے کہا، 'انشا شباب کے متعلق حیرتی کیا رائے

وہ ہنسا ہولا^۴ مفتی میری رائے نہ پوچھو۔

میں نے کہا اکیوں نہ پوچھوں۔

جولا، میری رائے کبھی ٹھیک نہیں ہوئی، کسی کے بارے میں بھی۔

ٹھیک کیوں نہیں ہوتی۔

بھئی میں تو لوگوں کو اُنہلے کرتا ہوں، بیچ نہیں کرتا۔ ہم تو بھلی آم کھاتے ہیں، بیڑ نہیں کھاتے۔

چلو یوں ہی سسی' میں نے کہا' یہ تھا کہ شباب کیما آدمی ہے۔

مسکرا کو بولا، بڑا پیارا آدمی ہے۔

و تو ٹھیک ہے میں نے کہا بڑا پیارا آدمی ہے لیکن پراسرار ہے۔

پڑا ہو' وہ ہنسا اپنے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔

میں نے کہا انشا کہی کبھی مجھے شک پڑتا ہے کہ شباب گیت بزرگ ہے۔

نہ نہ بھی اپنا شک مجھے ٹرانسفر نہ کرو۔ بزرگ بنا کر اسے مجھ پر حرام نہ کرو نہ ملتی می۔

بزرگ تجھ پر حرام ہو جاتا ہے کیا۔

مفتی جی ہم تو گنہگاروں کے گناہک ہیں، بندہ ہو، کمزور ہو، کاہل ہو، بے بس ہو۔ انا ۱۶

ہی میں شہاب سے کہہ رہا تھا۔

کیا کہہ رہے تھے 'میں نے پوچھا۔

میں نے عطیہ سے سنا تھا کہ شباب سے ملنے کے لیے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں۔

نے شباب سے کہا کہ بزرگوں سے نہ ملنا کریں۔ انہیں انگریج نہ کیا کریں۔ وہ مسکرایا، "اے"

میں نے کہا وہ سب کا راستہ کھود کر دیتے ہیں۔ اتنے میں میں آیا، کہنے لگا، ایک خانوں
اے، نعمتی ہیں، اکیلے میں ملوں گی۔

اب نے کہا۔ ذرا انہیں بٹھائیں۔ میں ابھی فارغ ہو جاؤں گا۔

۱۰۰ چار چار کیا تو میں نے کہا۔ یہ تو بات ہوئی ہے۔ اس جنس سے میل ملاپ رکھنا صحت مند

میں نے کہا اٹھا کیا شلپ خواتین سے مل کر خوش ہوتا ہے۔

اور اوتا ہو گا وہ بولا، مجھ سے کہہ رہا تھا کہ خواتین مجھ سے ملنے کے لیے بہت آلی ہیں۔

اگر آپ کو ملنا ناگوار ہو تو میری طرف بھیج دیا کریں۔

ہوئے کہا، "اٹھنا تمہارے دفتر میں کوئی خاتون نہیں ہے۔ کوئی رکھ لی ہوئی ایسے نہیں تو

میں نے رکھ لیتے۔

۱۰۔ ایک ایک آئی تھی۔ پبلک سروس مینس نے اپروولی تھی۔

اللہ میں احمد بشیر داخل ہوا۔

۱۹۱۱ء کے کہ اس سے پوچھتے ہیں اس دوست احمد بیگ کے اس قانون کی مدد سے۔

24.

اور جو بشر ہے کہ رہا ہے انسان میں نے اور بشر سے پرچھا۔

آپ، قسّمی، احمد بشیر بولوا۔ بڑی طاقت ور قسّمی دو۔ اس نے مجھے کھڑکا کے رکھ دیا۔ میں تجھے

ملوٹوں گا۔ عجیب لڑکی ہے وہ۔ بڑی اٹلکچول ہے اور حیرت انگیز کہ چاہے تو کٹ کر

421

اے مجھے ساری بات بتاؤ میں نے کہا۔

وہ بولے کیا اور کہانی سننے لگا۔ اس کا ہم مصباح تھا، وہ بولتا، چپکے سرورس منہ نے میرا چناؤ

اسٹارٹر کی پوسٹ کے لیے کیا تھا اور اسے میری ٹائپ کے طور پر سلیکٹ کیا تھا۔

اس میں نہ تھی۔ خود خال موٹے تھے۔ رنگ گورا تھا۔ لیکن نسلی سوچی سے اس قدر بھرپور

اگر اسے دیکھ کر سارے دفتر والے ریجھ گئے۔ مگر مجھے اس میں کوئی خاص بات سمجھ نہ آئی۔

ہوا انہی میں نے احمد بشیر سے پوچھا، تم کھبرا گئے۔

ہم وافر کھیت تھے۔ چونکہ وہ دفتر کے کام سے واقف نہ تھے۔ دراصل میں دفتر چلا رہا تھا۔

میرا ہے، ٹھیک، انشاؤں پر۔

آگے بات سنائو میں نے کہا۔

”یہ چاہ بیٹھی رہی۔ پھر دھتتا“ بولی ”آپ کے بل تھکے مارے کیوں ہیں۔“

من کر میری پھونک نکل گئی لیکن میں ضبط کئے بیٹھا رہا۔

ہر کہنے لگی میرا جی چاہتا ہے آپ کے ہاؤس میں انگلیاں پیمروں اجازت ہے۔

میں نے قصہ میں کہا، حرام زاری، جھوٹی۔

اپنا کتا، وہ بولی، میں سمجھی نہیں پھر کیجیے۔

اس پر میں ہنس پڑا۔ لورہم دوست بن گئے۔

اور انشا مسکرایا عجیب لڑکی تھی۔۔۔

تم اندازہ ہی نہیں لگا سکتے ممتاز احمد بشیر والا کہ اس میں کتنی جرأت ہے۔ بڑی سے بڑی

اور یوں کہہ رہی ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

پھر کیا ہوا؟ میں نے احمد بشیر سے پوچھا۔

اکلے دن وہ پھر آئی۔ دوڑی دوڑی آئی، کہنے لگی، 'آپ مجھے بہن بتائیں ابھی ابھی فوراً'۔

ای لڑیں ورنہ —

اور نہ کیا میں نے پوچھا۔

دل میں دل مس دی چائیں۔ دفتر کے سارے شرف لے بیٹھے ہیں بنایا ہے۔ آپ کیسے کہہ

-2-

”ہوائی بن کر تم پر عشق جھاڑیں گے“ میں نے کہا۔

ہاں وہ بولی، آپ بھی بھائی بہن کر عشق بجاڑیں نا۔ افس میں دوہری لذت ہوتی ہے۔

مکر تم میں بہن ولی کوئی بات بھی ہو میں نے لیا تمہارے کو جسے پہلی م سے اس کے

ایک دن دھیرے دھیرے کمرے میں آگئی۔ بولنا بتائیے مجھے کیا کیا کرنا ہو گا۔ میں نے بڑے
انداز میں اسے سارے کام بتا دیے کہ تم نے یہ یہ کرنا ہو گا۔ اگر کوئی مشکل ہو تو مجھ سے
پوچھ لیتے۔

انگلے دن وہ پھر آگئی۔ کئے گئی وزارت سے کیا کیا کوائف حاصل کرنے ہیں اور کس طرح کرنے ہیں۔

میں نے اسے ساری بات سمجھا دی کہ یوں وزارت میں جانا ہے، لڑائی صاحب
 ہے۔ اٹھیں یہ بات سمجھنا ہے۔ میں نے اس کی جانب خاص توجہ نہ دی۔ ڈراما، ان
 سارے معاملے گنوا دیئے۔ جی اچھا کہہ کر دو چلی گئی۔

تیسرے دن وہ پھر آگئی۔ کہنے لگی، 'آپ نے کہا تھا بات سمجھ میں نہ تو ہوجیے لیکن۔'

میں نے پھر سے اسے ساری باتیں سمجھائیں۔ اب آپ سمجھ گئی ہیں بلکہ میں نے یہ

جی سمجھ گئی، اس نے کہا۔

اچھا اب آپ جائیں۔

جی اچھا! اس نے جواب دیا، لیکن جوں کی توں بیٹھی رہی، پر اچھو، پلو قار۔

میں نے فائل پر کام شروع کر دیا لیکن اسے جیسے دیکھ کر میں ڈسٹرب ہو گیا۔ میں نے

یہ لڑکی طاقتور معلوم ہوتی ہے، چیخ دے رہی تھی۔ اگر یہ سرچڑھ گئی تو بہت خراب...

نئے کی۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اسے آج ہی جھاڑ پھا دی جائے۔

میں نے سنجیدگی سے کہا، دیکھیے محترمہ یہاں

بچے کہ آپ عورت ہیں۔

جی بھول گئی وہ ہولی اور ویسے ہی بیٹھی

یہ دیکھ کر میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ بہر حال:

س کلم کرتا ہو گا۔ محنت کرنی پڑے گی۔

تجربہ دہائی کا کام کرنا ہو گا محنت کرنی پڑے گی۔

میں نے کہا اب آپ اپنے کمرے میں جا لیں۔

میں نے کہا کہ

UrduPhoto.co

ہوں گے۔

ہاں کرتے ہیں کرتے ہیں وہ بولے۔

دختر دالوں کو نہ کرنے نہ میں نے کہا۔

کیوں نہ کرنے دوں۔

تجہاری بدنامی ہوگی۔

اچھا بھرا کیا ہو گا وہ بولے۔ میں ہاؤس بھرا کیا ہو گا۔ پھر آپ کو پیسے آئیں

نہیں چھوٹ جائیں گی۔ ناگھیں لڑکھائیں گی۔ یہ بے پایہ کمرہ کر دے باہر نکلیں گی۔

اگلے دن وہ پھر آگئی، بولی مارے دختر والے مجھ سے عشق جھڑپے ہیں لیکن

عشق کر نہیں آتا، بالکل ملائی ہیں۔

میں نے کہا بھرا کر دے تم سے عشق نہیں کرے اگر کرتا تو پتہ ہے کیا ہو گا۔

کیا ہوتا اس نے پوچھا۔

میں تجھے اٹھا کر لے جائی اور توڑ پھوڑ کر کچا کر کے پیسہ دیتا۔

شکر کریں میں آپ سے عشق نہیں کرتی وہ بولے۔ کرتی تو وہ وہ کچھ ہو تاکہ آپ کو پیسہ

کے لیے جگہ نہ ملتی۔ یہ کہنے ہو وہ میری بہت قریب آگئی۔ میں نے فیسے سے کہا بہت جلد

پچھے ہٹ جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔ ورنہ۔

ورنہ کیا اس نے پوچھا۔

ورنہ میں تجھے چوم لوں گا۔

پھر کیا ہو گا وہ بولے۔

پھر جہاں جہاں میں چوموں گا وہاں وہاں گھلپ آگ آئیں گے۔

یہ سن کر وہ دھم سے کرسی میں گر گئی۔ چوہہ زرد پڑ گیا۔ آنکھیں پر خم ہو گئیں۔ کہنے لگی

آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ میرا رشتہ کھو جائے گا۔

کیا مطلب 'میں نے امیر شیر بولا۔ یہ ایک مجبوری راستہ تھا کہ اس کا مطلب کیا تھا

اس کی عقلی ہو چکی تھی بلکہ امیر شیر بولا۔ یہ ایک مجبوری راستہ تھا کہ اس نے وجہ دے

رکھا تھا۔ میرا ایک معر آئی تھا، قانون دان تھا وہ زندگی سے عقلی طور پر ناواقف تھا، میں

ہوں گے۔

اپنی کو علم تھا، انشاء نے پوچھا۔

امیر شیر نے جواب دیا 'اسے علم تھا وہ اکثر بیٹی ہے بیٹی سے مجھ سے منت کیا کرتی نہ

میں نے کبھی۔ مجھے ہے بس نہ یہ کہیے۔ اگر بند ٹوٹ گیا تو سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہرہ

ہو گا۔

اس نے کہا ہے 'میں نے امیر شیر سے پوچھا۔

وہ اپنے دے کر مل گئی ہے۔ میں اسے ملاؤں گا وہ آئے گی ضرور آئے گی۔ ویسے وہ اب

میں ملتی۔ اس کی شادی ہو چکی ہے۔

میں کمر سے نکلے پڑ پڑی ہے کیا انشاء نے پوچھا۔

'میں وہ بولا' غلطی کی طرف سے کوئی پڑ پڑی نہیں ہے اس نے خود اپنے پاؤں میں زخمیں

ملی ہیں۔ ظاہر ہے کہ خود سے ڈرتی ہے۔

لیکن یہ سب کیوں 'میں نے کہا۔

اس نے ہانپے کاغذ کر رکھا ہے۔ اسے کسی نے مجبور نہیں کیا۔ بس اس نے محسوس کیا

کہ اس کی بہتری کے لیے یہ شادی ضروری ہے اور اسے بھالے کاغذ اس نے خود کیا ہے۔

بہر صورت میں پیسہ بیکجوں کا تو وہ ضرور آئے گی، دو ایک کھینے کے لیے، کلفٹن پر، وہ تجھے

دے گا۔ بہت عزیز نے کہا جب بھی متاز آئے گا تو میں تجھے اس سے ملاؤں گا۔ میں نے اسے

میں متعلق سب کچھ بتا دیا تھا تو تیار ہو، کسی روز ہم تینوں بیچ پر جائیں گے۔

مجھے بھی ملے گا تو کوئی حرج ہے 'انشاء نے کہا۔

تو قریب کا قافلہ میں ہو سکتا امیر شیر بولا۔

پاکستان

پھر دوست! اعلان ہوا کہ پاکستان کا دارالافتاء کراچی کی جگہ راولپنڈی مقرر کیا گیا ہے اور

اسی حکومت کے دفاتر بہت جلد راولپنڈی میں منتقل کر دیے جائیں گے۔ اس خبر نے ساری

اہل میں اچانک عبادی۔

ہاں میں بیٹھے ہی میں نے شاب سے پوچھا وہ بزرگ کون تھا۔

وہ اس نے پوچھا۔

وہ اس روز آپ سے ملا تھا کہتا تھا تمہاری کھلی کھینچ کر اس پر کب چڑھوں اور
میں رکھ دوں۔

وہ اس کی زبان بڑی طرح سے نہلاتی تھی۔

اب آئی تھی مجھے سڑی ہوئی مرغ ہو میں نے کہا۔

وہ بولا وہ یوں۔

رک تو زورانی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے مٹاس کی چھوڑ نکلتی ہے۔

اب مٹاس کی چھوڑ نکلتی ہے۔

وہ تو میرا نہیں تھا۔

اب وہ بولا وہ ایسا نہیں تھا۔

اب ولایت ملتی ہے تو حیات حیز ہو جاتی ہے اور فرد کی جتنی بھی خصوصیات ہوتی ہیں وہ

انسانی نکلتی ہو جاتی ہیں۔ شاب نے کہا اس روز وہ رک رک کر بول رہا تھا۔

اب اس وقت بھی سیکھ لائی ہو جاتی ہیں میں نے پوچھا میں تو سمجھا تھا کہ جب بزرگی عطا

ہو تو فرد کو دھوکہ استری کر دیا جاتا ہے۔ کوئی لائش باقی نہیں رہتی کوئی غل نہیں رہتا۔

اب جاتے ہیں۔

میں وہ بول بزرگی آزمائش ہوتی ہے مسلسل آزمائش۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ دھنسا مجھے خیال آیا کہ قدرت نے میری بات ماننے کے لیے بات کا

دراں دیا ہے۔ قدرت میں یہ عجیب خصوصیت تھی۔ وہ جس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا

اب چالاک سے بات کا رخ بدل دیا کرتا تھا۔ مجھے غصہ آئے گا میں میں بات پر چھ کر

وہ کا۔

مجھے یہ بتائیے کہ وہ کون بزرگ تھے میں نے کہا۔

وہ میں وہ بولا۔

کراچی کے رہنے والے اس خبر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اسے ایک
خیر اعلان سمجھتے تھے، میں میں ہو سکا یہ کیسے ہو سکا ہے۔

میں نے قدرت اللہ کو فون کیا۔ میں نے اس مرکز کے اقبال کا اعلان ہو گیا ہے۔ اب تو
جان گئے ہیں۔

اس نے جواب میں کہا آپ یہاں آجائیں چونکہ پرانی ہی بہت جلد راولپنڈی جاتا
ہو ہے۔

دفتر میں قدرت بے حد مصروف تھا آپ انتظار کریں وہ بولا۔ کچھ دیر کے بعد ہم کو
پائیں گے۔ وہاں بات کریں گے۔

اس روز قدرت اللہ شاب کی کیفیت کچھ مختلف سی تھی۔ چہرہ تو ویسے ہی تھا مگر کچھ
بات کرنے کا انداز مختلف تھا آواز بدل ہوئی تھی۔ زبان میں نکلت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اب

ہوئی ہو کچھ زیادہ ہی بلی ہوئی ہو۔

باہر نکلا تو قدرت کے پی اے نے مجھے اشارہ کیا۔ پاس گیا تو کہنے لگا آج بھر ہی کہنے
طاری ہے۔

کہنے لگا غصہ کے میں دکھتا ہوں آپ کو۔ پھر وہ دراز میں کچھ دھوڑنے لگا۔ قہوڑی دیر سے
بعد اس نے ایک کتہ میری طرف پڑھا دیا۔

وہ شاب کا نوٹ تھا لیکن ونڈ ریٹنگ ایسے تھا جیسے کسی بچے نے لکھا ہو۔
بالکل دیباہی ہے لیکن اسے نے کہا جیسا میں نے اس روز لکھا تھا یاد ہے۔

ہاں میں نے کہا یہ کب کا نوٹ ہے۔
آج کا ہے۔ آپ کی سمجھ میں آئی ہے بات۔ میری سمجھ میں تو نہیں آئی وہ بولا۔

ہاں عجیب سی بات ہے میں نے جواب دیا۔
شاب صاحب پر کوئی دورہ تو نہیں پڑا اس نے پوچھا۔

میں تو میں نے جواب دیا کہ ایک صحت مند آدمی ہے۔
لگتا تو ایسا ہی ہے لیکن وہ رک گیا۔

اگرچہ یہ لیکن میرے اندر اک کھورو چائے ہوئے لیکن میں نے پی اے کو بل دیا۔
UrduPhoto.com

وہ آپ کو کس بات پر وارنگ دے رہے تھے۔
مجھے پتہ نہیں۔

ایک ایسا واقعہ پہلے بھی ہوا تھا، شام نے تھنہ لاسے ہوئے کمالہ مدد صاحب ڈپٹی معائنہ کے لیے گئے تھے۔ ساتھ مجھ نے گئے۔ شام کا وقت قلم انہوں نے معائنہ کئے لگا دیے۔ پھر جب ہم لپکا لڑوں سے رخصت ہو رہے تھے تو جیل کا ایک وارڈر آیا۔
کنے لگا، جناب شام صاحب ہیں کیا۔

میں نے سرایت میں بلا دیا۔
کنے لگا، ایک قیدی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

کون ہے، وہ میں نے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ کون ہے۔ اور جو پچاسی والے سیکڑ ہیں، میں میں ہے وہ اور اس نے وہاں شور مچا رکھا ہے، میں شام صاحب سے ملوں گا۔ مجھے شام صاحب سے ملاؤ۔
ہوں، میں نے پوچھا، وہ مجھ سے کس مسئلے میں ملنا چاہتا ہے۔

وارڈر بولا، جناب میں نے اس سے پوچھا تھا تم کس بارے میں ملنا چاہتے ہو۔ کوئی کام ہے کیا۔

میں نہیں، وہ چلا، مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں پائل ٹیک ہوں، تم اسے بلا کر لاؤ۔
میں اس سے بات کروں گا۔

شام کنے لگا، میں نے سوچا شاید کوئی وصیت کرنا چاہتا ہو، جیل والوں پر اسے شکوہ ہو۔
اس لیے بہتر ہے میں اس کی بات نہ لوں۔

قیدی ہجیرا

کل میں داخل ہو کر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو حیران ہوا، وہ ہجیرا قتلہ وارڈر نے سیل کا دروازہ بند کیا۔ باہر تلا لگایا۔ کنے لگا، صاحب جی جب آپ قلعہ ہو جائیں تو مجھے اشارہ کر دیں میں وہیں سامنے کھڑا ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ دروازہ چاکر کھڑا ہو گیا۔

بہتر نہ ہی پتہ ہی بولا، تجھے پتہ ہے کہ تجھ سے بات کرنے کے لیے ہمیں قید ہونا پڑا۔ اس وارڈر کی چارہ نہیں تھا۔ ہمیں پتہ تھا تو آج جیل کا ساتھ کرنے کے لیے آئے جب اس لیے وہاں اس کو غڑی میں آکر بند ہو گئے۔

تم تجھے بتاتے آئے ہیں، وہ بولنا کہ تو ٹیک سے کام نہیں کر رہا تو سمجھتا ہے کہ تو اس کا بھائی ہے۔ تجھے اس کے حکم بجالانے میں یہ غلط ہے۔ تو یہی اس لیے نہیں سمجھا کیا کہ اس کے بھائی جیل کرے وہ نیلے کرے اور تو ان کی ٹیکل کرے۔ تو یہی اس لیے سمجھا کیا ہے کہ تو بھائی کرے۔ اس کا فکر نہ کر، وہ رکھت میں بیٹھ جائے۔

شام ہنسنے لگا، پتہ نہیں وہ کیا کیا بول رہا۔ کھنٹوں بول گیا، مجھے اس کی باتیں پائل سمجھ میں آ رہی تھیں۔ پھر میں سمجھا کہ شاید اس کے ذہن کا تھوڑا اڑا ہوا ہے۔ یہ اکثر ہوتا ہے جو جیل میں رہتا ہے۔

قدرت کی بات سن کر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ بات جمل رہا ہے۔ ورنہ قیدی کی باتیں تو پائل سمجھ میں آ رہی تھیں۔ پھر اسے کیوں سمجھ میں نہ آئیں۔
آپ نے اس قیدی کے متعلق پتہ لگایا کہ وہ کون تھا، میں نے پوچھا۔

میں نے نہیں البتہ عفت نے پتہ لگایا تھا، شام نے جواب دیا۔ قیدی کے ہم سہیل کے متعلق تو مجھے علم نہ تھا البتہ میں نے سیل کا نمبر پڑھا لیا تھا۔ مدد کرے گیا تو عفت نے پوچھا کہ اسی رات تک آپ کہاں رہے، تو میں نے ساری بات بتادی۔ اگلے روز اس نے جیل کے کام سے پوچھا کہ سات نمبر کے پچاسی سیل میں کون قیدی بند ہے۔ اس کا نام پتہ کیا ہے اور اس کا بھائی کیسی دی جانے والی ہے۔

اس پر انہوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ سات نمبر کے سیل میں کوئی قیدی نہیں ہے۔ جیل کے قیوب کو کھڑی ہے وہیں بازار میں کوئی شخص دنگا لٹو کر رہا تھا۔ جیل کے وارڈر اس وقت وہیں سے گزرے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ شخص دنگا لٹو کر رہا ہے۔ وارڈر نے اسے سمجھایا لیکن انہوہ وارڈر سے لڑنے بھڑنے پر آند ہو گیا۔ اس پر وارڈر اسے پکڑ کر لے گئے اور ویسے ہی دھمکائی جیل کے لیے اسی سات نمبر کے سیل میں بند کر دیا۔ آج صبح وہ سیل میں موجود نہ تھا۔ میں نہیں کس نے اسے سیل سے نکال کر بھیجا۔

شاید وہ بزرگ ہی ہو، میں نے کہا۔

شاید، قدرت بنے ہو اب دیا شاید، وہ چٹکن کے عالم میں ہو۔ آپ چٹکن سے واقف نہیں ہیں۔ وہ ایک عالم ہوتا ہے، قدرت نے کہا۔ بزرگ لوگ جیسے ضبط سے کام لیتے ہیں۔ انہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ برتن لہلہ بھر جاتا ہے پھر فوراً ضبط کے باوجود چٹکتا ہے، پیچھے اڑتے ہیں۔ مجھے ڈرامنگ روم میں بٹن کر شپ لکھنا ہوا اور چٹا لکھ اس روز مجھے ایسا لگا۔ ہاں، جیسے وہ قدرت، نہیں قہ اس کی کوئی بات بھی حسب معمول نظر نہیں آتی تھی۔ نہ چلے مارا، نہ بات کرنے کا انداز نہ لہو۔

کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ کہنے لگا، شہنشاہ ہم بہت جلد مشکل طور پر پھنسی چلا جائیں۔ کیا آپ ڈی ایف پی میں رہنا پسند کریں گے۔

میں نے کہا، پسند نہ کرنے کا مطلب بیکڑ آرچٹ چورز۔

آپ جکر نہیں ہیں، وہ بولا، جیسی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ چور کریں۔

کیا چور کروں، میں نے کہا۔

میرا خیال ہے، آپ اخبار میں چلے جائیں اچھے رہیں گے۔ دراصل مجھے انشا کا فکر ہے۔

وہ سلو صفا آدمی ہے میں نے کہا۔ جہاں بھی جانا پڑا چلا جائے گا۔ چلی بات یہ ہے کہ میں انشا جی کو بالکل نہیں سمجھا، اس کا کوئی سراہی میں لاء مجھے۔ پتہ نہیں چلا کہ کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں جا ختم ہوتا ہے، مجھے تو ایسے لگا ہے جیسے انشا بھی چٹکن کے عالم میں ہو۔

میں نے جان بوجھ کر چٹکن کی بات کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ قدرت بزرگوں کے بارے میں بات کرے۔ اس روز اگرچہ وہ نہنہلا کر باتیں کر رہا تھا، لیکن غیر از معمول وہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

چٹکن — چٹکن کیا، وہ بولا۔

ابھی آپ تیار تھے تاکہ کبھی بزرگ لوگ چٹکن کے عالم میں ہوتے ہیں۔ برتن بھر جانا ہے پھر بھر چٹکتا ہے، پیچھے اڑتے ہیں۔

ہاں ہاں، وہ بولا، چٹکن کے عالم میں ضبط کے باوجود بات اچھل کر نکل جاتی ہے۔

آپ نے کبھی کسی بزرگ کو چٹکن کے عالم میں دیکھا ہے کیا میں نے پوچھا۔

صرف ایک بار، وہ بولا، صرف ایک بار۔

اندر

میں نے فرین میں دل جا رہا تھا کسی شیشی پر اترا تو گاڑی چل پڑی اور میں دوڑ کر باقی سوار ہو گیا۔ دروازہ کھولے لگا تو دیکھا کہ وہ ریزرو سیلون ہے۔

اس میں سوچ رہا تھا کہ اندر سے کسی نے دروازہ کھولا۔ کہنے لگا، آئیے آئیے مسٹر کیو یو آ رہے۔

وہ ایک انگریز تھا۔ نیوی کا افسر، اس نے دوری پتہ ہوئی تھی۔ وہ مجھے اندر سیلون میں لے

گیا، مسٹر کیو یو ایس میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس سڑک میں نے کہا، میں تو طلسمی سے سیلون پر سوار ہو گیا ہوں۔ میری سیٹ تو پیچھے

ہوئی، وہ بولا، میں نے دل کیا تھا کہ تم سیلون میں آ جاؤ۔ سو تم آ گئے۔ اچھا کیا تم نے آ گئے۔

اس کی کہنا چاہتا تھا۔ انسان جب لہلہ بھر جاتا ہے تو اس پر لٹا ہوا جلد مل جاتا ہے کہ سارا میں

لگا ہوا ہے وہ خود کو لٹا کر چاہتا ہے۔ میں خود کو لٹا کر چاہتا تھا، اس لیے میں نے دل کیا کہ

سیلون میں آ جاؤ۔

ہاں ہیں آپ، میں نے اس سے پوچھا۔

ہاں، جی، نیوی کا افسر ہوں، وہ بولا، یہ جو جنگ وہ رہی ہے۔ اس میں دونوں جانب روحانی

دلائل کام کر رہی ہیں۔ میں بھی ایک لاکھ ہوں۔

ان آپ تو یہاں ہیں، میں نے پوچھا۔

ہاں، یہاں تھا، وہ بولا۔ عارضی طور پر میرا قلب بدل دیا گیا اور عارضی طور پر مجھے طاقتیں

مل گئی ہیں۔ یہ طاقتیں مجھے کشمیر کے جنگوں میں عطا کی گئی تھیں۔ تم کچھ پیو گے، اس نے

پوچھا۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

لو، لو پی لو کیا صبح ہے، وہ اٹھ کر بوقت لے آیا۔

میں

اور مجھے معلوم ہے تم نے خود کٹی کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک بری بات تھی۔
تھاکہ تم کو اس کی سزا ملے گی لیکن تمہارا یہ عمل تمہارے لیے تپ کا پتہ بن گیا۔ تم بدست
اور تھی۔

اس بات پر ہے 'میں نے شاپ سے پوچھا۔
کون سی بات 'اس نے چونک کر پوچھا۔
آپ نے خود کٹی کی کوشش کی تھی۔
شاپ نے سرانہٹ میں ہلا دیا۔

انہی کیوں کیا محبت میں ہلائی کی وجہ سے خود کٹی کا خیال آیا تھا۔
عام طور پر قدرت سے کوئی بات ایسے کرنا بے حد مشکل ہے۔ ایک بات کا سراغ لگانے
میں تھیں سوچا پوچھتے پڑتے ہیں۔ لیکن اس روز وہ بات کرنے کے موزا میں تھا۔ اس کی
دک چلتی تھی اس کے بلکہ روزہ یوں جا رہا تھا یوں جا رہا تھا۔
سوال کے جواب میں بولا 'میں محبت کی بات نہیں تھی۔ ان دنوں میں جوں کا
چھوٹا تھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لپٹ لینے کے دورے پڑتے تھے 'خواتین' بے وجہ۔ بدی
اور پیریشن تھی۔ میں نے سوچا یہ کیا خطاب ہے چلو زندگی کا قصہ ہی ختم کر دو۔
میں نے سوچا جوں کے نالے تو ہی میں چھٹا لگا دوں۔ یہ آسان ترین طریقہ تھا۔ نہ کوئی
شور شراب لوگ سمجھیں گے کہ حیرت کیا تھا وہ پل گیا۔

ہاں تو ہی چلا گیا اور در تک ایسا ختم ڈھونڈا رہا 'جہاں پہلی گراہ' اور لوگوں کی گزروں
میں سے گزرتا تھا۔ آخر مجھے ایک مناسب مقام مل گیا۔ میں نے اپنا کوٹ اتارنا بوٹ اتارنے بھر
لیا کیا کہ چھٹا لگ مارنے سے پہلے دو لٹل کیوں نہ پڑھ لوں۔ لٹل پڑھ کر دعا مانگوں گا۔ اللہ
بمقاموں گا کہ میں نے ہاشمی کی وجہ سے خود کٹی نہیں کی قدرت سکرانے لگا۔
پھر کیا آپ نے لٹل پڑھے 'میں نے پوچھا۔
اس نے انہٹ میں سر ہلا دیا۔
دعا کی 'میں نے پوچھا۔

میں نہیں 'میں نے کہا 'آپ نہیں۔ بے لگ نہیں۔ یہ تو بھگتہ نشہ ہے 'وہ بولا۔
پھر اس وقت جو کیفیت طاری ہے۔ اس کے سامنے سب نشے چلے ہیں۔ لیکن اب کچھ زیادہ ہوا ہے
میں رہے۔ ہم برطانوی ماکوں کو تپ چاہا ہو گا۔ تمہارے ملک کے بزرگوں نے لیڈا
ہے کہ برطانیہ کو ایک بیٹی دود گوش یہاں سے نکال دیا جائے۔
اس کی باتیں سن کر میں حیران ہو رہا تھا شاپ نے کہا 'دل ہی دل میں سوچ رہا تھا
یہ آدمی کون ہے 'کوئی فرق تو نہیں ہے۔

اس نے میرے خیالات پڑھ لیے 'ہنسا بولا 'فرق کا کیا مطلب ہے۔ میں کون
ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا نام لے بغیر جنگ کی تاریخ کل نہیں ہو سکتی لیکن
میرا نام نہیں سمجھ سکتے چونکہ میں نے تمہارے ذہن سے اپنا نام مٹا دیا ہے۔ میں نے آقبل
بھی رابطہ قائم کیا تھا۔ نہ کہ تو وہ نہ ہو آج وہ ہے۔ وہ مجھے ساتھ ساتھ بڑے فقیر کے رہا
میں جاتا ہے۔

کچھ دیر وہ خاموش رہا میں اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا
فحش 'یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہا ہے۔

پھر بولا 'تمیں معلوم نہیں کہ جرنیل جنیں ہے اور اگر وہ ہماری لائن میں آجاتا تو
تو ہو جائے گا۔ خیالی اصل تھا لیکن اسے اصل پہلا آقا تھا۔ میں پٹر سے بھی ملا تھا۔ میں
اسے خبردار کیا کہ دیکھ تو اپنی طور پر نہ رہو۔ اگر تو خبر نہ پڑا تو فحش حاصل ہوگی 'لیکن اگر
نے خبر نہ پڑنے کی کوشش کی تو چاہی ہوگی۔ لیکن مجھے پتہ تھا کہ وہ خبر نہ پڑتھیں سے
مطمن نہیں ہو گا۔ اور وہ جو فحش دیتے ہیں وہ اسحق ہے 'وہ تمہارے معاملات میں چٹک اڑا
گا۔

پھر وہ دھتار 'میری طرف متوجہ ہوا 'ہنسا تم مجھ میں شرارتیں کرتے رہے ہو۔ کوڑی
لگا کر سر میں پکڑتے رہے ہو۔ سڑا سے پیچے پڑتے رہے ہو۔

تم 'اس نے فحش سے منہ نکالا 'تم سڑا دیکھتے ہوئے کیڑے ہو۔ گہرائی میں غور لگاؤ
موتی ملیں گے۔

وہاں باب

ویج ایڈ

ایک دوڑ مارے دفتر کے سامنے ایک غی مگور کار رکی۔ یہ کون ہو سکتا ہے، بھلا میں نے
 کیا کار سے ڈنڈی لکھا۔ وہی ۱۹۳۸ء والا ڈنڈی۔ کوئی تبدیلی نہ تھی۔ کار کے سوائے
 میں اسے دیکھ کر چلایا 'ارے تو۔
 ہاں میں 'دو یولا۔
 تو ہاں۔
 ہاں نہیں۔
 اور یہ گاڑی۔
 ہاں یہ گاڑی۔
 امی سے آئی۔
 اس نے اتنی لوہڑا لٹائی۔ اس نے دی۔
 تو اس کو چاہتا ہے کیا۔

اس نے سرانٹھت میں بلا دیا 'اور مسکرا کر یولا' میں نے بڑی چلائی سے دعا مانگی۔ میں
 کمانیا پاری تھائی میں یہ خود کشی نہیں کر رہا خود کو تیرے حوالے کر رہا ہوں۔
 پھر جب میں چھلانگ لگنے لگا تو قوی سے ایک بزرگ نمودار ہوئے انہوں نے مجھے روکا
 دیا۔ پاس بٹھایا میرے ہاتھ پکڑ لیے اور مجھے بیت کر لیا۔
 وہ خواجہ فخرتھے کیا میں نے پوچھا۔
 اس نے سر لٹی میں بلا دیا۔
 کون بزرگ تھے وہ 'میں نے پوچھا۔
 ان کا نام لینے کی مجھے اجازت نہیں 'دو یولا۔ وہ دلی کے بہت بڑے 'سب سے بڑے بزرگ
 ہیں۔

وہ کچھ مزید کہنا چاہتا تھا کہ عفت دوڑی دوڑی اندر آئی بولی 'ہن کی طبیعت ٹھیک۔
 ہے۔ انہیں آرام کرنا چاہیے مفتی صاحب آپ پھر کسی وقت آجائیے گ۔
 قدرت نے سرانٹھت میں بلا دیا 'ہاں مجھے آرام کرنا چاہیے۔ عفت نے اسے یوں کہا
 میں نے لیا جیسے وہ کوئی بچہ ہو۔ اور قدرت لڑکھاتا ہوا ہاں ہنٹل گیا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

جانتے ہیں کہ انہیں۔
 کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کیوں۔

وہ دیتا جو ہے۔

یہاں رہتا کہیں ہے تو۔

بگڑے ہیں۔ سنوایا ہے۔ معصوم رسالہ ہے "منشور"

ارے اتنا کچھ۔

ہاں! اس سے بھی زیادہ سب اس نے دیا ہے۔

پر تو ویسے کا دیا ہی ہے۔

ہاں میں ویسے کا دیا ہوں۔

جو تو ویسے کا دیا ہے تو یہ بگڑے ہیں "منشور" میں نہیں ہوتا۔

چل میں تجھے دکھاؤں "وہ بولا۔"

دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

مدر کے مرکز میں اس کا پرچم تھا، پیشینہ، فکر چاکر، ساز و سامان، لوہے کی ڈھائی

تھے۔ سنوایا تھا اس نے "منشور" کے کئی ایک پرچے میرے سامنے ڈھیر کر دیے۔ پر

انٹرنیٹ کے ڈھیرے لگے ہوئے تھے۔

کہاں آرٹسٹ کہاں لہاں پرچہ۔ ان کا کیا میل ہے "میں نے پوچھا۔"

ہے "وہ بولا۔"

کیا میں نے پوچھا۔ کیا میل ہے۔

یہ بھی کہیں "وہ بھی کہیں" "وہ بولا۔"

سب کچھ بدل گیا ہے "میں نے اس کے گھر کا صفحہ دیکھ کر کہلا۔"

ہاں! سب کچھ بدل گیا ہے "وہ بولا۔" میں بدلیں۔ میں بدلیں گی۔

سنوایا میں کہ آدم فریم لگے ہوئے تھے۔ کہیں والے فریموں نے مجھے جذب کر لیا۔

وہی شکست افروز تھی۔

ابہ لو قصور کے بیچر ہاں بلوان! یا میں تجھے کیسے سوچتی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

کہہ کر اس نے ہاتھ مارا کہ "وہ بولا۔"

میں میرا نہیں اشفاق کا دوست ہے، میں نے کہا۔
 وہ اشفاق کا دوست ہے، یا اشفاق اس کا دوست ہے۔
 پتہ نہیں، لکھا ہے اشفاق اس کا دوست ہے۔
 وہ تو ہو گا، ذہلی نے کہا۔
 اشفاق کا بھی پتہ نہیں لگے۔ میں نے کہا۔
 کیوں وہ بولا۔

اس کا بھی سرا نہیں لگا۔

ہاں۔ نہیں لگا۔ وہ بولا۔

جی، اشفاق تو تم سے ناراض ہے، میں نے کہا۔
 اچھا، مجھے نہیں پتہ۔

اے تو پتہ ہے۔

اے ہو گا، مجھے نہیں پتہ ہے۔

کیا مطلب۔

اس نے انداز سے بول کر نکال۔

تم پیچھے ہو، میں نے پوچھا۔

ہاں، وہ بولا، چلاؤ۔

کہاں سے آئی ہے۔

اس نے اٹھی اٹھائی۔ وہ روتا ہے۔

وہ تو منع کرتا ہے۔

ہاں وہ بولا، روتا بھی ہے، منع بھی کرتا ہے۔ کچھ لوگ حکم دیتے ہیں۔ ہم کفرانِ نصرت نہیں کرتے ہیں۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

پوچھو۔
 یہ اتنا کچھ جو مجھ سے ملے، تم کسی فتویٰ کے کیپ ہو کیا۔

UrduPhoto.com

ہاں، ہوں، وہ بولا۔

کون ہے وہ۔

میری بیوی ہے۔ لمو گیا اس سے۔

میں نے جواب دیا۔

فکر

اشفاق احمد جب روم سے واپس آیا تھا تو اس کی باتیں سن کر میں ذہلی کے خلاف بغض
 اور کیا تھا۔ دھارے ذہلی میں یہ بات چیت ہو گئی تھی کہ ذہلی احمد کا بارا ہوا ہے۔ وہ دوسرے کو
 آگیا بدھتا نہیں دیکھ سکتا۔

جین ذہلی کو دیکھ میرا وہ بغض دھل گیا۔ اس کی باتوں میں عجیب سی کشش تھی۔ اس کی
 باتیں دو ٹوک تھیں۔ ان میں سے سچائی کی برکات تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بے نیاز ہو۔ جو ہے
 نکال دیتا ہے، جو نہیں ہے نکال دیتا ہے۔ کوئی بھی بات ہو۔ کسی بھی ہو، اسے کانتی نہیں تھی، ڈنک
 نہیں مارتی تھی۔ یہ شخص جیسا کہ کیا بھی ہے۔ پیارا ہے، منفرد ہے، فکری ہے، میں نے سوچا۔
 پھر ذہلی چار ایک بار مجھے ملا۔ صبح سویرے میرے فلیٹ کی کھینچ بکچی۔ باہر نکلتا تو وہ بیڑھیوں
 پر بیٹھا ہوتا۔

تم یہاں کیوں بیٹھے ہو، میں پوچھتا۔

کیوں یہاں بیٹھنا منع ہے، کیا وہ پوچھتا۔

اندروں چلو موندے پر بیٹھو۔

تمہارا صوفہ ان بیڑھیوں سے زیادہ صاف نہیں ہے۔

چلو میں جھینے لینے آیا ہوں، وہ بے نیازی سے کہتا۔ اور ہم باہر نکل جاتے۔ آوارہ گردی
 کرتے۔ میں اس سے اگلے سیدھے سوال کرتا تھا۔

کیا اب بھی لڑائیاں تمہارے سٹوڈیو میں آتی ہیں، میں پوچھتا۔

بہت آتی ہیں۔

خود کو قتل پر سچا کر لاتی ہیں۔

ہاں! قافلہ آرتی بنا کر۔

اور تم دلی تائیں کہ ان کی ہیبت قبول کرتے ہو۔

ہاں کیوں نہ کروں۔

اور تمہاری بیوی جلتی ہو گی۔

ہاں جلتی ہے۔

پھر

پھر کیا؟ یہ بھیاں جب تک تمہاری راتی ہیں، جب تک انہیں جلائے رکھو۔ غلطی ہو

چائیں قربان ختم ہو جاتی ہے۔

وہ دن یاد آتے ہیں جس میں پوچھتا۔

کون سے دن۔

وہ لاہور کے لوہان ایر صیغر کے دن۔

نہیں! اس نے سرنگی میں پلا دیا۔ میں آگشت ہوں۔ وہ یولا اور آگشت ہمیشہ محل میں بیٹا

ہے یا مستحق کے خواب دیکھتا ہے۔ ماضی کی دلدل میں ات پت نہیں ہوگے۔

قائد اعظم کا بت

پھر جب کراچی میں میرے آخری دن تھے تو ایک روز وہ آگیا ہوا چلو۔

کہیں! میں نے پوچھا۔

تھ سے ایک کام ہے۔

کیا۔

میرے ساتھ چلو۔

ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

UrduPho.com

UrduPho.com

UrduPho.com

UrduPho.com

UrduPho.com

در میں پہلی ہوئی چٹانوں کے قریب ایک چتر بیٹھ گیا۔ بیٹھ چلا وہ یولا۔

وہ دو چھوٹے چھوٹے جڑے نظر آتے ہیں تجھے! اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

کون سے۔

ایک وہ دور کا کانا! ابھرا ہوا ایک یہ سامنے والا! اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

ہاں میں نے خواب دیا آتے ہیں۔

جب باہر سے سندھ کی جہاز آتا ہے تو کراچی بندرگاہ کی گودی میں جانے کے لیے ان دونوں

درمیان سے گزرتا ہے۔

میں نے پوچھا۔

میرا بتی چاہتا ہے کہ قائد اعظم کا مجسمہ ہاؤس! ایک چٹک اس چٹان پر ہو اور دوسری اس

جڑے پر۔ اتنا بڑا مجسمہ ہو کہ جہاز اس کی ٹانگوں کے نیچے سے گزریں۔

اتنا بڑا بت! میں نے پوچھا۔

ہاں اتنا بڑا۔

کیسے بنائے گا۔

تجھے بتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہاں قائد کا سر ہو گا۔ اس پر جہاز کیپ ہو گی۔ نیچے کھلی انہیں

اس سے نیچے سفید شلوار، سفید سفید اور نیچے جہاز گزریں گے تجھے نظر آتا ہے کیا۔

نورمیں! میں نے سرنگی میں پلا دیا۔

بچھے آتا ہے! وہ یولا! میں تو کسی آدمی رات کو اتے دیکھنے کے لیے یہاں آ جاتا ہوں۔ بیٹا

دہنا ہوں۔ دیکھتا رہتا ہوں۔ یہ میرا آخری کام ہو گا۔ پتہ نہیں کتنے سال لگیں گے! لیکن وہ بچھے

کرنا نظر آتا ہے۔ سیدھا ہوا قافلہ ہم۔

دیر تک ہم دونوں وہاں بیٹھ رہے۔

وہ قائد کو دیکھتا رہا میں گزرو۔

الحق! میں نے کہا۔ نہ دیکھ خواب۔

اور کیا دیکھوں۔ کچھ ہے اور دیکھنے کو کیا! اس نے پوچھا۔

یہ پاکستان ہے! میں نے کہا یہاں! تجھے کون بت بنائے دے گا۔

اور اس کا دورہ مدھم پڑا گیا۔

یہ سن کر میں ہنسنے لگا۔

امیر بشیر سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا: اگر میری پوششنگ کراچی سے باہر ہو گئی تو کیا، اور
سنہالے گا کہ تم سے ابھی وہ پوری طرح سے بے تکلف نہیں ہو۔ وہ دل کی بات کی ہے۔
کرنا۔

میرا بھی تو کچھ پتہ نہیں، میں نے کہا۔ شاید میں کراچی سے چلا جاؤں۔ مجھے ڈی ڈی۔ ای
لوگ پسند نہیں ہیں۔ ڈائریکٹر راجہ اندر بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ پھر قہم کا انچارج ہے۔ وہ غور
بدلتیز ہے۔

تو تو نے شباب سے بات کی، امیر بشیر نے کہا۔

نہیں ابھی نہیں۔ شباب مجھے لانا اور بھیجنے کی سوچ رہا ہے لیکن بھائی جان کہہ دیجئے
مفتی کو واپس پٹری آنا ہو گا۔

بھائی جان اور بااؤل معاملہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا، امیر بشیر نے کہا، یہ تم جانو۔

تو وہ جواب دیتا، میں نہیں ہو سکتا۔

میں نے بار بار پوچھنے سے روک دیا تو اس نے اسے اس روز مجھے میں بولا، کہا، جو ہے کہ میں
اس میں کہہ رہا ہوں۔ تم نہ جانو۔ تم چلے گئے تو میں واپس کٹن پائس میں چلا جاؤں گا۔ وہاں
کوئی کھل نہیں کئے گا۔ مجھے وہاں جانے پر مجبور نہ کرو۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

شباب کی جانب ہم سب کا ہر وہ مختلف قتلہ، حلیف کو شباب کے خلاف سخت گھہ تھا کہ وہ
دل قریب ہونے کے بلکہ وہ حلیف کی مدد میں کر رہا تھا۔

اس لاش کو شباب کی ذات سے لگاؤ تھا۔ شباب کا نام سن کر وہ کھل اٹھا تھا۔ جب بھی
اس کا وہ بڑے شرق سے شباب سے جا کر تھا۔ لیکن ملاقات کے دوران اس نے کبھی اپنی بات

نہیں کی۔

امیر بشیر، شباب سے بے نیاز رہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شباب ایک اچھا آدمی ہے۔ ہمدرد
کلاس ہے، اس کے علاوہ اس نے شباب کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

بشیر، شباب کے خلاف تھا اور میرے دل میں بھی شکوک ڈالتا رہتا تھا۔

دیئے۔ یہ بھی ایک ادبی فن کا خطہ تھا، لیکن اس کا انداز قطعی طور پر مختلف تھا۔ لہذا ہم آپ کو چاہتے ہیں۔ ہم آپ کی تفسیفات کے قاری ہیں۔ ہمیں آپ کی تمام انداز پسند ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ سے ملاقات کریں اور آپ سے ملا خیال کریں۔ امید ہے آپ ہم سے تعلق کریں گے۔

اگلے آثار کو کیا رہے آپ صدر کے مرکزی پارک میں تشریف لائیں۔ مرکزی پارک صدر کے چوک میں واقع ہے، جس کے مرکز میں فورہ ہے۔ پارک میں کئی ایک بنجی پڑیں ہیں۔ پارک کے صدر دروازے گیٹ کے قریب ہے۔ چھ ہے اس کے اوپر ایک درخت استلہ ہے۔ یہ واحد چھ ہے جس پر دوسرے درخت سلیہ ہوتا ہے۔ آپ اس چھ پر تشریف رکھیں۔ گیارہ بیگے ہمارا ملائوڑ آئے گا۔ آپ سے ملے گا۔ آپ گاڑی میں بیٹھ جائیے گا۔ وہ آپ کو ہمارے گھر لے آئے گا۔ گھر میں میرے میاں میں اور ہمارے دو نوجوان بیٹے ہیں۔ آپ سے مل کر ہم خوش ہوں گے۔

دوسرے کا کہنا آپ ہمارے ساتھ کہاں گئے، پھر ہمارا ڈرائیور آپ کو صدر دروازے اسی مقام پر چھوڑ آئے گا۔ امید ہے آپ ضرور تشریف لائیں گے۔

ملاقات کی خواہش

”سن“

اس خط کو پڑھ کر میں بہت حیران ہوں۔ تو یہ خط چنڈیائی تھا، تو ترقی یافتہ ساری باتوں کی تھی، پر اسرار تھی۔ میں جیسے مسرور آف دی کورٹ آف لائنز کا کوئی ورق ہو، چھ دن میں اس خط کو جب میں ڈالے سوچا رہا۔ بلا بھی رہی ہیں۔ چوری نہیں لکھا، یہ ”میاں دہا“ موجود ہوں گے اور یہ بات وضاحت سے بتا رہی ہے کہ بچہ نوجوان ہیں۔ اپنی عمر پر پردہ ڈال رہی۔ ظاہر ہے کہ عمر رسیدہ ہے۔

کئی ایک بار مجھے خیال آیا کہ جاکر شاب گوئی خط دکھائوں، اس سے پوچھوں کہ جانتا ہوں کہ نہ جانتا۔

علم کا حکم خط پڑھ کر قدرت کی آنکھ میں چمک اترے گی اور وہ مسکرا کر کہے گا: یہ کیا ہے جو ضرور ہوا۔ ایسے مواقع کیا روز روز ملتے ہیں۔ وہاں جا کر محترمہ سے کہنا۔ بات ہیں کیوں نہیں وہ بھی لگتے ہیں۔ ایسا اچھا تو میں لگتے۔ جیسا میں لگتا ہوں۔ انہیں بھی پڑھے۔ شاید آپ انہیں انڈر کسٹنڈریشن رکنا پسند کریں۔

بھائی

بھائی باتیں کرنا پسند کرتا تھا، لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دیکھنے کی باتیں ہیں۔ میں کوئی خاتون اسے لٹنے کے لیے آتی تھی، تو وہ چہرین کر بیٹھ جاتا تھا۔ تو بات میں کوئی خصوصی ”میل اپیل“ نہ تھی پھر بھی لڑکیاں اور خواتین اس کی باتیں سنیں۔

انہیں سمجھا کہ خاتون کا اہتمام اس کے حوالے کی وجہ سے ہے۔ پھر جب میں نے انہیں اس کی چاہت کہنے جاتے دیکھا تو میں سوچ میں پڑ گیا یا اللہ یہ کیا ہی ہے۔ میں نے شب سے پوچھا کہ ”لڑکیاں اور خاتون آپ کی چاہت کبھی آتی ہیں۔“ وہ ہلا۔ کیا واقعی کبھی آتی ہیں۔

بھائی نے کہا۔

”اگر ہاں“ آپ کو اس کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔

سر ملٹی میں بلا دیا۔ آپ میں بھائی کوئی میل اپیل نہیں ہے۔

بھائی کی نیکی ہے، وہ بولا۔

بھائی بول دیتی تو جسم میں ہے، انداز میں ہے، لیکن اکہار آگے سے ہوتا ہے، لگتا ہے۔

بھائی کی سلیٹیڈ آئی چکاتے نہیں دیکھا۔

بھائی نے کہا، وہ بولا۔

بھائی نے کہا، وہ بولا، اپنا جسم سے متعلق علم جھانڈنے کا جانا وہ میرا سہارا تھا۔

بھائی نے کہا، سلیٹیڈ آئی ارادے سے نہیں چکائی جاتی۔ ارادے سے چکائی جائے تو غصہ

آتا ہے۔ خود بخود جانیے بغیر پیچک جاتی ہے۔

وہ غور سے میری بات سن رہا تھا۔

مجھے آج تک کبھی میں نہیں آیا کہ آپ میں مقامی طاقت کہاں ہے، میں نے آرا

مجھے بھی کبھی میں نہیں آیا، وہ بولا۔ لیکن ارد گرد بیسٹس پگڑ پگڑاتی رہتی ہیں۔

بیسٹس کیا میں نے پوچھا۔

پگڑ پگڑیں، وہ بولا، میں انہیں بیسٹس کہا کرتا ہوں۔

کیا آپ خود انہیں حرکت میں لاتے ہیں، میں نے پوچھا۔

انہی نہیں۔

آج آئیے، میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں۔

انہی، ہار نہیں رہا کہ کہاں چاہا ہے مجھے۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ میں نے کہا آپ سے ملنے سے پہلے مجھے پتہ تھا کہ کہاں

آج آئیے، وہ بولا، میں انہیں بیسٹس کہا کرتا ہوں۔

کئی گئی، ہم پر ایک کہانی لکھ دیجئے۔

ایک لکھنؤ میں نے پوچھا۔

کہہ بھی لکھ دیجئے، وہ بولی۔

میں تو حیدرآباد میں بھی جانتا تھا میں نے کہا۔

کہہ تو جانتے ہیں بلہ وہ بولی۔

اب جانتے تھے یہ کیا میں نے کہا۔

آپ جانتا سمجھیں یا نہ سمجھیں میں تو سمجھتی ہوں بلہ وہ پڑا رہے دیجئے، وہ بولی، پر دے

آپ نے سے کہانی نہیں بتی۔

(ایک لکھنؤ میں نے پوچھا) لکھنے کو کچھ ہو بھی۔

جس کچھ ہے۔ بہت کچھ۔ صرف محسوسات ہی تحریر میں رنگ بھرتے ہیں تا یہ کہ کہ اس

کا لگا رکھ دیا۔

پندرہ ایک دنوں کے بعد اس نے پھر فون کیا بولی۔ آپ نے وہ آپ بتی لکھی۔

نہیں میں نے جواب دیا۔

تو لکھیے نا وہ بولی۔ دیکھئے ہر کہانی کا ایک انجام ہوتا ہے، اس کہانی کا بھی انجام ہو جائے۔

انجام کیوں ہوئے وہ اسے۔

جانتی تو رہے گی۔ ہم نے بھی کوئی تحریک نہیں چٹائی جس میں رک جانے کا خدشہ ہو۔

لکھیے جلدی لکھیے۔

آپ کو کسی پتے کا کچھ شائع ہو گئی ہے۔

ہم خبر رکھتے ہیں۔ کراچی کے کسی پرے میں چھپوایے گا۔

میں نے ایک کہانی لکھی۔ عنوان تھا "یونہی نہ بتی"۔

جس میں "مطہر" نہ ہوا۔ ایسے کا گیسے خالی ڈبہ ہو۔ کہانی صرف عنوان میں تھی۔ متن سوکھا کاٹھ

اس خط نے میرے ذہن کو اندازے کی طرح چینیٹ کر رکھ دیا۔ یہ خاتون کیا ہیں؟
جذبہ اور پھر اس قدر ضبط۔

ہمارا راولپہ ۳۵ سال قائم رہا، تک قائم ہے۔

سال دو سال میں اس کا ایک خط اور ایک فون ضرور آتا ہے۔ اس عرصہ میں ہم
بسیوں مکان بدلے۔ کئی بار فون کا نمبر بدلا۔ لیکن اس کے خط پر ہمیشہ صحیح پتہ لکھا ہوتا ہے۔

لگتا ہے۔ جیسے ہماری ہر نقل و حرکت کا اسے پورے طور علم ہوتا ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ میں لاہور گیا ہوتا اور اس کا فون وہاں آجائے۔

میں اس سے پوچھا کرتا تھا کہ "تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں لاہور گیا ہوا ہوں۔"

اس نے جواب میں کہا "ہم آپ کے بارے میں ہر تفصیل کا پتہ حاصل کرتے ہیں۔"

کیسے حاصل کرتی ہو۔

ہم اپنے سارے وسائل والا پکڑ لگاتے ہیں۔

میں نے چڑ کر کہا۔ تو خاتون ہے یا جن ہے۔

ہم دونوں ہیں، وہ جواب دیتی۔ آپ کو علم نہیں، جن کا سینہ ذکر نہیں مومن ہے۔

تو مجھ سے "تھی کیوں نہیں" میں پوچھتا۔

پھر کہیے، وہ ہنستی۔

میں پھر اپنی بات دہراتا۔

پھر کہیے، وہ پھر ہنستی۔ پھر "نہا" بتییدہ ہو جاتی۔ اچھا ہی ہوا کہ ہمارے لٹے کی،

مسودہ ہو گئیں ورنہ۔

ورنہ کیا میں پوچھتا۔

ورنہ کیا پتہ؟ ہم کس راستے پر چل پڑتے؟ یہ کہہ کر وہ چٹ کر رکھ دیتی۔

UrduPhoto.com

۳۵ سال کے طویل عرصے کے دوران میں صرف ایک بار اس نے ایک فرائیڈ کی تھی۔

UrduPhoto.com

یونہی نہ بتی میرے افسانوں کے انھیں مجھے "کسی نہ جانے" میں شامل ہے۔

میں لگا۔ کبھی جاتی تھیں۔ فورسز بی یڈ کا مقصد آزمائش تھا۔ اور شہاب نے اس پہنچ کو قبول کر لیا تھا۔ وہ بیٹیس سے انرجی حاصل کرتا اور دوسری چٹاب سوڑتا تھا۔

تھا۔ میں اسے شہاب کے پاس لے گیا۔ یہ ۱۹۸۳ء کی بات ہے۔
یہ کیا چیز ہے 'اس نے پوچھا۔

پتہ نہیں 'میں بولا 'آپ سے پوچھنے آیا ہوں 'اسے پڑھ لیجئے گا 'میں پھر آؤں گا۔
اگلے روز میں پھر گیا بولا بند بند ہے 'کھلتی نہیں۔ عموں کتا ہے کھلے گی۔ بیک بی بی
ہو گی۔ بونیاں پڑیں گی۔ وہ کیا بول آپ نے دیا ہے اس جی میں۔
وہ ہے 'بڑی بڑی۔ بونیاں

بر سے ہوا
بونیاں تو ہیں 'وہ بولا 'جین مینہ نہیں برسا۔
میں نے کہا 'میری 'اس کمانی کی وجہ تیرہ سن لیجئے پھر بات سمجھئے۔
میں نے محترمہ 'سن 'کی ساری کمانی سادی۔

فورسز بی یڈ

سن کر بولا 'بڑی اٹوکی بات ہے۔ ایسا کبھی ہوتا نہیں۔
میں نے کہا 'ہاں بڑی اٹوکی بات ہے۔
قدرت بولا۔ جب اٹوکی ہوتی ہے تو مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ہوئی نہ ہو 'کر والی مٹی ہو۔
میں نہیں سمجھا 'میں نے جواب دیا۔
جیسے فورسز بی یڈ کا ہاتھ ہو۔
فورسز بی یڈ کا کیا ہاتھ ہو سکتا ہے۔
شاید ہو 'وہ بولا۔ کوئی مقصد ہو۔
مقصد کیا ہو سکتا ہے۔
شاید آپ کو سکھانا مقصود ہو۔

کیا سکھانا۔

کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔
ان دنوں مجھے کم نہ ہوا تھا کہ شہاب کے گرد جو بیٹیس منٹلاتی تھیں 'وہ خود نہیں آتی

ہاں اور ستارہ

راہِ پیدہ کی پہچان میں سیدھا راہِ فہم کے پاس گیا۔
 نہ فہمِ سیدھا راہِ پیدہ، نہ پیدہ راہِ فہم، نہ پیدہ راہِ فہم، نہ فہم راہِ پیدہ۔

تیسویں باب

پہلے میرا خیال تھا کہ یہ اہمیت حوالے کی ہے۔ درحقیقت صدر صاحب کو اہمیت دی جا رہی ہے اور چونکہ صدر صاحب تک پہنچنے کے لیے توسط ضروری ہے اس لیے ستارہ کو اہمیت دی جا رہی ہے۔

یہ مفروضہ بہت جلد دم توڑ گیا۔ چونکہ بھائی جان انکو کما کرتے تھے کہ ہلال کا کیا ہے وہ تو گھٹنا پرستار رہتا ہے۔ اس کے برعکس ستارہ میں قیام ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ مولفہ نور کا ایک مخصوص پروگرام ہے جو اسلام کے نشاۃ ثانیہ سے متعلق ہے بھائی جان کما کرتے تھے سرکار قبلہ کا پروگرام کل میں آکر رہے گا۔

بحیثیت سیکرٹری ستارہ کے اس پروگرام میں شامل ہونے کی اجازت تو مجھ میں آتی تھی لیکن انفرادی حیثیت میں ستارہ کیا کر سکا تھا۔

لیکن اس روز کراچی میں چٹکن کی کیفیت میں قدرت کی باتیں سن کر مجھے شک چڑنے لگا تھا کہ قدرت وہ نہیں ہے جو ظاہر دکھائی دیتا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اس کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہے۔ لیکن شک ابھی دائروں ذیل قلم اس نے یقین کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔

راجہ سنے کے بعد میں قدرت سے جا کر ملا۔ قدرت ایک ہوش میں مقیم تھا۔ لیجئے میں آگیا فرمائیے مجھے کس لیے بلایا ہے۔

بڑا اچھا کیا آپ آگئے وہ بولا۔

کوئی سہکتا لگتا ہے کیا میں نے پوچھا۔

نہیں وہ بات ختم ہو گئی۔ اب آپ آٹھ دن فرلوہو ہیں۔

کیا بات تھی جو ختم ہو گئی۔

اشفاق نے ہلکتے ہوئے لیل و نهار کا ہمارے لیے لیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ "امروز" لاہور

میں۔ لیکن میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ آپ کے بھائی جان آپ کو رولینڈی میں

لانا چاہتے ہیں۔

UrduPhoto.com

خواب

UrduPhoto.com

اپ بھائی جان سے سنے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

نہیں ابھی نہیں وہ بولا۔

پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میری قید تائی پڑی میں ہو۔ رات میں نے خواب میں انہیں دیکھا تھا گھر کر رہے تھے کہ ابھی تک آپ کو یہاں کیوں

لا رہا۔

اپ خوابوں کو ماننے ہیں کیا؟ میں نے پوچھا۔

ہاں کچھ ماننے والی ہوتی ہیں کچھ نہیں۔ مثلاً میں ایک خواب بار بار دیکھ رہا ہوں۔

بار ایک ہی خواب میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا، "کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ حیرت کی بات ہے کہ خواب کے کوائف بالکل نہیں

ایک سے دوسرے ہیں جیسے کاربن کاپی ہو۔ دیکھتا ہوں کہ ہم بولٹی جناز میں جا رہے ہیں۔

پھر کچھ کچھ کما رہا ہے۔ کچھ سمجھتا ہوں کہ اب گرا کہ اب گرلا لیکن جلد ہی وہ بجے جیت لینڈ کر

ہاں۔ اس میں سے صدر ایوب صاحب کی کافین کے قلم ارکان باہر نکل آتے ہیں۔ پھر ہم

صاحب کو باہر نکالتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں شیشہ توڑنا پڑتا ہے ہم انہیں کھینچ کر باہر

لا رہے ہیں۔

حیرت میں نے پوچھا۔

پھر نہیں وہ بولا اس تفصیل کی وضاحت نہیں ہوتی۔ جنازے باہر نکل کر ہم فیصلہ کرتے

جنازہ اڑان کے قاتل نہیں ہے۔

بات اڑانے کی کوشش کرتا ہے اور جنازہ کو اڑا کر لے جاتا ہے۔ بس اتنا ہی خواب ہے۔

ایک خواب ہے میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا جب کراچی جیل میں وہ قیدی مجھے ملا تھا۔ سلیٹری سل والا قیدی یاد ہے آپ

مجھے یاد ہے۔

اسے میرے اس خواب کا طم قند

اس نے بات کی تھی کیا۔

ہاں اس نے اس خواب کا حوالہ دیا تھا کہنے لگا "اپنا وہ خواب یاد ہے جو تم بار بار دیکھ رہے

ہو اہل جنازہ والا خواب وہ خواب ایک وار تک ہے کہ تم حیرت حاصل کرو۔

تو کیا آپ نے عبرت حاصل کی؟ میں نے پوچھا۔

وہ ہنسا، مجھے ہنست ہی سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ جب اسی میں صدر صاحب کے ساتھ ہوا
جماڑ میں سفر کرتا ہوں تو یہ خواب مجھے یاد آجاتا ہے اور پھر جماڑ کو خواہ مخواہ جھنگے جھگڑے۔

میں نے کہا، راجہ شفیق ہے کہتا ہے، آپ سے مزار پر آنے کا دن اور وقت طے کر لیں۔

اے اہل ہمان ہمان ہیں، اس نے پوچھا۔

اے وہ آج ہی مری سے آئے ہیں۔

کیسے ہو سکتا ہے۔ قبرستان کے اندر گاڑی لے آئے۔ یہ تو ہی غص کر سکتا ہے جو مرہٹوں کے احوال سے پورے طور پر واقف ہو۔ لیکن قدرت کو تو راستہ ہی معلوم نہ تھا۔ ایاب ہار میرے کہنے پر وہ اور اشتقاق ریٹی کی پٹری پر چلتے رہے تھے اور انہیں مرہٹوں کا نظریہ نہ آیا تھا۔ اور اب وہ گاڑی لے کر قبرستان کے اندر اس خاص احاطے تک پہنچ گئے۔ وہاں مرہٹوں کا مزار تھا۔ یہ کہنے ہوا۔ پھر یہی جان کر اس کیفیت میں ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ایک ٹھہرے ہوئے پارکرواں فرو تھے۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ غلو کے قریب ہی تھے۔ بات یہاں چار چار نہیں کرتے تھے۔

اب انہوں نے دستار بندی کی بات کی تھی اس وقت وہ بری طرح چڑھے ہوئے تھے۔ یہ دونوں ساتھی راجہ اور دانی پیدائشی طور پر ایٹائی تھے۔ وہ بات مان لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ چونکہ بھائی جان نے کہا تھا اس لیے ہاتھ بچ تھا۔ چوں دچا کر نے کی کھانکھان نہ دیا۔ شیعہ تو ہاتھ بچ روایتی مرہٹا تھا وہ سر تسلیم خم کر کے والا تھا۔ اس بات کے بارے کا تھا اس لیے میں عزیز ملک سے جانا۔ عزیز ملک میں قصہ ضرور اچھا تھا۔ جیسا کہ میں اس کی سوچ بیتی بدل اور متوازن تھی۔

اس نے بڑی غور سے میری بات سنی۔ کہنے لگا: دستار بندی کی بات میری کچھ میں نہیں

دانی میں حقیقت صاحب بڑی بے میری سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ وہاں پہنچا تو انہوں نے کہنے میں بڑا کرکڑی لگا دی۔ بولے۔ مفتی ممتاز کو کیا کر کے آیا ہے۔ مجھے ساری بات

میں نے کا حقیقت صاحب میں نے آپ کا پورنل شاپ صاحب کو پیش کر دیا تھا اور ساتھ ساتھ کہہ دیا تھا کہ اس قسم کا ایک ٹھکانہ بن جائے تو سب کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

اب اس نے۔

اب کر چپ ہو گئے سوچ میں پڑ گئے۔

میرے اندر کے چونکہ پہنچنے نے شہر بھرا اقتدار لگایا۔ وہ کیسے آسکتے تھے۔ راستہ میں میں کھڑا تھا۔ اور انہیں تو رستہ بھی نہیں آتا تھا۔

وہ آئے تھے بھائی جان نے دہلیا۔ ملاقات ہو گئی ہے۔ بولے۔ ہمارا کیا ہے؟ ہم نے ہڈی سے ملا تھا۔ بھائی جان فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے باتیں کرتے جاتے تھے، کسی سے شکایت نہ تھی۔

سرکار قبلہ تشریف لائے تھے۔ ان کے ساتھ پانچ اولیاء کرام تھے۔ انہوں نے ہاتھ دستانہ بندی کی۔ ایک مظہر تھا دیکھنے والا مظہر۔ شہر ہے ہم اپنے فریضے سے جسکدوش ہوئے۔ ستارہ چلے اور سرکار جائیں گیں سرکار کا پورکرام عمل میں آکر رہے۔ گجہ انشاء اللہ۔

اللہ کے فضل سے ایک آفت ہو آئے والی تھی ٹل ٹل گئی ہے۔ ہم وعدہ ملی طرز نکرو۔ حق میں ہیں۔ بھائی جان خود نکلی کر رہے تھے۔

جس وقت بے معنی ہے۔ شہر ایران کی جانب سے آئیں گے۔ دو ہلاک ہوں گے۔ شہر ہو گا۔ ہم اس روز کے شہر ہیں۔ ہم تو چاکر ہیں۔ حکم ہے کہ تلوار ہاتھ میں نہ لیں۔ سرکڑا لے کے لیے تیار رہو۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔ ایک ساعت کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔ بولے۔ ستارہ زیر تربیت ہیں۔

پتہ نہیں اس روز بھائی جان کو کیا ہوا تھا۔ وہ فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے بولے جارہے تھے۔

نہیں یہ نہیں ہو سکتا

میں اپنے ہی پکر میں گھم گھری کسا مارا تھا۔ وہ کیسے آسکتے تھے۔ راستہ میں تو میں کھڑا اور انہیں رستے کا ٹھم نہ تھا۔

اس روز دانی اور راجہ دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے کسی میں جرأت نہ تھی کہ بھائی جان، باتوں کو نوکے بھائی جان اسی روز میری دالیں پٹے گئے۔ میں نے دانی اور راجہ سے پوچھا کہ یہ

ہوا۔ وہ دیکھتے آئے۔ میں نے دانی سے پوچھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ راجہ کہنے لگا۔ پتہ نہیں کیسے آئے۔ لیکن وہ آئے تھے۔ گاڑی میں آئے تھے۔ یہاں کہیں

تک گاڑی لے آئے تھے۔

میں۔ دیوار پر نظریں جمائیں اور ہاتھ کی طرف ہوں دیکھا رہتا ہے جیسے وہ اپنی فلم
ہو۔ اندر بٹیر کمرے قلعی طور پر لا قفل ہو گیا تھا۔ اسے صرف ایک دھن کی دوا
امریکہ، فلم امریکہ، حلیفہ صاحب خود محسوس کرتے گئی تھے کہ دفتری فضا بیل دلی

پچھ

ایک روز حلیفہ مجھ سے کہنے لگے، 'مفتی ممتاز دفتر کو کیا ہوا ہے۔'

میں نے جواب دیا، 'کیا ہوا ہے؟ کچھ ہوا ہے کیا؟'

بولے، 'دفتری فضا بیل دلی ہے۔'

میں نے کہا، 'حلیفہ صاحب دفتری فضا تو آپ خود ہیں۔'

کیا مطلب؟

دفتری فضا آپ بناتے ہیں۔ آپ سحر کرتے ہیں تو دفتر میں خوشی کی لہر دو جا آئے

اٹتے پر تیری ڈال لیتے ہیں تو دفتر میں سب کے منہ لہجے ہو جاتے ہیں۔

کہنے لگے، 'مفتی ممتاز تو بڑا چٹاک ہے۔'

میں نے کہا، 'جب آپ کیا تھا تو معصوم تھا آپ کے ڈی او اے کے چٹاک بنا دیا۔'

بولے، 'سچ سچ تھا تو دفتر میں کیا ہو رہا ہے۔'

میں نے کہا، 'حلیفہ صاحب کبھی مٹھن کی بات کر لیا کریں۔ مجھے دفتر سے کیا لگتا ہے۔'

آپ کا پی اسے ہوں۔

سیانے کہتے ہیں کہ پچھندہ کر رہا ہو تو اس کی توجہ کسی اور چیز پر متصف کر دیں۔

اسے حلیفہ بھی ایک چہرہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کی ضد توڑنے کے لیے توجہ اس کی

طرف متصف کرنا ضروری تھا اس کی میں میں پھونک بھر دیتے۔ بس بات بن جاتی۔

پھر قدرت اللہ کی وسالت سے اندر بٹیر کو فلمی سکارپ مل گیا۔ اس خبر سے

جنون فوٹا نہیں بلکہ اور کاڑھا ہو گیا۔

وہ امریکہ جانے سے پہلے ہی امریکہ پہنچ گیا جس روز ہم اسے ایئر پورٹ پر

گئے۔ اس روز اس کا جنون نقل و حرکت تک پہنچ چکا تھا۔ وہ کراچی کے ایئر پورٹ کو نہیں لے

والہیں آئے کہ بعد وہ بظاہر خاموش ٹارل ہو گیا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں قلعی
تھا۔ اس کی پیسہ نہیں کیوں اندر بٹیر کے دل میں یہ یقین ایسا ہی کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ
فلم بنانے کے لیے پیدا کیا ہے۔

سات بات کہتے دیکھ کر اندر بٹیر کا دل اسٹنٹ ڈائریکٹری سے اچھا ہو چکا تھا۔ اور
اس کی اس بات پر غور کر رہا تھا۔

وہ اس نے مجھے بتایا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کہنے لگا، 'دیکھ ممتاز دفتر کے
تجھے معلوم ہے کہ دلچایہ دینا آپ ہو رہا ہے۔'

میں نے جواب دیا۔ دلچایہ دینا آپ کیا جا رہا ہے۔

وہ بولا کہ ہمیں کس جگہ میں تہنات کیا جائے گا۔ ہم تو اور میں بنیادی طور پر

تو اور دفتری دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ کوئی حقیقی کام کریں، اپنا کام

اور وہ ہے کہ فلم بنائیں۔

کہیں سے آئے گا میں نے پوچھا۔

وہ بولا، 'ہم تو وہی چاہتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت بن ہی جائے گی لیکن ہمیں ابھی سے

دعا دینا چاہیے۔'

اب اس نے پوچھا۔

کہ انتقام نہیں ہوتا ہم سچے روک ہی کھل کر لیں۔

بیمہ ور کا مطلب۔

تم ایک کمپنی لکھو، صرف آؤٹ لائن۔ میں اسے سینوں میں پٹت دوں۔ پھر تم اسے مکالمے لکھ دو۔ اس کام میں تقریباً چھ مہینے لگ جائیں گے، جب تک پیسے کا انتظام ہو جائے۔ فن دنوں میری توجہ کسی اور جانب مرکوز تھی۔ میرا بی بی نہیں چاہتا تھا کہ فلم کی اس قدر بے نظمی دیکھ کر خفا ہو جائے۔ لیکن احمد بشیر نے اتفاقاً کرنا شروع کر دیا۔ مجھے اس پر بڑے دیکھ کر قیصر نے پوچھا بات کیا ہے۔ میں نے کہا یار احمد بشیر فلم کے لیے کمپنی بنا رہا ہوں۔ سوچ رہا ہوں کہ موضوع کیا ہو۔

بولو، لویہ بھی کیا سوچنے کی بات ہے۔ لو سٹوری لکھ دو۔ میں نے کہا، لو سٹوری ہے۔

لو سٹوری - انشاء کی

کہنے لگا، عام لو سٹوری نہیں۔ انشاء کی لو سٹوری لکھو۔ انوکھی محبت۔ ایسی محبت کہ کسی بھی کی نہ ہو، سنی نہ ہو۔

میں نے کہا، کیا خصوصیت ہے انشاء کی محبت میں۔

میں نے کہا، یہ زبان رنگ ہو جاتی ہے، آنکھیں جھک جاتی ہیں، منہ سے بات نہیں نکلتی۔ جانا

میں نے کہا، یہ ہے مگر سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔

میں نے کہا، میں نے اسے پوچھا، مجھ سے۔

میں نے کہا، وہ بڑی تیز طرار ہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔ پڑھی لکھی

اور امر بھی کہتی ہے۔

میں نے کہا، یہ ہے اس کا منہ ہے اس کا منہ نے پوچھا۔

میں نے کہا، اسے تسخیر اڑاتی ہے۔ بلکہ اب تو میاں بیوی دونوں مل کر انشاء کے جذبے کو کام میں

انشاء کا استحصال کرتے ہیں، فراغتیں کرتے ہیں۔ اور انشاء کو پتہ ہے کہ وہ اسے بنا

رہا ہے۔ پھر بھی وہ پھولے نہیں سنا، فراغتیں پوری کرنے میں اسے بڑی خوشی ہوتی ہے،

میں نے کہا، کیا پایا ہو۔

میں نے کہا، ہنس کر کہتی، میرا خیال تھا کہ محبت میں مجھ سے بڑا امتیاز کوئی نہیں ہو گا، لیکن انشاء

میں نے کہا، ان کی نشانیات سن کر میرا دل ڈوب گیا۔

میں نے کہا، احمد بشیر کہنے لگا کہ انشاء سے جب ہم کہتے ہیں کہ یہ وقف، وہ تجھے الوداعی ہے۔ جواب

میں نے کہا، وہ تجھ سے تعلق ہے۔ کہہ کر، عزم کر رہے ہو۔ جسیرا نہیں دے گا، اس نے مجھے

کہاں میں نے پوچھا۔
آپ کو راولپنڈی پہنچ کر آرڈر مل جائیں گے۔

کر کے اس میں دو بدل کر کے اسے فاضل آیز کر لیں گے۔ ایک دفعہ کھانی کی آؤٹ لائن
فیصلہ ہو جائے پھر مکالمے آسان کام ہے۔

اگلے روز جب میں دفتر میں بیٹھا۔ فلیس کھانی کی آؤٹ لائن نگہ رہا تھا تو ایک ڈیر لائی
دی۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا ہوں کہ
میں دفتری سٹاف کھڑے پھر کر رہا تھا۔

کون آئے ہیں میں نے پوچھا۔

ڈیر آئے ہیں ڈیر لئی سٹائی دی۔

کہاں ہیں۔

حفیظ صاحب کے کمرے میں ہیں۔

اجہ پھر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ کہنے لگا، گلرز کر ہم بھگت لیں گے وڈیر کو۔ تو آؤٹ
مکمل کر لے۔

میں کمرے میں جا کر کھانی کی تنصیحات سوچنے میں کھو گیا۔ کچھ دیر کے بعد حفیظ کا تاج
پولا، جناب آپ کو وڈیر صاحب نے یاد کیا ہے۔

وڈیر صاحب نے۔ مجھے میں حیران رہ گیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کون وڈیر ہے یہ میں نے پوچھا۔

جی بریگیڈر ایف آر خان ہیں۔

جب میں حفیظ صاحب کے کمرے میں پہنچا تو وڈیر صاحب نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا، آؤٹ

ممتاز مفتی ہیں نا۔

میں نے کہا، جی میں ممتاز مفتی ہوں۔

بولے، آپ فی الفور راولپنڈی چلے جائیں اور وہاں جا کر کیو بی شاہ صاحب کو رپورٹ
کریں۔

میں نے پوچھا، جناب مجھے وہاں کتنے دن رہنا ہو گا۔

میں نے کہا، وہ بولے، آپ کو ڈائریکٹر کر دیا گیا ہے۔

میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
میں نے ضرورت ہے تو ابھی بتا دیجئے۔

میں نے جواب دیا "فوری ضرورت نہیں ہے۔"

شب نے کتنی بھائی بھائی اسے کیا تو اس نے کہا "آپ ان کی جاننگ رپورٹ لے لیجئے۔"

لو لیس ڈی ہیں۔

شب نے کہا "میرا ارادہ تھا کہ آپ کو لاہور امروڈ میں
رپورٹ لے کر آؤں، لیکن بھائی جان کی خواہش ہے کہ آپ پنڈی میں رہیں۔ لہذا یہاں ایک نئی
گھر بنائی گئی ہے۔"

گھر بنائی جانے سے لے کر کیا میں نے پوچھا۔

اس ایک ہی طاقت ہوئی ہے۔ بھائی جان خوب آدمی ہے۔ مستند، با اصول عمل کے
اپنے آدمی کہیں لے کر ہیں، جو ذات کی اہمیت سے پاک ہوں، خدمت گزار ہوں۔

اور دوسرے جگہ میں نے پوچھا۔

کون کیا۔

جواب دیا "کیا گتا ہے جیسے وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ پاکستان کے متعلق جو ان کا
مقام ہے آپ اس میں شمولیت کر لیں۔"

پھر دوسرا "صاحب مزار" میری کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ سا متحرک رہتا ہے، اور بس۔
میں ان کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ وہ ایک بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔

ان کر میں حیران رہ گیا "اتنی بے اعتنائی کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ متحرک رہتا ہے۔
میں نے اس کے برعکس دوسرا بڑی کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں نہ آئی۔"

ادھر سے ادھر تھا کہ جس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ فوراً "موضوع بدل دیا
تھا۔"

اور پوچھا

اس نے موضوع بدلا دیا "ابن انشاء لاہور آئے ہیں کیوں چھپکا رہا ہے۔ کل میں نے اسے

صدر گھر

راولپنڈی پہنچ کر میں سید صاحب سے ملانا۔ مجھے دیکھ کر وہ بولا "اچھا ہوا آپ آج۔
میں نے بریگیڈر ایف آر خان سے کہا تھا کہ چارلے کا حکم بند آپ جاری کریں گے۔
آپ کے پاس رپورٹ کرنا ہے۔
دسب ہو جائے گا" وہ بولا

اولیس ڈی

بس اتنا دیکھ کر چارلہ کہی ہو رہا ہے "میں نے پوچھا۔
یہاں پنڈی میں "وہ بولا۔

کس دفتر میں "میں نے پوچھا۔

یہاں صدر گھر میں۔ اب آپ میرے ماتحت ہیں۔ میرے اولیس ڈی ہیں۔ آفسر تین
پیش ڈیوٹی۔ لیکن اس میں آپ کو نقصان دے گا۔ لوٹ تو یہ نئی پوسٹ ہے۔ اس پوسٹ کی
منظوری ملنا پڑے گی۔ پھر آپ کی ہے اس پر نو کس ہوگی۔ یعنی چھ مہینے تک وہ نہیں ملے گی۔
شاید گزارہ ان "اس ٹی جائے لیکن ہمارے پاس ایک امدادی نوٹوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں

VIII

007



’فون کیا تھا کہ آپ لاہور کیوں نہیں آجائے؟ وہاں ہم آسانی سے آپ کو اٹا موڈیٹ!‘
پھر اس نے کیا کہا۔

لاہور آنے میں پچھلے پچھلے ہٹ کا اکٹھا کیا۔

’نہیں وہ لاہور نہیں آئے گا۔ میں نے کہا۔ لاہور ہٹا کے لیے ایک پھوڑے کی بنا۔‘

’ہے۔ وہ لاہور کو بھول چکا ہے۔‘

APPHARS THAT LAHORE IS

لے اندر بشرے کہاں ہیں ہے تو کتنا تھا کہ یہ لاہور میں جائے گا۔

میں خود حیران ہوں وہ بولا۔

اگلے روز جب ہم دفتر میں بیٹھے تھے تو انشاء آگیا۔ اسے دیکھ کر ہم حیران ہوئے۔

انشاء میں نے کہا تو لاہور کیا تھا۔

انشاء بیٹہ کیا کہنے لگا یار میں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہوا۔ تم نے مجھے گاڑی میں بٹھا دیا۔

پہلی تو میں کتاب پڑھنے لگا۔ پڑی دلچسپ کتاب تھی۔

پھر گاڑی رکی۔ کوئی بڑا مشین تھا دیکھا تو سگرت ختم تھی۔ میں نے سوچا چلو سگرت خرید

لیا سوٹ کیس اٹھایا۔ سگرت خریدے اور پھر سے گاڑی میں سوار ہو گیا۔

پھر جو گاڑی رکی۔ تو سارے مسافر اتر گئے۔ دیکھا تو کراچی کا مشین تھا۔ حیران ہوا کہ یہ

ہوا کہ گاڑی کراچی سے چلی تھی اور واپس کراچی آگئی۔

قدرت جس کو بولا ہے بعد دلچسپ آدمی ہے۔

میں نے کہا دلچسپ نہیں لذیذ آدمی ہے۔

شام کو میں راجہ شفیق سے ملا۔ میں نے کہا راجہ بھائی جان کی بات پوری ہو گئی۔ میری

دلی ریلوینڈی میں ہو گئی ہے۔ کہاں وہ خوشی سے چلایا۔ میں نے کلمہ صدر گھر میں۔

خوشی سے وہ پاگل ہو گیا۔ اس نے دو ایک نعرے لگائے پھر بیٹھ کر سنجیدگی سے کہنے لگا یار

میری ایک ہی خواہش تھی وہ پوری ہو گئی۔ مجھے تو یہ آگیا پن کہا گیا تھا۔

میں نے کہا بھائی جان کہاں ہیں۔

کہنے لگا مری میں ہیں۔ اترنا کر رہے ہیں کہ مری کا کام ختم کر کے پٹری میں آ جائیں۔

کان کراے پر لے لیں اور اسلام آباد میں کام کریں۔ لیکن یار وہ بول بھائی جان وہ بھائی

نہیں رہے۔ پہلے ان کی توجہ ستارہ میں آگئی تھی اب ستارہ کی نیگم ڈانکر محنت پر مرکوز

ہو گئے ہیں ڈانکر محنت ہمارے بیٹی ہے۔

کیا واقعی میں نے پوچھا۔

پاکل وہ بولا۔

راجہ تجھے یاد ہے میری ماں نے مجھ سے سنت کی تھی کہ مجھے بھائی جان سے ملنا دو۔ میں



غفور ملک، محنت شباب، قدرت اللہ شباب (گورنمنٹ تھانہ شباب)



نشینہ
(قدرت اللہ شباب کی بھانجی)

خواجہ جان محمد (کھانا بھانجی)
عسکری مفتی، قدرت اللہ شباب

نے بھائی جان سے درخواست کی تو کہنے لگے۔ ملحق صاحب ہم خواتین سے نہیں جواہر دے دیا۔

عفت کو ڈانہوں نے بیٹی بنا لیا ہے راجہ نے کہل بھی اس سے لئے نہیں۔ اب وہ خود سے کہتے رہتے ہیں۔ عفت بیٹی کی گود کیوں نہ چری ہو۔ ضرور ہونی چاہیے۔ ہم نے کوکلی مرچ دم کر کے نہیں دی۔ لیکن عفت بیٹی کو کیوں نہ دیں ضرور دیں گے۔ راجہ بولا۔ بھائی جان کی ہماری طرف توجہ رہی ہی نہیں۔

صدر گھر میں قینقی کی وجہ سے مجھے قدرت کو قربہ سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ قدرت کی وفات کے بعد 'اشفاق احمد کی کتاب "ذکر شہاب" کے لیے میں نے ایک مختصر مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون سے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

قدرت کی شخصیت

شخصیت کے لحاظ سے پہلی نظر میں قدرت خامس پیمبر نظر آتے تھے۔ چودا قد، جسم بات کرنے سے عاری ہوگی، محل میں بیٹھے تو اس قدر سنجیدہ اور خاموش جیسے پتھر ہوئے ہوں، اونٹیاؤں سے خائف رہتے، اگرچہ اس بات ڈانہوں نے بھی کسی سے انکار کیا تھا۔ یورو کرش میں بیٹھے تو جیسے راجہوں میں گوا بیٹھا ہو۔

شور و شغب سے سخت گمراہ تھے۔ تقریر کرنی پر جاتی تو دل بیٹھ بیٹھ جاتا۔ انہی اپنی ان کیوں کو چھپانے کے لیے انہوں نے خود پر سنجیدگی بھری چپ طاری کر رکھی تھی۔ سنجیدگی بھری خاموشی بھری طرح سخت تھی۔ دوسرے کو پتھر کی طرح گنتی تھی۔ دوسرا کہہ رہا اس کا بیٹی چاہتا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ خاموشی قدرت اللہ کا واحد ہتھیار تھا۔ اگرچہ موثر تھا۔ حد موثر، مگر جموٹا بیٹھتی تھا۔

کردار کے لحاظ سے قدرت اللہ پتھر کے نہیں تھے۔ انسان میں شدید قسم کی حساسیت کی شخصیت کا سب سے بڑا وصف ہے۔ تاہم ان میں آکشی ضبط تھا۔ اندر بڑے حالات اور اہوار مارے ہوئے تھے۔ ان میں شدید ترین تکلیف کو برداشت کرنے کی قوت موجود تھی۔ بڑے سے بڑے کرب کے دوران کیا بھائی کہ چہرے پر اظہار کی جھلک نظر آئے۔ ان کا ہر

انداز اور طوفاں چاہا ہو لیکن باہر سکون ہی سکون ہوتا۔

قدرت اس قدر ذہین تھے کہ بات کرنے والا انہی تمہید چھو رہا ہو تاکہ وہ ساری بات اس کی پڑھنے کی پہلے اس قدر تیز تھی کہ میں ابھی دوسرا ہیہرا اگر اب چھو رہا ہو تاکہ وہ

پڑھ رہا ہو۔ میں اس کو پہنچا جاتا مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ قدرت نے سارا صفحہ پڑھ لیا ہے۔ اب کاندھ پر لکھا ہوا یہ لفظ پہ لفظ پڑھتے ہیں یا مفہوم سمجھنے کے لیے نظر گردانی کرتے ہیں۔ لفظ پہ لفظ پڑھتا ہوں۔ پھر بھی مجھے یقین نہ آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی ایک ریڈنگ کا

ایک دفعہ دفتر کا ایک ضروری کاندھ کم ہو گیا۔ بہت تلاش قدرت نے پوچھا کیا میں نے وہ کاندھ پڑھا تھا۔ میں نے کہا ہاں پڑھا تھا پھر پوچھا کیا تھا۔ میں نے بتا دیا کہ میں نے یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ چار پانچ منٹ وہ دیکھ رہا ہے۔ پھر بولے آپ لکھتے چائیں۔ میں لکھتا گیا۔ چند دنوں کے بعد اصلی کاندھ مل گیا۔ غلغلہ ساپ اور کرے تک فرق نہ تھا۔

میں بہت حیران ہوں۔ میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ میں نفسیات کا طالب علم تھا اور میں نے اس وقت مطالعہ کیا تھا اور خود کو نفسیات کا سمجھنے والا سمجھتا تھا۔ قدرت نے قدرت سے کہا یہ بات بڑی حیران کن ہے۔

میں نے جواب دیا 'میدم گی بات ہے۔' انہوں نے کہا کیسے۔

انہوں نے میری یادداشت Visual ہے۔ کسی کوئی چیز سامنے آ جاتی ہے۔ کوئی میں نے دیکھا ہے۔ بدھ عن رہتے تھے، کہتے تھے 'استیلا میں تم کتاب سے نقل کرتے ہو۔' اللہ کی انگریزی بہت عمدہ تھی، اپنے نوٹس وہ دفتری انگریزی کے بجائے امبی انگریزی

رہتے تھے۔ ان کے نوٹس ایک تو مختصر ہوتے۔ دوسرے ان نوٹس میں وہ بین السطور

بات کرنے کا بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ جب ان کا لکھنا ہوا لوٹ دفتر میں پہنچتا تو بھی لوگ اسے پڑھتے جیسے تحریر ہو اور پھر آپس میں گفتگو کرتے 'بھٹ کرے' 'مین اسطور' اور 'بھٹ کرے'۔

و مکر ہوتا ہے نہ دفتر ہوتا ہے بلکہ ایک ڈھکا چھپا میدان کار زار ہوتا ہے۔ ایک

ہاتھ کے بعد وہ قدرت اللہ کی رائے بھی دریافت کیا کرتے تھے، 'ملاں کہ کلینڈ میں
کلیں کی حیثیت نہ تھی۔ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرنے کے پلہ جو صدر اکثر مسکرا
تے تھے۔

Must you throw a brick on my head whenever I speak

ایک دن میں نے پوچھا، آپ جو صدر صاحب کے سامنے یوں کھڑے ہو جاتے ہیں، جیسے
ایک دل کا بچہ مولوی صاحب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر کیا اس لیے میں 'سر میں
ہوں، کہ وہ سربراہ مملکت ہیں۔

یاد رہا اس لیے بھی لیکن زیادہ تر اس لیے کہ صدر ایوب بہت ذہین آدمی ہے۔ میں
ان سے بہت متاثر ہوں۔

قدرت کے تعلقات عجیب تھے جو میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔
میں نے بھی اللہ یا اسلام یا پاکستان کی بات نہ کی تھی۔ کبھی تحقیق نہ کی تھی، جیسے بھائی
تھا کرتے تھے۔ اس نے کبھی مجھے صیحت نہ کی تھی، کسی بات پر ٹوکا نہ تھا۔ تو اس قدر سرسری
تھا کہ ایک دن کو کتنا محسوس نہ ہو کہ مثلاً ایک روز جوش گوئی پر بات ہو رہی تھی۔

جوش گوئی

حالات کے ابتدائی دور میں میں نفسیات میں دلچسپی لیتا تھا۔ ان دنوں نفسیات کا علم تھا
تھا۔ ڈاکٹر بری میں نفسیات کی کتابیں قندلوں میں ڈال دیتے تھے، اس لیے میں نے مطالعے کا
میں کی طرف موڑ دیا۔ نیکس کے بعد میں ایس پی (Sensory Perception) میں
میں جاتھا۔ مضمون بالکل ہی نیا تھا۔ کتابیں بہت کم تھیں۔ اس لیے مجبوراً مجھے
ایس پی کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ ان دنوں ایک رسالہ پریٹنکشن آسٹری سے مل جاتا تھا۔ کیو کی
میں بہت متاثر ہوں۔

ایک دن میں پریٹنکشن پڑھ رہا تھا کہ قدرت آلیہ۔ کہنے لگا، میں بھی کالج میں پریٹنکشن پڑھا
تھا۔ بری مضمون کی چیز ہے۔ لیکن پھر میں نے اسے چھوڑ دیا۔
ایک دن انگریز میں ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا، میں نے پوچھا۔

بات پر ان کا خلاف فائدہ انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔ وہ سب ٹیکرٹری کے خلاف کوئی
دیکھتا تھا۔ شباب کے خلاف کی خواہش تھی کہ وہ ٹیکرٹری کے حلقوں کاؤٹ کر دے اور
پورے خلاف حملہ آرائی کریں، تاکہ وہ بھی فائدہ انداز اختیار کر سکیں۔ لیکن قدرت
ٹیکرٹری کی حملہ آرائی کا بھی دلش نہ لیا تھا اور ان کی مخالفت کو دور خود اٹھانہ سمجھتا تھا۔

نہ تو شباب اس موضوع پر اپنے خلاف سے بات کرتا تھا نہ ہی ان کی بات متاثر
قدرت کا یہ رویہ اس کے خلاف کے لئے بے حد تکلیف رہا تھا۔
صدر ایوب کے ساتھ قدرت کا رویہ کھٹ مٹا تھا۔

صدر ایوب بلائے تو وہ کلڈ چل اٹھا کیوں بھاگا بھاگا حاضری دیتا جیسے کسی
ہو۔ صدر ایوب کے سامنے موجود نہ کھڑا ہو جاتا۔ جب تک وہ اسے جینے کو نہ کہتے کھڑا رہتا
کے انداز میں بے تکلفی یا افسریت کا شائبہ تک نہ ہوتا، سراسر جی حضور ہے۔

اس کے برعکس صدر صاحب کے پہلے بلاوے پر کبھی حاضری نہ ہوتی، چڑاسی آر
لائٹ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ ان دنوں صدر گھر کے چڑاسی صدر کو لائٹ صاحب کا
تھے۔ وہ برطانیہ کی رسم ایسی تک قائم تھی۔

ایک دن میں نے پوچھا۔ آپ پہلے بلاوے پر کیوں نہیں جاتے۔ تیرے بلاوے
کیوں کرتے ہیں۔

کہنے لگا، 'انتظام' پہلے بلاوے پر نہیں جاتا۔
اس میں کوئی مصلحت ہے کیا۔
ہاں، وہ بلاوے تاکہ انہیں یہ احساس ہو کہ ان کے بلاوے کے علاوہ بھی ضروری کام
ہیں۔ اس سے بڑا فرق پڑتا ہے۔

صدر ایوب کے سامنے وہ یوں نہیں سر میں سر کرتا دیتا جیسے خاص جی حضور ہے۔ وہ
تک صدر ایوب کو پہنچتے نہیں تھے وہ اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ جب وہ اس کی رائے
پوچھتے تو خشک انداز میں کہتا کہ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ پھر وہ مکمل کر لیتی
کا اظہار کرتے تھے صدر بڑے غور سے سنتے۔ وہ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرتے تھے
ہر معاملے میں پوچھتے تھے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حتیٰ کہ کلینڈ کی بینک میں بھی ارادہ

فہمیں 'وہ بولا' مجھے پیشین گوئی پر یقین نہ رہا پہلے بھی یقین کی وجہ سے نہیں تھا۔
دلچسپی کی وجہ سے دھا کرنا قلم
یقین کیوں نہ رہا۔

بس خیال آیا کہ اگر ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ قادر مطلق ہے اور (Finality Rests With) اس کے بعد پیش گوئی سے معنی ہو جاتی ہے۔

اور کشف میں نے پوچھا۔

وہ بھی تو پیش گوئی ہے 'اس نے جواب دیا۔

اور اگر کوئی بزرگ کشف کی بات کرے تو۔

چاہے کوئی بھی مستقبل کی بات کرے 'اگر آپ "کا۔ شیشی اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔
رکھتے ہیں 'تو آپ کو پیش گوئی پر حتی یقین نہیں آئے گا چاہے وہ کبھی حیرت ہو جائے یا نہیں اس پر حتی یقین نہیں کرنا چاہیے۔

نماز

میں نے قدرت اللہ کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری طرح وہ بے نمازی ہے۔ وہ تو اتفاق کی بات تھی کہ ایک دن میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔

چھٹی کا دن تھا 'میں اس کے گھر چلا گیا' میں نے عفت سے پوچھا 'شباب کہاں ہیں'۔

روم میں ہیں 'اس نے کلمہ میں بیٹہ روم میں گیا۔ کرو خالی پڑا تھا۔ میں نے پھر عفت سے پوچھا

میں نے کہا 'بیٹہ روم میں تو نہیں ہیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی کئی 'پچہ نہیں لگا

ہیں۔ اس کی مسکراہٹ بڑی باطنی تھی۔ میں پھر سے بیٹہ روم میں گیا ہاتھ روم کا دروازہ کھولا

ڈریسنگ روم میں قدرت نماز پڑھ رہا تھا۔

جب وہ باہر نکلا تو میں نے کہا 'آپ چوری چوری نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا آپ بھی

طرح لپٹنے ڈب پر شرمندہ ہیں۔

وہ مسکرایا 'کہنے لگا 'آپ شرمندہ ہیں کیا۔

میں نے کہا 'اے حد شرمندہ ہوں۔ سارے ہی فنلینڈ جنول شرمندہ ہوتے ہیں۔ ہوائی ہیں۔

انکات سے بعد ایک روز مجھ میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ نماز پڑھوں۔

'ایک نماز پڑھی آپ نے 'اس نے پوچھا۔

اوپر دس چار دن پڑھی۔ بڑے سیکورینی اور شیشی کے ساتھ۔ پہلے چاروں طرف دیکھ کر

ایک لڑکھانہ کو کوئی دیکھا تو نہیں 'پھر چپ چپ کر وضو کرکے پھر کمرے میں گھس کر اندر سے

ایک کالیٹا۔

وہ ہنسنے لگا 'ایسی تو کوئی بات نہیں۔

غالب ہے کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں کیا۔

کیوں نہیں 'وہ بولا۔

اس سے دو ایک مہینے کے بعد جب ہم دورے پر کراچی گئے ہوئے تھے اور شام کے وقت

کے ایک فیشی رستوران کے بڑے کمرے میں بیٹھ جائے لی رہے تھے۔ کمرہ گاہکوں سے

بھرا ہوا تھا تو دفعتاً مغرب کی آواز سنائی دی۔ مجھے قدرت کی وہ بات یاد آگئی۔

میں نے کہا 'آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے

ہیں۔

اس نے مسکرا کر 'سر لٹات میں بایا۔

کیا آپ اس کمرے میں نماز پڑھ سکتے ہیں 'ابھی اس وقت 'میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا۔ 'ہاں اس نے بلار آواز دی 'جائے نماز لاؤ۔ 'ہیرا حیرت سے ہماری طرف دیکھنے

لگا۔ قدرت نے بڑے حکم سے اپنا آڈر دہرایا۔

کچھ دیر کے بعد وہ کس کے میجر نے دورے کے کمرے ہو کر ہماری طرف دیکھا پھر ہیرے کو

الٹا دیا۔

ہیرا قریب آیا بڑے احرام سے بولا 'صاحب اندر نماز پڑھنے کا انتظام موجود ہے۔ آپ

شریف لے آئیں۔

میں نے قدرت نے کہا 'جائے نماز اس کمرے کے اس کونے میں بچھاؤ۔

قدرت اس کچھالے بھرے کمرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا اور کمرے کے تمام لوگ حیرت

میں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ڈیلے باہر نکل آئے تھے۔

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت تقاروت سے بھری ہوئی تھی۔

ظاہر وہ ایک خاموش اور مریض شخص تھا لیکن آنکھوں میں بھی محسوس ہوا تھا کہ اس کے اندر ایک انقلابی چمکا رہا ہے۔

ظاہر وہ ایک دہی آدمی تھا، رسم و رواج کے مطابق جینے کی کوشش کرتا تھا، وہ لوگوں پر شک کرنے سے اجازت نہ دیتا لیکن اندر سے وہ ایک انقلابی شخصیت کا مالک تھا، اس کی خیالات شدت سے منقو تھے۔ وہ ہر بات میں انقلابی رائے رکھتا تھا، اس کے باوجود وہ اپنی انفرادیت کا مزہ لیتی تھا، لیکن اس کے اعمال و افعال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خیالات اور کردار کے لحاظ سے ایک منقو شخص ہے۔

اس میں باکی جڑت تھی، لیکن ظاہر لوگ تھا جیسے ایک نئی ضرورت ہے۔

۱۹۶۰ء میں میں نے قدرت اللہ شہاب کی شخصیت پر ایک مضمون لکھا تھا اس مضمون میں سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت کو سمجھنے کا اصل ایک ارتقائی عمل ہے، جس میں عین مقام آتے ہیں۔

پندرہ ایک روز کی رفاقت کے بعد آپ محسوس کرتے تھے ہیں کہ آپ اس کی شخصیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ ایک سادہ، شہید، خوشگوار، شہساز اور ہر وقت شخصیت کا مالک ہے۔

مزید قریب حاصل : جانتے تو دلہا : آپ محسوس کرتے ہیں کہ خوشگوار، مستعار ہونے کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا بعد ہے۔ وہ قریب نہیں آتا، قریب آئے میں دلتا۔ آپ حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیسی شخصیت ہے۔ دو روزے چوتھے کئے ہیں لیکن اندر داخل ہونا دشوار ہے۔ آپ سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ پر واضح ہوتا ہے کہ آپ شہاب کی شخصیت کے بہت پہلوؤں سے واقف نہیں ہیں۔

اس کے بعد اگر قریب قائم رہے، تو ایک روز آپ پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہاب کی شخصیت کا ایک پہلو کسی انجیل سے متعلق رکھتا ہے، جس کا آپ احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس

قدرت اللہ شہاب آپ کے دہرے انہی بن کر آکر آہوتا ہے۔

پس شہاب کو جاننے کا عمل سمجھنے سے شروع ہو کر نہ سمجھنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک

عملیات ہے جس کا اور ان مشکل ہے اور یہ بیان کرنا بہت دشوار ہے۔

شہاب سے ملنے والے بیشتر لوگ تو پہلی ہی منزل پر رک جاتے ہیں۔ بہت کم لوگ دوسری

منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور تیسری منزل تک پہنچنا شاید ہی کوئی پہنچا ہو، مجھے اس کا علم نہیں۔

قدرت میں ایک "مبگنٹینک" قسم کی "ڈول پار" ہے۔ وہ آپ کی توجہ کو ہانک سکتا ہے کہ آپ کی توجہ اس حد تک آگے آئے، اس سے آگے نہیں۔

قدرت اللہ کو میں گذشتہ چھ سال سے جانتا ہوں۔ میں بھی دوسری منزل سے آگے نہیں جا سکتا، فرق صرف یہ ہے کہ مجھے لوراک ہے کہ میں اس کی شخصیت کے ظاہری پہلوؤں سے واقف ہوں۔ "نیمہ عکس" سے واقف نہیں ہوں۔

قدرت اللہ سے پہلی بار ملنے پر بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں افسری کی نہیں سرے سے

۱۹۶۰ء میں اس وقت وہ بہت بڑے عہدے پر فائز تھا، چونکہ صدر پاکستان کا یکمڑی تھا، دیکھ کر وہاں کے قاضی صدر پاکستان کے قریب کے حوالے سے بڑے بڑے افسران عزت کرتے تھے۔

ایک طبی کم کم کوئی اور شہید کی دہرے پر وہ افسروں سے وقت گزار رہا تھا، لیکن اس کا رویہ

مستاد تھا۔

مقابلے کے اختتامات پاس کرنے میں اسے دسترس تھی۔ اس نے پہلے انکوائس کا امتحان پاس کیا۔ پھر پروفیشنل سروس کا اور پھر آئی ای ایس کا امتحان میں پوزیشن حاصل کی، حالانکہ

اس زمانے میں مسلمان کے لیے مقابلہ کا امتحان پاس کرنا بہت مشکل تھا۔ قدرت کی یادداشت "پریس" تھی۔ سب کا مطالعہ سائے آجاتا تھا۔ محض کوئی بڑا کتب خانہ ہی تھا۔ دیکھتے

قدرت میں قابلیت اور ذہانت تو تھیں۔ لیکن نہ قابلیت چمک مارتی تھی۔ نہ ذہانت دیکھنے میں آتی تھی۔ گویا جیسے گویا پہلوں کو 'پڑھنے لکھنے سے واسطہ نہ ہو۔ البتہ ذہنی طور پر بڑا "انٹل" تھا۔ وہ کتنی ہی مل تو تھا، لیکن شہنشاہ کا وجود نہ تھا۔ لوب تو تھا، جانتا پہنچتا لوب تھا، لیکن

شخصیت میں لوبانہ رنگ نہ تھا، دانشور تو تھیں بات کرنے کی نسبت بات سننے کا شوق تھا۔

لیکن کا شہساز سے تھا طبیعت میں ہجر کا رنگ غالب تھا۔ غور پر نہ تو ناک چڑھتا، نہ معذرت

خواہ ہو کہ دوسروں کو اتنی عزت سے بلاتا تھا کہ تو ترائی کا سوال ہی پیدا نہ ہو کہ خدا کا شکر
تکلفی کا کوئی امکان نظر نہ آیا۔

اشفاق احمد نے قدرت کے ساتھ تو ترائی قسم کی گفتگو چلانے کی کوشش کی تھی۔ یہ
کہوں، مگر ان کے اشفاق احمد بھی طبی طور پر بے تکلفی کا اہل نہیں۔ جواب میں قدرت نے
دی رنگ اپنانے کی سعی کی۔ قدرت کی یہ کوشش بہت بھونڈی تھی۔ ظاہر تھا کہ یہ نفل
نہیں چڑھے گی۔ قدرت کی شخصیت میں ”لو“ اور ”لوے“ کہنے کی صلاحیت موجود نہیں
اس کی شخصیت کا رنگ ایسا ہے کہ دوسرا آپ آپ کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ اس کی
شخصیت پر محترم کی مرگھی ہوئی ہے۔ اس کے دوست ”اہلب“ افسر اساتذتی ہم کلر، عزیز
دار سب اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔

پھر راولپنڈی میں صدر پاکستان کے دفتر میں میری تہنیتی ہو گئی اور میں قدرت اللہ کا
بن گیا۔ میں مجھے قدرت اللہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جوں جوں میں اس کے قریب
ہو گیا توں توں مجھ میں حیرت جاگ اٹھی۔ یا اللہ یہ کیا انسان ہے۔ اس وقت مجھے یہ احساس نہ تھا
میں کھٹے سے نہ کھٹے کی طرف بے جا رہا ہوں۔

ایک روز دفتر میں ایک سیٹھ آگیا۔ قدرت اللہ نے سیٹھ سے میرا تعارف کرایا۔ سیٹھ
سے مخاطب ہو کر بولا، ”یہ جو تمہارا افسر ہے نا اس پر مجبور نہ کرنا ورنہ مارے جاوے گا“ میں نے
پوچھا، ”کیسے؟“ بولا، ”دیکھو ہم پاکستان کا سیٹھ ہے۔ ہمارا دستور ہے کہ حیدر پر ہم بڑے افسروں کو

خود دوسری عید میں بھیجی گئی۔

جواب بولا، ”یہ سیٹھ بیشہ کھری بات کرتا ہے۔ ذرا نہیں جھکتا خوب آدمی ہے۔
پھر ایک عامل قدرت اللہ سے ملنے کے لیے آگیا اس کے چہرے پر دشت برس رہی
تھی۔ مگر نہ کہنے کی ہمت تھی۔ پھر بھی احساس ہو رہا تھا کہ سیٹھ ہے۔ وہ دیر
قدرت سے عجیب سی باتیں کرتا رہا۔ چلا گیا تو میں نے پوچھا، ”یہ کون حضرت تھے۔ کہنے لگا،
”اللہ عز و جل است عامل ہے“ سیٹھ نے قوتیں دیر کر رکھی ہیں۔ لوگوں سے اعلیٰ ہے پیسے بڑا ہے، بلکہ
اس میں کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کے کام کرتا ہے، بہت خوب آدمی ہے۔
میں حیرت میں ڈوب گیا۔ یہ کسی مشفق ہے۔ اول درجے کا سیٹھ ہے، رقم بڑا ہے،

”میل کرتا ہے۔ لیکن بہت خوب آدمی ہے۔
افراد کے حلق قدرت اللہ کی رائے دیکھو کے نہیں ہوتی تھی۔ نہ ہی وہ احتیاط کی وجہ
ان منہ کرنے سے گریز کرتا تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کسی کے حلق مٹنی رائے قائم کرنا نہیں
چاہتا تھا وہ تقریبی غیبت سے بھی گریز کرتا تھا۔

قدرت کا گھر

قدرت اللہ کے گھر کے کوائف عام گھروں سے قطعی طور پر مختلف تھے۔

ہے۔
ایک بار قدرت چٹان کا ٹاپ دینے درزی کی دکان پر گیا مولوی صاحب ساتھ تھے۔
نے چٹان کی موری کے متعلق دریافت دی تو مولوی صاحب بولے 'ابو اگر آپ غلوں کے
تو میں آپ کو اپنے ساتھ باہر نہیں لے کر جایا کروں گا۔
چہ برس کی وفات میں میں نے صرف ایک بار قدرت کو فیسے میں آتے دیکھا ہے۔
وقت قتل میں قدرت کے گھر میں بیٹا تھا ایک سائل آیا اس نے اپنی بد قسمتی اور
اللہ کا تذکرہ سنا شروع کر دیا۔ چہ کد لعل نہاں تھا اس لئے پھٹے سے لے کر بیان آیا۔
قدرت اسے تسلیاں دتا رہا مگر ایسے نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کراسے کی کوئی صورت بن جائے گی۔
آخر میں سائل اللہ بیٹا اور فیسے میں بولا تخت پیچھے اس ملک پر جس کی خاطر ہم چاہتے
ہوئے اور پھر اس کے کہ وہ جملہ غم کرنا قدرت سے اللہ کر اس کے منہ پر ایک روتے کا
مارا اور بولا گٹ آؤت۔

قدرت کا کہنا ہے کہ فخر آتا ہے تو اسے آئے دو دو کو نہیں نہ ہی خود میں جذب کر۔ وہ
عمل پیدا نہ ہو۔ چٹانی بن جاؤ کہ وہ گزر جائے قیام نہ کر سکے۔
قدرت میں ایک عجیب خصوصیت تھی۔ اس نے کبھی کسی کو نصیحت نہ کی تھی۔
دوسروں کو روکنا تو کتنا نصیحتیں کرنا بیوں کا عام دستور ہے۔ دوسرا بات مانے یا نہ
مانے چاہے گھر جا کر مفکرہ اڑائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ دوسروں کو نصیحت کرنا بذات
اللہ ایک خوش کن عمل ہے۔ ایک سماعت کے لیے نصیحت کرنے والے کی حیثیت پیدا ہو جاتی
ہے۔ برتری کا احساس 'اہلے بین کی لذت' بزرگی کا ذمہ نصیحت کرنا ایک عام سی عفت ہے۔
اس کی لذت۔

آکر چند سماعت کے لیے اہلے کپڑے بہن کر ملے لوگوں کو مغالطی کی تحقیق کریں۔ تو یہ
مردم سی بات ہے۔ قدرت اللہ اس عوامی لذت سے سرا سر منحرف ہے وہ بھی اہلے کپڑے بہن
اپ کے پاس نہیں بیٹھے جس نے کبھی ایسی بات نہیں کی جس سے ظاہر ہو کہ وہ دوسروں
پر تر ہے۔ اس نے کبھی کسی کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے غیر مناسب
ہے۔ آپ اس کے پاس بیٹھ کر شراب پیئیں۔ وہ ٹوٹے گا نہیں۔
ایک روز دفتر میں ایک اعلیٰ افسر قدرت اللہ سے ملے آیا۔ اس نے بڑے چنے کی بات کہہ
دی۔ کہنے کا نتیجہ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے دل میں بھی پاکستان کا درد ہے۔ ہم بھی صبح شام کلام
اللہ ہیں۔ ملک کے لیے جان کی بازی لگاتے بیٹھے ہیں۔ لیکن جب تک جیتی کامرہ ہوتا ہے تو
لوگوں کی زبان پر ہمارا نام آ جاتا ہے اور جب وہاں کی محفل جیتی ہے تو لوگ 'شاب' 'شاب'

ایک بار قدرت چٹان کا ٹاپ دینے درزی کی دکان پر گیا مولوی صاحب ساتھ تھے۔
نے چٹان کی موری کے متعلق دریافت دی تو مولوی صاحب بولے 'ابو اگر آپ غلوں کے
تو میں آپ کو اپنے ساتھ باہر نہیں لے کر جایا کروں گا۔
چہ برس کی وفات میں میں نے صرف ایک بار قدرت کو فیسے میں آتے دیکھا ہے۔
وقت قتل میں قدرت کے گھر میں بیٹا تھا ایک سائل آیا اس نے اپنی بد قسمتی اور
اللہ کا تذکرہ سنا شروع کر دیا۔ چہ کد لعل نہاں تھا اس لئے پھٹے سے لے کر بیان آیا۔
قدرت اسے تسلیاں دتا رہا مگر ایسے نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کراسے کی کوئی صورت بن جائے گی۔
آخر میں سائل اللہ بیٹا اور فیسے میں بولا تخت پیچھے اس ملک پر جس کی خاطر ہم چاہتے
ہوئے اور پھر اس کے کہ وہ جملہ غم کرنا قدرت سے اللہ کر اس کے منہ پر ایک روتے کا
مارا اور بولا گٹ آؤت۔

قدرت کا کہنا ہے کہ فخر آتا ہے تو اسے آئے دو دو کو نہیں نہ ہی خود میں جذب کر۔ وہ
عمل پیدا نہ ہو۔ چٹانی بن جاؤ کہ وہ گزر جائے قیام نہ کر سکے۔

ادیب

قدرت اللہ ایک چاہ پچا ادیب تھا اس کے باوجود اس کی تنگدلی دیکھنے سے کبھی ظاہر نہیں
ہوا تھا کہ اسے لب سے کوئی تعلق ہے۔ ادیب عام طور پر شخصیت پر چمپ لگا دیتا ہے۔
چمپائے نہیں چمپیں۔ قدرت کی شخصیت پر ایسی کوئی چمپ نہ تھی۔
نفسیات کی رو سے ادیب کی شخصیت میں 'تقدو' 'لرائش' اور 'شہرت' تین بنیادی عناصر ہوتے
ہیں۔

ادیب کی شخصیت فقیر خانے کے صدق ہوتی ہے جہاں مقدور شمشاد بختے ہیں جہاں
گوستے بولتے ہیں 'اندھے دیکھتے ہیں' 'لنگرے' وہ پاؤں پر پلٹے ہیں۔

اپنے دکھ بھلانے اور دوسروں کی توجہ اپنی طرف متغیر کرنے کے لیے مختلف حمے
بھگتتے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ کوئی طعان پاشل کو اپنا کر ابوالدک حقیقہ جاندری کی طرف

کرتے تھے ہیں۔

بے شک ایک باری قدرت اللہ کے مقدور میں لکھی ہے۔ تمام اسراحت، کارکن، چٹائی، حتیٰ کہ عام لوگ قدرت اللہ کے گمن گاتے تھے۔

دفعہ میں روزانہ بیسیوں لوگ قدرت اللہ سے ملنے آتے تھے جو ملے میں کامیاب ہو جاتے وہ خوشی خوشی مگر لوٹ جاتے، جیسے نئی لیتا ہی تخیل کار ہو۔ جنہیں مسلسل انتظار کے بعد نام جانا پڑتا تھا۔ وہ بھی اپنی ہلاکی کا باعث قدرت کو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ حالات کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔

دفعہ میں قدرت کے نام کن ایک خط موصول ہوتے تھے۔ ان خطوط میں عام طور پر قدرت کی تعریف و توصیف ہوتی تھی۔ اپنی تعریف پڑھ کر وہ حینپ جاتا تھا۔ وہ ان خطوط کا جواب نہیں دیتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا خط بھی موصول ہوتا جس میں قدرت کے خلاف شکایات لکھی ہوتیں۔ اس کے دوسرے پر کڑی کتبہ چٹائی ہوتی ایسا خط دیکھ کر اس کے چہرے پر بیاضت کے آثار ظاہر ہوتے۔ ایسے خط وہ ملنے والوں کو پڑھنے کے لیے دے دیتا۔ اور پھر بغیر تاخیر کے جواب لکھ میں مصروف ہو جاتا۔

مرد مگر کے چڑاسی قدرت اللہ پر بہت خوش تھے۔ وہ اس کے روبرو جی ہاتھیں کرتے۔ بالکل نہ گھبراتے تھے۔

قدرت کی نیگم و فاکر عفت پر روزانہ صبح شام دو مرتبہ صدر مگر کے گرد و نواح میں مقیم تھے۔ شرف کے گھروں کے راونڈ لگاتی تھیں۔ پتھروں کو دائیں دیتیں اور ساتھ ہی دودھ پینے کے لیے رقم بھی۔

قدرت کی ایک باری کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا یہ سونے کا چھپے اسے کس نے عطایا کر بھی اس کے گمن گاتے پر مجبور ہیں۔ ملائکہ اس میں کسی کا دوست بننے کی صلاحیت نہ تھی۔ وہ موجود نہیں۔ اس کی شخصیت میں وہ کوئی نہیں تھیں ہی نہیں، جن پر دوستی کی تمغہ نائی تھی۔

اوصاف میں ایک دوسرے کے قریب نہیں لاتے، کمزوریاں لاتی ہیں۔ بے ہمتیاں، تنگ رویاں لاتی ہیں۔ شاید اس کے جواز میں کہا جائے کہ قدرت اللہ ایک ایک آدمی

کے لئے ہے کہ میں ایک آدمیوں کی عزت کرتا ہوں۔ انہیں احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں، انہیں نہیں مجھے ایک آدمی سے عجیب سی برائی ہے۔ ایک آدمی قریب آئے تو مجھے ہراس ہوتا ہے جیسے اس کا ہند بند چلا چلا کر رہا ہو، ہونے بج ایک آدمی کہتا ہے، باوجود ہوشیار۔ پتہ نہیں کیوں ایک آدمی میں نیکی کے اتنے ذخیرہ رکھ جاتے ہیں کہ آدمی

بے شک قدرت اللہ ایک ایک آدمی ہے۔ لیکن اس میں سے نیکی کی برائی نہیں آتی۔ اس کی برائی کا احساس نہیں ہوتا، قریب جا کر گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

قدرت اللہ کی محبت کے کوائف بھی انوکھے تھے۔

قدرت ہنس کی اہلیت سے منکر نہیں۔ اس کا کما کما کر ہنس کے شعلے کی آگ کو جذب کر لے، مگر وہ صرف روشنی ہی روشنی باقی رہ جائے۔

قدرت اللہ کی کوئین دور میں قدرت کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی۔ اس کی بیوی سے بیوی لکھی کہ محبوبہ ایک ہزار پر اس کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔ حیرت کی بات ہے کہ قدرت اس کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھا کر قیامت تھی۔

اس کی زندگی میں ایک حسین و جمیل نیگم داخل ہوئی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ اس کے لئے ان اور دیگر عرشوں ملازموں کا تہا لگا رہتا تھا۔ نیگم کو عشاق کی بھیڑ لگانے سے بے نیاز تھی۔ قدرت بھی اس بھیڑ میں شامل ہو گیا اور ایسا جلاو بنگا کہ بھیڑ چھٹ گئی۔ رنگ بادل کی نیگم قرآن خوانی ہونے لگی، لیکن محترمہ آگ کو نہ تیاگ سکی۔ شعلہ عام سے ہٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شعلوں کی خوشیں روشنی پیدا نہ کر سکی۔ جب اس نے دیکھا کہ کسی صورت بات نہ آتی تو قدرت کو اپنے شعلے سے جسم کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ قدرت اپنے کپڑے

اٹھا کر پرہیز خلق ایک ایسے میں بدل گیا۔

قدرت محبت میں بڑا ظالم ہے، وہ دتا نہیں لیتا ہے۔ محبوبہ کے شعلے کو جسم کر کے اسے

روشنی میں بدل دیتا ہے، لہٰذا وہ روشنی ہو جاتی نہیں بلکہ منور کرتی رہتی ہے۔
 دراصل محبت میں قدرت بہت بڑا خود غرض فرد ہے۔ وہ محبوبہ کے شعلوں کو کلام میں لایا ہے۔ اس سے عدت حاصل کرتا ہے اور پھر اس عدت کو روشنی میں بدل کر خود کو منور کرتا ہے۔ کسی اور سمت متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر سارا دفتر حرکت میں آگیا۔ مشوروں اور
 ان کے کما صد رگھر میں موٹریں بے کار کھڑی رہتی ہیں۔ آپ چاہیں تو ایک آپ کے ہاں
 آپ کو دوسرا بولنا، آپ پسند کریں تو ڈیوٹی کار آپ کو دفتر لے آیا کرے۔

ہاں۔ بھائی جان اصول طور پر کسی طاقتوں سے نہیں ملا کرتے تھے۔

اگر بھائی جان اس بات کا غم کھائے گئے کہ عفت کے گھر بچہ کیوں نہیں ہوگا۔

بھائی جان اکیلے میں بیٹھے بیٹھے پوچھتے تھے۔ کیوں نہ ہو عفت بیٹی کے گھر بچہ کیوں نہ

ہوگا۔ قدرت یا عفت نے کبھی ان سے درخواست نہ کی تھی کہ وہ بچے کے لیے دعا کریں۔

اگر ایک دن بیٹھے بیٹھے بھائی جان کہنے لگے، کیوں نا ہم عفت بیٹی کو کالی مرچیں دم کر کے

کا دو جھ سے محتلب ہو کر بولے، ہم نے کبھی کسی کو کالی مرچیں دم کر کے نہیں دیں، لیکن

اس باب بیٹی کے لیے انسان کیا نہیں کرتا۔ اس کے بعد بھائی جان نے عفت کے لیے کالی

مرچیں دم کر کے دینی شروع کر دیں۔

.....

غفور ایڈووکیٹ

ان دنوں کے ہیں پیٹم کسی اور کو نہیں دیا جاسکتا
یہ سن کر میں خود ہار گیا۔

دروازے پر ایک چھوٹے قد کا آدمی کھڑا تھا اس کی ڈاڑھی مندی رنگی تھی۔ انداز عوامی
تھا وہ شخص بڑے اخلاق کے تھے لہذا کہنے لگا میرا عمر غفور ہے۔ میں خوشاب کا رہنے والا
ہوں۔ ایڈووکیٹ ہوں اور لاہور میں پریکٹس کر رہا ہوں۔

دلنہا مجھے یاد آیا۔ اچھا تو یہ صاحب وہ غفور ایڈووکیٹ ہیں۔ جن کی گود میں مجھ کے
دوران ایک بچہ ڈال دیا گیا تھا اور انہیں کہا گیا تھا کہ قدرت اللہ کو یہ خوش خبری سنا دیں کہ ایک
بل کے اندر اندر ان کے گھر بیٹا ہو گا۔

میرے دل میں غفور صاحب کے لیے گرا چڑھ احرام پیرا ہوا۔

میں انہیں بڑی عزت سے درسیبشن میں لے آیا۔ کرسی پر بٹھایا۔ میں نے کہا جناب
میں نے آپ کا خط پڑھا تھا جو آپ نے قدرت اللہ کو لکھا تھا۔
غفور کہنے لگے جناب مجھے شب صاحب سے بڑی شکایت ہے۔ انہوں نے میرے خط کا
اواب نہ دیا۔ مجھے خط کا جواب نہ دیتے۔ لیکن جب میں پیرا ہوا تھا اس وقت تو مجھے اطلاع
ہوئی۔

آپ بھانکتے ہیں۔ کیا آپ بھی شب صاحب سے ملے ہیں؟ میں نے پوچھا۔
جی نہیں، وہ بولے ملاقات کا موقعہ نہیں ملا البتہ اخباروں میں ان کی تصویریں دیکھتا رہتا
ہوں۔

میں نے کہا جناب اس وقت یہ پوزیشن ہے کہ اندر قوالی ہو رہی ہے اور سی ایس بی ایس بی ایس
شباب صاحب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ اس وقت ان کا باہر آنا ممکن نہیں۔

ٹھیک ہے، میں سمجھتا ہوں وہ بولے دراصل میں مدینہ منورہ سے آیا ہوں اور مدینہ منورہ
کے ایک درویش نے مجھے دو خطے دیئے تھے ایک میرے لیے دوسرا اس بچے کے لیے اور مجھے حکم
دیا تھا کہ وطن پہنچنے ہی یہ خطہ پہنچا دیا جائے۔ لیکن میں پہلے بچے کو دیکھوں گا۔ دیکھنے کے بعد
قد پیش کروں گا۔

میں نے کہا جناب تشریف رکھیں میں بچے کی والدہ کو بلا لانا ہوں۔

خلاف بچے نے حرکت کی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ دس دن انہوں نے مجھے بچے کو دیکھا
نہیں۔ چونکہ اسے زکام تھا۔ دس دن ہم ہسپتال میں رہے۔ نرسیں نہیں جانتی تھیں کہ ہم باہر
چھوڑیں۔ وہ صاحب کو پچھلی آنکھوں والا بچہ کہہ کر بلایا کرتی تھیں۔
حسنت نے کہا کہ شب صاحب دو دن پہلے لندن پہنچ گئے تھے۔ لیکن جاتے ہی بیمار ہو گئے۔
تھا۔

ڈاکٹروں نے بچے کو دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ ہم دونوں ہسپتال میں مقیم تھے۔ لیکن
نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ بڑی تکلیف دہ بات تھی۔

بھائی جان نے کہا ہماری قلم تر جہت عفت جی پر مرکوز رہتی تھی۔ ایک دن پیشہ
میں ایک حیر چل گیا۔ ہمارا تو دل ڈوب گیا۔ صاحب کا فکر لگ گیا۔ جو ہماری حالت ہوئی وہ
سے باہر ہے۔

صاحب کی پیدائش پر رسول امروں کا مطالبہ تھا کہ ایک جشن منایا جائے۔
قدرت نے سی ایس بی ایس بی ایس کی دعوت کی، لیکن اس دعوت میں جانچ گانے کی جگہ تو
انتظام کیا۔ ڈرائنگ روم میں فرش بچھا دیا گیا۔ سماں کو فرش پر بٹھایا اور قوالی کی محفل
ہو گئی۔

قدرت کا یہ اقدام عام رواج ہے ہٹ کر تھا منقو تھا۔ قدرت کی عادت میں داخل تھا
بیش کوئی ناگواری ایسی بات محل میں لانا تھا جس پر لوگ حیران ہوتے تھے۔

بے وقت ملاقاتی

قوالی کی محفل جو جن پر تھی کہ محفل بھی۔
ایک نوکر میرے پاس آیا۔ کہنے لگا جناب باہر ایک صاحب تشریف لائے ہیں۔ کہنے
مجھے شب صاحب سے ملنا ہے۔ انہیں ایک ضروری پیغام دینا ہے۔

میں نے کہا صاحب صاحب تو اس وقت سماں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کا باہر جانا
نہیں آسکتا۔ آپ ان سے پیغام لے لیں۔
نوکر نے کہا جناب میں نے انہیں بتایا تھا کہ صاحب کا اس وقت آپ سے ملنا مشکل
ہو گا۔

میں ہمارے کوئی نہ کوئی صورت بن جائے گی۔

آخر ایک میل دین آگئی۔ ڈرائیور نے ہمیں دیکر کراڑی روک لی کہنے لگا 'آپ مینہ شریف چاہا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا 'جناب اسی امید پر کھڑا ہوں۔
وہ بولا 'تو جیسے' ہم فٹ۔

ایک روز مسجد نبوی میں ملاقات میں مصروف تھا کہ ایک شخص آیا کہنے لگا 'آپ لڑاں چوک میں مجھ سے کل مغرب کے وقت ملے۔ پھر دھن 'بولا' آپ مینہ شریف شہر سے واپس ہیں کیا۔
میں نے کہا 'جی نہیں۔

اس نے مجھے راستہ سمجھایا۔ پھر تالیف کی کہ کل مغرب کے وقت مجھ سے ضرور ملے گا۔
اگلے روز میں چوک میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں اک جھوم ہے۔ بہر حال میں وہاں کھڑا رہا۔
آخر وہ صاحب تشریف لائے 'ان کے ہاتھ میں ایک بڈل تھا۔ انہوں نے بڈل مجھے تحفہ دیا۔ بولے 'اس بڈل میں دو تحفے ہیں۔ ایک آپ کے لیے ہے اور ایک اس بچے کے لیے جس کی ولادت کے لیے آپ مسجد میں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ وطن پہنچتے ہی یہ تحفہ اسے پہنچا دیا جائے' تاخیر نہ ہو۔

غفور صاحب بولے 'میں آج ہی لاہور پہنچا تھا۔ اس ڈر سے کہ تاخیر نہ ہو' آج ہی ہنڈی چاہا۔
ایک ہی وجہ ہے کہ بڑے نامناسب وقت پر حاضر ہوا ہوں۔

میں نے پوچھا 'آپ نے تحفہ دے دیا۔

کہنے لگے 'بچے سے مل گیا ہوں۔ تحفہ صبح بوجے پتا دلوں گا۔

غفور صاحب سے دعا کرتے رہتا ہوں کہ آپ کو ان کا انداز بزرگوں کا سامنا تھا۔ بڑا ہی

میں نے غنت سے بات کی تو اسے بھی غفور صاحب کا غلط یاد آگیا۔ وہ بڑے شوق سے غفور صاحب سے ملنے کے لیے باہر نکلی۔

میں نے غفور صاحب سے کہا 'آپ ان سے بات کر لیں۔ میں باہر آپ کا انتظار کروں گا۔

غفور کا ج

پان گھنٹے کے بعد غفور صاحب باہر نکلے۔ میں حیران تھا کہ پیغام تو چھوٹا سا تھا۔ پاؤں میں اتنی دیر کیسے لگ گئی۔

بہر حال غفور صاحب میرے ساتھ بیٹھ گئے۔

میں نے پوچھا 'آپ ج کرتے تھے یا عمرہ کر کے آئے ہیں۔

غفور صاحب بولے 'میں ج کر کے آیا ہوں۔

میں نے ج کے لیے عرضی دی۔ والدہ میرے ہمراہ جاری تھیں 'لیکن ہماری عرضی منظور نہ ہوئی۔ مجھے مینہ شریف میں حاضری دینے کا بہت شوق تھا۔ بڑی امید باندھ رکھی تھی۔ پوری نہ ہوئی 'تو دم کا لگا۔ بہر حال میں مسجد میں آؤ واداری کرنا رہا۔

پھر ایک خواب دیکھا۔ دیکھا کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے جہد کا ٹکٹ میری جیب میں ڈال دیا۔

اگلے روز پتہ چلا کہ کچھ لوگ جنہوں نے ج پر جانے کی عرضی دے رکھی تھی اور وہ منظور ہو چکی تھی 'لیکن حالات کی وجہ سے انہوں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی پر نظر ثانی کی گئی ہے اور منظور دے دی گئی ہے۔

میں نے کہا 'میں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی

دلت صدر ایوب کو مشورہ دیتے رہے۔

مثلاً ۲ جنوری ۱۹۶۶ء کو انہوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں سے اقتباسات پیش کرتا

—۱۱—

شاب کی آمد کی منظوری تو سرکارِ عالم نے عرصہ نودس ماہ سے عطا فرمادی تھی۔ لیکن نہ معلوم عمل در آمد ہونے میں کیا رہا ہے۔

میں نے خود شاب کو لکھا تھا کہ وہ واپس آ جائیں، لیکن انہوں نے اس بات کو پسند نہ کیا تھا۔ ان کے نہ آنے سے ملک و ملت کو جو نقصان ہوا ہے حد تحریر سے باہر ہے۔

میں چار درویشوں نے صدر پر لکھنے زور کا نظریہ حاصل کیا ہوا ہے کہ بعض معلومات میں ان کی عقلِ ناف ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہے کہ پوری قوم نے یک جہتی سے ان کا ساتھ دیا ہے۔

میں نے صدر صاحب کو مختلف اوقات میں ہدایات بھیجیں، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انہیں موصول نہیں ہوئیں یا اگر موصول ہونے کے بعد انہوں نے عمل نہیں کیا تو پوری قوم کی بد نصیبی ہے۔

شاب اگر وقت پر واپس آ جائے۔ مسز بھٹو کے حوالہ شامل ہو کر سیکرٹری کاؤنسل کی میٹنگ ہائے میں حصہ لیتے تو پھر تو کوئی نتائج بھی برآمد ہوتے۔

میں نے صدر صاحب کو لکھا تھا کہ وہ جتنا بھی ایڑی چٹنی کا زور لگائیں، جب تک شاب ان کا قانون میں شامل نہ ہوں گے وہ قطعی باقلم رہیں گے۔

الغرض ہے کہ صدر نے سخت غلطی کی ہے۔ قوم کا احترام کھو رہا ہے، لیکن چار درویش کامیاب ہیں۔ کل لاہور میں غلپاء کے مظاہرے کیے، یہ صلہِ حدیبیہ خدا کرے فتح کو سامنے لے آوے۔

شہزادی کی اہل موت کا ذکر میں نے چار ماہ ہوئے، صدر کو حجر کر دیا تھا۔ شاب کو بھی لکھا تھا خدا جانے صدر میں کیوں اتنی بصیرت نہیں، جب کہ میں نے انہیں عمل اور مفصل حالات کے علاوہ مکہ شریف سے ایک تصویر لاکر دیا تھا اور میں

ان کا پہلا خط جو صدر ایوب کو موصول ہوا، ایک انوکھا خط تھا، آخری، ارہاب بست کشتلے مجھے حکم دیا ہے کہ روزانہ باقاعدگی سے آپ کو خط لکھوں۔ خط لکھتے کا مقصد کوئی ذاتی مفاد حاصل کرنا نہیں ہے نہ ہی آپ سے قرب حاصل کرنا ہے، حصولِ اقتدار نہیں ہے، آپ کو خوش کرنے کا مقصد نہیں ہے۔

جناب والا! یقین کیجئے جس قدر میرے خطوط پڑھنا آپ کے لیے ناگوار ہو گا، اتنی ہی میرے لیے آپ کو خط لکھنا ناگوار ہے۔ یہ ایک مجبوری ہے۔ چونکہ حکم ملنا میرے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ چاہے میرے خط پڑھیں یا نہ پڑھیں، ان پر عمل کریں یا نہ کریں، یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ باقاعدگی سے آپ کی خدمت میں خط بھیجتا ہوں، پر فرض کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس جہالت پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

صدر ایوب کو غور صاحب کا پہلا خط طاوود سخت کنفیوز ہو گئے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک پڑھا لکھا آدمی ہے۔ عقل و شعور والا ہے ایڈووکیٹ ہے، لیکن ایسا نا یقینی باتیں لگھ رہا ہے۔ وہ ارہاب بست و کشتلہ کو ہیں، جنہوں نے اسے خط لکھتے پر پابند کیا ہے اور پھر خط لکھنے کا مقصد کیا ہے۔

صدر ایوب صاحب نے فوراً غصی بھائی شوہاب صاحب کو بلاؤ۔

صدر صاحب نے لکھے کے بعد شاب واپس آیا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے غور صاحب کا خط میرے سامنے رکھ دیا۔

میں نے کہا اس خط کا صدر صاحب پر کیا اثر ہوا۔

قدرت بولا اس خط نے صدر صاحب کو سخت کنفیوز کر دیا ہے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

غور صاحب باقاعدہ صدر ایوب کو خط لکھتے رہے، اس دوران میں قدرت اللہ شاب کو امریکی دباؤ کے تحت سٹیری کی حیثیت سے جاپن میں تعینات کر دیا گیا۔

غور صاحب نے اپنے خطوط میں صدر ایوب کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ قدرت اللہ شاب کو ملک سے باہر سے بھیجتا، ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ اس کے علاوہ دہر مشکل

neerdu.com

وہاں دندہ کر آیا تھا کہ ایوب کا فرسے نہ ڈرے گا۔ اچھا جو خدا کو منظور۔

ستائیس جنوری ۱۹۲۱ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو پابند میں خط لکھا۔ اختیارات درج ذیل ہیں۔

بعد فراغت تجدید یہ عہدہ لکھ رہا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے بہت سے خطوط سفردالوں نے روک لیے ہیں۔ اور آپ تک ان خطوط کی رسائی نہیں ہوئی۔ حاکم ان میں جو کچھ تحریر تھا وہ ملک و ملت کی بہبودی کے لیے تھا اور اگر ان ہدایات پر عمل ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں نہ صرف نصرت و کامرانی عطا فرماتے بلکہ تاج تک اسلام، ملک مستقل خطوط پر قائم ہو جاتا۔

ان بھلے ہانوں کو بھی کچھ ہاتھ نہ آیا اور کام اس واسطے رک گیا کہ جناب صدر صاحب کو پروگرام کی صحیح وسامت سے نہ پہنچ سکے۔ نہ معلوم وہ کس روی کو فکری میں پڑے ہوں گے۔

اطمان تاشقہ کو لوگ قہرمت برا سمجھتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس احسن قدم سے خدا نے ہماری عزت و کھلی ہے۔ ورنہ یہ پورا سال جن خطرات سے پر تھا ان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حقوق پر رحم فرمائے۔ سال رواں بڑی اہمیت کا سال ہے۔ جس میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقعہ ہوں گی۔ اللہ ربّ ذوالجلال کا سایہ عاطفت پاکستان کے عوام پر رہے گا۔ آپ دعا کریں۔

وہ بزرگ پلایا جن نے صدر صاحب کے لیے توفیق دیا تھا۔ میری مرتبہ مجھے خواب میں ملے ہیں۔ اور جب بھی ملتے ہیں۔ تو مجھے دیکھتے ہی ہنس پڑتے ہیں۔ اور پھر یہ

دین کی بات ان کے ایک کلمے سے سن کر دوسرے سے نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور جس کی حکومت میں کسی کو دخل نہیں۔ اب ہماری دعاؤں کو رو نہ فرمائیے گا۔

ایوب رائی پونٹ

غفور صاحب کے ان خطوط کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور میں ان کے مکان کے سامنے سکیورٹی کا ایجنٹ پیشادیا گیا۔

غفور صاحب کے خطوط میں مذہبی رنگ نہ تھا۔ روحانی رنگ نہ تھا۔ اس کے برعکس ان اعلان میں دنیاوی عقل کی باتیں تھیں۔ فنی سٹروریجی کی باتیں تھیں۔ سیاست کی باتیں تھیں۔ مثلاً جنگ میں ایوب کو مشورہ دیا گیا تھا کہ سیز فائر نہ کرے۔ اور اگر مجبوری ہو تو بے شک لہائی کر دے۔ عملی طور پر نہ کرے۔

تاشقہ کے متعلق مشورہ دیا گیا تھا کہ بلاوے پر تاشقہ نہ جائے۔ اور اگر ضروری ہو تو خود نہ جانا۔ کوئی لماندہ بھیج دے لیکن صدر ایوب نے ان کے مشورہ کو رد و خور اٹھانہ سمجھا۔ اٹاٹھے ان کے آکر غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کی کچی پکی بنیادی۔

جب غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کا دستہ آجیٹا تو غفور صاحب چل کر ان کے پاس گئے پھر سپاہی سے مصافحہ کیا۔ مزاج پوچھے اور کہا بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے یہاں آکر انا لیا ہے۔ میں اس گھر میں بہت تھا تھا آپ کے آنے سے رونق ہو گئی ہے۔ ہاں اگر کسی بڑی ضرورت ہو تو بلا ملک دروازہ بجا دیا کیجیے۔

غفور صاحب جب بھی کہا تھا کھانے لگتے تو وہ باہر جا کر سکیورٹی والوں سے کہتے "آئیے میرے

بول کئے گئے یہ اچھا نہیں ہوا۔ شاب صاحب کا ملک سے باہر چلے جائے پاکستان کے لیے بہتر ہے۔
 گھنٹوں میں ہے۔

میں نے انہیں پھینک دئے گئے کہ انہیں غور صاحب، شاب ایک نول افسر ہیں۔ نول افسر کے جڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے حکومت پاکستان کو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک سے ایک کل افسر موجود ہیں۔
 غور صاحب بولے، آپ نہیں سمجھتے۔ چند لوگ مبارک ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی برکت پیدا ہوتی ہے۔ شاب صاحب کی موجودگی پاکستان کے لیے برکت کا باعث تھی۔ لیکن حتی طاقتیں ہمارے راستے میں رکھ نہیں پیدا کر رہی ہیں۔ برہنہ کئی ایک امور ایسے ہیں جن میں شاب صاحب کی موجودگی کے بغیر پاکستان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔
 غور صاحب کی بات میری پلے نہ پڑی، لیکن غور کی بات کو میں رد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دنیوی طور پر غور صاحب بڑے سجدہ دار آدمی تھے۔ وہ حالات کے نشیب و فراز کو سمجھتے تھے۔ ڈیڑھ ٹیک انقلاب کی اہمیت کا ادراک رکھتے تھے۔ بہت خوش اخلاق اور بارگزار آدمی تھے۔ مجھے علم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، بات چیت سے نہیں۔ ان کی بات درست تھی، لیکن کیسے کہیں۔
 وجہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

اس موضوع پر انہوں نے صدر ایوب کو بھی کئی ایک خط لکھے تھے۔ اول تو ممکن غالب ہے کہ صدر ایوب ان کے خط پڑھتے ہی نہیں تھے، اگر پڑھتے بھی تھے تو یہ بات کسی دانشور کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، انٹاشنی رو عمل پیدا کرتی۔
 میں نے کہا، ایڈووکیٹ صاحب آپ یہاں کیسے۔
 میری حیرت اس وجہ سے تھی کہ غور صاحب کو میرے گھر کا پتہ بھی تو معلوم تھا۔ انہوں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ کہنے لگے، "ایڈوکیٹ کا کام سے اچھا تھا، سوچا آپ کو اطلاع دتا جاؤں تاکہ آپ ناواقف کی کوفت سے بچ جائیں۔"

میں سمجھا نہیں۔

قدرت اللہ، شاب صاحب کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں تحریر ہے کہ آپ دونوں اس جگہ پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، غور صاحب نے کہا۔
 جی ہاں، میں نے جواب دیا، مجھے علم ہے۔

غور صاحب کہنے لگے میں نے شاب صاحب کو مطلع کر دیا ہے کہ اس سال دو بج پر نہیں آؤں گا۔ لیکن ہم تو جا رہے ہیں، میں نے ان کی بات کھلی۔ ہم نے پروگرام بنا لیا۔ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ نہیں جا رہے۔

میں نے انہیں پھینک دئے گئے کہ انہیں غور صاحب، شاب ایک نول افسر ہیں۔ نول افسر کے جڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے حکومت پاکستان کو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک سے ایک کل افسر موجود ہیں۔

غور صاحب بولے، آپ نہیں سمجھتے۔ چند لوگ مبارک ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی برکت پیدا ہوتی ہے۔ شاب صاحب کی موجودگی پاکستان کے لیے برکت کا باعث تھی۔ لیکن حتی طاقتیں ہمارے راستے میں رکھ نہیں پیدا کر رہی ہیں۔ برہنہ کئی ایک امور ایسے ہیں جن میں شاب صاحب کی موجودگی کے بغیر پاکستان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

غور صاحب کی بات میری پلے نہ پڑی، لیکن غور کی بات کو میں رد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دنیوی طور پر غور صاحب بڑے سجدہ دار آدمی تھے۔ وہ حالات کے نشیب و فراز کو سمجھتے تھے۔ ڈیڑھ ٹیک انقلاب کی اہمیت کا ادراک رکھتے تھے۔ بہت خوش اخلاق اور بارگزار آدمی تھے۔ مجھے علم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، بات چیت سے نہیں۔ ان کی بات درست تھی، لیکن کیسے کہیں۔
 وجہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

اس موضوع پر انہوں نے صدر ایوب کو بھی کئی ایک خط لکھے تھے۔ اول تو ممکن غالب ہے کہ صدر ایوب ان کے خط پڑھتے ہی نہیں تھے، اگر پڑھتے بھی تھے تو یہ بات کسی دانشور کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، انٹاشنی رو عمل پیدا کرتی۔

جے لٹ

پھر جے کے شیلے میں غور صاحب کی بات نے مجھے چھو کا رکھ دیا۔ اس بارے میں تفصیلات میں اچھے کتب لیک میں لکھ چکا ہوں۔

شاب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم آئندہ جگہ پر جائیں گے۔ وعدہ ایسا کرنے سے پہلے ہی شاب کا چہرہ ہو گیا اور وہ سفر پر ایڈیٹ میں جا بیٹھا۔

ایڈیٹ سے اس نے مجھے کھٹا کہ آپ جگہ کے لیے عرض دیے ہیں۔ عرض منظور ہو جائے تو

میں نے وہ لٹ دیکھی ہے، انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

کون سی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ لیکن ابھی تو قریب انداز ہی نہیں ہوئی۔

غفور صاحب نے پراسرار انداز میں میری طرف دیکھا، پھر مسکرا دیے۔

وہ لٹ نہیں، وہ بولے۔

تو پھر کون سی لٹ، میں نے پوچھا۔

جو ڈائریں اس سال صبح پر حاضری دیں گے، وہ پھر مسکرائے۔ عینہ منورہ سے جن ا

منگوری مل چکی ہے، وہ لٹ، اس لٹ میں تو نہ شہاب صاحب کا نام ہے نہ آپ کا۔

حیرت سے میں ہکا بکا رہ گیا۔

وہ مسکرائے بولے، بھائی صاحب میں نے تو متعدد بار آپ کی فائنل دستخط کے لیے پیش کی

تھی۔ لیکن ہر بار اسے دستخط کے بغیر لوٹا دیا گیا۔

میں نے حیرت سے غفور صاحب کی طرف دیکھا۔

خیر کوئی بات نہیں، وہ بولے، دیر آید درست آئیے۔ میں نے شہاب صاحب کو مطلع کر دیا

ہے۔ انہیں تفصیلات کا علم ہے۔ وہ چلا آپ کو اطلاع دیں گے۔

غفور صاحب کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ انہیں بھلا کیسے پتہ چلا کہ اسل کو

کرے گا، کون نہیں کرے گا۔ اور یہ لٹ کیا چیز ہے کیا ج کڑے والوں کی لٹ قریب انداز

سے پہلے ہی تیار ہو جاتی ہے، غفور صاحب کی ساری بات ہی منسل تھی۔

لہذا میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ اگرچہ اس میں وہ شدت نہ رہی۔ وہ روز کے ہر

شہاب کا خط جو وصول ہوا، لکھا تھا۔

بعد اس سال صبح پر نہیں جا رہے۔

یہ خط میری منسل سٹیٹم کے نکلنے میں آخری کیل قند

پھر شہاب صاحب کے ایڈیٹر سے وطن واپس آنے سے بہت پہلے، غفور صاحب نے مجھے ادا

لکھ کر عینہ منورہ سے شہاب صاحب کی واپسی کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ پھر وہ کیل وطن

میں اس بارے میں خبر کیوں ہو رہی ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے شہاب صاحب کو بھی

اس سے پہلے انہوں نے عینہ منورہ سے صدر صاحب کو کئی ایک خط لکھے اور شہاب

کو بھی اس کی اطلاع دی۔

انہوں نے لکھا کہ یہاں بہت سے بزرگ ایسے ہیں، جنہیں پاکستان سے دلچسپی ہے، جو

کہاں کہ صدر ایوب کا اقتدار قائم رہے۔ اگرچہ صدر ایوب سے بہت سی کجگویی ہوئی ہیں

اور ان کی خواہش ہے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔ ایک بزرگ کو تو صدر ایوب سے

بہت دور رہی ہے کہ انہوں نے صدر ایوب کے لیے مجھے ایک تعویذ بھی دیا ہے، جو میں اپنے

دعا داروں کو لے کر آؤں۔ اللہ کرے کہ تعویذ بروقت پہنچ جائے اور صدر ایوب پہنچا کر رہ کر لیں۔

اور صاحب وہ تعویذ ساتھ لائے لیکن وہ بروقت نہ پہنچ سکا چونکہ صدر ایوب اقتدار

کا اہل ہے تھے۔

اور پھر کا واقعہ عمل میں آیا۔

انہوں نے کہا کہ ٹوٹا تو اچھے بشیر کو سندھ میں انٹرنیشنل آفسر بن کر بھیج دیا گیا۔ اس کا اسروز پر تھا

اور انہوں نے جراثیم تھا، لیکن ساتھ ہی سندھ کا ڈاکٹر تھا۔

اور پھر نے اپنے اسرے چار ایک بار چونکہ چنانچہ کیا، تو اس نے اچھے بشیر کو پاس بیٹھایا،

اور پھر پھر خود دار تمہارا کام میرے احکامات کی تعمیل کرنا ہے، مجھے عقل سمجھا نہیں ہے،

کہاں کہ میں نے اور اگر تم نے یہی رویہ رکھا تو ایک دن ہم تمہیں کوئی کام دے کر

دعا بھیج دیں گے، جہاں سے تم بھی واپس نہیں آؤ گے تمہاری لاش تک نہیں ملے

اور پھر اس روز کوئی چھوڑ کر بھاگ آیا۔

انہوں نے بھاگ آنے کی وجہ ڈر نہیں تھا، ڈر تو یہ تھا کہ پردے کے پیچھے محترمہ فلم تھی۔

اور وہ آپ سے امریکہ سے فلمی ٹینک لے کر آیا تھا۔ اس کے اندر فلم سازی کے

چہ پہچد کر رہے تھے۔ دلچ اسپ کے آخری دنوں میں اس نے مجھ سے کہا تھا: "دیکھ، میں نے یہ ہے کہ ہم دونوں بچہ ورک مکمل کر کے رکھ لیں۔"

کیا بچہ ورک میں نے پوچھا۔

پہلے فلم کی کٹائی کی آؤٹ لائن لکھیں اور ٹیکسٹ کر کے اسے فائنلائز کر لیں۔ اس کا مٹھ پرہ تیار کر لیں اور آخر میں اس کے ڈائلاگ مکمل کر لیں۔

یہ کس فلم کی بات کر رہے ہو، میں نے پوچھا۔

کہنے لگا: "دیکھ ممتاز، تو اور میں، ہم دونوں کو آخر فلم سازی کا کیریئر اپنانا ہے۔ یہ بات ہے۔ اگر ٹائٹلسنر کا انتظام ہو جائے تو ہم آج ہی نوکری چھوڑ کر کام میں لگ جائیں۔ ٹائٹلسنر کا انتظام ہو جائے گا۔ جب تک ہمیں بچہ ورک مکمل کر لینا چاہیے۔"

ایک دن بد قسمتی سے فلم ٹھاپ ہو گیا اور احمد بشیر کی وفات ہو گئی۔ کئی ایک سال اس کی لاش ڈھونڈی جا رہی تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ فلم ٹھاپ ہونے کے باوجود احمد بشیر کا فلم سازی کا عمل کاتوں قائم رہا۔

کہ میں بڑی تنگ دستی تھی، بچہ نہیں اس کی بیوی مودی کس طرح گھر چلا رہی تھی۔ لیکن میں نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ میں فلم سازی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کروں گا۔ حالانکہ میں نے اپنا جرنلٹ تھا۔ دفتری کام میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی تین نو جوان لڑکیاں تھیں۔ ان کی سخت مشکلات میں مبتلا تھیں۔ اس کے باوجود وہ فلم کے سوا کوئی اور کام کرنے کے

© Oneurdu.com

میں وہ بزرگ ہر جمعرات کو مغرب کے وقت آتے ہیں، دوا جلاتے ہیں اور لہر لہا کرتے ہیں۔
 کے لئے بھگتے۔

ان جانی ہمت

وہ سال قدرت اللہ کے قریب رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان بعد بڑھتا گیا۔

میں محسوس کرتے لگا میں شباب کی بیرونی شخصیت سے واقف تھا۔ اس کی شخصیت کے لئے کھس سے بے خبر تھا۔

شباب کی بیرونی شخصیت میں وہ پہلا اہم تھے۔ ایک تو وہ آنٹی سی ایس ایس کے سر سے وہ ہانا پہنانا تھا۔ لیکن نہ وہ اپنے عموں کو اہمیت دیتا تھا نہ لوپ کو۔

چوتھی سمت

قدرت کو اپنی تعریف سننا سخت ناگوار محسوس ہوتا تھا۔ کوئی اس کی تعریف کی بات چھیڑ دیتا تو وہ فوراً موضوع بدل دیتا۔ بات کا رخ بدل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اپنی تعریف سن کر اسے لذت دیتی ہو لیکن اس کی اولیٰ تخلیقات کی تعریف کرتے تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے۔ سارے جسم میں طوفانی لہر دوڑ جاتی بلکہ وہ از خود لوپ کی بات چھیڑ دیا کرتا تھا۔ جب کبھی کوئی نئی چیز لکھتا تو بڑے اہتمام سے مجھے سناؤ اور پھر پوچھتا کیسی ہے۔

جب رانا صاحب لاہور میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ یعقوب زہبانی کا جنازہ آ رہا ہے۔ غور پورے، یعقوب زہبانی شباب صاحب کے بہت بڑے سپورٹر ہیں۔ جب بھی بزرگوں کی میتنگ ہوتی ہے اور تجویز پیش ہوتی ہیں۔ تو زہبانی صاحب کسی ناکیسی طور شباب صاحب کو سپانسر کر دیتے ہیں۔ آپ جب بھی لاہور تشریف لائیں تو آپ کو چاہیے کہ یعقوب زہبانی صاحب کی حاضری دیں۔ گوا ملٹری سے جو سڑک پلس بازار کے پاس سے گزر کر میوہ پھل کے ساتھ ساتھ ایک روڈ کو جاتی ہے، وہی سے ایک کچی گومتی ہوئی جاتی ہے اور ایک مسجد کے قریب بند ہو جاتی ہے۔ اس مسجد کے صحن میں ایک چوڑے پر دو قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک یعقوب زہبانی کی ہے۔

شام کا وقت تھا مسجد پر دیر لگی اور لوہائی کے ڈیڑھے گھنٹے ہوئے تھے۔ میں اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا۔

بالکل یہ کہ مجھے ہے۔

یہ تجربے بندے کتنے پر اسرار ہیں، جو فوت ہونے کے بعد بھی فعال رہتے ہیں۔

یہ تھرا دفنر، کیا دفنر ہے، جہاں قائلین چلتی ہیں، تجویز پیش کی جاتی ہیں، سفارشیں چلتی ہیں میں بھی ایک سفارشی ہوں جو اتنے بڑے بزرگ کی خدمت میں بیٹھا ہوں، ورنہ میری کیا حیثیت ہے، میں اس لائق نہیں کہ میری خدمت میں حاضری دوں۔ میں ایک ٹپاک غلیظ آبادی ہوں۔ میں ذاتی حیثیت سے حاضر نہیں ہوں۔ میں تو قدرت اللہ کے حوالے سے حاضر ہوا ہوں۔ اگر تو میرا سلام قبول کر لے تو یہ میری کرم فوازی ہوگی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

© Onenurdu.com

ایک دن میں نے پوچھا میں نے کہا 'شباب صاحب آپ کی کوئی تعریف کرے تو آپ
گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے اور آپ کو شش کرتے ہیں کہ بات کا رخ بدل جائے، لیکن آپ کی
ادبی تحقیق کی تعریف کی جائے تو آپ کے کان کڑے ہو جاتے ہیں، چہرے پر مسرت کی لہر دو
جاتی ہے، کیا بات ہے اس تعریف سے اس قدر الٹا رنگ اور اس تعریف پر شلوار ہے۔
قدرت مسکرا کر کہنے لگا 'اس لیے کہ میں ادیب ہوں۔

میں نے کہا 'آپ ادیب نہیں ہیں۔

اچھا تو آپ مجھے ادیب سے خارج کر رہے ہیں۔

خارج نہیں کر رہا۔ آپ ادیب ہیں لوچے پاس کے ادیب ہیں۔ لیکن ادیب آپ کا مرکز
نہیں ہے ایک مضمنی قسم کا شغل ہے۔ عہدے کو آپ لائیت نہیں دیتے۔ معلوم ہوتا ہے آپ
کے اندر کوئی تیسری چیز ہے، جسے آپ لائیت دیتے ہیں اور تیسری چیز جو آپ کی شخصیت کا
نوکس ہے اس پر آپ نے پردے ڈال رکھے ہیں۔

قدرت نے کہا 'شاید کچھ ہو مجھے اس کا اور اک نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بات کا رخ بدل
دیا۔

اب تک کئی واقعات رونما ہو چکے تھے جس سے پتہ چلا تھا کہ قدرت کی شخصیت کا تعلق
ایک چوتھی سمت سے ہے۔

چوتھی سمت سے متعلق واقعات پر بات کرنے سے شباب گریز کرتا تھا۔ بات کو ٹال دیتا یا
موضوع بدل دیتا۔

بھائی جان سے پوچھتا۔ تو وہ مسکرا دیتے۔ کہنے کریدانہ کرو مضمنی جی۔ کرید سے کچھ حاصل
نہیں ہو گا۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کرنے والی نہیں ہوتیں۔ آپ کیوں گھبرا رہے ہیں، آپ
تو ان کے بہت قریب ہیں، وقت آنے پر ساری بات کھل جائے گی۔

ڈاکٹر مفت سے پوچھتا تو وہ مسکرا کر کہتی تیسری تو خود ماری ہوئی ہے۔ اس گھر کے
اسرار مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ بھائی جان کے کہنے پر میں قدرت کی شخصیت کے اس پر اسرار مضر کو
جائے بغیر بیان لیتا۔ تسلیم کر لیتا تو کبھی ہو جاتا لیکن ہرگز گوں کے متعلق سے قرب حاصل کرنے کے

بہر حال ایک بات کو میں نے اچھی طرح سے جان لیا تھا کہ قدرت خود بات نہیں بتائے گا۔
اس لیے مجھے اس پر کیفیت کا عالم طاری ہو گا 'چنگن ہو گی، چپینے لڑیں گے، اس وقت شاید اس
کو کے متعلق چند جھلکیاں میسر آ جائیں۔

میں چنگن کا لشکر رہتا تھا۔

اندھنی سوار

ہر ایک اور واقعہ رونما ہوا۔

قدرت نے مجھے بلایا اس وقت وہ کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔ ان دنوں اس کی
حالات بہت بگڑ چکی تھیں۔ شاید اس لیے کہ پاکستان کے آئین کا ڈمانچہ تیار ہو رہا تھا۔

قدرت نے کہا 'سکیورٹی سے ابھی ابھی مجھے ایک فون آیا ہے۔ گیٹ پر کوئی رسوائی مجھ سے
لے رہا ہے۔

آپ گیٹ پر چلے جائیں، اس سے ملیں۔ پوچھیں کہ وہ کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا
ہے۔ اگر وہ ملنے کی بجائے پیغام دینے پر رضامند ہو جائے تو آپ اس سے پیغام لے لیں اگر وہ
مصر ہو تو مجھے فون پر اطلاع دیں، میں گیٹ پر آ جاؤں گا۔

میں چلے لگا تو قدرت نے کہا دیکھیے آپ اس سے ٹیبلٹ کی بات کریں۔ سکیورٹی کے
بجائے نہیں۔

سکیورٹی کے کمرے میں ایک دہقان قسم کا آدمی کھڑا تھا۔ میں اسے باہر لے گیا۔ اکیلے میں
اس نے بات کی۔

میں نے کہا دیکھیے شباب صاحب اس وقت کام میں مصروف ہیں، اگر آپ انہیں پیغام دینا
چاہتے ہیں تو مجھے بتادیں ورنہ۔

میں نے ابھی ہلکے ختم نہیں کیا تھا کہ وہ بوٹا پڑ گیا مجھے صاحب سے مل کر کیا لیتا ہے۔ مجھے
کوئی کام نہیں ہے، میں تو اپنے گلوں سے آ رہا تھا کہ اس کو کبھی سے پیچھے میدان میں

مجھے ایک سلاخ مٹی سوار ملے۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں رک گیا، وہ کہنے لگا کہ میں یہ جو کچھ
ہے اس کا دروازہ دھڑک رہا ہے۔ وہاں جاؤ اس کو مٹی میں ایک صاحب ہیں صاحب! ان کو دلا
پیغام دے دو۔ کہنا جو کلمہ آپ لکھ کر بھجائے ہیں وہ درست تھا، جو آپ اب لکھ رہے ہیں وہ
غلط ہے۔ سلاخ مٹی سوار بزرگ صورت آدمی تھا۔ میں نے اس کی بات مان لی اور پیغام دینے لگم
چلا گیا۔ یہ پس والے مجھے اندر چلے ہی نہیں دیئے۔

دہائی کا پیغام سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا پیغام ہے۔ سلاخ مٹی سوار کو کیا پتا کہ
صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ اور پھر اس علاقے میں سلاخ مٹی سوار۔ یہاں ہم نے نہ تو کبھی سلاخ مٹی
دیکھی ہے اور نہ سلاخ مٹی سوار۔

میرا خیال تھا کہ دہائی کا پیغام سن کر شلب فس پڑے گا۔ لیکن دب میں نے اسے تمام
سنایا تو اس کا چہرہ درد پڑ گیا اس پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے لپک کر دست
ہاتھ اٹھا کر اسے میرے اٹھ دیا اور پھر پچھنے ہوئے کلمہ کے پر لوں کو جوڑنے لگا۔

پھر رولا، آپ کو اگر فرصت ہو تو میری مدد کریں۔

حیرت سے میرا منہ کھلا دکھلا رہ گیا یا اللہ یہ کیا اسرار ہے۔ یہ شخص جو اس قدر ذہین ہے،
دیرک ہے کہ ہم بات کرنے کے لیے ابھی منہ ہی کھولتے ہیں تو ہمارے منہ یہ سمجھ لیتا ہے، جو اس
قدر صاحب رائے ہے کہ سب کی سنتا ہے، لیکن اپنی رائے پر قائم رہتا ہے، جس کے خیالات
میں انفریٹ ہے، قدرت ہے، جو بچے ہوئے رکھی خیالات سے دور رہتا ہے، جسے تو اہل

فلسفہ اردو میں ہوتا کہ پڑھنا مشکل ہو جائے ویسے بھی غلوں کو قومیت اس قسم کی ہوتی کہ وہ
صاحب غلب نہ ہوتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ صدر صاحب کی خدمت میں پیش نہیں کیے جاتے
تو کہ صدر ایوب پڑے گئے تھے۔ مغربی ذہنیت کے ملک تھے۔ تو اہل کو نہیں مانتے
محل و دلیل کے قائل تھے۔

ایسے لگتا تھا جیسے ان غلوں کا چارج مجھے دینے کا مقصد میرا ذہن پر آئندہ کرنا تھا۔ میں ان
غلوں کو بار بار پڑھتا اور سوچ میں پڑ جاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لکھنے والے یہ خط کیوں لکھتے
ان کا مقصد کیا تھا۔ ایک بات بہر طور واضح تھی کہ توجہ حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ کئی ایک
غلوں میں لکھنے والے کا نام بھی مرقوم نہ ہوتا۔ خط دے گا گویا عاجز پر ختم ہو جائے۔ تحریر اور انداز
عام ہوتے۔ ان میں چند ایک خط معقول اور با معنی بھی ہوتے۔ ایسے خط عام طور پر قدرت
کے نام ہوتے۔ باقی خط صدر مملکت کے نام ہوتے لکھا ہوتا کہ اللہ نے تجھے پادشاہ بنایا ہے، تو
اپنی رعایا کو عدل دے گا، غریبوں کا خیال رکھنا ہو گا۔

آزادی کا ہر خط میں پاکستان کی بات لکھی ہوئی تھی۔ ہر ایک پاکستان کی اہمیت کے احساس سے
بہرہ دار تھا۔ کئی ایک غلوں میں پاکستان کے تباہ کن مستقبل کا ذکر ہوتا کہ جلد ہی یہ ملک ایک
عظیم ملک بن جائے گا۔ ایک عظیم فتح حاصل ہوگی اور پھر یہ ملک دنیائے اسلام کا مرکز بن جائے
گی ایک غلوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا تذکرہ ہوتا اور پاکستان کے متعلق ایسے الفاظ استعمال

اس کی عظمت کے گائے چار ہے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے نہ کسی گنتی میں ہے نہ
 اور میں۔ دنیا میں مسلمانوں کے ایسے کئی ایک ملک ہیں۔ پاکستان قلبی طور پر ان پڑھ ہے
 اور دہائی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سیاسی طور پر کانفد ہے۔ لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہی
 نہیں ہوا۔ دہریے سکریان ہیں، عوام آزادی سے محروم ہیں۔ اگر جمہوریت آج بھی جائے تو چلے

ہے۔ وہ جہلم کے رہنے والے ہیں۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ جنگ میں شامل ہوئے۔
 پھر رخصت لے کر مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ پھر پتہ نہیں کیا کیفیت طاری ہوئی کہ وہیں رہنے
 گئے۔ وہیں کے ہو رہے۔ اب وہ روضہ پاک کے حلالی بردار ہیں۔ بہت بڑا عہدہ ہے، اعزاز ہے۔

اور جان بوجھ کر ان کے اثرات کو داخل ہونے نہیں دیتے۔

(۱۵)

اس خط نے بات واضح کر دی کہ قدرت کو کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ وہ کالی ہے۔
 اس کی ہم پر مامور ہے۔ اسے کوئی اسائن منٹ ملی ہوئی ہے جس کی اس نے تکمیل کئی ہے۔
 ہر مل بھی ہے ظم نہ ہو سکا اس اسائن منٹ کی نویت کیا ہے۔ صرف اتنا ہی پتہ چلا
 اس کام کو پاکستان سے متعلق ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے قدرت کو سیکرٹری ٹودی پر بیڈیٹنٹ
 کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہے۔

قدرت کے اس عہدے پر فائز ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ سینئر نہیں تھا۔ تجربہ
 نہیں تھا۔ اس کی ہسٹری شیٹ سرکار کی دفاعی کی غلامی نہیں تھی، اتنا اس کی پالیسی انتظامی
 نہیں تھی بلکہ کہ امریکی حکومت کے کاندھات میں درج تھا کہ وہ کیوسٹ خیالات کا مالک ہے۔
 ہارکپور میں اسسٹنٹ کمشنری حیثیت سے اس نے اپنے سینئر برٹش افسروں کو اس وقت
 حاکمیت میں لے لیا تھا جب اسے علم ہوا تھا کہ وہ گھٹوں کو آگ لگانے کے لئے آئے ہیں۔
 ہرقہ کے دوران اس نے عوام کو بچانے کے لئے سرکاری اہراج کا ذخیرہ لٹا دیا تھا۔
 پاکستان میں جب وہ جنگ کاؤنٹی کمشنر تھا تو اس نے کھلی پھری لگال تھی۔ جس پر انتظامیہ
 اسے منت رجا ہو گئے تھے۔ انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ عوام کو اس قدر قریب آنے دیا جائے اور
 ان کا حال جانے۔

اس ہسٹری شیٹ کے افسر کو صدر مملکت کا سیکرٹری بنالیا کہ ان کی داخل مندی تھی۔ حیرت
 کہ اس عہدے کے لئے اس کا چناؤ کیسے عمل میں آیا۔
 قدرت نے بھی اس عہدے کے حصول کے لئے کوشش نہ کی تھی، اتنا اسے یہ عہدہ چھیند
 اس عہدے پر فائز ہونے کے متعلق تصورات آپ قدرت اللہ شاہ کی زبانی سنئے جو
 آپ اسے کے ۱۳۱-۱۳۹ صفحات پر درج ہیں۔

(۱۶)

۳۔ اس وقت بھی آپ انتھاب کے موڑ پر کھڑے ہیں۔

۴۔ یہی کیفیت ملک اور اس کے سربراہ کی ہے۔

۵۔ اندازہ ہے کہ یہ تبدیلی بہتر محلات پیدا کرے گی۔

۶۔ پاکستان کے صدر کا لقب بدل دیا گیا ہے۔

۷۔ آپ کا رخ اس کی طرف ہے۔

۸۔ لیکن ابھی آپ اس قدر اثر نہیں ہوئے جتنا ہو سکتے ہیں۔

۹۔ بہت جلد آپ پر اثر ہو جائیں گے۔

۱۰۔ آپ کو بہت سے کام کرنے ہیں۔

۱۱۔ آپ اس ملک کی خدمت پر مامور ہیں۔

۱۲۔ یہ صدر پاکستان کی خوشی بنتی ہے کہ انہیں آپ ساکارمہ حاصل ہے۔

۱۳۔ جلد ہی وہ آپ کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

۱۴۔ وہ خدائی بیٹی جو اس وقت آپ کے قریب ہے، آپ کے دوش بدوش کام کرے گی۔

۱۵۔ صدر مملکت کار نمایاں کریں گے۔

۱۶۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ امرائز کسی دوسرے سربراہ مملکت کے نصیب ہو۔

۱۷۔ اللہ کے کھلوں میں کسی کو فضل نہیں

اس خط کے ۲۵۵ میں شاہد کے عیب متوائے گئے تھے۔ لکھا تھا۔

۱۔ نماز میں آپ اپنا راستہ خود کاٹتے ہیں۔

۲۔ آپ دوری کا شکار ہیں۔ نہیں چاہتے کہ راستے میں رکاوٹ پیدا ہو۔ پھر خود ہی رکاوٹ

پیدا کر لیتے ہیں۔

۳۔ بے شک آپ کا ایمین مضبوط ہے۔

۴۔ آپ کی اتنا محکم ہے۔

۵۔ آپ نیت ٹیک ہیں۔

۶۔ آپ کا قلب آلود نہیں۔

۷۔ لیکن آپ کے ارد گرد جو چنگاریں مزلاتی رہتی ہیں۔ آپ ان سے اثر قبول کرتے

مینک شروع ہوئے ہی ٹیلی فون کیا کہ کینٹ سیکرٹری مسٹر عزیز احمد مجھے اپنے دفتر میں بلا رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ گورنر جنرل مسٹر غلام محمد تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم ابھی گورنر جنرل پلاس پہنچ جاؤ۔

غلام محمد صاحب کے ساتھ میری بالکل کوئی واقفیت نہ تھی۔ وزیر خزانہ کے طور پر انہیں فقط چند بار دیکھا تھا۔ میں نے مسٹر عزیز احمد سے اس بارے میں کا مقصد دریافت کیا تو انہوں نے اپنی قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔

غلام محمد صاحب کے ایک بھائی نے لاہور میں کسی فیکٹری کی لاٹ منٹ کے لیے درخواست دی ہوئی تھی۔ مجھے گمان گذرا کہ گورنر جنرل اس سلسلے میں کوئی سفارش کرنے والے ہوں۔ میں نے اپنے اس خدشے کا مسٹر عزیز احمد سے ذکر کیا تو انہوں نے اس سے بھی اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ مسٹر غلام محمد سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔ اس لیے میں ان کے ساتھ بات چیت میں احتیاط سے کام لوں۔

مسٹر عزیز احمد کا مشورہ پہلے پانچہ کر میں گورنر جنرل پلاس پہنچا۔ ایک اے ڈی سی مجھے اپنے ساتھ اور والی منزل میں لے گیا وہاں پر برآمدے میں تین تین بچا ہوا تھا اور اس پر صوفے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک گول میز پر بڑے خوبصورت پھول سجے ہوئے تھے۔

مسٹر غلام محمد ایک گدے والی آرام کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے نیلے رنگ کا دھاری دار سوٹ پہنچا ہوا تھا۔ روہیل اور جراثیں ٹائی کے ہم رنگ تھیں۔ کوٹ کے کالر میں گلاب کا پھول دکھاتا تھا۔ سر پر کالی جٹا کپ تھی۔ ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ ان کے قریب والی کرسی پر گورنر جنرل کی پرسل پرائیوٹ سیکرٹری مس رودتہ بول بولتی تھیں۔ یہ بڑی طرصار، ٹانگ اندام، خوبصورت نیم امریکن، نیم سوس لڑکی تھی جیسے وہ دانشمندان سے منتخب کر کے اپنے ساتھ پاکستان لائے ہوئے تھے۔ مس بول پر نگاہ پڑتے ہی میں نے دل ہی دل میں مسٹر غلام محمد کے حسن انتخاب کی داد دی۔ اے ڈی سی نے میری آمد کا اعلان کیا تو دونوں نے نظریں گاڑ کر مجھے سر سے پاؤں تک

گورنر اس کے بعد مسٹر غلام محمد نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ چند لمبے عجیب سی خاموشی طاری رہی۔ پھر گورنر جنرل نے بچوں کی طرح ٹون میں کر کے کچھ بولنا شروع کیا۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح بولتے رہے، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہے۔ اور کب زبان میں گفتگو کر رہے ہیں۔ جب وہ خاموش ہوئے تو مس بول بولی۔ ”ہزار سیکلینسی فریٹے ہیں کہ انہوں نے آپ کو سیکرٹری کو گورنر جنرل کی پوسٹ کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس ٹاؤک ڈائے میں یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ ایچ۔ اے ای امید رکھتے ہیں کہ آپ ان کے انتظار پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے ایچ۔ اے ای کا حکم ہے کہ آپ ابھی نیچے جائیں اور اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ صاف انکار کرنا تو مشکل تھا، اس لیے میں نے ایک اور ٹک چیش کرنے کی کوشش کی۔ ”میں اس وقت پنجاب گورنمنٹ میں ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے طور پر کام کر رہا ہوں۔ جب تک صوبائی حکومت مجھے وہاں سے فارغ نہ کرے کسی اور پوسٹ کا چارج لیتا ہرگز بے ضابطگی ہوگی۔“

یہ بات سن کر مسٹر غلام محمد غصے میں آ گئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انہوں نے ٹوک کر کچھ دیر پھر ٹون میں کی، جس کا مضمون مس بول نے مجھے یوں سمجھایا۔ ”ہزار سیکلینسی فریٹے ہیں، پنجاب گورنمنٹ جنم میں جائے۔ جس بے ضابطگی کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بھی آپ کے سمیت جنم میں جائے۔ پنجاب کے چیف مشر ملک اور ڈائریکٹر انٹیک سے نیچے بیٹھے ہیں۔ انہیں ابھی یہاں بلایا جا رہا ہے تاکہ وہ آپ کو پنجاب سے فارغ کر دیں۔ اس کے بعد آپ فوراً نیچے جا کر اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ تیر ٹائے پر نہ بیٹھا تو میں نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ ”جناب میری والدہ اور سہیلی لاہور میں ہیں۔ چارج لینے سے پہلے کیا میں وہاں جا کر انہیں کراچی لا

اس کے برعکس راجہ شفیق ایک متوازن فرد تھا۔ وہ حکمہ بحالیات میں ایک کلرک تھا۔ اس قدر خوش پوش تھا کہ دیکھ کر لگتا جیسے بڑا افسر ہو۔ بات کرتا جانتا تھا۔ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق بات کرتا۔ حتیٰ التوسع غریبوں کی مدد کرتا۔ اس میں تعلقات عامہ کی بڑی صلاحیت تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ سارا افسر اسے جانتا تھا۔ اس کے تعلقات بڑے وسیع تھے۔ طبیعت کا راجہ تھا۔ ہر بات میں زیادہ چڑھ کر حصہ لیتا۔ شاد خوج تھا۔ ہر شوہار کا رہنے والا تھا۔ یہاں اپنی زمینیں تھیں۔ یہاں سے پیداوار آتی رہتی تھی۔

بھائی جان کے حلقہ کے کچھ لوگ راجہ پر اعتراض کرتے تھے۔ کہ وہ دالیں، موٹک بھلی، بھنے، ایسی قسم کی چیزیں بھائی جان کو کھانے کے طور پر دیتا رہتا تھا اور یوں بھائی جان کو رکی بڑے بار بار چاہتا تھا اور اگر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو سرکار قبلہ کا مزار پر غنا نہ جانے گا۔ مرد ہندو پر غناؤں کے سخت خلاف تھے۔ زندگی بھر انہوں نے اپنے آستانے کو بڑے غنا بننے نہ دیا تھا۔ فوت ہونے سے پہلے انہوں نے گائیڈ کی قسم کے مزار پر کسی موتی کو بیٹھنے نہ دیا۔ جائے مزار پر چھت نہ ڈالی جائے۔ چار دیواری کو ٹوٹا نہ کیا جائے۔

بھائی جان بھائی بیویوں اور بڑے غناؤں کے حق میں نہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی سرکار قبلہ کے انکشاف کی خلاف ورزی کرے۔

بھائی جان پسند نہیں کرتے تھے کہ راجہ انہیں چھوئے۔ چھوئے خائف بیچھے۔ ایک بار بھائی جان نے کہا 'راجہ صاحب آپ ہمیں یہ چیزیں نہ بھیجا کریں ہم یہ پسند نہیں کرتے۔'

اس پر راجہ جوش میں آیا تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے بھائی جان کے درود قسے میں بات کی تھی۔ کہنے لگا 'بھائی جان آپ کے اصول سر آگاہوں پر، لیکن ہماری خواہشات بھی کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔ ہمارے دل میں بھی چند ایک چاہا ہیں۔ آپ انہیں اچھا جائیں یا برا؟ ہم ان کو اندر سے نکال نہیں سکتے۔ وہ ہمارے خون میں دسے ہوئے ہیں۔'

بھائی جان میں ایک چھوٹا سا مذہب اور بھی ہوا۔ زمین سے جب کوئی چیز آتی ہے تو میرا بھی چاہتا ہے کہ کچھ انہیں بھی بھیجوں جن سے مجھے حکایت ہے۔ میں آپ کو بڑے نہیں بتاؤں۔ اپنے

ایک ایک چھوٹی سی خوشی پوری کرتا ہوں۔ آپ پر احسان نہیں دھرتا۔ آپ میری اسی چھوٹی خوشی کو کیوں روک رہے ہیں۔ یہ سن کر بھائی جان کا سارا غصہ بند گیا اور وہ گردن ہٹا کر بیٹھ گیا۔

راجہ شفیق اول تو بات نہیں کرتا تھا۔ جب کرتا تو منہ سے قہقہے کا فوارہ چل نکلتا۔ شام کے گھر وہ اکثر بیٹھا کرتا تھا 'شام سے تو کبھی تفصیلی ملاقات نہ ہوتی تھی۔ لیکن شام سے تا صبح اس کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا تھا۔ عفت بچے سے کام کرتی تھی 'شام سے لے کر دالے آپ سب درشتی پہلوان ہیں' کام کا آدمی صرف راجہ شفیق ہے۔

ایک دن راجہ شفیق کو ایک کام آدراں لکھوں کا ایک آدمی آتی تھا جسے چڑاسی گولہ تھا۔ راجہ نے اس سے کہا کہ شام سے کہہ کر لٹاں آدمی کو دفتر میں چڑاسی لگوا دے۔

شام نے کہا راجہ سے کہنا کہ چڑاسی لکھا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی افسر لکھا تو میں بقیہ ہمدردوں گا۔

ایک دن راجہ گھر گیا تو شام موجود تھا۔

راجہ نے کہا شام صاحب ہم چھوٹے لوگ ہیں۔ آپ کی طرح بڑے لوگ نہیں ہیں۔ شام نے کہا 'ایسی لکوائے کی درخواست ہی کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں بڑے لکھے آدمی کہاں ہیں کہ ان کے ارکانے کی سفارش کریں اگر آپ چڑاسی نہیں لکھا سکتے تو ہم جیسے چھوٹے آدمیوں سے لکھاؤں۔ ہم کیوں رکھتے ہیں۔'

راجہ کی بات سن کر قدرت بہت شرمندہ ہوا 'وہ چار روز خون پر عطف افسروں کی منتیں کرتا رہا۔ وہ راجہ کے آدمی کو چین رکھ لیں۔'

راجہ بچے سے اکثر ملتا رہتا تھا وہ میرا واحد ساتھی تھا۔ لیکن وہ میری ذاتی پریشانیوں کو دور نہ لے سکتا تھا۔

شام کے متعلق وہ غلطے کر میں راجہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا راجہ یہ کیا جھیل رہا ہے۔ شام نے کہا میں نہیں آتا۔

اس نے غور سے وہ خط پڑھا 'کہنے لگا 'سبحان اللہ کیا خطا ہے۔ کتنی اچھی خبریں ہیں اس خط

شاید ایران سے کاشیٹریشن ہو جائے۔

سکھوں کو ایک ریاست مل جائے۔

ہو سکتا ہے کہ سکھ ہمارے ساتھ مل جائیں۔

اب کشمیر کے لیے جنگ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ویسے ہی مل جائے گا۔ جوں اور

چٹا جائے گا۔ وادی اور آجائے گی۔

نہو بھی جائے ولادہ ہی ہے۔

سب کچھ سرکار قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔

اس روز بھائی جان کہہ دینے کے موڈ میں تھے۔ ایسے ہی جیسے قدرت چٹکن کی کیفیت میں

ہوتے تھے۔ شاید بھائی جان بھی چٹکن میں تھے۔ مگر ان کے انداز میں وہ سرشاری اور مستی نہ

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

میں نے کہا یاد یہ قدرت اللہ شباب کون ہے، کس کام پر مامور ہے۔

وہ ہنس بولا، مفتی ہم چنڈو لوگ ہیں ہم بڑے نہیں سمجھتے، ہم تو صرف پھل کھاتے ہیں۔

میں نے کہا آخر پتہ بھی تو چلے۔

پتہ چلا کر کیا کرتا ہے۔ مفتی یہ بتا کیا کوئی ایسا بھی ہے جسے پوری بات کا پتہ چلا ہو۔

چک لالہ تک پتہ ہے، کسی کو گور خان تک پتہ ہے، کوئی نہ کوئی تو ہو گا جسے جہلم تک پتہ ہو گا۔

سیدھی بات ہے کہ شباب ایک بزرگ ہے۔ ورنہ سرکار قبلہ اس کی دستار بندی نہ کرتے اور

اسے کوئی کام کرتا ہے جو پاکستان سے متعلق ہے۔ اتنی سی بات ہے۔ ہماری لیے یہی کافی ہے۔

اب تو خلوہ خزاہ کریہ میں لگا ہے کہ وہ کونسا کام ہے، اس کی نوعیت کیا ہے، اسے کیوں یہ کام دیا

ہے، کس نے دیا ہے۔

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

کیا ہو گا۔

میں سرگ کے کنارے ایک گوشت کے ٹوٹے کی طرح پڑا ہوں گا۔ میرے جسم میں
لٹے پڑے ہوں گے۔ میرے جسم سے اس قدر بدبو آ رہی ہو گی کہ دلوں گیرانگ پر دھل رکھ
کر کریں گے۔

یہ سن کر مجھ پر ٹپکی طاری ہو گئی۔

میرا جسم مطلق ہو گا۔ قدرت نے کیا مگر میری حیات قائم ہوں گی۔ بلکہ ٹارٹل انسان کی
اہم چار گنا زیادہ چیز ہوں گی تاکہ میں اپنی تکلیف کو شدت سے محسوس کروں۔

یہ سن کر میرا دل بیٹھے لگ میں تو سمجھتا تھا کہ قدرت ایک خوش قسمت آدمی ہے۔ اسے
اولیٰ رتبہ حاصل ہے۔ اس کی حیثیت اعزازی ہے۔ وہ ایک بزرگ ہے جسے پر اسرار طاقت
حاصل ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں گھبرا گیا۔ میرے منہ سے صلیوں کے بالبلوں کی طرح
ہوت گئے۔ مجھے خیال آیا کہ قدرت کی لہت تو میں زیادہ خوش قسمت ہوں۔ میرے سر پر
لٹاؤ نہیں لگ رہی۔ میں ایک آزلو آدمی ہوں۔

اور آپ کو پتہ ہے اس نے کہا۔ اس کی تواضع سن کر میں چونک کر جاگ پڑا۔

کیا میں نے پوچھا۔

کہ میری کیفیت ایسی ہو گی کہ کوئی میرے قریب نہیں آئے گا۔ کراہت کی وجہ سے لوگ
میں سے دور بھاگیں گے۔

جیہاں میں نے پوچھا یہ پانڈی آپ پر کب عائد ہوئی۔ کیا پڑا لٹا ہے یا۔

۱۹۳۶ء میں اس نے جواب دیا "دستا" ایک طوفان چلنے لگا۔ چنڈورا کا صندوق کھل گیا۔ میں
شہر دروہ گیا۔ دلی کے ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے مجھے پانڈ کر دیا۔
انہیں مجھ پر اس کی بڑی رحمتیں ہیں۔ بڑی رحمتیں ہیں۔ اگر یہ رحمتیں نہ ہوتیں تو میں کب کا
موت مر رہا ہو چکا ہو گا۔ میں نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کیفیت کے پانڈو جو اس پر طاری تھی۔ اس آکسیجیسی کے پانڈو "اس کیف وصتی
کے پانڈو" اس میں ایک ٹوٹ تھی۔ ایک بے پناہ احساس ہے۔ یہی اس کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔
میرے دل میں جانے کا جنون مگر یہ کی خواہش تھا کہ اس کی طرح بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا

یہ سوچیں کہ ہم کس طرح دوسروں کے کام آ سکتے ہیں۔

پھر بھائی جان کی توجہ سرکار قبلہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ پرانی باتیں یاد آئیں، کہنے لگے۔
ہم پانچ بھائی تھے۔ تاکہ چند تھا "سکندر تھا" محمد دین تھا "غلام محمد تھا" میں تھا "تمین غلام ٹکے
اس لیے ختم کر دیے گئے۔ سکندر نے کہا میں خلیفہ جلاں گا۔ کیا مکتوت آیا۔ پھر بھیجا "کیا" پھر
واپس آیا۔ "عزم عدولی کی وجہ سے ختم کر دیا گیا۔ محمد دین نے بھی عزم عدولی کی "غلام محمد نے بھی"
تاکہ چند بھارت چلا گیا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ دو سال سے کوئی خط موصول نہیں ہوا۔
بھائی جان کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے "بیت کو بھلانا بہت مشکل ہے۔ بیت کے بعد ہر
بات حکم بن جاتی ہے" ہر وقت حکم عدولی کا فلوٹو لگا رہتا ہے۔

بیت کے بعد تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی ہو جائے تو نتیجہ دینی ہوتا ہے "جو سکندر
کا ہوا۔ راجہ صاحب فقیری بہت مشکل ہے۔ بیت کرنے کی نسبت دوست ہونا بہتر ہے۔

مشن

اس کے چند روز بعد ایک روز میں نے دیکھا کہ قدرت کی آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں، زبان
میں لکنت ہے اور انداز میں عجیب جسم کی اچھل ہے۔ اس نے تھکی سی جالی۔

آپ نے اسے کو بلا رہے ہیں "میں نے پوچھا۔

ہاں اس نے جواب دیا "مجھے ڈکیشن دتا ہے۔

میں نے کہا "شاب صاحب آپ ڈکیشن نہ دیں۔

کیوں اس نے پوچھا۔

میں نے کہا "جناپ آپ اس وقت پریزنٹ ایشنل نہیں ہیں۔ آپ کو لوگوں کے سامنے
نہیں جانا چاہیے اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ مجھے کچھ ہے کیا اس نے پوچھا
اس وقت آپ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ جیسے مگر یہ کی دلوں میں بی رہی ہیں۔
وہ مگر "ا" کہنے لگا "عفت شب کی مگر کبھی تھی۔

میں نے بھارت کے ریلوے سٹیشن کا فلوٹو کھول کر اسے دکھایا۔ آپ کو پتہ ہے "وہ بولا کہ
اگر میں اپنے مشن میں کام ہوا تو کیا ہو گا۔

جیسے وہ بزرگ نہ تھا۔ بلکہ ایک عام انسان تھا۔ تمکا ہارا ہوا۔ پھر جس انسان۔ اور وہ اسرار ہوا۔
 لیٹے ہوئے تھا۔ وہ دراصل ایک زنجیر تھی، ایک مجبوری، لاچار۔
 اس روڑ ساری رات مجھے غیور نہ آئی۔

چمگا دڑیں

قدرت اللہ شام با کروار آدمی تھا۔ اس میں بہت سی مثبت خصوصیات تھیں۔ کچھ
 وہ روایات قدرت نے وراثت میں پائی تھیں۔ والد اور والدہ دونوں ہی پاکیزہ اور سادہ مزاج تھے۔
 اور ان کے والد بہت ذہین تھے وہ امتحانات میں فسط کا س فسط آیا کرتے تھے۔ والدہ بڑی
 ماہرہ تھیں۔ قدرت کا ایمان تھا کہ اس کی زندگی میں جتنی بھی برکت تھی وہ والدہ کی دلوں کی
 برکت تھی۔

قدرت کی شخصیت میں وہ بڑی زبردست قوتیں تھیں۔ اس میں سب سے پہلے برداشت کر
 لینے کی قوت عام انسان سے بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اس کی دل پاور اس قدر طاقتور تھی کہ
 اس کو رنج کر سکتا تھا۔

معلقہ خیر

قدرت میں طبع نہیں تھی، حرص نہیں تھی۔ فرائض نہیں تھی، لیکن ساتھ ہی اس میں چند
 اچھے کمزوریاں بھی تھیں، یہ کمزوریاں بڑی مشکلہ خیر تھیں۔
 مثلاً اس میں ایک تنہا تھی۔ ایک عجیب قسم کی ہچکچاہٹ تھی۔ لیکن وہ اپنے آہنی عزم

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پرائی چیزیں

کچھ لوگوں کو پرائی چیزوں سے خدا واسطے کا لگا ہوتا ہے۔ ان میں پرائی اور بے کار چیزوں کو پیسہ دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔ یہ چیزیں کسی مقصد کے لیے نہیں سنبھالی جاتیں، اس لیے انہیں کہہ کر کام آئیں گی۔

سائے کتنے ہیں، عورتیں اس لیے چیزیں نہیں بچھتی کہ انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے پیسہ دیں تو پڑوسن اٹھائے گی اور انہیں کام میں لے آئے گی۔ وہ چیزوں کو اس لیے سنبھال کر نہیں رکھتیں کہ واپس آئے یا نہ آئے۔

وہ مرد جنہیں پرائی چیزوں سے محبت ہوتی ہے۔ وہ پڑوسی کے در کے وجہ سے انہیں سنبھال کر نہیں رکھتے۔ یہ تو آرٹ فار آرٹ سبک قسم کا شوق ہے۔ یہ شوق لوگوں میں عام ہوتا ہے۔ قدرت اللہ شباب میں بھی پرائی چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی عادت تھی۔ بے کار چیزوں کو سنبھالنا لیکن روپے پیسے بے دریغ ہٹا تھا۔ جب وہ بالینڈ میں عیم تھا تو اس کے بیشتر خط ایک ہی شخص مضمون کے حامل ہوتے تھے۔

اسے روپوں کا چپک بچھ رہا ہوں۔ ساتھ لوگوں کے پتے ارسال کر رہا ہوں۔ آپ ان لوگوں کو اسے اسے روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔

کی عد سے اس جھجک اور چٹکاپٹ کو دور نہ کر سکا تھا۔ جب بھی وہ حملہ کرتی، وہ گھبرا کر پیچہ ہٹا۔ اسے ایک دھچکا لگتا، لیکن جلد ہی سنبھل جاتا۔

مجھے شک پڑتا تھا کہ قدرت بھی میری طرح احساس کمتری کا شکار ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اس پر فوری طور پر ٹکڑ پڑ سکا تھا۔ دراصل قدرت میں دو بڑے حالات در پڑے گئے وہ تھے۔ ایک بریک دوسری شاگ ابراہیم۔

شاید اسی وجہ سے وہ سفارش نہیں کر سکا تھا۔ جب بھی اسے سفارش کرنی پڑ جاتی تو اور چٹکاپٹ کی مچھلی چل پڑتی۔ پھر وہ اسے اتوا میں ڈال دیتا، ڈال دیتا۔ قرار کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ مجبور ہو جاتا تو فون پر سفارش کرتے ہوئے بیٹے چھوٹ جاتے۔ سفارش کرتے ہوئے اس کا رویہ متوازن نہ رہتا تھا۔ ایسی بے بسی اور آہ و زاری سے فٹیں کرنا کہ اس پر ترس آنے لگتا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں کی فٹیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بنیادی طور پر قدرت اکیلا تھا۔ محفل سے کترا تھا۔ ملاقاتی رخصت ہوتا تو وہ احمیہاں کا سانس لیتا۔ وہ اینٹی سوشل نہ تھا، اس سوشل تھا۔

قدرت میں اونچائیوں کا خوف تھا۔ جب وہ ہوللی جہاز کی میز پر چڑھتا تو اس پر خوف طاری ہو جاتا۔ جوں جوں چڑھتا جاتا تو اس کو کرب پڑتا جاتا۔ جب آخری میز پر پہنچتا تو اسے ہلے قبض جیسا غلاب سہا پڑتا۔

میں اب وقت پر بھی آ سکتے ہیں۔
 آ سکتے ہیں۔ پر آئیں گے نہیں۔

میٹ، بیٹ اور کلون کی خالی چیخیں، کف، نکس، استہل، شرہ پن، دھوپ کی
 میٹکوں کے پرانے خول، سوکھے ہوئے مارکر، ٹوٹے ہوئے دستوں والے لیٹر اوپنر،

ہام

ہر ایک بڑی طرح دار بیگم جسے میڈم کہہ کر بلائے تھے، قدرت کی جانب مائل ہو گئی۔ وہ لڑائی مری تھی، لیکن اس میں اس قدر ہشاشمٹ اور کھٹکھٹ تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ بہت دیر سے قہقہے لگتی تھی اور اس قدر آواز ملتی تھی کہ اسے کوئی ٹھیک نہ تھی۔ ہر موضوع پر بات کرتی۔ انہوں میں دعوت عام تھی۔ کوئی ہو، کیسا ہو۔

صرف نظر کو عادت تھا۔ میں تھی۔ اس کے جسم کے ہر بند کو عادت تھا۔ تھی۔ مرد کو دل راز سے بچنے لگتی تھی۔ کسی بات کو چھپاتی نہ تھی۔ میاں سے کہتی، میں کیا کروں، میں ایسے ہی ہوں، میں بے چارے ہوں، اسے روک نہیں سکتا تھا، دیکھ دیکھ کر شاید اسے دیکھنے کی بات پڑتی تھی شاید وہ پیپنگ ٹام بن چکا تھا۔

میڈم نے آکر قدرت کو چنگ کیل۔ اس معاملے میں قدرت بڑا بڑے پاک سپاہی تھا۔ اس نے فطرت قبول کر لیا۔ ہم ڈر گئے، اب کیا ہو گا۔ وہ بڑی طاقتوں میں تصادم ہو گا۔ ایک کے پرچے اٹھائیں گے۔ پورا ایک مینہ میدان کار دار گرم رہا۔

میڈم شام کو آجاتی۔ کتنی، آئیے ڈرائیو تک "سپری" ہو جائے اور وہ دونوں موٹر میں بیٹھ کر چلا جاتے۔ پھر آدھی رات کو لوٹتے۔

میں نے شب سے پوچھا، آپ جو ڈرائیو تک پہنچتے ہیں تو وہاں کتے کیا ہیں۔

ہلا، کچھ نہیں۔

تو پھر جانے کا کہو۔

میں ڈرائیو تک کرتا ہوں اور میڈم بائیں کرتی ہیں۔

کیسی باتیں۔

اپنی رام کتابیں سناتی ہیں۔

میڈم کی کتابیں رام کتابیں تو میں ہو سکتیں، راولن کتابیں ہوں گی۔

ہاں راولن کتابیں ہی ہیں۔ بے چاری نے بڑے مصائب جھیلے ہیں۔

وہ تو خود بخوبی راولن ہے۔

قدرت کی سب سے بڑی کمزوری عورت تھی۔ ایسی عورت جو چلاؤ نظر ہو اور اس سے راستے سے ہٹک جاتی ہو۔

ایک بات میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ خواتین قدرت کو دیکھ کر اس پر رعبہ کیا ہوں تھیں۔ کیوں اس کے گرد منڈلاتی تھیں۔ قدرت کے خدوخل، قد کاٹھ کوئی تفصیل چاہتے تھے۔ اس کی آنکھ ٹٹری نہیں تھی۔ اس میں بلاناہی نہیں تھا۔

کہتے ہیں عورت سب سے پہلے مرد کی آنکھ کو دیکھتی ہے۔ اس میں بلاناہی ہو تو دل ہل جاتی ہے۔ منڈری آنکھ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

قدرت کی آنکھ بھی چمک چمکتی تھی، لیکن وہ چمک بلانے کی چمک نہ ہوتی۔ قدرت کی آنکھ میں ایک ٹھیک تھی۔

میں وہاں پر حیران ہو کر آتا تھا۔

کہ عورتیں قدرت پر کیوں رعبہ جینی تھیں۔ اس کے گرد کیوں منڈلاتی تھیں کہ تو صراطِ مستقیم سے ہٹتی ہوئی حسیاتوں میں میں دل چسپی لیتا تھا۔ قدرت کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ پاس پاس وہ جائے نماز کیجے ہوں اور وہ کوئی ایسی طاقتوں کے ساتھ نماز پڑھے۔ میں زندگی بھر جنس کا غلبہ علم رہا تھا۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ عورت اس نماز پڑھنے پر کیسے راضی ہو جاتی ہے۔

بھرنے مجھے خیر۔ رعبہ بھری کی بات یاد آجاتی۔ جب رعبہ بھری کو زبردستی چنگے میں دبا کر کیا۔ جب بھی گاہک آتا تو پتہ نہیں کیسے وہ اسے اس بات پر رضامند کر لیتیں کہ پہلے آئیے اور پھر لیں، پھر عیاش۔

جب گاہک نماز پڑھ رہا ہو تو رعبہ بھری اللہ کی منت کرتی۔ یا باری تعالیٰ میری تک ڈاؤ

میں نے آئی ہوں لب تو جانے اور تیرا کام۔

مجھے خیال آتا شاید قدرت بھی کسی کام کر رہا ہو۔

برمیل ایک بات یقینی تھی کہ قدرت کسی ایک بھڑی سے اتنی ہوئی حسیاتوں کو کہ

”میں وہ بولا۔ تم باہم خط ہے۔ دیکھ لیجئے۔

وہ دوسری خط تھا۔ لکھا تھا یہ آپ نے کیا کیا۔ ایک غلطی بھری پوٹلی کو میں بھیج دیا۔

قدرت ان خواتین کو بیٹس یا چنگڑیں کا کرنا تھا۔ جیسے ایک نائیک چنگڑو اس کے گرد

لیٹی رہتی تھی۔ عفت یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑی رہتی تھی۔

ہر ایک روز اس نے بھائی جان سے بات کی۔ بھائی جان بولے دیکھو بیٹی۔ ہم بھی قسویٰ

ال لاکہ رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان پر اعتماد نہیں کر سکتیں تو ہم پر اعتماد کرو۔ جو ہم آپ کے دل

میں ہے وہ ملنا ہے ’ایسا ہوتی نہیں سکتا۔ شاب صاحب جب باہر جاتے ہیں ’یا ڈرائیونگ کرتے

ہیں تو وہ اکیلے نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ ان کے محافظ ہوتے ہیں۔

ایک بچے کا سوال ہے

ہر ایک چنگڑو آگئی۔

وہ شباب کے دفتر میں آئی۔ سیکورٹی نے فون کیا ’جناب ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی

کون ہے ’قدرت نے پوچھا۔

لپٹا ہم مسز منزا بھائی ہے۔ عمر سیدہ ہے۔ بیوہ ہے۔

کس کام کے لیے ملنا چاہتی ہے۔

اتنی ہے کہ شاب صاحب مجھے نہیں جانتے۔ میں مدینہ منورہ سے ہن کے لیے ایک پیغام

دلا ہوں۔

قدرت نے کہا ’انہیں بھیج دیجئے۔

بچہ در کے بعد وہ داخل ہوئی۔ شباب نے اسے بڑے احترام سے دیکھو کیا۔ فرمایے ’وہ

خاتون نے کہا ’میں تنگی میں ہات کر رہی گی۔

قدرت نے اپنے لیٹے کو اشارہ کیا اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

گئے گئی ’میں سرزمین حجاز سے آئی ہوں مجھے باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ چو شباب سے

وہ بات ہے۔ کہتی ہے ’میں ایک مردار ہوں۔ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے رہتے ہیں اور

اپنی چو نہیں چری کرتے رہتے ہیں۔

’بڑی اچھی تشبیہ دی ہے۔

بے چاری جسمانی طور پر مجبور ہے۔ کہتی ہے ’میرا جی چاہتا ہے کہ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے

ریں اور فوسٹے مارے دیں۔ بے چاری جسم کے ہاتھوں مظلوم ہے۔

’آپ کو ترس آتا ہے۔

ہاں۔ بد قسمت ہے۔

وہ توقع کرتی ہوتی ہوئی کہ آپ بھی ٹھوگے باریں۔

شاید ’وہ بولا۔

چاہتی کیا ہے ’میں نے پوچھا۔

وہ چاہتی ہے کہ اس گندے نالے سے باہر نکل آئے۔

واہ ’میں نے کہا ’بیک وقت دو متغیر خواہشات۔

یہ بڑی تکلیف دہ کیفیت ہے ’شباب نے جواب دیا۔

پورا ایک مہینہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔

پھر چار ایک دن وہ نہ آئی تو میں نے پوچھا ’وہ میڈم کیا ہوئی۔ اتنی نہیں۔

قدرت نے سرسری انداز میں کہا ’مدینہ شریف چلی گئی۔

کیا عمرہ کرنے۔

’میں ’وہ بولا ’اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں جیسے کے لیے مدینہ شریف میں آباد ہو چلاؤں گی۔

دس پندرہ دنوں کے بعد قدرت نے مجھے ایک خط دکھایا۔

میں نے پوچھا ’کس سے آیا ہے۔

’وہ مدینہ شریف سے۔

میڈم نے ہنسا ہے کیا۔

’میں ’وہ بولا۔

پھر کس نے ہنسا ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں نے کہا 'فرض کیجئے آج رات خواب میں آپ کو حکم دیا جاتا ہے۔

دو ہولہا ————— تو میں لا حول پڑھ دوں گا۔

اگر عابدہ تھی کیا۔

اس نے سر اٹھتے میں ہلا دیا۔ 'ہولہا' عبارت کے سوا کوئی اور مفہول نہیں ہے۔

اب اس نے دالوں کو بھی سلف ڈی لیو ٹون ہوئی ہے کیا؟ میں نے پوچھا۔

وہی فلا اسے جو عابدہ ہو 'دو ہولہا۔

اگر لیں' میں نے پوچھا۔

انعام مدینہ توڑنے کے حق میں نہیں ہے۔ متوازن پانٹ ضروری ہے۔ دنیا اور دین میں

بہاؤ لازم ہے۔

اس کی آنکھیں سرخ ہوئی جاری تھیں۔ زبان تھنہلاتے گئی تھی۔ چسکن، چسکن

اس نے ایک ذیلی ابھری۔

اس نے کہا شام صاحب ایک بات ہے۔

اس نے کہا۔

دو ہولہا

اس کی فطرت آپ کے جسم اور خدو خل میں کوئی میل اپیل نظر نہیں آتی۔ آپ کی

فطرت آپ کی ہے۔ لیکن اس چمک میں جنسی دعوت نہیں ہوتی۔ پھر یہ خواتین آپ کی طرف

کھینچتی ہیں۔ اس کشش کا راز کیا ہے؟

اس نے کہا 'دو ہولہا۔

اس نے کہا۔

اس نے کہا 'دو ہولہا۔

اس نے کہا 'دو ہولہا۔

اس نے کہا 'دو ہولہا۔

اس نے کہا 'دو ہولہا۔

اس نے کہا 'دو ہولہا۔

ملا اور اسے نوکہ ایک بچہ دے دے۔

بچہ دے دے؟ میں سمجھا نہیں 'قدرت نے کہا۔

آپ کا بچہ میرے بھن سے ہو 'دو ہولہا۔

قدرت یہ سن کر ششدر ہو گیا 'لیکن یہ تو کہا کہ بچہ ہو گا۔

کوئی بات نہیں یہ تو حکم ابھری ہے 'اس نے کہا۔

قدرت یہ سن کر چپ ہو گیا۔

میں بیوہ ہوں 'دو ہولہا۔ شادی کے بعد میرا خلوت صرف تین ماہ گیا۔ پھر فوت ہو گیا۔ میں نے

دوسری شادی نہیں کی ساری زندگی عبارت میں گزار دی۔

وہ یہ تک قدرت سر جھکا کر بیٹھا رہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا 'محترمہ میں آپ کے پیغام پر شک

نہیں کرتا ممکن ہے کہ آپ کو یہ حکم ملا ہو۔ لیکن مجھے ابھی تک کوئی ایسا حکم نہیں ملا۔

شاید آپ کو جلد براہ راست حکم مل جائے 'خاتون نے کہا۔

جب تک آپ انتظار کریں۔ قدرت اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

جب محترمہ پہلی گئی تو قدرت نے مجھے بلایا۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔

میں نے کہا خیر تو ہے۔

کتنے لگا ایک پر اسرار وزیر کیا تھا۔

کون تھا۔

عورت تھی۔ کتنی تھی 'مجھے اللہ نے حکم دیا کہ آپ کا بچہ جنم لے۔

کیا واقعی۔

ہاں 'دو ہولہا۔

اسے یہ کہتے ہوئے شرم دامن گیر نہ ہوئی 'میں نے پوچھا۔

ہاں نہیں 'دو ہولہا۔

پاکل خانے سے چھوڑ کر تو نہیں آئی تھی۔

میں وہ بولا۔ وہ جنم میں بولی تھی 'اس کی دعوت غصانہ تھی۔ اس کے چہرے

پر شہوانی جھلک نہیں تھی۔ حرص نہیں تھی۔ ہوس نہ تھی۔

UrduPhoto.com

اچھا تو میں جانتا ہوں، آپ کے لیے بھی پان لے آؤں گا، قدرت چاہے گی۔

میرا خیال تھا کہ وہ دس پندرہ منٹ میں واپس آجائے گا، لیکن ایک گھنٹہ گزر گیا وہ کھینے کڑو

’وہ نہ آیا تو میں گھبرا گیا۔ پان کی دوکان کچھ زیادہ دور نہ تھی۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لیے

ایک دوکان پر پہنچا۔

انٹرن کی بات تھی کہ پان والا شہاب کو بھی چاہتا تھا اور مجھے بھی۔ میں نے اس سے پوچھا کیا

میرا تو وہ بولا۔

کیوں۔

یہاں وہ کچھ دیر سر لٹکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے مراٹھا گیا۔

یہاں جنگل کا رول چلنا ہے، کل آرہی، کھڑ

لڑو یا مر ڈال بات ہے، ہے نا، میں نے کہا۔ میرے گرد و پیش میں ہر وقت ایک

مٹکا، ڈنک لگائے بیٹھ، رہتا رہے۔

المن، لیکن تو ان کی چٹائی کو قبول کر لیتا ہے بچہ نگاروں میں بڑی طاقت ہے۔ تو اتنا مضبوط نہیں
مقابلہ کر سکے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ قدرت چپ ہو گیا۔

اسلام، عورت اور ضبط

میں نے کہا آپ ایک فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔

میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ مسلسل کشمکش میں رہتا ہوں۔ وہ بڑا۔

مجھے ایک بات بتائیے۔ آپ فرار کا راستہ کیوں نہیں لہاتے۔ کیا اس لیے کہ آپ کو تصادم سے بچنا عورت ہے۔

مجھے دونوں ہی پسند ہیں۔ تصالوم سے میری انا کو تسکین ملتی ہے۔

اور عورت سے 'میں نے پوچھا۔

عورت مجھے اچھی لگتی ہے۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔ دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

بھائی چانے بڑے غور سے میری بات سنی۔ پھر درج تک خاموش رہے۔ بولے، وہ جو بھی
رہے ہیں، لھک کر رہے ہیں۔ ہمارے کیا حیثیت ہے کہ ان کے معاملات میں دخل دیں۔

میں نے کہا مجھے ایسے لگتا ہے جیسے وہ چنگاروں سے طاقت اخذ کرتے ہیں اور دوسری جانب

جہاں جان سکرا دیئے۔ بولے 'ہٹو کی باتیں بڑی بڑی ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ
تا۔'۔ ہمارے سرکار قلمہ بھی کسی زمانے میں یہ فاضل کیا کرتے تھے۔ وہ پہلوں تھے۔ رو

قوت ضلع کو آزمانے کے لیے وہ جنگے میں چلے جاتے اور کسی خوش فعل طوائف کے چہرے پر اپنی

جائے، اسے رات بھر کے لیے ہک کر لیتے۔ پھر اسے کتے کھڑے اندر دے، خود بھی برہنہ ہو جاتے اور بحر طوائف کی گود میں بیٹھ جاتے۔ بیٹھے رہتے، بیٹھے رہتے، جب تک خواہش کا جذبہ

عذاب رہتا، بیٹھے رہے۔ پھر اٹھ بیٹھے۔ طوائف سے کہتے، کپڑے پہن لے۔ خود کپڑے پہنتے اور

ہاں۔ وہ بولہ پٹانے لے کر میں واپس آ رہا تھا تو سڑک پر ایک بڑا کھڑا قند اس کے سر پر ایک عثموزی تھی۔ اس نے مجھے روک لیا۔ کہنے لگا (ماہاجبے مجھے جانا ہے) اس ڈنڈی پر۔ سڑک کے نیچے اترا ہوں۔ مجھے عثموزی پھڑکانا۔

میں نے سوچا بڑا مست ضعیف ہے کیوں ناٹھڑی اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں نے سوچا، یا جی آپ کا گھر کہاں ہے ؟

وہ بولا 'یہ پاس ہی ہے نیچے کھڈ میں۔'

جب ہم دونوں جنگل میں پہنچے تو ہمالیہ نے کہا۔ گھڑی یہاں رکھ دے اور اس پتھر پر بیٹھ جا۔

میں بیٹھ گیا۔ پھر اس بڑھے نے مجھے اس قدر جھڑپائی کہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے
 اپنی زبان کی تلووار چلائی۔ اس کی زبان زہر میں بھی ہوئی تھی۔ اس کی آواز لاطینی کی طرح تھی۔

تھی۔ وہ اس قدر فطارت سے مجھ سے غلبہ ہو گیا کہ میں سن ہو کر رہ جا گیا۔ اس کی آنکھیں پانی سے

لب کر لی۔ مجھ میں ہونے کی طاقت نہ رہی۔

لیکن وہ کہتا کیا تھا، میں نے پوچھا۔

کہتا تھا تو سمجھتا ہے کہ تو نے اس عورت کو پانچ بیٹے کیا تھا۔ اس کی تواضع کی تھی۔ لفظوں کا یہ رویہ کیا تھا؟ نہیں ایسا سمجھتا ہے تو تو خود کو دھوکا دے رہا ہے۔ دراصل تو نے اسے پانچ اس...

لڑایا تھا کہ اس عورت کی رعنائیں اور طرح دار انگلیوں کے لمس کی لذت حاصل کر سکے۔
کیا کیا کیا میں نے اسے لوکا انگلیوں کا لمس اور لذت۔

شاید وہ ٹھیک کہتا تھا 'قدرت بولا' جب وہ خاتون آئی تھی تو میں نے اس کے

فر دینا تھا۔ مجھے خیال آیا تھا کہ بڑی پرحس انگلیں ہیں۔ اور مجھے ایسے لگا جیسے وہ گلابی ہیں۔ پھر میں نے دیکھا تھا کہ اس نے نیلی پالش نہیں لگایا ہوا تھا۔

اسلام کا حوصلہ تھا۔ بے پناہ جرأت تھی۔ اپنی جاہلیت تھی کہ آتے ہی ہم سب کو مکور کر لیا۔
ہات بڑا میدان کارزار گرم ہوا۔ شدید تصادم عمل میں آیا۔ قدرت کا ضیاع پاش پاش ہو گیا۔
اسے اپنے خون کا گھر داس کیمرہ ہو گیا اور وہ ایک ہزیمت شدہ، زخمی سپاہی کی طرح میدان چھوڑ
کر ہانگے پر مجبور ہو گیا۔

مسز دین ایک اوجھڑ عمر کی بیوہ تھی، ہلکتے، ہنس مکھ حسینہ۔ اس کا بند باند زندگی سے سرشار
تھا۔ شخصیت ایسی کہ ہر راگزمر متوجہ ہونے پر خود کو بگڑا پائے اور پھر حواس گم، قیاس گم، دیکنا
دا دیکنا رہ جاتا۔ جدھر سے گزرتی نوگ مڑ کر دیکھتے، اس کا حسن صرف خدا و خلقی نہ تھا۔ اس
کی ہر حرکت حسین تھی۔ گرہیں ہی گرہیں۔ ڈگنشی ہی ڈگنشی۔ وہ فو حسن کی شہزادی تھی۔
مسز دین کو اپنی طاقتوں کا شعور تھا۔ وہ شعوری طور پر اس بات کا اہتمام کرتی تھی کہ کوئی فحش
لڑ نہ جائے۔ التزام، فرصت، شل کشش نہیں دیتی تھی۔ گیسوئے تبادر کے چل کو پچھلائے رکھتی
تھی۔ وہ اپنی اپیل کی تکرار صرف خواص پر نہیں چلاتی تھی۔ ہر راگزمر کو بے مقصد تقریریں زخمی
کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ شی واڑاے بکڑ۔

پتہ نہیں وہ کہاں سے آئی تھی۔ کیوں آئی تھی۔ پتہ نہیں قدرت اسے کیوں جانتے تھے۔
لب سے جانتے تھے۔

ایک روز راجہ شفیق پاپتا ہوا میرے گھر آیا اور دھڑام سے آرام کرسی میں ڈبیر ہو گیا۔ ایسے
لگتا جیسے کوئی حادثہ ہوا ہو۔ اس کے لسان خطا تھے۔

کیا ہوا راجہ؟ میں نے پوچھا۔

ذرا غصہ چا، وہ بولا، مجھے دم لینے دے۔

خیریت تو ہے؟ میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

کچھ دیر تک وہ پڑا رہا۔ پھر اٹھ بیٹھا۔

کیا ہول میں نے پھر پوچھا۔

کسے کا مارے گئے، مفتی مارے گئے۔ توجہ ہے۔ ایک معیت اور کھڑی ہو گئی، معیت
نہیں قیامت۔ پتہ نہیں دہرا کیا ہو گا۔ ایسے لگتا ہے جیسے دہرا گھرنا معیتوں سے گھر گیا ہو۔ کچھ

پھر طائفہ کو رقم دے کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اس کے لیے دعا کرتے اور واپس آ جاتے۔
لکنا ضیاع میں نے پوچھا۔

انہیں اپنے ضیاع پر زیادہ تھکا ہلا لگتا ہے۔

شادی شدہ تھے کیا۔

جوانی میں شادی کی تھی۔ چند مہینے چلے۔ پھر کہنے لگے، 'اے بھلا ہمارے بس کی بات نہیں
ہے۔ اور انہوں نے یہی کو طلاق دے دی۔

میں نے کہا، وہ بولے، 'بڑے آدمیوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ بس دیکھتے جاؤ، کریو
نہیں۔ کریو نے سچے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کریو گے تو اپنی ہی مت ماری جائے گی۔

مفتی صاحب ہمارا کام ان کی مدد کرنا ہے۔ جہاں تک ممکن ہے ان کی خدمت کریں گے۔
ان کا سرکار قبلہ سے رابطہ ہے اور ہم سب گم گم لگام ہیں۔

آپ کا بھی یہی مسلک ہونا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہے خدمت کرو۔ پوچھو نہیں۔ کریو
نہیں۔ جنت نہ کرو۔

لیکن بھائی جان، میں نے کہا، میں سمجھتا ہوں، پاپتا ہوں۔ پاپتا ہوں۔

بھائی جان بولے مفتی بی۔ ان معاملات کو سمجھنے کے لیے ایک حس چاہیے، ایک خصوصی
حس۔ عقل کے زور پر آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقل ناقص ہے، جو عقل سے سمجھنے کی
کوشش کرتا ہے اس کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کیا پتہ کسی روز اللہ کی مہربانی سے آپ
میں وہ حس پیدا ہو جائے۔ پھر ہماری باتیں واضح ہو جائیں گی۔

راجہ شفیق بولا، بھائی جان یہ مفتی تو ہے یہ جاننے کے پکڑ میں پھنسا ہوا ہے۔

جو پکڑ میں پھنس جاتا ہے وہ ڈوب جاتا ہے، بھائی جان نے کہا، تیر نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم مفتی
کو ڈوبنے نہیں دیں گے۔ اسے ابھی کام کرنا ہے۔ سب ساکام کرنا ہے۔ ابھی تو ڈوڑی تیار ہو رہی
ہے۔ جب پھول کھلے گا تو ہماری بات سامنے آ جائے گی۔

مسز دین۔ دی بکڑ

پھر ایک، بس بھری چنگڑ میدان میں آ گئی۔ اور ہم سب کے گرد پکڑ لگنے لگی۔ اس میں

ہوئے والا ہے مفتی۔

تو بات تو کر۔

آج صاحب کا فون آیا تھا۔ راجہ شفیع شہاب کو صاحب کا کہنا تھا۔ صاحب نے کہا 'راجہ صاحب آپ فارغ ہیں ایک میں نے کہا جی کیا حکم ہے کہنے لگے 'ابھی دس چندہ منٹ میں آپ کے دفتر کے گیٹ پر ایک کھلی موٹر کے گیٹ کے دفتر کے گیٹ پر چلے جائیں اور ان کا انتظار کریں۔ میں نے کہا جی ہمت۔ پھر اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہو گا میں نے پوچھا 'صاحب کہنے لگے 'ان کے سامن فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ سرکاری ہنگر خلی کر رہی ہیں۔ انہیں فوری طور پر ایک ہنگر کرائے پر لینا ہے۔ آپ ان کی مدد کریں۔

بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ خیر میں گیٹ پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد کھلی موٹر آگئی۔ اس میں سے ایک خاتون باہر نکلے۔ ایک آپ کے بغیر سادہ سے کپڑوں میں 'وہ اتنی نئی محنت تھی کہ میں اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ مجھے بڑی بے تکلفی سے ملی بیویں جیسے سال باسل سے ہم ایک دوسرے سے واقف ہوں' کہنے لگی 'آپ راجہ شفیع ہیں غلطی میں نے کہا جی میں راجہ شفیع ہوں۔ صاحب نے مجھے فون کیا تھا۔

مجھے پتہ ہے 'وہ بولا۔

آئیے اندر دفتر میں۔ ایک پرالہ چائے 'میں نے خاتون سے کہا۔

میں راجہ 'وہ بولی 'ہماری پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں دو گھنٹے کے اندر اندر ایک ہنگر چار کرنا ہے۔ لٹ لٹا کے سٹ راجہ۔ لیڈر یو ٹو ڈاٹ۔

پھر جو میں نے دیکھا۔ تو دیکھا ہوں کہ سڑک پر لوگ چلتے چلتے رک گئے ہیں اور آکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ دفتری چاہ دیکھا تو سٹاف کمریکیوں سے جھانک رہا تھا۔ میں گھبرا گیا یہ پوچھیں گے کہ کون تھی 'تو میں کیا جواب دوں گا۔

پھر اس نے بے تکلفی سے میری ہاتھ پکڑ لی۔ بولی 'چلو جلدی چلیں۔ تاخیر کی تو یہی مجیز لگ جائے گی۔ اتنی بے تکلفی۔ میں تو سخت گھبرا گیا۔

مفتی دو گھنٹے ہم شہر میں کھلے ہوئے رہے۔ ہمیں بھی جاتے لوگ پٹی پٹی آکھوں سے

میں دیکھتے۔

UrduPhoto.com

پتہ ہے مفتی 'میں تو سارے شہر میں چانا پھانچا ہوں۔ لوگ میری چاہ دیکھ کر آکھیں لے لیں۔ ایک نے تو کہہ دیا۔ راجہ 'آج تو توجہ کا راجہ بنا ہوا ہے اور مفتی وہ ایک ایک بات کرتی تھی۔ مفتی تھی مسکراتی تھی۔ میں سب جانتی ہوں کی سی مسکراہٹ۔

پہرے نے اسے ہنگر کرائے پر لے دیا 'میں نے پوچھا۔

اسے کلاس ہنگر لے کر دیا ہے۔ بڑی خوش تھی۔

پھر وہ مجھے گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ جاتے ہوئے کہہ رہی تھی 'راجہ پھر کب لوگے۔ خلی مکان

اور نہ کی بات نہیں 'اسے فرسٹ چکی کرانا ہو گا۔

تو کوئی ایسی بات نہیں 'میں نے کہا 'تو تو کتنا قمار ہے گئے۔

نہری تو جواب ملیں ہو جائے گی 'وہ بولا۔ سارا دفتر بیٹھے گا۔ راجہ وہ کون تھی۔ سارا شہر کہہ گا راجہ آجکل لوٹنی ہوا میں اڑتا ہے۔ دفعتاً 'وہ چونک کر اور پھر ایک اور بات ہے 'وہ بولا۔

وہ کہا میں نے پوچھا۔

گتا ہے صاحب سے خاتون کے پرانے تعلقات ہیں۔ میں نے دوبار صاحب کی بات کی تو وہ ہلچل میں جاتی ہوں اسے وہ تو بند دروازہ ہے 'نہ خود باہر آتا ہے' نہ کسی کو اندر جانے دیتا

اچھا یہاں تک۔ بڑی بے تکلفی ہے 'میں نے کہا۔

دیکھ لو 'وہ بولا 'مجھے تو پتہ ہے گتا ہے 'جیسے ان کا فیصلہ چل رہا ہو۔

میں راجہ 'میں نے کہا 'مجھے نہیں پتہ۔ قدرت کے سرے تو دو گردن والے کھڑے رہتے

ان وقت۔ کسی کو ان کی لگنے کی اجازت نہیں دیتے۔

دار مفتی 'ہم تو ہمیں غاسی مومل۔ صلیوں میں پھنس گئے ہیں 'وہ بولا۔

ہند ایک دنوں کے بعد مجھے خود دین کے ہل چانا پڑا۔ قدرت نے کہا 'میں ذرا معصوف

ہوں۔ اگر آپ ان کے ہل چاکرے پکٹ دے آئیں تو۔

میں دے آتا ہوں 'میں نے جواب دیا۔ آپ مجھے آتا پتہ دیں۔ قدرت نے ایک پکٹ

ہاتھ میں حصار پر ایک کٹھ پر مکان کی نوکیشن کا نقشہ بنا دیا۔

جب میں روانہ ہونے لگا تو قدرت نے کہا 'ذرا احتیاط سے لے چاہا۔ پکٹ میں قرآن کریم

کانسو ہے۔

کلوزز

میری عادت ہے کہ زیادہ حسین یا بنی خنی یا مذہب عورت کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں۔ غلام سے ملنے سے میں خوف تھا۔ وہ قاتل تھا کہ کوئی ایسی بات نہ کہ دوں جو اسے ناگوار ہو اور میری باتیں قدرت کو نہ بتا دے۔

مجھے دیکھ کر وہ بولی، آئیے آئیے بڑی دیر لگلی آپ نے آئے میں، نہ بیٹھے۔ گھبراتے ہیں آپ۔ میں آپ کو جانتی ہوں۔ کب سے جانتی ہیں آپ مجھے۔

جب سے آپ نے شاپ سے ملنا جتنا شروع کیا ہے۔ میں نے تو آپ کو دیکھا تھا کہ آپ۔ میں۔

میں تو آپ سے ضرور ملتی۔ لیکن اس نے مجھے منع کر دیا تھا۔ آپ انہیں کب سے جانتی ہیں۔

۱۹۵۶ء سے۔ ابھی آپ کراچی نہیں آئے تھے جب سے۔

پھر تو آپ زیادہ جانتی ہیں، میں نے کلمہ۔

کچھ فرق نہیں پڑتا وہ بولی چاہے آپ اسے ایک سال سے جانتے ہیں یا دس سال سے۔ روزانہ ہند کر کے بیٹھا ہوا ہے کہ کوئی جان نہ لے۔

مجھے آج تک یہ نہیں چلا کہ وہ کون ہے، میں نے کلمہ۔

اونسوں (۱۵) بھی نہیں، وہ بولی، سیدھی سیدھی چیز ہے۔

مجھے تو میسر ہی نکلتی ہے۔ میں نے کلمہ۔

آپ خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں، اس لیے۔ ورنہ وہ ایک سادہ شخصیت ہے، سادہ اور معمول۔ ایک بچہ ہے۔ اس میں، گھبراہٹ ہے، خوف دامن گیر رہتا ہے، وہ ایسا نہیں کہ بالک کشمکش میں پڑا رہتا ہے۔ بڑا دل ہے، جرات کا اقتدار ہے۔ کلوزز ہے۔

ان میں بلا کا مجر ہے۔ ہمدردی ہے۔ خدمت ہے، نیکی ہے، ان میں بہت مثبت خصوصیات

میں نے کلمہ۔

ایک صاحب وہ بولی۔ جب تک سڑک کنارہ نہ ہو۔ جرات نہ ہو نیکی کا جذبہ بے کار ہے۔ آپ لوگوں نے اسے خواہ مخواہ دیکھا رہا ہے۔

دین کا قدرت کے متعلق رویہ بڑا ہے پاک تھا۔ وہ قدرت کو مڑکی حیثیت سے دیکھتی ہیں اسے انسان کی حیثیت سے دیکھا تھا۔

ایک بھٹے کے بعد راجہ آکھ۔ وہ طے میں تھا کہنے کا، مفتی ہم سب لفظی کر رہے ہیں، ہم اس وقت سے زیادتی کر رہے ہیں۔ ہم دین کا حوصلہ برباد کر رہے ہیں۔ اس کا انجام انہیں ہو گا۔

راجہ قدرت کے گھر جایا کرتا تھا اس کا مفت سے گھرا رابطہ تھا۔ عفت کے چھوٹے بھائی کا نام کر۔ گھر کے متعلق انتظامات کرتا۔ راجہ دھما، ڈی۔ بی۔ سنگھ قاتل گھر کے متعلق علامات کی ملاطبت رکھتا تھا۔ وہ قدرت سے ملنے سے لگتا تھا، لیکن عفت کو بڑے شوق سے دیکھا۔ اس کی تمام تر ہمدردیاں عفت کے ساتھ تھیں۔ وہ دین کے بے پاک ارادوں کو دیکھ کر گھبرا جاتا تھا۔ لیکن غالب ہے کہ اس نے عفت کے دل میں شک کا بیج بو دیا تھا۔

ایک دن راجہ مجھ سے ملا۔ کہنے کا، مفتی یہ بیوہ خاتون تو بہت بڑی تلاش ہیں۔ مجھے کچھ ملان لگا تھا۔ کہنے لگا، راجہ صاحب آپ نے میرا بھگہ کیسے لوگوں کو دے دیا ہے۔ میرا مکان برباد ہوا جا رہا ہے۔ وہاں لکھنوی امیران کا گھر لگا رہتا ہے۔ ایک آتا ہے، ایک جاتا ہے۔ انہی رات تک ٹھیک چار دی رہتی ہے۔

پھر ایک اور صاحب آئے، راجہ نے کہا جو اسی علاقے میں رہائش رکھتے ہیں، جس دن مفتی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ میں نے کہا، یہ غریب خاتون جو آپ کے علاقے میں آئی ہے اس کی بہت بہت کہی ہے۔

ایک بات ہے، اس خاتون کی، وہ بولا، سبکھانہ۔ اتنی خبر ہے کہ بچے میں تیسوں اور بیوؤں کا گھر لگا رہتا ہے۔ پھر بچے میں روز قرآن خوانی ہوتی ہے، باقاعدہ قاری صاحب آتے ہیں۔ اس آتا ہے۔ انوں پر اس کے بچے باقاعدہ درس لیتے ہیں۔ سینے میں ایک مرتبہ مولود شریف آتا ہے۔ راجہ شفیق کہنے کا، مفتی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تجھے اتنی ہے کیا؟

میں نے جواب دیا، کچھ کچھ آتی ہے۔ ساری نہیں۔

کیا سمجھ میں آتی ہے تجھے۔

میدان جنگ گرم ہے۔ وہ طاقتیں متحدم ہیں۔ ایک طرف قرآن ہے، دوسری طرف خواہش ہے۔ ایک جانب خیر ہے، دوسری جانب شر ہے۔

یہ مخلوق دو حصوں میں بنی ہوئی ہے راجہ۔ اندھیرے اچالے پیچہ آزا ہیں۔ بے چاری دین۔

راجہ فیصے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا کتنے لگا، تمہاری یہ فلسفہ بازی نہیں پٹے گی۔ تم شباب صاحب کی فابکار، طرف داری کر رہے ہو۔ تم حفت پر ظلم کر رہے ہو۔ بس میں زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ معاملہ بھائی جان کو پیش کر دوں گا۔

ان دنوں بھائی جان مستقل طور پر پنڈی میں رہائش پذیر ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا مکان کرلیے پر لے رکھا تھا اور وہ اسلام آباد کا ایک بنگلہ خیر کردار رہے تھے۔

حکم کے پابند

اگلے روز ہم دونوں بھائی جان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی جان پر اثر ڈالنے کے لیے راجہ نے بڑی جذباتی تقریر کی۔ کہنے لگا، بھائی جان میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم سب عفت باقی سے دھوکا کر رہے ہیں۔ ہمیں مسز دین کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو اعلیٰ دعوئی کرتی ہے کہ شباب صاحب اس کی ملٹی میں ہیں۔

بھائی جان پہلے تو چپ چاپ بیٹھتے رہے پھر دم آواز میں بولے، راجہ جی، دین ہماری ہمیشہ سے بیکہ یوں کہتا چاہیے کہ دین ہمارا بھائی ہے۔ وہ مخلوق نہیں مڑے، اس میں جرأت ہے، حوصلہ ہے۔ شباب صاحب گھپکا رہے ہیں۔ ہال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ اب وہ اپنا وعدہ کیوں نہیں بھرتے۔ اب تو راستے کی رکھوت دور ہو چکی ہے۔ انہوں نے خواہ مخواہ دین کو غصے میں ڈال رکھا ہے۔ بے چاری غلاب میں جکا ہے۔

بھائی جان کی بات سن کر ہمیں ہنسنے لگا۔ راجہ غصہ اٹھو کر بیٹھ گیا۔

میں حیران تھا، یہ بھائی جان کو کیا ہوا۔ ہم نے تو دین کی بات کو ان سے چپا کر رکھا ہوا تھا،

میں تو دین کو بھائی بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ کیا بھید ہے۔

راجہ در خاموش رہنے کے بعد دو پھر گویا ہوئے کہنے لگے، وہ مخلوق دو دفعہ ہم سے مل چکی ہے، اسے کھرا آتی تھی۔ پھر اس نے ہم سے کہا بھائی جان مجھے دربار میں لے چلئے۔ میں بابا کی دعا مانگا چلائی ہوں۔ ہم نے سرکار قبلہ کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے کہا، انہیں لے آؤ۔ وہ دربار اندر داخل ہو گئے۔ ہم نے اسے بلایا ہے۔

ہم تو راجہ جی حکم کے پابند ہیں، بھائی جان بولے، ہم تو سرکار قبلہ کے ایک اولیٰ کافی ہیں۔ ہم نے ہم کو دربار میں لے گئے۔ وہ وہاں بیٹھ کر روٹی رہی۔ سرکار قبلہ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ بس بات ختم ہو گئی۔

راجہ صاحب اس مخلوق پر بیہ ظلم ہوا ہے۔ اس نے بہت دکھ سہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ آگ کا آگ سے دھندلے منورہ سے ہو آگ کی ہے۔ مسجد نبویؐ میں دوا لیا کر کے آگ کی ہے۔ کتنی ہے، اس میں بھی میں وہاں رہی۔ رات کو دیکھتی رہی کہ میں مسجد نبویؐ کے ایک کالم سے لگ کر بیٹھی ہوں۔ دوسرے کالم کا سامرا لے عفت کھڑی ہے۔ اور درمیان میں شباب صاحب بیٹھے

اس نے بڑی عہدیت کی ہے۔ اس کی صرف ایک مانگ ہے۔ اس کی مانگ پوری ہوئی ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنا ہے، راجہ جی۔
’بھائی بھائی جان‘ راجہ نے ہمت کر کے کہا، دین کی فہرت اچھی نہیں۔ اس کے گھر پر دھوکا دیا جا رہا ہے۔

بھائی جان بولے، راجہ صاحب، ہمیں اس بات سے کیا لینا دینا۔ وہ جانتے ہیں، سب جانتے ہیں، ہم نے تو سرکار قبلہ کے احکامات کی پیروی کرنا ہے۔

راجہ خوش میں آگیا، کہنے لگا، بھائی جان اس میں صاحب کی بدنامی ہے، ہم سب کی بدنامی

بھائی جان نے نچ ہو کر ذریعہ کہا، دین خدا کیے بیٹھی ہے۔ کتنی ہے، ہاں یہ سچ ہے، لیکن یہ گور ہوں۔ میں اس سمورہ میں روٹی کی طرح لگی ہوئی ہوں۔ یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ آپ مجھے اس دلدل سے نکال سکتے ہیں۔ وہ اپنا وعدہ اپنا کیوں نہیں کرتے۔ جو وہ مجھے

سارا دین تو میں اس لپت سے نجات حاصل کر سکتی ہوں۔

آپ نے شام صاحب سے اس بات کا ذکر کیا ہے کبھی میں نے بھائی جان سے پوچھا وہ سب جانتے ہیں، بھائی جان نے جواب دیا۔ انہیں ہر بات کا پتہ ہے، لیکن وہ اٹھاپا ہیں۔ انہیں جرئت سے کام لینا چاہیئے۔ سچی بات یہ ہے مفتی صاحب کہ ہمیں ان کی کبھی آئی۔ کبھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں، جیسے کہ وہ کر رہے ہیں۔ ہر حال میں اس کے ساتھ دینا ہے اور دیکھیے راجہ جی آپ کو عفت بیٹی کے دل میں خلوک پیدا نہیں کرتے ہاں اسے جو پیدا ہو گئے ہیں تو آپ ہی انہیں دور کریں۔ آپ انہیں سمجھائیں۔ یہ آپ کا کام ہے اسے آپ ہی کو سرائیام دینا ہو گا۔

پولٹا کوٹکا

بھائی جان کی باتیں سن کر میں دو دن سوچتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دین سے کربات کروں گا۔

شام کو جب میں دین کے گھر پہنچا تو وہ مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔ جب تک وہ نماز پڑھ رہی تھی میں اسے تنگلی ہاندھ کر دیکھتا رہا۔ میرے سامنے مزدور نہیں تھی بلکہ کوئی اور مخلوق تھی، دنیوی لاگ لگاؤ سے پاک اور جتنی سچی جس نے خود کو خالص کر رکھا ہو۔

اس نے سلام پھیرا، دعا مانگی اور پھر میرے پاس آ بیٹھی، کہنے لگی، میں ایسے نہیں کرتے۔

کیا مطلب میں نے پوچھا۔

مخلوق جب نماز پڑھ رہی ہو اسے تنگلی ہاندھ کر نہیں دیکھتے۔

آپ تو نماز پڑھ رہی تھیں۔ کسی اور گن میں تھیں کیا آپ نے کیسے نوٹ کیا کہ میں ہاندھ کر دیکھ رہا ہوں۔

کوئی مخلوق مرد کی تنگلی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی بے سوئی نوٹ جاتی ہے۔ مخلوق عورت باہر نکل آتی ہے۔

میں نے قتلہ کئی ام ساری میں نے کہا۔

آپ نے میری نماز کو ختم کر دی۔

میں نے موضوع بدلا، میں آج ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔

والی پیام لانے ہیں کیا اس سے پوچھا۔

میں نے کہا، سمجھا نہیں کیا خود آیا ہوں۔

اگر۔

والی پوچھنے آیا ہوں۔

اگر وہ بولی۔

اگر آیا ہوں کہ آپ کون ہیں۔

وہ لالہ، ساعت کے لیے وہ خاموش رہی، پھر بولی۔

آپ نے یہ سوال اس سے پوچھا ہے کبھی۔

میں نے۔

میں نے پوچھا۔

اگر لالہ کوئی قاعدہ نہیں۔ وہ بات تل دیتے ہیں۔

بات ہی نہیں وہ لوگوں کو بھی تل دیتا ہے۔

اگر کو بھی تل رہے ہیں۔

میں نے کہا۔

اگر نالہ ہیں۔

اگر اس کی گھر ہے۔

اگر لالہ میں نے پوچھا کیا لوگوں کا خوف۔

میں نے اسے سرفانی میں بلایا، میرا خوف۔ وہ میرے ہاتھوں سے خوف لدا ہے۔ میری

خوف لدا ہے۔ اپنی باتیں مت چلاؤ۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔ ورنہ میں میرے بازو

میں سے ڈرے گا۔ وہ میرے لمس سے ڈرتا ہے۔ ایک بار میں نے زیادتی کی تھی۔ خوف

میں نے اسے اہل کر باہر نکل آئی تھیں۔ اس روز میں نے چاہا، مجھے اس پر ترس آ گیا۔

اس کی حالت غیر تھی۔ اس قدر غیر تھی کہ میں خوف زدہ ہو گئی۔

یہ کب کی بات ہے؟ میں نے پوچھا۔

ابھی۔

'نہیں' وہ بولا، مجھے اس کی ضرورت نہیں میں اس سے بے نیاز ہوں۔ مجھے سمجھا دیا ہے

مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ یہ کیسا آدمی ہے۔ جو مسیحی کے عالم میں بھی نہ مجھے ہاتھ لگاتا ہے نہ مجھے ہاتھ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔

اور پتہ ہے وہ کیا کرتا تھا کتابیں، مجھے اپنے پروں پر بٹھا کر کھانوں کی سرکڑوں لگا۔ میں بول میں بول رہا۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اپنے ہاتھوں پر بٹھا کر مجھے اوپر لے جائوں۔ مجھے پتہ نہیں میں نے تیرے لیے کیا کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ کی بڑی منتیں کی ہیں۔ بڑی آؤ اور اللہ کی ہے۔ پاری تھائی میں میں نے صرف ایک چیز مانگی ہے اور وہ تو ہے۔

اب تو میری ہے۔ کوئی مجھے ہاتھ نہیں لگا سکے گا اگر کسی نے ہاتھ لگایا تو وہ مفلوج ہو جائے

ہاں میں تیرے گردن کے قدموں سے اٹھا۔

وہ انہی 'ڈر گئے۔

ہاں 'ڈر گیا' میں بڑا ڈر پوک ہوں۔ آپ مجھے نہیں جانتی۔

اور وہ

جانتی ہوں وہ بولی جانتی ہوں۔ میں نے علی پور کا ایلی پڑھی ہے۔ اس نے مجھے بھیجی تھی۔ وہ تو فرما لے کا پیچہ ہے؟ میں نے کہا۔

ہاں ہے مگر وہ بچ ہے۔ اس کی ایک ایک سطر پڑھتی ہے۔ کتنی ہے؟ میں بچ ہوں۔ اس کا الی ایک ہے وہ نہیں۔ ایک ہوتا ہے بڑی خوش قسمتی ہے۔ چاہے خیر ہو یا شر مگر ایک ہو۔ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ مفتی صاحب اس نے مجھے دو کر دیا وہ بولی۔

وہ مجھے میں نے پوچھا۔

ہاں ابھی ہوئی کتنی ہے۔

ہاں تو میں سننے آیا ہوں۔

ابھی الی ایام کی 'وہ بولی۔ میں اس کی جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی میں نے اسے دو ایک بار دیکھا تھا لیکن اس میں توجہ طلب کرنے کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ نہ شخصیت نہ نگاہ۔ کوئی نئی بات نہ تھی۔

پہلے وہ میری طرف متوجہ ہوا تھا۔ بڑی شدت سے متوجہ ہوا تھا۔ میں نے کوئی اثر دیا۔ کوئی بات ہوئی تو اکتاہٹ دیتی تھی۔

اک صرف عمدہ ہی عمدہ تھا اب مجھے کوئی غرض نہ تھی۔ میرے پاس سب کچھ تھا۔ دیکھتی 'سرکوں ہو جاتے۔ لوگ میرے اشارے کے منتظر تھے۔ جو چاہتی ہو جاتا۔

وہ قراب بھی ہے؟ میں نے کہا۔

نہیں 'اس نے جکی سی آہ بھری۔ پتہ نہیں اس نے مجھے کیا کر دیا ہے۔ میں ایک لمحہ نے مجھے دو کر دیا ہے۔

وہ میرے ہاں آتا تھا۔ اور اور ————— وہ اٹھ بیٹھی۔ اور وہ ان پر جا کر بیٹھ گئی اور کیا میں نے پوچھا۔

ذرا آئیے اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا 'لوہر آئیے' میرے پاس میں پاس جا کر گیا۔ بولی 'اب بیٹھ جائیے۔ لوہروں' یہاں نہیں میرے قدموں میں بیٹھ جائیے۔ میں الی

منکر الی بولی 'دوسرے نہیں' بیٹھ جائیے۔ وہ جب بھی آتا تھا یوں میرے قدموں میں بیٹھ جاتا تھا جیسے آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔

پھر وہ بول۔ بولے جاتا بولے جاتا۔

وہ تو گونگا ہے؟ میں نے کہا۔

ہاں گونگا ہے۔ گونگے کو زبان لگ جاتی تھی۔ اور وہ بولے جاتا۔ بول بول کر اس میں کت آجاتی۔ آنکھیں چڑھ جاتیں۔ ایک عجیب مسی کیف۔ پہلے میں سمجھتی رہی کہ وہ

آتا ہے۔ دعت ہو کر بات کرتا ہے۔ ایک دن میں نے اسے کہا 'میری پاس ایک بڑی ہو۔ آپ شوق کریں گے کیا ہے۔ کہ کہ میں نے لٹاری سے بول نکال اور اس کے

وہ مان گیا۔

”قراردہ وقت پر دین آگئی، میں نے اسے ڈرا بینک روم میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد شاپ
آپ اسے بٹھا کر میں اندر چلا گیا۔
میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ چندرہ منٹ کے بعد ڈرا بینک روم میں
آگیا، اسے ہوا۔ میں بھاگ کر باہر نکلا۔

دین بڑے وقار سے ڈرا بینک روم کے بیرونی دروازے میں کھڑی تھی۔
کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

”بھگودا“ بھاگ گیا، وہ بولی۔

میں دوڑ کر سڑک پر پہنچا، دیکھا کہ دوڑ شاپ دوڑے جا رہا تھا، دوڑے جا رہا تھا۔
کچھ دیر کے بعد میں نے شاپ کے گھر فون کیا۔
”اب ملا کہ وہ تو دورے پر کراچی چلے گئے۔

اگلے دن دین مجھے اپنے گھر لے گئی۔ سارا دن وہ دیوانہ وار کراچی فون کرتی رہی۔ وہ کرب
میں ڈھکی تھی۔ ہوش و حواس قائم نہ تھے۔ ایک دیر انگی طاری تھی۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔ بھائی
پیارے رضامند ہیں۔ سرکار قبلہ نے اجازت دے دی ہے۔ عفت مان گئی ہے۔ مدینہ منورہ سے
دوری مل گئی ہے۔ اب یہ شخص میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ پولو ملتی۔

میں گھبرا ہوا اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مجھے کیا پتہ؟ میں نے کہا۔

میں اسے ہنس کر دوں گی، وہ چلائی۔

میں نے بھائی جان کو یہ واقعہ سنایا۔ سن کر متحمل ہو گئے۔ منہ نہ ڈھیلے۔

پتہ نہیں اس روز مجھے کیا ہوا تھا۔

میں بھائی جان پر برس پڑا۔ میں نے کہا، بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔
یہ قدرت اللہ شاپ کون ہے یہ حترمہ کون ہے۔ آپ ایک با اصول آدمی ہیں۔ با کردار
آدمی ہیں۔ لیکن آپ نے اس سلسلے میں اپنے سارے اصول توڑ دیے ہیں۔ آپ بائبل اس کے
گھر گئے ہیں۔ آپ نے ہمیں تجھے میں ڈال دیا ہے۔ ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ کیا کرنا ہے۔

میں نے حیرت سے دہرایا۔

میں آپ کے گھر آچاقوں اور آپ اسے فون کر کے بلائیں، وہ بولی۔

اور ان کو نہ بتاؤں کہ آپ ان کو ملنا چاہتی ہیں۔ میں نے کہا۔

کیوں نہ بتائیں، وہ بولی، کوئی چوری نہیں، کوئی دھکی چھپی بات نہیں، صاف کہیں کہ میں
اس سے ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔

اور اگر وہ نہ آئے تو۔

بے شک نہ آئے۔ نہیں آئے گا تو از خود فیصلہ ہو جائے گا۔

بھگودا

میں نے دین سے ملے کر لیا۔

اگلے روز میں نے شاپ کو فون کیا۔ میں نے کہا، آپ میرے گھر آجائیں۔ ان دنوں میں
ایک کوارٹر میں رہتا تھا۔ میرا مکان بڑا ک کے ایک سرے پر تھا۔ وہ ایک چھوٹا مکان تھا۔ ایک
جانب ڈرا بینک روم تھا، دوسری جانب رہائشی کمرے تھے۔ تھیلے کے لیے ڈرا بینک روم بڑا
موزوں تھا۔ چاقوں کی آواز ہر گھنٹے میں تک نہیں پہنچتی تھی۔

شاپ نے پوچھا، خیریت تو ہے۔

میں نے کہا، بالکل خیریت نہیں ہے۔

وہ گھبرا گیا، کیا ہوا۔

میں نے کہا، ہوا نہیں۔ ہونے والا ہے۔

پوچھا، کیا ہونے والا ہے۔

میں نے کہا، میرے ڈرا بینک روم میں آپ کی دین سے تھیلے میں ملاقات ہونے والی

ہے۔

وہ از سر نو گھبرا گیا، کہنے لگا، آپ اسے مل نہیں سکتے۔

میں نے کہا، شاپ صاحبہ ٹالے نہیں۔ کب تک ٹالیں گے آپ ٹالے سے بات ختم
نہیں ہو جاتی، مزید پڑھتا ہے۔ میں نے کہا، شاپ صاحبہ جو ہونا ہے لازماً ہو گا۔ آپ

کدھر جاتا ہے۔ ہمارا راستہ کھوٹا کر دیا ہے۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

سینٹیسولن باب

پراسرار

ایک روز دفتر میں ایک صاحب تشریف لائے دیکھتے ہیں عوامی سے آدمی تھے لیکن انداز بڑا
 ایک ہنگ تھا۔ بری بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھ گئے، کہنے لگے، شہاب صاحب سے ملنا ہے۔
 میں نے کہا، جناب شہاب صاحب تو دور سے پر گئے ہوئے ہیں۔
 کب آئیں گے، اس نے پوچھا۔
 میں نے کہا، جناب دو ایک دن میں آئیں گے۔
 اس نے سرگرمی کا ایک لمبا سٹاک لیا۔ کہنے لگے، یہ تو بڑی مشکل ہو گئی۔
 میں نے کہا، آپ دو دن کے بعد تشریف لائیں۔
 بولا، میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے کہ انتظار کر سکوں اور کام اشد ضروری ہے۔

ایشیاری

میں نے سوچا یا اللہ یہ کیسا سا گلی ہے کہ جس کے پاس انتظار کرنے کے لیے وقت نہیں ہے
 اور کام اشد ضروری ہے پھر اس نے اپنا تعارف کر لیا کہنے لگے، میرا نام ایشیاری ہے میں صفائی

میں نے پوچھا کیا ہوا؟
 وہ بولا، بات ختم ہو گئی۔ وہ جسم سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔
 مجھے تعجب نہ آیا۔ کہنے میں نے پوچھا۔
 انہوں نے شیطانی قوتوں کو مدد کے لیے پکارا ہے۔
 کیا آپ کے خلاف چارو کیا ہے۔
 ہم سب کے خلاف حلقہ، عفت اور میں سب کے خلاف چارو نہیں، شیطانی عمل بڑی
 مشکل ہوئی۔ مجھے شیطان سے لڑنا پڑا۔
 کیا کیا کیا۔ کلام کے دور پر لڑنا پڑا۔
 نہیں، وہ بولا، تو نہ بکلیجی..... اور اس نے فون بند کر دیا۔
 چند ایک دنوں کے بعد راجہ نے فہریش میں ہوئی سے مجھے فون کیا بولا، فوراً یہاں آ جاؤ۔
 کیا بات ہے، میں نے پوچھا۔
 وہ بے ہوش پڑی ہیں۔
 کون ہے ہوش پڑی ہے۔
 اس نے خواب آور گولیاں کھلی ہیں۔
 کس نے، میں نے پوچھا۔
 دین نے، وہ بولا۔ ہونٹ والے انہیں سی ایم ایف لے جا رہے ہیں۔ تم فوراً یہاں پہنچو۔
 نہیں راجہ بلکہ تم یہاں آ جاؤ فوراً۔
 پاگل ہو تم وہ چلایا۔
 بھائی جان کا حکم ہے۔ میں نے جھوٹ بولا۔
 بھائی جان کو علم ہے کیا۔

UrduPhoto.com

دو دن کے بعد ہسپتال سے فون موصول ہوا کہ محترمہ دین خطرے سے باہر ہیں۔ یہ نہیں
 وہ فون کس نے کیا تھا۔

UrduPhoto.com

کیا آپ ان سے انتظار لیتا چاہتے ہیں؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں جی، وہ بے تکلفی سے بولا، انتظار کیا لیتا ہے۔ میں انہیں چاہتا ہوں۔ پرانا نیاز مند
 ہوں۔ جب وہ جھگ میں ڈپٹی کسٹرز تھے، جب سے میں جھگ کا رہنے والا ہوں۔
 کیا کام ہے آپ کو کن سے۔
 ٹیجی کام ہے، وہ بولا۔ ہاں، وہ رک گیا، پھر کسے لگا کر آپ کو ان کا فون نمبر معلوم ہو تو میں
 ابھی کن سے فون پر بات کر لوں۔
 جی نہیں مجھے نہیں معلوم، میں نے جواب دیا۔
 اس نے سگریٹ کے چار ایک کش لگائے۔ کسے لگا؟ میں آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ ممتاز مفتی
 ہیں نا۔
 میں چو لگا۔
 وہ بولے گیلہ جاتا تو در سے ہوں۔ البتہ ملاقات کا موقع آج ہی ملا ہے۔
 یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں، میں نے کہا۔
 او نہیں جی۔ ہم صحافی لوگ ہیں۔ چنانہارا کام ہے۔ جاننے کے لیے ہم صبح شام کہیں
 ہوتے رہتے ہیں۔
 میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شباب صاحب سے صحافی کی حیثیت سے ملنے نہیں آئے
 بلکہ دوست کی۔
 وہ مسکرایا۔ بولا۔ ہاں جی شباب کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے دوست جانتے ہیں ورنہ صحافی کی کیا
 حیثیت ہے۔ اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا۔
 میں نے کہا آپ سے ایک بات پوچھوں۔
 پوچھیے، وہ بولا بے تکلف پوچھیے۔
 آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں نا۔ اے بے پوچہ رہا ہوں۔
 ہاں وہ بولا میرا خیال ہے کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔
 تو یہ بتائیے میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ شباب کون ہے۔
 وہ میرا سوال سن کر چو لگا۔ کون ہے کا مطلب اس نے پوچھا۔

اپنی لکھنر، اصلی، جعلی

اندر دوش میں آگیا بولا مفتی صاحب کیا آپ نے سنا ہے کسی کہ علاقے کا ڈپٹی کسٹریک
 کی اس سزاواردہ دو سگئے بیٹھارے۔
 ایک دن میں نے پوچھا، میں نے کہا شباب صاحب یہ سوچی کون ہے جس کے پاس کپ
 بھرے انداز میں بیٹھے رہتے ہیں۔
 شباب نے کہا وہ سوچی نہیں۔ وہ بھی اس علاقے کا ڈپٹی کسٹریک ہے۔ میں بھی ڈپٹی کسٹریک
 ہوں، اسی طرف یہ ہے کہ وہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

گوارے شاہ

پھر وہ گھوڑے شاہ قلعہ گھوڑے شاہ اک مست قلعہ آوارہ پھرتا رہتا قلعہ ہوش و حواس
 لگتا ہے، لیکن شام کے وقت وہ ایک مخصوص جگہ آ بیٹھتا قلعہ پتھر در پتھرا رہتا پھر دفعتاً
 لگتا ہے، لگتا ہے کہ وہ ایک قدم دور ایک کھمبے تک دوڑتا جاتا پھر دوڑتا ہوا واپس آکر بیٹھ کر ہانپنے لگتا۔

ایئر صاحب! مجھے پتہ ہے جب انہیں بھیج رکھنا ہو تو وہ موضوع بدل دیا کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے مزید کرپہ نہ کی۔

ایئر کی باتیں میرے لیے کام کی باتیں تھیں۔ اس کا انداز بے تکلف تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کمرہ دار تھا۔ اس کی بیان کی ہوئی جھلسکی میرے فریم میں فٹ بیٹھ رہی تھی۔ جو میں نے اپنے کام کے دور پر شب کے متعلق اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے میں نے جان بوجھ کر اس کا کو طول دینا شروع کر دیا۔

ایئر صاحب میں نے پوچھا "شباب قریوں" ہالوں اور مستویں میں کیوں دلچسپی لیتے ہیں۔ میں نے "وہ بولا" جھگ میں وہ صرف آٹھ دس مینے ڈی سی رہے۔ اس دوران میں ان کی باتوں پر مرکوز رہی "ایک توپوں کی طرف اور دوسرے غریبوں" ثابت مندوں اور عوام کی طرف۔

ایک روز شب نے مجھ سے پوچھا "ایئر صاحب یہ بتائیے کہ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے مجھے عوام کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

میں نے کہا "سب سے بڑی بات تو آپ کر چکے ہیں۔ آپ نے کھلی پھری لگا دی ہے۔ عوام کے پاس آتے ہیں اور اپنے مسائل پیش کرتے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ آپ ان کے راستے تبدیل کر جاتے ہیں" وہ باغ میں غریب باغ میں لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ دیکھ کر رونا دھول کرتے ہیں۔

وہ تو ہے "وہ بولے" اسے چھوڑیں آپ کوئی تجویز بتائیں۔ میں نے کہا "جھگ تعلیمی طور پر بڑا ایک ورڈ علاقہ ہے۔

اگر انہوں نے پوچھا۔ اس لیے کہ تعلیمی سوسائٹس میا نہیں کی گئیں اور لائق لڑکوں کے ہاں باپ اس قدر غریب ہیں کہ وہ تعلیم کا خرچہ اٹھا نہیں سکتے اور علاقے کے زمیندار زمین چاہنے کے کامیوں کے بیٹے بن جاتے ہیں۔

پندرہ میں منٹ بیٹھا رہتا۔ پھر دوڑ لگا۔ شکر کے لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ جب وہ دوڑا ہے اس پر کھف کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے مستقبل کو جاننے کے شوقین گھوڑے شاہ گرد گھیر ڈالے رکھتے تھے۔ جب وہ دوڑا تو چار پانچ سال اس کی پیچھے پیچھے دوڑتے۔ اس پر چھٹے بلایا گیا میں مقدمہ جیت جاؤں گا۔ کیا مجھ سے میرا بیاد ہو جائے گا؟ کیا میری لڑائی صحت حاصل ہوگی۔ دوڑتے ہوئے وہ صرف ایک فٹ سے میں ہر سوال کا جواب دیتا تھا۔

ایئر راہی بولا "ایک دن شب نے مجھے بلایا کہنے کے چلو گھوڑے شاہ کو دیکھیں۔ میں نے اپنا چناب وہاں تو بہانوں کا ہنگامہ لگا دیتا ہے۔ کہنے کا کوئی حرج نہیں۔ ہم ٹوپی کھل لوڑھ کر جائیں گے۔ میں نے کہا "شباب صاحب آپ تو کھف کو نہیں مانتے۔ نہیں" میں نہیں مانتا "وہ بولا۔ تو پھر آپ گھوڑے شاہ سے کیا پوچھیں گے۔ کچھ پوچھا نہیں میں اسے آڑھا پہانتا ہوں" وہ بولا۔ تقریباً۔

خیر جی ایئر نے کہا "پہلے دن تو میں موقع نہ ملا۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ ملتی صاحب ہم وہاں نہ جاتے رہے۔ تیسرے دن اتفاق سے وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ جب گھوڑے شاہ دوڑا تو شب صاحب بھی ساتھ دوڑ لگا دی۔

والہی پر میں نے پوچھا "میں آپ نے گھوڑے شاہ کو کیا پایا۔

بولے "ٹمک ہے۔ فزاد نہیں۔

آپ نے کیا پوچھا "میں نے کہا۔

بولے "میں نے پوچھا تھا کہ میرا کیا ہو گا؟

پھر اس نے کیا بتایا۔

کہنے لگا۔ پر وہ ہے "پر وہ ہے" پر وہ ہے۔

اس کا مطلب کیا ہوا "میں نے پوچھا کیا ہو۔

کہنے لگے "جی مجھے بھی نہیں معلوم کہ پردے کا کیا مطلب ہے؟ لیکن یہ فقیر فزاد نہیں ہے۔

پھر اس نے کہا کہ شب صاحب نے حضور بدل دیا۔

”وہ بولا“ ملحق صاحب شہاب صاحب کی باتوں کا مزہ لیں ہوا ہی مٹھا آدی ہے۔ حقیقت میں وہ نہ پاگل ہو جائیں گے آپ۔ اس کا سرانہ کسی نے پایا ہے نہ کوئی پائے گا۔ مجھے بھی یہ یاد آتا ہے۔ کچھ در دُوبِ تنگے کا تار باب پھر ایک دن مجھے مٹس آگئی۔ میں نے خود سے کہا ”ایمر اللہ! ام کا بیڑ نہ مگن۔“

میں نے کہا ”یہ بتائیے کہ شہاب کو بیڑوں فقیروں سے کیوں دلچسپی ہے۔“

”ایم! وہ بولا“ فقیروں سے دل چسپی ہے۔ بیڑوں سے نہیں۔ بیڑوں کو وہ برا جانتے ہیں“

”یہ لوگ تنگ ہیں بموئے بھالے مسلمانوں کو کوٹتے ہیں۔“

میں نے کہا ایثار صاحب مجھے اس بات کا علم ہے کہ قدرت اللہ شہاب غریبوں کی مدد کرتے عوام کے لیے کام کرتے ہیں۔ میں تو یہ جانتا چاہتا ہوں کہ شہاب صاحب کون ہیں؟

”وہ مسکرایا بولا“ آپ کا مطلب ہے کہ شہاب صاحب کوئی ہیں۔“

میں نے کہا ”ہاں“ وہ عوام کی مدد صرف ٹیک دلی اور ہمدردی کی وجہ سے نہیں کرتے۔ مجھے

”کہ ان پر ایسے کام کرنا عاید ہے۔“

”ایثار! طلب“ ایثار نے پوچھا۔

میں نے کہا ”مجھے شک پڑتا ہے کہ ان کا کوئی مقام ہے اور اس مقام کی وجہ سے ایسے کام

”ایثار! عاید ہے۔“

”میں مجھے علم نہیں“ ایثار نے جواب دیا۔ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ شہاب ایک پراسرار

”کہ ان کا ہمیدہ کسی نے نہیں پایا۔“

ایم! غافلہ

یہ صدر کے بی اے خلد صاحب تھے۔ میں ”الترانہ“ ان سے شہاب کی بات چھیڑ لیتا تھا کہ

”شہاب کا ہمیدہ کیلئے۔“

ایم! بی خلد نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے۔ ”عنوان ہے“ ”ایوان صدر میں سولہ

”ایم! کتاب خلد صاحب کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ مصنف کے بارے میں اس کتاب کا

”ایم! میں نے لکھا ہے۔ ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔“

اگلے روز ہی شہاب صاحب نے ایک حکم نامہ چھاپی کر دیا۔ ”راشن ڈپوزٹس پر ایک چھوٹی سی من کے حساب سے قلمی سرچارج لگا دیا۔ یوں چالیس ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے ہزار ہزار ملحق طلباء کے ہاتھ دھینے لگا دیے۔“

ایک دن میں نے فیس میں کہا ”شہاب صاحب یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ ”میں قلمی دکانوں کے بارے میں پریس میں کوئی خبر نہیں آئی۔“ وہ کہتے ہیں آپ نے منع کر دیا ہے۔

اس پر شہاب صاحب مسکرائے۔ ”بوسے! ہمیں کام سے غرض ہے۔“ ”تھیر کو چھوٹی لانا صاحب۔“

آف دی ریکارڈ

ایثار نے ایک نیا سگریٹ سلگایا۔ ”بولا“ ”پتہ نہیں کیوں شہاب صاحب کو تھیر سے چڑھتی جب بھی وہ مجھ سے بات کرتے تو کہتے ایثار صاحب یہ باتیں آف دی ریکارڈ ہیں۔“

میں نے کہا ”ایثار صاحب آپ تو شہاب صاحب کے انٹرویو لیا کرتے ہیں۔“

ایثار قہقہہ مار کر ہنسنا چھوڑ آوی ہیں جب کہ شہاب کے دوران بات سناتے ہیں ”وہ

تفصیلات دیتے ہیں جب اشاعت کے لیے انٹرویو لیتا ہوں تو تفصیلات گول کر جاتے ہیں۔“

میں پوچھتا ہوں آپ نے تو مجھے یہ بات یوں سنائی تھی۔ اب آپ اسے مختصر کر کے رہے ہیں۔

جواب میں وہ کہتے ہیں ”وہ بات آف دی ریکارڈ تھی۔“

ایثار کی شہیت مجھے سے حد پند آئی۔ اس کی باتوں میں صحافیانہ عنصر نہ تھا۔ صحافی تو کام

ہوتے ہیں۔ باتوں میں ہیرا نکھیری برتنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایثار کی باتوں سے پینڈو کی خوشبو

رہی تھی۔ اس کی بات میں بے باک تھی۔

میں نے کہا ایثار صاحب میں آپ کا وقت تو ضائع نہیں کر رہا۔

”وہ ہنسنا بولا“

میرا وقت جتنی نہیں ہے اور مجھے میری کوئی کام نہیں ہے۔ میں تو شہاب صاحب سے

”ایثار! خلد“

میں نے کہا ”مجھے شہاب کی باتوں سے دلچسپی ہے۔“

۱۔ اور ساتھ خالد کی کلی ٹانگ لی۔

۲۔ محمد گمر میں خالد صدر صاحب کا بی ایس تھا اور وہ صدر کے سیکرٹری کا وائس ڈی۔
۳۔ اسی وقت اللہ شہاب تھے۔ خالد کے ساتھ میں تقریباً دو تین سال صدر گمر میں رہا۔
۴۔ یہ اعطاف بڑے خوش گوار ہیں رکی رہے۔ ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ میں
۵۔ ہم مسلمان تھا۔ خالد اسلام بیٹا تھا۔ میں مغرب زدہ تھا وہ مشرقی رنگ میں دکھا ہوا تھا۔ وہ
۶۔ کار بند تھا۔ میں اصولوں سے بے نیاز۔ میں ”بے“ کی دنیا میں بیٹا تھا۔ خالد ”کیا ہونا
۷۔“ کا دلدادہ تھا۔

۸۔ ہمارے ہونے کے بعد خالد نے اپنی یادداشتوں پر ایک کتاب لکھی جس میں جگہ جگہ شہاب کا
۹۔ نام ہے۔ اس کتاب میں سے مختصر اقتباسات اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں کہ خالد صاحب نے
۱۰۔ صاحب کو کیسے پایا۔

۱۱۔

۱۔ پہلے روز شہاب صاحب صدر گمر میں آئے تو کسی کو بتا ہی نہ تھا
۲۔ کہ یہ کون صاحب ہیں۔ کیوں آئے ہیں۔ ایک کونے میں فائل کرکشی پر
۳۔ دوا کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک ایک فائل گود میں رک کر اسے
۴۔ پڑھتے رہے۔

۵۔ ان میں ایک عجیب قسم کی جھگ تھی۔ شریطے اور کم آمیز
۶۔ تھے۔

۷۔ انہوں صدر میں شہاب اپنا مسئلہ ساتھ لائے تھے۔ ظہور مصر
۸۔ کی نمازیں اپنے کمرے کے ایک کونے میں ادا کرتے تھے۔

۹۔ انہیں پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا۔ تو ان کی بیگم کے قول کے
۱۰۔ مطابق اس کی وجہ مجاہدہ تھی۔

۱۱۔ شہاب کثرتِ محبت کو چھپانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ایسی
۱۲۔ جگہ لہذا پڑتے جہاں وہ ”دوا“ سے بے نظر نہ آئیں۔ رمضان میں سخت

حیرت ہے کہ اہم بی خالد نے ۲۱ سال صدر گمر کے اکھاڑے میں کس طرح
گزارے۔ اگر خالد میں تماشائی یا ذاتی مفاد کے عنصر ہوتے تو بات سمجھ میں آ
جاتی۔ لیکن خالد تو پیدا کنشی طور پر صراطِ مستقیم ہے۔ شاید یہ بیماری موروٹی ہو۔
بچپن میں ہی خالد میں اسلامی ذوق بیدار ہوا۔

پھر ایک عالم دین کی باتیں سن کر اس میں مزید لہل آگیا۔ جوانی میں ہی خالد
صوم و صلوة کا پابند ہو گیا۔ داڑھی رک لی۔ اس زمانے میں داڑھی رکنا فیشن میں نہ
تھا۔ انا پڑھے کلمے لوگ میوب سمجھتے تھے۔ خالد کے دل میں تبلیغ کا جذبہ قبضہ موت
کا خون تھا۔

پھر ایک روز ان جانے میں خالد عالم دین کے کمرے میں داخل ہوا تو اسے
مصروف کار دیکر کہ خالد کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ راہبوں پر امانت دہا پہل
کر شاہرہ کی روگنڈی بن کر رہ گئی۔ داڑھی منڈوا دی۔ صوم و صلوة ٹانگ پر رک
دینے۔

دو ایک سال بعد احمد کی کیفیت قائم رہی، پھر اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی سوانح پڑھ لگ گئی۔ اسلامی کردار کی عظمت اور سرفرازی پر ہوئی بے اعتدالی
و حل ہو گئی۔ توجہ اسلام کے ظاہری کوائف سے ہٹ کر باطن پر مرکوز ہو گئی۔ اسلامی
کردار مطلق نظر میں آیا جس پر وہ آج تک سختی سے عمل پیرا ہے۔

ایک ایسا شخص جسے ہر حالت میں جگہ کہہ دینے کی بری عادت ہو، جو لوگوں کو
خوش کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو، جو صورتِ حالات سے بے نیاز ہو کر قدم
اٹھانے کا دعویٰ ہو، نراشی مسکراہٹ سے عاری ہو، بلا تعمل لیس سرکنے کا دعویٰ نہ
ہو، وعدہ ٹھکانی کو ناقص سمجھتا ہو، حقوق العباد کا دنیو نہ ہو، ایسے آدمی کا سوا
سال صدر گمر میں ملازمت کرنا میرے لیے حیران کن بات ہے۔ خصوصاً اس زمانے
کا صدر گمر، دو واقعہ اور کا واقعہ مرکز تھا۔

خالد کا اسلمی نام محمد بشیر تھا۔ وہ والدین کے لیے ایک بشارت لایا تھا جب وہ بڑا
ہوا تو اس راز کو افشا کرنا پسند نہ کیا۔ ہمیں کیوں اس نے محمد بشیر کو اہم بی میں کیا

مجاہد کرتے تھے جس طرح کہ فرقہ ملامتیہ کے بزرگ کرتے ہیں۔

۵۔ ۱۶۹۰ء میں شہاب صاحب نے سول سروس سے استثنائے پیش کر دیا۔ صدر نے پوچھا آپ ملازمت سے کیوں الگ ہونا چاہتے ہیں۔

شہاب نے کہا سول سروس کو چکننا مقصود قلم، ہضم کرنے کا ہضم ہو جانے کا ارادہ نہ تھا۔

بہلول شہاب صاحب سول سروس کے چوہے دان سے رہائی پانے کی یہ فن کی دوسری کوشش تھی۔

جج پر گئے تو جی بی فڈ سے قرض لیا۔

اور جج سے متعلق تمام تر مسئلے خود کیہ میں کھڑے ہو کر سرانجام دیے۔ ملاں کو دفتر کے حوالے سے تمام انتظامات بیٹھے بیٹھے عمل میں لانے جاسکتے تھے اور یہ تمام مسئلے انہوں نے چوری چوری ادا کیے۔

۶۔ جب صدر ایوب کی جہیز کی سیکش گاڑی چلی جو جگہ جگہ رکھی تھی اور ان جگہوں پر چلے ہوئے تھے تو:

ایک جگہ گاڑی میں شہاب ڈرائیو پر پہنچے۔ بمسٹرٹ جسم کے ایک افسر جگہ جگہ کے گینٹ پر کھڑے تھے۔ انہوں نے شہاب کو روک لیا کہنے لگے دوسری طرف عام پبلک کا دروازہ ہے، اور سے جا بیٹھے۔ شہاب صاحب چپ چاپ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اسی میں صدر ایوب کی آوازیں سنائی دیں۔ شہاب۔ شہاب۔ اے وی سی نے دیکھا کہ درخت تلے کھڑے ہیں۔ وہ بھاگ کر ان کے پاس گیا اور انہیں جگہ جگہ میں لے آیا۔

۸۔ اسی سڑک کے دوران ایک چلے میں صدر صاحب کے شاف کے لیے خصوصی فٹیش تھیں۔ شہاب صاحب بھی اپنی فٹیش پر بیٹھ گئے۔ منتظرین میں سے ایک نے دیکھا کہ وہ کرسی پر اس عاجزانہ انداز میں بیٹھے ہیں تو اسے شک پڑ گیا کہ ضرور یہ کوئی باہر کا آدمی ہے۔ اس نے آکر

شہاب کو بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ بولا چائو اور پبلک میں بیٹھو۔ شہاب اٹھ بیٹھے ابھی دوسری قدم اٹھائے تھے کہ صدر ایوب نے آواز دی اور آواز شہاب۔

۹۔ ایوان صدر سے رخصت ہوتے وقت شہاب صاحب نے صدر ایوب کو ایک فریم شدہ آیت تھے کے طور پر دی۔ اس آیت کا مطلب تھا۔

لوگو! وہ بات کہیں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک ایسی بات بہت بڑا گنہگار ہے۔ کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

۱۰۔ یحییٰ بنان کا زمانہ شہاب کے لیے کرب و بلا کا زمانہ تھا۔ لندن میں پہلے گزیریں تھے۔ یو نیٹکو سے ایک سو ڈالر ماہوار ملتے تھے۔ اسی پر گزارہ تھا۔ پیش منہ ہو چکی تھی۔ ان دنوں لٹاقے بھی آئے۔ تنگم کو قاتلوں نے اس قدر بڑا حال کر دیا کہ بلاخر غناقی حقیقی سے جا ملیں۔

۱۱۔ راجا منٹ سے کچھ دیر بعد شہاب صاحب داڑھی رکھ کر بے نقاب ہو گئے، درنہ نظر نہ آنے والی داڑھی تو اس وقت بھی تھی، جب ۱۹۵۳ء میں پہلی مرتبہ ایوان صدر میں داخل ہوئے تھے۔

۱۲۔ گورنر جنرل ہاؤس میں قدرت اللہ شہاب کی آمد غلام محمد کے پرسنل شاف کے لیے باعث رحمت ثابت ہوئی۔

گورنر جنرل کی بڑا منگنی پر سینئر شاف بشیر طوفان کا رخ جو نیئر شاف کی طرف موڑ دیا کرتے تھے۔ شہاب صاحب کی آمد پر یہ رسم ٹوٹ گئی۔ شہاب دوسروں کی خطاؤں کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال کر خوش ہوتے تھے۔ یوں سارا شاف شہاب کا گرویدہ ہو گیا۔

۱۳۔ قدرت اللہ شہاب اردو کے لویب تھے مگر شاید کم ہی لوگوں کو علم ہو گا کہ ان کی انگریزی اردو سے کہیں بہتر تھی۔

۱۴۔ سکندر مرزا کے دور میں جواز توڑ کا نہ قسم ہونے والا سلسلہ

غلام صاحب کی کتاب میں شاپ صاحب کے متعلق اور تفصیلات بھی ہیں جو ان کے کردار اور دشمنی واقعی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قلم تر سروس کے دوران کا رویہ قطعی طور پر منفرد تھا۔ اور ان کی انفرادیت میں پر اسراریت کا عنصر نمایاں تھا۔

استغنیٰ

شاہ شاپ صاحب نے کئی ایک بار سول سروس سے استغنیٰ دیا جس کی تفصیلات ایم بی غلام نے اپنی کتاب میں رقم کی ہیں۔

قدرت اللہ شاپ نے ۱۹۳۱ء میں انڈین سول سروس کی ابتداء کی اور ۱۹۷۶ء میں ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ اس پچیس برس پر محیط سروس کے دوران انہوں نے چار مرتبہ سول سروس سے علیحدہ ہونے کی تاہم کوشش کی۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ چار بار علاوہ بھی انہوں نے ایک آدھ بار استغنیٰ لکھ کر جب میں تیار رکھا مگر پیش کرنے کی فوج نہ ملی۔ سول سروس کی تاریخ میں قدرت اللہ شاپ واعد فرد ہیں جنہوں نے استغنیٰ پر استغنیٰ دیا۔ مگر بقول ان کے "سول سروس کے چرے دن سے رہائی نہ مل سکی۔" اور ساٹھ سال کی طبی عمر تک بگھے میں پڑا واصل انہیں بچاتا ہی نہ تھا۔

پہلا استغنیٰ انہوں نے ۱۹۳۱ء میں اس وقت دیا جب کہ ان کو انڈین سول سروس میں داخل ہونے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے۔ دوسرا استغنیٰ پاکستان میں سکندر مرزا کی مداخلت کے دوران دیا اور تیسرا ایوب خان کے دور حکومت میں۔ دوسرا اور تیسرا استغنیٰ اس لئے منظور نہ ہوا کہ صدر پاکستان انہیں پسند کرتے تھے۔ چوتھا استغنیٰ انہوں نے یحییٰ خان کے عہد میں دیا۔ یہ اس وجہ سے منظور ہوا کہ صدر پاکستان انہیں بہت نا پسند کرتے تھے اور چاہتے کہ "بچ بچا کے نہ جائے۔"

میرے پرانے کاغذات میں ان کے اس استغنیٰ کا قلمی نسخہ موجود ہے جو انہوں نے صدر ایوب خان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ پریزنٹ ڈاٹ جوس کے لیٹریڈ کے چھ صفحات پر مشتمل اس استغنیٰ سے ان کی شخصیت اور ان کے غم کی خوب عکاسی ہوتی ہے۔ ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

شروع ہوا تو شاپ صاحب بہت د گھبر ہوئے اور سول سروس سے کنارہ کشی کی کوشش شروع کر دی۔

غلام شاپ صاحب دوسرے انہوں کی طرح بول چال کے معنی نہ بن سکے۔ بلکہ دوسروں کی سنتے اور لطف اٹھاتے۔ اپنے اندر کا اہل صرف قلم کے ذریعے خارج کر سکتے تھے۔ زبان کے استعمال میں انفرادی تھے۔

۱۔ ایوان صدر میں چھ برسوں کے دوران ہمیں یہ حسرت ہی رہی کہ شاپ صاحب کسی طاقت کی کوٹھی یا مستطی پر کبھی تو سرزد نہ کریں۔

۲۔ وہ دو ڈیپلٹنٹس قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے کہ فلاں عزیز کے ہاں مہربے ہیں یا ان کا کوئی شریخ نہیں ہوا۔ اسلام آباد سے لاہور تک کا کریمہ واپس کر دیتے کہ فلاں عزیز کی ناکر میں آئے تھے۔

۳۔ غلام محمد اپنے جائز حق سے دست بردار نہیں ہوتے تھے، لیکن شاپ صاحب کو جائز حق سے محرومی بھی اجناس محرومی میں جتنا نہ کر سکتی تھی۔

۴۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۳۰ جون کو کلیم منظور کرانے کی آخری تاریخ تھی۔ شاپ صاحب کے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شاپ نے کراچی سے مجھے ٹیلی فون پر بتایا کہ جیلی کا کلیم بمبلی جان کی میز کی فلاں درواز میں کسی میٹوں سے رکھا ہوا ہے۔ آپ وہاں سے ڈھل کر بمبلی صاحب کے دھچکا کرائیں اور وقت مقررہ ختم ہونے سے پہلے داخل کراویں۔ شاپ نے میرے اسرار پر دھچکا تو کر دیکھے مگر اس انداز سے جیسے کوئی کردہ فعل سرزد ہو رہا ہو۔

۵۔ شاپ صاحب گھس بھر بھانے کی خاطر صدر ایوب کے آگے

”میں جناب صدر کی خدمت میں ایک ذاتی درخواست پیش کرتا ہوں۔

۲۔ پرے پرے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سول سروس سے ریٹائرمنٹ لے لوں۔ اس کی وجہ کسی قسم کی باغی یا احساس غمروئی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس میں محسوس کرتا ہوں کہ موجودہ بدلے ہوئے حالات میں میرے لیے اپنے من کی پسند کی زندگی بسر کرنا اب ممکن ہو سکے گا۔

۳۔ ۱۹۹۲ء میں جب میں نے انڈین سول سروس میں شمولیت اختیار کی تو میرا ارادہ محض پیور و کرسی کا تجربہ حاصل کرنا تھا اور اس کے لیے میں نے اپنے ذہن میں پانچ سال کا عرصہ کافی سمجھ رکھا تھا مگر پاکستان کے قیام سے میرے لیے نئے دور کا آغاز ہوا اور میں نے سول سروس چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

جنوری ۱۹۵۸ء میں مجھے اس وقت کے صدر کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کرنا پڑا کیوں کہ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ میرے لیے ان حالات میں ملازمت جاری رکھنا تو درکنار ذمہ داری بھی ممکن نہیں۔ میں ملک چھوڑ کر جلا وطنی کی زندگی گزارنا چاہتا تھا خواہ مجھے اپنی پیشین سے بھی عزم ہو پڑا۔ لیکن افسوس کہ ایسا کرنے کی اجازت نہ مل سکی۔ اس کے بعد انقلاب آگیا اور میرے سروس کیریئر کا خوشگوار ترین دور شروع ہوا جو حال جاری ہے۔

۴۔ مجموعی اعتبار سے سول سروس کے دوران میرے ساتھ معیشتی کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہر قسم کی معاشرتی، سیاسی یا حسب لب کی قوت نہ ہونے کے باوجود میں اکثر عقل و حکم عموماً پر فائز رہا ہوں۔ ابھی حال ہی میں میرے دو سب (STATUS) اور تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ محض حسد کی بناء پر اکا کا تلخ واقعات کے سوا سول سروس کے

اندر باہر میرے خلاف کسی کے دل میں حسادت پیدا نہ ہوئی۔ میرے سامنے مزید ترقی کا راستہ کھلا ہے اور کسی بھی سول سروسٹ کے لیے اس سے بہتر سازگار حالات نہ ہوں گے جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں، لیکن اس کے باوجود ذاتی و کار و تحفظ کی اس کیفیت سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں کیوں کہ میرے نزدیک اچھی اور آرام دہ زندگی کے علاوہ بھی انسان کے مقاصد ہو سکتے ہیں۔

۵۔ میں اپنے طبعی رجحان کے مطابق آزاد مکتبہ اور ایک عام آدمی کی مانند زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ میری اس خواہش کے پس پردہ کوئی سیاسی معاشرتی یا باطنی عنصر نہیں ہے۔

۶۔ کسی زمانے میں میری اولین ترغیب تھی کہ نوجوانوں میں اخلاقی اور روحانی اتھارہ پیدا کروں لیکن میں نے اب محسوس کیا ہے کہ مجھ میں ایسا کرنے کی پوری صلاحیت موجود نہیں کیونکہ میں نے اپنی جوانی کی ایام نوجوانوں کے تجربت حاصل کرنے اور کھٹنے کی بجائے بے مقصد گزار دیے ہیں۔ اس کے علاوہ میں خود میں ایسی اخلاقی اور روحانی توانائی محسوس نہیں کرتا کہ دوسروں کے لیے مشعل راہ بن سکوں۔ مجھے اپنی اس کمی کا اعتراف بھی ہے اور افسوس بھی۔

۷۔ لائحہ مجھے اپنے ثانوی مقاصد کی طرف لوٹنا پڑا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوہی اور بھٹی فیملی میں کام کروں۔ ایک اعلیٰ افسر کے روپ میں نہیں بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے میرا سول سروسٹ ہونا ہی میرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ تعمیری اور قومی موضوعات پر بھی میں وہ کچھ نہیں لکھ سکتا جس کے لکھنے کی میں صلاحیت رکھتا ہوں جو کچھ بھی لکھوں گا یا کوں گا اس پر میرے سول سروسٹ کی چھاپ لگ سکتی ہے اور اسے سرکاری یا اجرت کا پرائیویٹز اکتا جائے گا یہ صورت حال میری اور میرے وطن کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ میں ثقافت اور لوہ کو محض وقتی

کاراردہ رکھتا ہوں۔

۱۰۔ میں نے یہ لہا مضمون محض اس خیال سے تحریر کیا ہے کہ یہ واضح کر سکوں کہ سول سروس سے ریٹائر ہونے کی غرض صرف وہی ہے جو میں نے لوہ بیان کر دی۔ ایک پچاس سالہ شخص عزت اور خوش حالی کی فوری چھوڑ کر کسی نئے کیریئر کا آغاز کرنے سے گھبراتا ہے۔ جس میں نئے سرے سے جدوجہد اور کوشش کا امکان ہو، لیکن میرے مشیر میں جو غلط فہمی ہے اس کی وجہ سے یہ تجربہ اپنی ذات پر کرتا چاہتا ہوں۔ اگر اس مشن میں پوری طرح کامیاب نہ بھی ہو سکا تو بھی مجھے افسوس نہ ہو گا کیوں میری یہ کوشش دینانداری پر مبنی ہو گی کہ میں اپنے لیے اور اپنے ملک کے لیے کچھ کر لوں۔

۱۱۔ اگر میں اپنے انتخاب کردہ پیشے میں خاطر خواہ انکم نہ بھی پیدا کر سکا، علاوہ کہ مجھے یقین ہے کہ کر سکوں گا، میری پیشن ہمارے لیے کافی ہو گی۔ کیوں کہ ہم میاں پوری سلاہ سے سلاہ زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔ میری پوری جو ڈاکٹر سے کام کرنے پر آمادہ ہے۔ میں نے اپنی شریک حیات کی مکمل رضامندی بلکہ حوصلہ افزائی پر ہی یہ انتہائی قدم اٹھانے کا عزم کیا ہے۔

۱۲۔ اپنے اس فیصلے میں جناب صدر کی خوشنودی بھی شامل کرتا چاہتا ہوں۔ گذشتہ ڈیڑھ سال جو میں نے جناب صدر کی خدمت میں گزارا ہے وہ میرے کیریئر کا بہترین اور خوشگوار ترین عرصہ ہے۔ جناب صدر نے ملک میں نئی زندگی کا احساس پیدا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں آگے ہو کر اپنا اصل کام شروع کرتا چاہتا ہوں اصل میں میرا مشن ہی جناب صدر کے افکار اور فلسفے کی تشریح ہو گا۔ سول سروس کی حیثیت سے میں صرف عام قلم کا WRITING فائل ورکر کر سکتا ہوں۔ آگے ہو کر میں ان کے افکار کو پھیلانے اور عام کرنے کے لیے کتابیں لکھ

(HOBBY) کے طور پر نہیں بلکہ پیشے کے طور پر اختیار کرنا چاہتا ہوں۔

۸۔ میرے ہر نظریہ کا دوسرا پہلو بھی ہے۔ ہمارے ملک میں رائے نگار۔ صرف دانشور بننے کی رائے کو سمجھا جاتا ہے اور جو لکھے گئے لفظ سے بنی یا جھوٹی ہے۔ اس ذریعہ ابلاغ کا بے دریغ استعمال ہو رہا ہے جس کے سبب حقیقی روایات نے ختم لے لیا ہے۔ اگر کوئی تنقید کی غرض سے لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کی تحریر میں کتنی اور بعض اوقات دشنام طرازی تک ذمہ پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی تریف کے دو حرف لکھتا ہے تو اس پر خوشامدی ہونے کا لیبل چسپاں ہو جاتا ہے۔ لکھنے لکھانے کا یہ فیشن جاری رہے گا۔ کیوں کہ لکھنے والے کے مزاج میں کتنی ہے یا وہ احساس عموماً کا شکار ہے یا اس کی تحریر کے پس پردہ ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسے ان تین کمزوریوں سے پاک ہو تو کم از کم وہ ابتدا کر سکتا ہے چاہے یہ ابتدا کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ اس وقت تعمیری اور مشروط رائے عامہ، ملک کی اہم ترین ضرورت ہے اور وہ ضرورت ہے جسے کوئی حکومتی ادارہ پر نہیں اُٹھایا کر سکتا۔ یہ کام صرف کھلی فضا میں ہو سکتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں اس کام کا بیڑا اٹھائوں۔

۹۔ میری دیرینہ خواہش ایک اور بھی ہے۔ میں جناب رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ پر کل وقتی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سیرت پر ایسی کتاب جو دلچسپ ہو، مکمل ہو اور دور جدید کے انہماک کو متاثر کر سکے۔ غیر مسلم سوانح نگاروں نے اس موضوع کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے، جب کہ مسلمان سوانح نگاروں کا قلم بذاتِ اور عقیدت کی نظر ہو گیا۔ جدید دور کا ذہن، مسلم یا غیر مسلم، مختلف اپروچ کا مستحق ہے۔ میں اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس کام کے لیے بہت دقیق مطالعہ اور تحقیق درکار ہے اور میں اسے اپنی زندگی کا آخری مشن بنانے

ایک مرتبہ کسی صاحب نے آدمی رات کو مجھے لمبی فون کر کے پوچھا کہ کل صبح ہی کونایتہ پہنچے ملک اٹھائے گی، تاکہ وہ وقت پر پہنچ سکیں۔ ایک دفعہ ہی کونایتہ کی روز تک صبح نے اٹھاسکی، کیوں کہ وہ "تر" اور "شنگ" وزارتوں کی تقسیم پر سمجھوتہ نہ ہو سکا تھا۔ پانچ فر جب سودا ملے ہو گیا تو وزراء کرام صبح اٹھائے ہی اپنی اپنی وزارت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اچانک انکشاف ہوا کہ وزارت تعلیم کسی نے قبول نہیں کی۔ مجھے بھگایا گیا کہ چلو دیکھو کون سا وزیر ابھی تک گاڑی کی انتظار میں کھڑا ہے۔ اتفاق سے ایک صاحب جن کی ٹانگ میں تکلیف تھی اور بھاگ نہیں سکتے تھے ابھی پورچ میں گاڑی کے منتظر تھے۔ انہیں پکڑ کر لایا گیا کہ چلو تعلیم کی وزارت کا قلدان بھی سنبھال لو۔ وہ بندہ خدا راضی نہ ہوا تھا اور بڑی مشکل سے وزارت تعلیم اس کی مرضی کے خلاف اس کے سرعوب دی گئی۔"

صاف برداری کی تقریبات میں شرکت کرنے کے علاوہ میرا دوسرا کام صدر پاکستان کے لیے تقریریں تیار کرنا ہوتی تھیں۔ مجھے مہارت حاصل ہو گئی تھی کہ ہر موقع کے لیے چار پانچ صفت کی تقریر جمعیت دہا کیوں کہ مجھے علم تھا کہ مقرر اور سامعین دونوں خود سمجھتے ہیں کہ کچھ کہا جا رہا ہے۔ کہ اس کا وہی مطلب نہیں ہے بلکہ آرٹ برائے آرٹ والی بات ہے۔

ایک مرتبہ ایک ہی دن میں دو تقریبات تھیں۔ ایک تقریب سائنس کانفرنس اور دوسری ہسٹری کانفرنس کا افتتاح تھا۔ میں نے ایک باسٹرڈ رافٹ تیار کر لیا اور پھر لکس مضمون کو غور رکھتے ہوئے کچھ الفاظ کی رد و بدل کر دی۔ ایک تقریر میں کہا گیا تھا کہ سائنس تاریخ ساز کردار ادا کرتی ہے اور دوسری تقریر میں کہا گیا تھا کہ ہسٹری بذات خود ایک سائنس ہے۔ بقیہ متن ایک جیسا تھا۔ سوئے اتفاق سے اے ڈی سی نے

سکوں کا، کچھ دے سکوں گا۔

۳۰ فی اٹل میری درخواست پر کسی کاروائی کی ضرورت نہیں البتہ اگر جناب صدر میری تجویز کو اصولی طور پر تسلیم کر لیں تو میں تیار ہی شروع کر دوں گا اور جب جناب صدر خود مناسب سمجھیں گے عائد ہو جائوں گا۔

آخری دن

جب شہاب صاحب ایوان صدر سے رخصت ہوئے تو انہوں نے ایوان صدر میں اپنے مشاہدات پر ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" ایم پی خالد نے اپنی کتاب میں اس مضمون سے اقتباسات دیئے ہیں۔

شہاب صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا چھ صفحات پر محیط اس خط کا مسودہ (ڈرافٹ) میرے پاس موجود ہے۔ اسی طرح میرے پاس ان کے اس مضمون کا آٹھ فلر کیپ صفحات کا ڈرافٹ پڑا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" موجود ہے۔ اس مضمون میں غلام محمد کا تذکرہ کرنے کے بعد سکندر مرزا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جنرل سکندر مرزا کے باقی کام کرنے کا عزم میرے لیے کم اعصاب شکن نہیں تھا۔ جب ۱۹۵۱ء میں پاکستان اسلامی جمہوریہ بنا اور جنرل سکندر مرزا نے جمہوریہ کے پہلے صدر کا حلف اٹھایا تو میں پھولا نہ سہا تھا کہ اپنے ملک کے پہلے صدر کا سیکرٹری ہوں مگر افسوس کہ یہ جذباتی کیفیت بہت جلیل امدت ثابت ہوئی۔ وزارت میں بیٹھنے اور نوٹے کا سلسلہ اس برق رفتاری سے شروع ہوا کہ طبیعت اچھٹ ہوئے گی، ہر صبح دفتر میں آتے ہی پہلے دیکھو پاکستان سے صبح کا خبرنامہ ضرور من لیتا تاکہ اگر راتوں رات کونایتہ بدل چکی ہو تو میں اپنا کورٹ اوٹل ساتھ لیتا چلوں تاکہ صبح اٹھانے کی تقریب میں اپنے فرائض منصبی ادا کر سکوں۔

دونوں مواقع پر غلط تقریر جناب صدر کو پڑھنے کے لیے سمجھادی چلائی۔
سائنس اور مہتری میں چلی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لیے کسی کو بھی اس
غلطی کا احساس نہ ہو سکا البتہ پریس کے نمائندوں کو متن حوالے کرتے
وقت ضرور احتیاط برت لی گئی تھی۔

سول سروس

بارشل لاء کے غلط کے متعلق ایم بی خالد لکھتے ہیں کہ۔

سات اکتوبر ۱۹۵۸ء کی رات جب وقاف اور صوبائی وزارتوں اور
اسٹیبلشمنٹ کو توڑ کر جنرل سکندر مرزا نے بارشل لاء نافذ کیا تو اس کارروائی
میں قدرت اللہ شاہ شریک محفل نہیں تھے۔

سول سروس کے متعلق ایم بی خالد رقم طراز ہیں کہ۔

قدرت اللہ شاہ نے آئی سی ایس اور سی ایس بی کی خدمت خود
گواہی دینے سول سروس کے وہ اہل نہ تھے۔ ان کے ایک سینئر کونٹریکٹ
جناب ایم بی احمد نے ایک دفعہ I.C.S کی اصلی نوعیت سمجھائی۔ انہوں
نے بتایا کہ I.C.S کی تربیت لے کر اپنی پہلی پوسٹنگ پر جو B.A.C کی
اسٹی پر تھی پروموشن کے مطابق کسٹمر صاحب بہادر پر کھل کرے چلا
گئے۔ چاکر دیکھا کہ کونٹریکٹ کے برآمدے میں ملاقاتیوں کی لمبی قطار
کرسیوں پر بیٹھی ہے جن میں کچھ خان بہادر اور رائے بہادر قسم کی
چھڑیں بھی تھیں۔ ایم بی احمد چڑاسی کو اپنا کارڈ دے کر قطار کی آخری
خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کہ باری پر بلائے جائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد
چڑاسی نے دروازے کی پک اٹھائی کسٹمر صاحب بہادر نمودار ہوئے۔ اور
ایم بی احمد سے ہاتھ ملا کر انہیں کمرے میں لے گئے۔ سامنے بٹاکر
خوب مرمت کی کہ تم کیسے I.C.S ہو تمہیں چاہیے تھا کہ ملاقاتیوں کو
نظر انداز کر کے پک اٹھا کر انور آ جائے اور خلاف کرائے۔ تم انہی

لوگوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے جن پر تم نے حکومت کرنی ہے۔ اس
تنبیہ کے بعد سیم صاحب کو بلوایا گئیں نے کافی بی اور پھر نے I.C.S
المر کو کسٹمر اور لیڈی کسٹمر باہر گاڑی تک چھوڑنے آئے۔ یہ تھی وہ
سال سروس اور یہ تھا وہ عذاب جس میں قدرت اللہ شاہ نے اپنے
آپ کو خود چٹا کیل چن کر خود کردہ را علاقے نیست اس لیے وہ سنی
ہیتم اور کو پیش بسیار کے باوجود اس عذاب سے نہایت نہ پا کے اور ساتھ
سال کی طبی عمر کو بچ کر رہی رہائی نصیب ہوئی۔

قدرت اور خالد

قدرت اللہ شاہ سے میرا تعارف اکتوبر ۱۹۵۳ء کی اس صبح کو ہوا
جب وہ کراچی میں گورنر جنرل غلام محمد کے سیکرٹری کی حیثیت سے
تشریف لائے تھے۔ عہدے کے اعتبار سے گورنر جنرل کے پرسنل سٹاف
میں وہ سب سے سینئر افسر تھے اور میں بی۔ اے ٹی گورنر جنرل پر پرسنل
سٹاف میں سب سے جونیئر۔ وہ گورنر جنرل سیکرٹریٹ کے سربراہ بھی تھے
اور اس طرح ہم دونوں میں افسردہ باقت کا رشتہ بھی تھا جو وقت کے
ساتھ سرکاری حدود پھیلاؤ کر دہنی کی شکل اختیار کر گیا اور ۳۲ برس
تک قائم رہا حتیٰ کہ شاہ صاحب دنیاوی رشتے ناطے توڑ کر خالق حقیقی
سے جا ملے۔

شاہ صاحب چھ برس تک گورنر جنرل اور بعد ازاں صدر پاکستان
کے سیکرٹری رہے۔ انہوں نے ۱۹۶۳ء میں ایم این صدر کو خیر باد کہا اور
۱۹۶۸ء میں ان کی جلاوطنی کے دوران بھی ہماری خط و کتابت رہی اور
ایک مرتبہ ملاقات بھی ہوئی۔ وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ
وزارت تعلیم سے منسلک تھے کہ ۱۹۷۵ء میں میری پوسٹنگ بھی وہیں ہو
گئی اور ایک بار پھر مجھے ان کی قربت میں کام کرنے کی سعادت نصیب

ہوئی۔

سید شیر شاہ

دار

میری ہم کار دوست مس رسید غمخیز نے میرے گلن میں کما شہ صاحب خاکسار ہیں۔

ماں مجھے وہ دن یاد آیا جب میں نے پہلی مرتبہ خاکسار کو دیکھا تھا۔

تعلیم سے پہلے ان دنوں میں ہاتھوں پر وہ گورنمنٹ ہائی سکول میں میٹر تھا۔ ہم مصری شاہ
الہ آباد میں مقیم تھے۔ میری بڑی بیٹی تیار تھی۔ ہمارا کوئی پرمان مل نہ تھا۔ برادر ہی والے
مصر میں ہو رہے تھے۔ میرے قریبی رشتہ دار مخالف تھے، مجھ سے ملنے نہ تھے اس لیے کہ
ان کے لئے ہاتھوں کی مرضی کے خلاف تھے کہ ایک مخالفانہ سے شادی کر لی تھی مجھ پر ان کا مقدمہ
چل رہا تھا۔

ان دنوں ہم ایڈور گروپ زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسی کو علم نہ تھا کہ ہم اکمل رہتے ہیں۔

ایک روز جب میں سکول سے واپس آیا تو دیکھا کہ خانی کپڑوں میں بیٹوس ایک شخص ہماری
گالوں میں کھڑا ہے۔ میں اسے دیکھ کر ڈر گیا۔ شاید پکری کا پیادہ ہو۔ یا شاید غصہ پورس کا
پیادہ ہو۔

مجھے دیکھ کر اس نے زبردست سلوٹ مارا۔ اس پر مجھے تسلی سی ہو گئی۔ غصہ پورس کا ہوتا
ہوگا مجھے مڑا ڈک سلوٹ نہ مارا۔

آپ کس سے بیٹس کے میں نے پوچھا۔

میں ہاتھ ڈھونڈ رہی ہوں وہ بولا۔

کون سی بیٹی۔

میں نے بتایا کہ آپ یہاں آئیے ہیں اور آپ کی گھر والی یہاں ہیں۔ اس لیے یہاں میری
بہن کا گھر آگئی ہے کہ جب آپ دفتر جائیں تو میں یہاں موجود رہوں۔ اگر بی بی جی کو کوئی
مشکل ہو تو اسے پورا کر دیں۔ ڈاکٹر کو بلا لائیں یا ہسپتال لے جائیں۔

اس کی بات سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

میری تسلی کے لیے وہ بولا، جناب میں خاکسار ہوں۔ مصری شاہ میں ہمارا دفتر ہے آپ کو
میں کی خدمت کی ضرورت ہو تو دفتر چاکر ڈپوٹ کر دیں۔

جب میں Mas میں راولپنڈی آیا تو یہ شہر چھوٹا سا صاف تھا، یہاں صرف چند ایک چالی چالی
مغنیات تھیں۔ ان مغنیات میں ایک شخصیت ایسی تھی جو ہر آنے والے کی توجہ جذب کر لیتی
تھی۔ انہیں لوگ شاہ صاحب کہتے تھے۔

شاہ صاحب کا انداز گفتگو اس قدر پر زور اور بے باک تھا کہ اپنے گلن تھا جیسے وہ شہر
گورنر گئے ہوئے ہیں فن کالہب دلچسپ بات چیت کا قند طور طریقے سے درویش نظر آتے تھے
اس حد تک محل کے قائل اور منہ ڈھانے کے خلاف تھے کہ گلن تھا جیسے فنی ہوں۔ ڈسٹن
بڑے قائل تھے۔ پرفیشن کے خلاف تھے، دہاک قسم کے مخالف تھے۔ کسی کو مخالف نہیں
کرتے تھے، چوک میں کھڑے ہو کر بیٹوں پر غصہ مچا دیا کرتے تھے اور ان سب اوصاف
بابت خود غریبوں کے بڑے ہمدرد تھے، منہ ڈھانے نہیں ہمدردی۔

راولپنڈی کے دانشور شاہ صاحب سے بہت متاثر تھے۔

کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ شاہ صاحب بنیادی طور پر خاکسار ہیں اور علامہ شمس کے پیروار
ہیں۔ ان کا ہم شاہ شیر شاہ تھا مگر ہم انہیں کلا شہ کہا کرتے تھے۔

ایک روز وہ ہمارے دفتر میں آگئے یہ دفتر کشمیر پبلسٹی کا ڈائریکٹور تھا۔ وقت کا دار
تھا۔ ہم سب ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

آتے ہی بولے، کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو تم سمجھتے ہو کہ روٹیں قائم چلانے
تم مقبوضہ کشمیر کو آزادی دلا دو گے۔ یہاں میرے اس کام کے لیے محل کی ضرورت ہے
کر سیں پڑ بیٹھ رہنے سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔

تکہ دیر تک وہ ہم سب کو ڈانٹتے رہے پر ہر شے گئے، بولے، مشکل یہ ہے کہ ہم براے نام
مسلمان ہیں۔ میں بھی منہ ڈھانے مسلمان ہوں اور جب تک ہم سچے مسلمان نہیں بنیں
گئے پاکستان کی مشکلات حل نہیں ہوں گی۔ خلی ملازمت پڑھنے سے ہم مسلمان نہیں بن
ہیں اسلامی گروہ کی طرح اگر وہ جو محمد اسلام علیہ السلام، ہم محل بنیں۔

میں صبح شام دن رات کام کرتے دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ میں نے جان لیا کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کئی قدر مشترک نہ تھی۔ البتہ میرے دل میں جیسے کے جیسے شہ کی عزت قائم ہو گئی۔

دل کراچی میں رہنے کے بعد جب میں واپس پٹنڈی آیا تو دارالافتاء کراچی سے پٹنڈی کے ایک آدمی کے درجے سے شہ صاحب کو زیادہ ہی مصروف ہو گئے تھے۔ ان کی مصروفیت کے متعلق شیر شاہ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں۔

تو یہ تھی مسلمین، کھانا، صحت افزا اور مسائل سے آزاد راولپنڈی صدر ایوب کے یہاں پر منتقل ہونے کے بعد ہم سے جتنی جاری تھی اور دیکھا جا رہا تھا؟ انتظامیہ، منتقلہ اور عدلیہ کی مرکزیت، اقتصادی اور ثقافتی ترقی کے نئے امکانات، کمزوری اور پس ماندگی کے احساس سے نجات اور مساویانہ حیثیت کا یقین۔ یہ مساویانہ حیثیت کا احساس ہی تھا جس کا اقتدار راولپنڈی میں پہلے سے مقیم اخبار نویسوں کو ایک فوری فکر آئی تھی۔ اس میں دیر غور نہیں ہوئی۔

صدر ایوب کے راولپنڈی منتقل ہونے سے پہلے کراچی کے کئی اخبار نویس یہاں آچکے تھے تاکہ نئے دارالحکومت میں اپنی ذمہ داریاں اہمیت شروع کر دیں۔ وہ آج کے عمران کا رویہ ہمارے ساتھ ایک قابض نوع کی طرح تھا۔ ان کی نگاہوں میں ہم ایک ڈیڑھ پل ہیڈ کوارٹر کے صحافی ہونے کی وجہ سے گاڑی پائوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اس لیے ہمیں ان "مذہب" اور "مقتدر" لوگوں کی ہمہ گیر یاد دہانی کو قبول کرنا پڑا۔ اس میں وہ اکیلے نہیں تھے، وزارت اطلاعات اور پریس انفارمیشن کا قیام عملہ پر نیشنل انفارمیشن آفیسر سبزوگل کی قیادت میں کراچی سے آنے والے اخبار نویسوں کا ہمنوا تھا۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر فوراً "حکایت آنکلی کا ٹیبلہ کر لیا" وہ مسئلہ تھا پریس کلب کا۔

اس "حکایت" کی حیثیت سے شہ صاحب صدر ایوب کو قدرت اللہ شاہ سے ملنے رہتے

ایک مہینہ خاکسار ہمارے گھر باؤٹی دیتے رہے، پھر مجھے علم ہوا خاکسار ایک تحریک عوامی مشرقی نے چلائی ہے۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی کہ ایک اعلیٰ پائے کا حامل اور خدمت لائق کی تحریک۔

میں نے سادہ کی کثیف تذکرہ بڑی مشکل سے حاصل کیا، لیکن بار بار پڑھنے کے بعد میں ان کی دقیق زبان کو سمجھ نہ سکا۔ بہر حال میرے دل میں خاکسار کی عزت پیدا ہو گئی۔ پھر 1955ء میں پہلی مرتبہ میں بمبئی خواجه جان محمد بٹ سے ملا تو انہوں نے بریکسٹ لکھا، مجھے بھی میں تو خاکسار ہوں۔ تحریک ختم ہو چکی ہے، لیکن خاکسار سپر جوں کی توں قائم ہے۔

جن

یوں شیر شاہ کی میرے دل میں عزت پیدا ہو گئی۔ شاہی دوسرے خاکساروں سے ملال کرتے۔ وہ غلطی عمل اور خدمت نہیں تھے، ساتھ دانشور بھی تھے اور اس قدر "دوکل" تھے کہ انہیں کماؤ کا سوچنا ہاتھ میں لیے بھرتے۔

ان کے غلوں اور سچائی کے سب قائل تھے۔ ان دنوں راولپنڈی میں سیود سنا کر قریب ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا، اس جس کا نام دوگی قند ایوب لوگ اکثر دوگی کی آغوش میں بیٹے اور ایوب پر بحثیں کرتے۔ دوگی میں لیبیوں کو ادھار پر چائے اور کھانا مل جاتا تھا۔ کبھی کبھی شاہ صاحب دوگی میں آجاتے اور پھر وہاں ان کی بات دار آواز کو مٹتی۔ یہ تم کیسا ایوب تحقیق کر رہے ہو جو لوگوں کو ملتا ہے، چکنا نہیں۔ کچھ ایسی حقیقتیں تھیں جو انسان کو عمل پر ابھاریں۔ انھو "دگر نہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی۔"

پٹنڈی کے بیشتر ایوب شاہ کے مداح تھے، "من زبانی مداح۔ ان پر شاہ کے پیغام اکثر نہیں ملتا تھا۔ صرف ان کی شخصیت سے متاثر تھے۔ شاہ کی شخصیت راولپنڈی کے ایوبوں، دانشوروں اور اہل کاروں پر چھائی ہوئی تھی۔

انہی دنوں شاہ صاحب نے پٹنڈی سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار شائع کرنا شروع کیا، اس نام پر کنکوریل تھا۔ اس کام میں میں نے بھی شاہ صاحب کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ شاہ صاحب کام کے حوالے سے انسان نہیں بلکہ

کار رہا ہوں میں نے پوچھا۔

بولے، آپ اسے گمراہ کر رہے ہیں۔

اچھا میں نے جواب دیا شاہی میں تو سمجھتا ہوں کہ شاب مجھے گمراہ کر رہا ہے۔

نہیں نہیں مذاق کی بات نہیں، وہ بولے، میں سنجیدگی کے بات کر رہا ہوں۔ آپ اسے گمراہوں پر لے جاتے ہیں۔ عرس پر لے جاتے ہیں۔ بیویوں فقیروں کی منزلوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ سب جگہیں ایڈوں اور بجٹ جگہ لے جاتے ہیں۔ آپ ایسا کرنے سے باز آجائیں آپ کا یہ رویہ ملک کے منافع کے خلاف ہے۔

اپنی خود نوشت میں وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

شاب صاحب بیورو کریمت لور سے تعلق رکھتے تھے، مگر بیورو کریمت کے خواص سے عاری معلوم ہوتے تھے۔ دانشور بھی سمجھے جاتے تھے مگر ان کی اکثر حرکتوں سے معروف قسم کی دانش اور منطق کی کوئی بو نہیں آتی تھی۔ مثلاً، وہ 'منطق' غلام دین دانی اور کوئی ایک دوسرے مانتیوں کے ساتھ کی گمنام افروزی قبول پر جاتے اور بڑے اٹھاک سے بھنڈا اڑا کھاتے۔

اس کے باوجود ان میں ایک کشش تھی، اور مجھے ان کے پاس جانے میں خوشی محسوس ہوتی۔ بیوروں کے لیے نہیں صحبت کے لیے، بحث و تحقیق کے لیے جس میں میرا مذاق و شوق تو کافی نمایاں ہوتا، مگر وہ اسے بے نیسی لینے اور کم گوئی کا چھوٹا اور بے مختصر جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ان کی یہ کی مقلد اور دانی پوری کرتے۔

قد میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے صدر ایوب جیسے چھ فٹ 'ہارمب' اور خیرود سرور ملک کی معیت میں کچھ بے تعلق معلوم ہوتے، تاہم شاب صاحب میں ایک غیر محسوس رحمانی تھی۔ ان کے مزاج کی سادگی، لباس، صحبت اور گفتگو میں پورے کمال قسم کے ہر جانب کا عدم وجود اور اس بناء پر میری دعوت کو بھی بلا جھجک قبول کر لیتا، ان کے اطوار اور

تھے۔ اپنی خود نوشت میں شبیر شہید لکھتے ہیں۔

میں صدر ایوب کو فوج کے سربراہ کی حیثیت سے تو کچھ کچھ جانتا تھا، سربراہ حکومت کی حیثیت سے اس وقت جاننے کا موقع ملا جب انہوں نے راولپنڈی کو ملک کا صدر مقام بنایا۔ وہ یہاں آئے تو ان کے ساتھ قدرت اللہ شاب بھی بطور پرنسپل ٹیکرٹری اسی طرح منسلک تھے جیسے وہ کئی سال تک غلام محمد اور سکندر مرزا کے ساتھ تھے۔

شاب صاحب سے میری پہلے کوئی واقفیت نہ تھی، مگر جلد ہی انہوں نے مجھے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا، یا یوں کہیے کہ میرے لیے اپنے دفتر کے دروازے وا کر دیے۔ ہو سکتا ہے یہ دوائے وقت کے ریڈیٹنٹ ایڈیٹر ہدایت اختر کی وجہ سے ہو، جو صحافت میں اس وقت میرے قریب ترین ساتھی اور شاب صاحب کے ہم وطن تھے (دونوں کا جوں سے تعلق تھا) یا ممتاز مفتی کے شاب کے عملے میں شامل ہونے کی وجہ سے ہو جن کے ساتھ شاب صاحب کا ذہنی اور عجیب و غریب قسم کا روحانی رشتہ تھا۔ اس رشتے کی نوعیت کو تو میں نے بھی سمجھنے کوشش نہ کی، تاہم شاب صاحب سے کچھ اس طرح کی قربت ہو سکتی کہ انہوں نے اپنے قیام کے دوران صدر ایوب کے ایڈروان ملک کم و بیش ہر دور سے مجھے ساتھ رکھا۔

شبیر فقیر

شاب صاحب کو بیوروں فقیروں سے سخت نفرت تھی۔ وہ مقبول، مگر بیوروں اور غیر غلاموں خت خلاف تھے۔ اتفاق سے ایک دن شاہ صاحب نے شاب، بھائی جان اور مجھے سائیں اللہ کے مزار پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا۔ اس پر وہ پیش میں آ گئے۔ مجھے سخت بھڑا ہوا محسوس ہوا۔ آپ کا دوست شاب ایک قابل آدمی ہے، مسلمان آدمی ہے، صاحب کردار شخصیت ہے۔

میں نے کہا، 'شاب صاحب میں ساری زندگی اس کی خوبی سمجھتا رہا ہوں اور اب بات

خیر ہے کہ میرے جذبے میں شدت ہے۔

شاب نے پھر سرفی میں ہلا دیا۔ بولے حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند نہیں کرتے۔ اگر جذبہ میں شدت ہو تو توازن پیدا نہیں ہوتا اور اسلام کے نزدیک توازن ایک ضروری کیفیت ہے۔

شاب کی یہ بات سن کر میں لاجواب ہو گیا، لیکن میں نے دل سے یہ بات تسلیم نہ کی اور نہ ہی شاکہ کو بتائی۔ کیرہ تسلیم کرتے میرے کردار کا بنیادی عنصر شدت تھی۔ تسلیم کر لیتا تو میرے یقین کی دنیا و حرام سے بچنے کا ڈھیر بن جاتا۔

آخری دنوں میں جب شاب بائینڈ جا رہے تھے، 'شاہ صاحب مجھے ملے۔ کئے گئے، مفتی محمد بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

کیا بات ہے، میں نے پوچھا۔

کئے گئے، 'یہ تمہارا دوست مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔

کون سا دوست، میں نے پوچھا۔

شاب صاحب کی بات کر رہا ہوں۔

وہ میرا دوست نہیں ہے، میں نے کہا۔

شاہ صاحب چونکہ 'ایا مطلب۔

جس طرح آپ میرے دوست نہیں ہیں، میں نے کہا، 'ملاں کہ تیرے سال سے اہل الیہ

دوسرے سے رابطہ ہے۔

شاہ صاحب پھر جگے۔

میں آپ کی عزت کرتا ہوں، لیکن ہم دونوں کے درمیان احرام کی ایک دیوار حائل ہے۔

ایسی ہی احرام کی دیوار شاب اور میرے درمیان حائل ہے۔ اس سے بھی بڑی، اس سے بھی اونچی، میں اس کا درجہ ہوں۔ وہ پاکر اور آدمی ہے لیکن ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔

شاہ بولے، 'بے شک وہ صاحب کردار ہے۔ نیک ہے، مسلمان ہے۔ بات کو سمجھتا ہے۔

میں نے پوچھا تو آج یہ نہ ہوتا۔

اباؤ، 'اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

ہمارا بار تھا رنگین و خوش نوا ملحق
مگر اسے بھی چنپ شاپ لے بیٹھے

تبادلہ

(احادی سال میں شاپ کے اوائس ڈی کی حیثیت سے صدر گھر میں رہا۔

پھر شاپ کو انفرمیشن سیکرٹری بنا دیا گیا اور میں اس کے ساتھ وزارت اطلاعات میں چلا گیا۔
۱۹۹۳ء میں شاپ کو پابینڈ کا سفیر بنا کر ایک بھیج دیا گیا۔ صدر گھر میں میری کوئی دفتری
اہمیت نہ تھی۔ میں قدرت اللہ شاپ سے شکست رہا ان کے دفتر سے نہیں۔ مجھے برائے نام
قسم کے کام سونپے جاتے تھے۔

دفتر کے افسر مجھے بڑی محارت سے دیکھتے تھے۔

انہیں اس بات پر غصہ آتا تھا کہ یہ کون ہے جسے سیکرٹری اتنی اہمیت دیتا ہے۔ جسے دفتر میں
کوئی الگ کمرہ نہیں دیا گیا۔ کوئی خصوصی کام نہیں دیا گیا، لیکن جسے ہر وقت سیکرٹری اپنے پاس
لٹائے رکھتا ہے اور ہر بات میں اس کے مشورے کو اہمیت دیتا ہے۔

ان کا یہ غصہ بڑی حد تک جائز تھا۔ چونکہ میرا کوئی شلیس نہ تھا۔

قدرت اللہ نے میرے لیے ایک خصوصی پوسٹ منظور کروائی تھی۔ یہ پوسٹ ایک فائو

ہسٹ تھی جس کی صدر گھر میں چنداں ضرورت نہ تھی۔

قدرت اللہ کا رویہ میرے متعلق معذرت خواہ نہ تھا۔

میں صدر صاحب کے لیے اردو میں ایک تقریر لکھیں پڑھنی۔ ملٹری سیکرٹری نے میرے نام حکم دیا کہ آپ کو وائس ڈی وو گھنٹے کے اندر اندر تقریر لکھ کر اپنا دواں کے لیے مجھے پیش کرے میں نے تقریر لکھ کر بھجوا دی۔

ملٹری سیکرٹری کے کمرے سے آک شورڈ غوثا پابند ہوا۔ سارے دفتر والے سم گئے بھر صدر کو اپنا چڑائی دوا دوا دوا میرے پاس آیا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا، کئے لگا آپ کو بلا رہے ہیں۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو مجھے دیکھتے ہی جھنجھکیوں کی ایک بو چھاؤ پڑی۔ پھر بولے، آپ آج صبح کی تقریریں کی صدر کی خدمت میں پٹل سے لکھا ہوا مسودہ بھیجے ہیں۔ میں نے کہا، جناب میں سرکٹ رائٹرز اور سرکٹ رائٹرز پٹل میں لکھتا ہے۔ اس پر ایک اور بو چھاؤ پڑی۔

بولے اور تمہاری اردو کیسی ہے۔ اس میں ذہن کی چاشنی ہی نہیں۔ میں نے کہا، جناب عالی ہم سرکٹ رائٹرز چاشنی والی اردو نہیں لکھتے۔ خدمت بھری ایک اور بو چھاؤ پڑی چھوٹی میز لاکھڑی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا۔

پتہ نہیں ملٹری سیکرٹری نے کیا کچھ لکھ کر اسے صدر صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ صدر اب نے میری طلبی کر لی۔

میں پیدائشی طور پر ایک ڈر پرک آدمی ہوں۔ چھوٹی سی بات واقعہ ہو جائے تو ڈر سے چلنا پڑتا ہے، لیکن اللہ نے مجھ ایسے ڈر پرکوں کے خوف سے لے لیے ایک قانون بنا رکھا ہے کہ خوف گزر جائے تو خوف معدوم ہو جاتا ہے میں نے زندگی میں جتنے بھی جرات کے کارنامے کیے ہیں وہ اسی اصول کے مرکبوں منت ہیں۔

اب میں صدر اب کی خدمت میں حاضر ہوا تو خوف معدوم ہو چکا تھا اور میں ان کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے استہان ہو۔

پہلا دن قاجاب میں نے صدر اب کو اتنے قریب سے دیکھا تھا، انہیں دیکھ کر میں ہلا رہا ہو گیا، اتنا مرادہ حسن اتنی پارعب شخصیت۔

طبی طور پر میرے ذہن میں سیاست کا خیال سرے سے خالی ہے۔ مجھے سیاسی امور میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مجھے شعور ہی نہ تھا کہ گردو پیش میں سیاسی سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ دفتری سیاست کے بارے میں مجھے صرف ایک بات کاظم تھا کہ صدر کا ملٹری سیکرٹری ہر بات میں شاب کی اطلاع دے گا۔ کرتا تھا۔

صدر گھر میں ملازمت کے دوران میں کبھی صدر اب سے نہیں ملا تھا۔ کبھی سلام کرتے کے لیے بھی حاضری نہ دی تھی۔

ایک دو پتہ نہیں کس تقریب پر صدر گھر کے تمام ملازم صدر اب کو مبارکباد دیا کرتے تھے۔ قدرت اللہ نے مجھ سے کہا آپ بھی صدر صاحب کو مبارکباد دے آئیں۔ میں نے کہا، میرا صدر صاحب سے کیا واسطہ میں تو آپ کا وائس ڈی ہوں۔ ہاں آپ مبارکباد دے جائیں تو ساتھ میری طرف سے بھی دے دیں۔

شاب نے کہا، عالی صاحب بھی تو صدر کو وائس ڈی ہیں۔ وہ جب بھی مجھ سے ملے آتے ہیں تو پہلے صدر صاحب کو جا کر سلام کرتے ہیں۔

میں نے کہا، شاب صاحب عالی بڑا آدمی ہے۔ نو اب ہے وہ رکھ رکھاؤ کے اقواب ہوتا ہے۔ میں تو ایک چھوٹا آدمی ہوں، احساس کمتری کا مارا ہوا۔ آپ نے تو خواب تو مجھے صدر کے کنبے بننے میں ڈال دیا ہے۔ میں رازوں میں کوا ہوں، دیئے شاب صاحب ایک بات کہوں۔ کچھ، شاب سکرایا۔

میں نے کہا، کسی وقت مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آپ بھی میں رازوں میں کوا ہیں۔ وہ قہقہہ مار کر میں پڑا، کئے لگا مجھے بھی کبھی کبھی ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔

پیشی

ان دو دنوں میں کے دوران صرف ایک بار میری صدر اب کے سامنے پیشی ہوئی تھی۔ ایک چارج شیڈ ملازم کی حیثیت سے۔

ہوا میں کہ شاب کو صدر صاحب نے کسی حکم سے کراچی بھیجا ہوا تھا، اس کی غیر ماضی

SOVEREIGNTY IN ECONOMICS

SELF SUFFICIENCY IN SOCIAL & POLITICAL ORDER:-

EMERGENCE OF A SUPER MAN

AN AMIR WHO IS SILKY-SOFT IN PEACE

STEELY HARD IN WAR

IN PROPRIET HOD:-

MOHAMMAD, A LEADER WHO IS BENIGN & RUTHLESS

ACCORDING TO NEED.

REFLECTION OF PROPHETS OWN ATTRIBUTES.

ہالینڈ کو روانہ تھی سے پہلے ایک روز شہاب نے بیڑے دکھ سے کہا کہ 'میں صدر الایوب
کی جانب راضی کرنے میں ناظم رہا ہوں۔ میں نے بیڑی کو شیش کیس، لیکن بات نہیں
کر ایک مرتبہ جب شہاب ہالینڈ سے رخصت پر آیا۔ اپن دلوں و رمضان شریف کے دن
۲۰ دسمبر رمضان کو جب وہ صدر الایوب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ بے لوثی میں مصروف
اس پر شہاب کو بہت صدمہ ہوا۔

شہاب کے دل میں صدر ایوب کی بڑی عزت تھی۔

ایک روز میں نے شباب سے پوچھا کہ آپ جو صدر ایوب کی عزت کرتے ہیں۔ کیا اس لیے کہ وہ ملک کے صدر ہیں۔

میں اس لیے نہیں، شباب نے جواب دیا، بلکہ اس لیے کہ وہ صاف متحرک کردار کے ہیں۔ ایک نینیتے اور فہم و فراست والے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ وہ پاکستان کو وہ مقام دیں گے جس کے ہم متقی ہیں۔ اس لیے آپ ان کے قیام کے لیے دعا کریں۔

میں نے کہا "شباب صاحب میری دعا سے کیا ہوتا ہے۔"

لے لگا ہوتا ہے آپ کو دعا کی طاقت کا شعور نہیں۔

اے نے کہا 'آپ خود دعا کریں۔'

۱۱۔ انفرادی دعائیں وہ اثر نہیں ہوتا جتنا اجتماعی دعائیں ہوتا ہے۔

شہاب مسلسل اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ صدر ایوب کی توجہ اسلام کی طرف مبذول
کرائے۔

صدر ایچ بی کی والدہ صوم و صلوة کی پابند تھیں۔ جب بھی ایوب گھر سے رخصت ہوا،
 گتے تھوڑے اُن میں روک لیتیں۔ کہیں ذرا ٹھہرو۔ پھر قرآن کریم اٹھا کر لے آئیں اور بیٹے
 کہیں میں قرآن کریم اٹھاتی ہوں تو اس کے پیچھے سے گزر کر دیکھ بیٹے ادب سے سر ہٹا کر
 گزر رہا۔

ایک دلہہ وہ بیمار پڑیں اور شباب عیادت کو کیا تو شباب سے کہنے لگیں "میری وفات کے بعد ایوب کو پیٹھم رونا ہے کہنا کہ زندگی بھر جو میں تیرے لیے کرتی رہی ہوں وہ اب تجھے خود کرا"۔

صدر ایوب اپنی والدہ کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن ان کی ایسی باتوں کا اثر نہ لیتے تھے۔ شہاب کی کوشش تھی کہ آہستہ آہستہ ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی جانب لے آئے۔ ایک دم بات کرنے کے حق میں نہ تھا۔ آج ایک بات کرتا۔ وہ بھی سراسر طور پر براہِ مذاکرہ۔ ایسی بات جو دل میں کانٹے کی طرح لگ جائے اور سوچنے پر مجبور کر دے آٹھ دن بعد دوسری بات چلا دیتا تھا۔

سب سے پہلے شباب نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ صدر ایوب کو بخشنے کے طور پر دیا۔ پھر اقبل کے کلام کا انگریزی ترجمہ پیش کیا۔ پھر ایک نوٹ میں اقبل کے فلسفہ خودی کو اظہار الفاظ میں بیان کیا۔

ایم بی خالد نے اپنی کتاب ایوان صدر میں سولہ سال میں اس فوٹ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کا متنب بھی پیش کیا ہے۔

شہاب صاحب نے اس نوٹ میں خودی کا عنوان دے کر نیچے لکھا تھا۔

ATTITUDE IS INDIVIDUALS SELF RESPECT

III. NUMBER BEFORE THE TUMBLE

THUNDER BEFORE THE PROUD

IN NATIONS INDEPENDENCE:

شباب کا مشورہ دیتے تھے اور اس کے مشوروں کی قدر کرتے تھے۔ یہی بات قدرت اللہ کے ذریعہ
اداس بن گئی۔

یہ روز کریم اگرچہ شباب کی بہت عزت کرتے تھے لیکن دل ہی دل میں انہیں شباب بہت
کھٹکتا تھا۔ انہیں یہ شکایت تھی کہ ایک جو نیر افسران پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ شباب کی ذاتی
خفیات تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ شباب نے صدر ایوب کو طعنی میں
لے رکھا ہے۔

پاکستان کے سیاست دان شباب کی حق میں نہ تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنے مفاد کے مطابق
صدر ایوب کو سانچے میں ڈھالیں۔ اس امر میں شباب بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ اس لیے وہ چاہتے
تھے کہ صدر ایوب شباب کے اثر سے نکل جائیں۔

ایک روز صدر ایوب کا بیٹا اجازت حاصل کیے بغیر صدر کی گاڑی لے گیا۔ اس پر صدر
ایوب کو بہت غصہ آیا اور وہ سربانہ اٹھا کر بیٹے کا انتظار کرنے لگے تاکہ جب بھی وہ آئے تو اس کو
سربانے سے سرزنش کی جائے۔

ایک روز صدر ایوب کو والدہ کا پیغام موصول ہوا کہ علاقے کا پنڈاری پہلے بچھ سے سو روپے
لیا کر آ تھا۔ اب وہ سو روپے نہیں لیتا کہتا ہے۔ تیرا بیٹا پادشاہ بن گیا ہے اب تو میں ہزار روپے سے
کم نہیں لوں گا۔

اس بات پر صدر ایوب گھبرا گئے انہیں بات سمجھ میں نہ آئی۔ انہوں نے شباب کو بلایا کہ
مشورہ لیں۔

شباب نے کہا 'پنڈاری ٹھیک کہتا ہے' اسے ایک ہزار روپے دیں۔ صدر ایوب غصے میں
بولے تو کیا آپ رشوت کو چاہتے ہیں۔

شاب نے کہا 'محترمہ شاید میں آپ کو گمراہ کر دوں۔'

محترمہ ہنسی کھینے لگی 'سبز شاب کسی کو گمراہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ لوگ اس لیے گمراہ ہوتے ہیں کہ وہ خود گمراہ ہونا چاہتے ہیں اس میں عافیت کھتے ہیں۔'

کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ بھی خود گمراہ ہونا چاہتی ہیں 'شاب نے کہا۔

دیکھتے سبز شاب 'وہ بولی' آئی لم ڈیٹ میریس۔ میں نے امریکی ریکارڈ میں آپ کی فائل کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ کیوسٹ خیالات کے مالک ہیں۔ شاید اس لیے کہ اغیار میں سروس کے دوران آپ نے ایسے غریب لوگ کام کیے جو اختلاص کی خلاف ورزی پر محمول کیے جاسکتے ہیں۔ آپ نے قلم کے دوران بھوکے حالات معدول کو شہر دی کہ وہ چالوں کا ڈب لوٹ لیں۔ پھر آپ نے بڑے برطانوی افسروں کو حراست میں لیا۔

برما پاکستان میں جب آپ جنگ کے ڈپٹی کنٹرلر تھے تو آپ نے مکلی بھری گا دی۔ شاید ان باتوں کی وجہ سے آئندہ روز کو تین ہو گیا کہ آپ کیوسٹ ہیں۔ کچھ دیر کے لیے وہ رک گئی پھر بولی 'لیکن وہ لاہ کی آئندہ روٹیں کے بعد میں کال تھیں۔ یہ کہہ سکتی ہوں کہ آپ کیوسٹ نہیں ہیں' نہ ہی آپ انڈیا میں بسلسلے ہیں۔

تو پھر میں کیا ہوں 'شاب نے شرارہ پھمچا۔

تھکے نہیں آپ کیا ہیں 'وہ بولی' برما میں آپ کیوسٹ نہیں ہیں اور امریکی حکومت کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے۔ یہ بات امریکہ کے انٹرنٹ میں ہے اور آپ کے انٹرنٹ میں بھی۔

برما میں یہ بات امریکہ کے حکومتی مکتوبوں میں ملے شدہ تھی کہ شاب کیوسٹ خیالات کا حامی ہے۔ اس لیے امریکہ نہیں چاہتا تھا کہ شاب اور صدر ایب کا باہمی رابطہ قائم رہے۔

پھر جتن سے دوستی کے قیام کی وجہ سے دونوں سپر پاورز شاب کو اس عہدے سے ہٹانے کے لیے صدر ایب پر دباؤ ڈالنے لگیں۔

صدر ایب بہت اچھے صدر تھے 'لیکن سیاست میں کیے تھے۔ وہ ڈالے کے فن سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے دباؤ کے تحت قدرت اللہ شاب کو سیکرٹری ٹو پریذیڈنٹ سے ہٹا کر وزارت اطلاعات کا سیکرٹری بنا دیا۔

اس تبدیلی کوئی عملی فرق نہ پڑا 'چوں کہ صدر ایب اور شاب کا رابطہ جوں کا توں قائم رہا۔ اس پر یہ دینی دباؤ نے شدت اختیار کرنی اور صدر ایب مجبور ہو گئے۔

جب شاب کو علم ہوا کہ اس کا چہرہ ذریعہ غور ہے تو اس نے صدر صاحب کو اپنا استغفرے بھیج دیا۔

اس پر صدر ایب گھبرا گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شاب مستغفر ہو جائیں۔ انہوں نے شاب سے کہا کہ میں آپ کا استغفرے منکوح نہیں کروں گا۔ آپ کوئی سی وزارت میں بحیثیت سیکرٹری اپنی تعیناتی کروالیں۔

شاب اپنی ضد پر اڑا رہا۔

صدر ایب میں بڑا حقل تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وقت کے ساتھ ساتھ شاب کی ضد کمزور پڑ جائے گی۔

ان دنوں صدر ایب مری میں مقیم تھے۔ انہوں نے شاب کو حکم دیا کہ آپ روز مری آئیں تاکہ ہم باہمی بات چیت سے اس مسئلے کا حل تلاش کر سکیں۔

چند روز شاب روزانہ مری جاتا رہا۔

سرکار قبلہ کے دربار میں جب یہ خبر پہنچی تو بھی لوگ فکر مند ہو گئے۔

بھائی جان خاموش ہو گئے۔

سامیں کرم دیں 'بولے' صدر ایب اپنے پاؤں پر گھلاڑی مار رہے ہیں۔ کوئی انہیں جا کر کہنا کہ ایسا کرنے سے وہ خود کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

آغا صاحب نے کہا 'یہ تو ہونا ہی تھا شاب نے یہ امر کمال نہیں کیا۔ میں نے سرکار قبلہ سے اذیت کی۔ اس کا نتیجہ سامنے آیا ہے۔ شاب اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں۔

راجہ شفیق عصفی میں بولا 'بھائی جان آپ شاب صاحب کو کیوں نہیں روکتے۔ ہمیں مستغفر ہونے سے روکتے۔

بھائی جان بولے 'وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں ہم ان کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔ پس اگر وہ چاہیں تو ہم کچھ معاملات میں ان کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔

بھائی جان بولے۔ آپ بلگ ہیں جو چاہیں کریں، لیکن اگر اسٹیفن منظور نہ ہوا تو پیچھے ہٹیں۔
آپ کو چارلوہ منظور کرنا ہو گا۔

ہاں وہ تو ہے، 'شباب' نے کہا۔

ہمارا خیال ہے کیوں آپ کسی جگہ کے سفیر بنا قبول کر لیں۔

ہاں، 'شباب' نے کہا لیکن ان کا ارادہ ہے کہ مجھے یو این لو میں بھیج دیا جائے۔

آپ کا کیا ارادہ ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میں یو این لو کی دلدل میں پھنسا نہیں چاہتا۔ وہاں کوئی کام نہیں ہوتا۔ نہیں ہو سکتا۔ بس بے کاری کی تقریریں سنو اور لو گھٹتے رہو۔

سفارت کے حلقہ آپ کا کیا خیال ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میری زندگی کی سب سے بڑے خواہش ہے کہ میں جدے کا سفیر بنوں، لیکن مجھے جدے نہیں بھیج سکتے۔ مجبوری ہے دراصل میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ مجھے کسی اہم سفارت میں بھیجیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ کوئی چھوٹی سی جگہ ہو۔ کوئی کام دام نہ ہو۔ اور وہاں میں اپنا کام کر سکوں۔

اپنے کام کا کیا مطلب ہے، راجہ نے پوچھا۔

بھائی جان بولے، 'اپنے کام کا مطلب اپنا کام ہے اور کیا۔'

بہر حال اس روز بھائی جان نے برطانیہ کے 'شباب اسٹیفن' پر مدد نہ کریں بلکہ کسی سفارت میں تعیناتی کر لیں۔

اگلے روز 'شباب' نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا، 'آپ نارغ ہوں تو میں آ جاؤں۔'

یہاں کہاں، میں نے پوچھا۔

میں گھر میں ہوں۔

دفتر میں آ رہے کیا۔

نہیں، وہ بولا۔

میری جائیں گے کیا۔ صدر صاحب سے ملنے۔

نہیں، وہ بولا۔ آپ آ جائیں۔

گھر پہنچا تو دیکھا کہ 'شباب' شب خرابی کے لباس میں اطمینان سے بیٹھا ہے۔

میں نے کہا، 'آپ تو چھٹی کے موڈ میں بیٹھے ہیں۔'

ہاں، وہ بولا، 'چھٹی کا موڈ ہے آج۔'

معلوم ہوتا ہے آپ نے فیصلہ کر لیا ہے۔

کیسا فیصلہ، اس نے پوچھا۔

مستقبل کے حلقہ فیصلہ، میں نے کہا، 'آپ نے بھائی جان کا مشورہ قبول کر لیا ہے۔'

کون سا مشورہ۔

سفیرین کا رہا ہر جائے کا مشورہ۔

وہ مسکرایا، میں فیصلہ کرنے والا کون ہوں۔

تو کیا صدر صاحب فیصلہ کریں گے۔

وہ تو خود بخود ہیں، اس نے کہا، 'پتہ میں اللہ کو کیا منظور ہے۔'

تو اللہ سے پوچھ لیجئے، میں نے اسے چھیڑا۔

ان سے کون پوچھ سکتا ہے۔ ان کی تو منت کی جا سکتی ہے۔ آپ کو نور بابا کی وہ دعا یاد ہے جو

انہوں نے قصائی کی زندگی کے لیے کی تھی۔

میں نے سر نہی میں ہلا دیا۔

انہوں نے کہا تھا، 'یا اللہ یہ قصائی ہمیں اچھا گوشت دیتا ہے جو ہم تیرے بندوں کو کھلاتے

ہیں۔ اگر تو اس کی زندگی بڑھا دے تو تجھے کون پوچھنے والا ہے۔'

ہاں، میں ہنسا، عجیب دعا مانگی تھی نور بابا نے۔

مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی کہ تجھے کون پوچھنے والا ہے، 'شباب' نے کہا۔

نمازی ٹوپی

بے شک نہ پوچھیں، ان کی منت کیجئے، میں پھر اپنے موضوع پر آیا۔

زندگی بھر میری یہ آرزو رہی ہے کہ مجھے جدہ میں سفیر بنا دیا جائے۔ لیکن منظور نہیں ملی۔

شباب نے کہا۔

آپ نے کوشش کی تھی کیا، میں نے پوچھا۔

آپ کو پتہ نہیں، وہ بولا، 'قاریں آفس جدہ کی سفارت کو ڈیل خانہ سمجھتا ہے، کوئی شخص

© Oneurdu.com

-۱۱-

جدے میں سفیر بن کر جانے کے لیے تیار نہیں۔

اچھا میں نے حیرت سے کہا پھر منظوری کیوں نہ ملی۔

جدے میں سفارت کی منظوری دینے شریف سے ملتی ہے۔ جو صاحب وہی تھیں ہیں۔

دربار کون سے دربار۔

کئے لگا داتا کے دربار۔

پھر رکی دھمکتوں اور سنڈ آف کا ایک سلسلہ چل پڑا اور وہ اس قدر مصروف ہو گیا کہ اس بات کوئی مشکل ہو گئی۔ ہر حال میں نے موقعہ پا کر کہا 'شاب صاحب وعدہ کیجیے کہ ہلنے سے پہلے آپ میرے ساتھ کم از کم دو یا تین گھنٹے اکیٹے میں گزاریں گے۔ میں آپ سے بہت یاد کرنا چاہتا ہوں۔'

شاب نے وعدہ کر لیا۔

آخری ملاقات

ہینڈ جانے سے پہلے ایک روز قدرت کا فون آیا 'اگر آپ فارغ ہوں تو آجائے گا۔ کیوں خیریت' میں نے پوچھا۔

کیوں کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔
ہاں ہو گیا وہ بولا۔

انہوں نے اجازت دے دی 'میں نے کریڈٹ کے لیے پوچھا۔
ہاں دے دی۔ اس نے بات کا رخ بدلا۔ ہم آج ہی والیوں چلے جائیں گے۔
کیا واقعی۔
ہاں وہ بولا۔

آپ نے تو تین راتوں کی حاضری کا پروگرام بنایا تھا۔
ہاں اس نے کہا 'میرا خیال تھا کہ۔۔۔۔۔۔ لیکن انہوں نے اجازت دے دی۔
اسی روز ہم والیوں رولپنڈی چلے آئے۔

پاپڑا کا منقلب، شہاب نے پوچھا۔

وہ کھاتا جاتا کھاتا جاتا، گلشن بن جاتا۔ میں نے وضاحت کی۔

حیرت ہے، وہ بولا، لوگوں کی تو بھوک اڑ جاتی ہے۔ بہر حال آپ کو گھبرانے کی چیزیں

ضرورت نہیں۔

میں عقیدہ انسان نہیں۔ شباب صاحب' میں نے کہا۔

الطاف گوهر

اس نے موضوع بدلا۔ کہنے لگا۔ میری جگہ الطاف گوہر آرہے ہیں۔ وہ بڑے قابل آدمی ہیں۔

مجھے علم ہے۔ کہ وہ ٹیلنٹڈ ہے۔

بہت زمین ہیں۔

یہ تو میں جانتا ہوں کہ ٹیلنڈ آدمی ہے، مگر آدمی کیسا ہے وہ میں نے پوچھا۔

بڑا ہمدرد آدمی ہے۔ آپ تو اسے جاننے ہو گئے۔ لوبلی آدمی ہے۔

اولیٰ تو ہے، مگر انسان کیسا ہے۔

بہت اچھا انسان ہے۔ ذہین ہے، ایف بی سٹنٹ ہے۔ عقل کا دلدلہ ہے۔ دوسرے کی بات
 غور سے سنتا ہے کچلے ذہن سے سنتا ہے۔ متعجب نہیں ہے۔ اوپر ہائیڈرو ہے، لیکن مغرور سوچا
 بالک ہے۔ یہ باتیں سول سروس میں نہیں چلیں۔

سول سروس میں پہنچے جیسے پہلے والا بلاپوڈ ہے۔ آسمے پہلے والا مارکھا جاتا ہے۔ وہ سول سروس میں زیادہ دیر نہیں چل سکتا ہے۔ ہماری سول سروس کا الیہ ہے۔ وہ ایسے فیض کو اپنا نہیں جانتی جس میں LEADERSHIP ہو۔ انفرسٹ کو برداشت نہیں کرتی۔ آپ کیاں گمیراتے ہیں اسے بات کا رخ بدلا۔

آپ فروری ۱۹۶۶ء میں رخصت ہو جائیں گے۔ فروری ۱۹۶۵ء میں آپ رخصت نہ کی گئی تھی۔
 بچے جائیں گے۔ صرف ایک سال تو ہے۔ اس دوران میں آپ کو بایزنڈا لوں کا دیکھنے ملتی
 صاحب 'اس نے کہا' آپ کو رزق کی کمی نہیں ہوگی انشاء اللہ کبھی نہیں۔ اگر آپ میری اس
 بات پر یقین رکھیں گے تو سبھی رہیں گے۔

مجھے رزق کا فکر نہیں ہے، میں نے جواب دیا۔
تو پھر آپ مجھے کیا کہنا چاہتے تھے۔

رکاوٹ آزمائش

وہ ایک اور مسئلہ ہے۔ میں نے کہا۔

۷ تا ۹۔

۱۱) بہت "تکلیف" د مسئلہ ہے۔

آپ کو یاد ہو گا آپ مجھے کراچی میں ایک بزرگ بلاکے پاس لے کر گئے تھے۔ اس بلاکے پاس ایک بڑا کھانا آدمی قلم رو ایم ای بل ٹیس ڈاکٹر قلم رو اپنا پروفیشن چھوڑ کر بلاکے بٹکانا بن گیا تھا۔

جب ہم بابا سے مل کر واپس آ رہے تھے تو آپ نے کہا تھا، یہ ڈاکٹر بابا کی آزمائش ہے۔

مجھے یاد نہیں وہ بولا۔

آپ نے کہا تھا ہر ایک کے ساتھ کوئی ناگوار چیز پیدا ہو جائے جو اس کی آزمائش کے لیے مقرر ہو جائے۔ اس کی ہر بات میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ بچہ لوگ کو شور مچاتا ہے اور وہ شخص اس کی آزمائش کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ کو شور مچانے میں ہوتا ہے۔ آپ کو کہہ رہی ہیں۔ اس نے سرفرازی پیدا کر دی۔ اللہ تعالیٰ میں بزرگوں سے سنا ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ہر مل کے ساتھ ایک آزمائشی فرد لگا ہوتا ہے جو اس کی ہر بات میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر اس کا علم نہیں لیکن بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ بات سچی ہے، اس نے جواب

کبھی کبھی میں غموس کرتا ہوں کہ میں آپ کے راستے کی رکاوٹ ہوں۔ میں آپ کی آزمائش ہوں۔ جب بھی میں یہ سوچتا ہوں تو مجھے سخت دکھ ہوتا ہے۔ اس وقت میرا خیال چاہتا ہے کہ میں کہیں بھانگ چلاؤں۔ خود کو معدوم کر دوں۔

یہ من کر شہاب خاموش ہو گیا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے کہا کہ 'مفتی کی دوستی ایک پھولے کی طرح ہے۔ جس کی نیسوں میں لذت ہے۔

وہ مسکرا دیا یوں! 'ہاں میں نے سچ کہا تھا' لیکن مفتی صاحب اول تو میں جیسا ہوں۔ بزرگ نہیں ہوں۔ ایک عام سائنس ہوں' آپ خلوہ خواہ مجھ سے عقیدت لگائے بیٹھے ہیں۔ میں تو آپ سے دوستانہ تعلقات کا خواہی ہوں۔

شباب صاحب مجھے ٹالے نہیں' میں نے احتجاج کیا۔

پلیے آپ کی خوشی کی خاطر فرض کیجئے کہ میں جیسا ہوں وہ مسکرا کر یوں۔

اور آپ میری آزمائش ہیں' میرے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ اس صورت میں تو مجھے آپ کا ممنون احسان ہونا چاہیے آپ تو فزکس کا اصول جانتے ہیں کہ اگر رکاوٹ نہ ہو تو حرکت ممکن نہیں ہو سکتی۔ اگر کشش قفل نہ ہو تو پوٹے اگ نہیں سکتے۔ پاپائوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ ہوں تو وہ آگے بڑھ نہیں سکتے۔ مادان طے نہیں کر سکتے۔ ایسا تو نہیں کہ آپ خود کو اہمیت دینے کے لیے اپنے آپ کو میرے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ میں اس وقت غفلت آگئی۔ کہنے لگی 'ٹھیک تو کہتے ہیں۔ مفتی جی۔ یہ ہمارے راستے کی رکاوٹ ہی تو ہیں۔ یہ اکیلے نہیں۔ بھائی ہاں ہیں' راجہ ہے اور یہ ہیں۔ یہی ہمارے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ فن کی وجہ سے میرا جی نہیں چاہا کہ ہائیڈ جاتوں۔ شباب کی اس بات کی وجہ سے میں ساری رات سو نہ سکا۔ میرے ذہن میں وہ وہ خیال آئے۔ واٹ اے میں۔ واٹ اے میں' جو راستے کی رکاوٹوں کا ممنون احسان ہے' وہ آزمائش کو خوش نصیبی سمجھتا ہے۔

۳۹۔ بے نام اداسی
۴۰۔ بزرگ اور آزمائش
۴۱۔ انوکھے خط



پروفیسر اشفاق حسین (۱۹۵۵ء)



ولایت بگرام (میں)، صفوانہ (والدہ)، ہفت مفتی (بھائی)۔



اقبال مفتی (بھائی)۔

بے نام اداسی



غوسیا مفتقی (۱۹۶۶ء)

قدرت اللہ شباب کے جانے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے جی بجھ گئی ہو اور گھپ اندھیرا چھا گیا

-۱۱-

ایسا تو کبھی نہیں ہوا قبلہ

طبعی طور پر میری سادست کچھ ایسی تھی کہ کسی غمناک واقعہ پر مجھے ایک دم صدمہ نہیں
ہوتا۔ واقعہ کے بیت جانے کے بعد لوہی اور غم بوند بوند کرنا شروع ہو جاتے اور پھر بوند بوند
کرتے رہتے رہتے رہتے۔ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ کسی واقعہ کے بعد اندھیرا گھپ ہو گیا ہو۔
بلکہ ابھی قدرت اللہ سے میرے تعلقات کسی خاص نوعیت کے نہ تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا
کہ وہ ایک عظیم کردار کا حامل تھا۔

احترام کی دیوار

میرے دل میں اس کے لیے جذبہ احترام تھا۔ وہ میرا دوست نہیں تھا کیوں کہ ہم دونوں
لے در میان احترام کی دیوار مائل تھے۔ اس کے کردار کی تین خصوصیات نے مجھے متاثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت قلب تھی۔ بڑی سے بڑی بری سے بری بات بھی اس کے دل کو



غوسیا، قدرت اللہ شباب، تمہینہ

میلا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ لوگوں کی ایک دلی پرست خوش ہوتا تھا۔ لیکن لوگوں کی برائیوں سے بڑا بدشتوں پر آزرہ نہیں ہوتا تھا۔

بھائی جان اور قدرت اللہ میں سب سے بڑا فرق یہی تھا۔

بھائی جان اصولی آدمی تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی اصول کو انسان پر فوقیت نہ دی تھی۔

بھائی جان دوسروں کی کیوں کیوں یا بدشتوں پر آزرہ ہو چلا کرتے تھے۔ وہ حقین کے دلدادہ تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی حقین نہ کی تھی۔

قدرت اللہ کی دوسری غلطی جس نے مجھے متاثر کیا تھا اس کا چنڈ بھردری تھا۔ اس نے کبھی بھردری کا اکتدار نہیں کیا تھا۔ اس کا چنڈ بھردری نظر نہیں آتا تھا۔ صرف محسوس ہوتا تھا۔ جیسے دیکھنے والوں پر راکھ جم جاتی ہے اور انگارے نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کی گہری پانگھو محسوس ہوتا رہتا ہے۔

قدرت اللہ کی تیری خصوصیت جس نے مجھے متاثر کیا اس کا جھڑکا۔ غلطی طور پر وہ خود کو کسی شخص سے بہتر نہیں سمجھتا تھا۔ میں اسے ایک پاکیزہ شخص سمجھتا تھا۔ کیوں کہ وہ مہارت گزار تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر سانس کے ساتھ کام پڑھنے کا عالمی ہو۔

چوں کہ مجھے علم تھا کہ میں پاک نہیں ہوں۔ بلکہ جسمانی ذہنی طور پر ناپاک ہوں۔ اس لیے میں نے قدرت سے کبھی ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ میں کبھی اس کمرے میں نہیں سویا تھا جس میں قدرت سوتا تھا۔

ہم دونوں آمنے لاہور جاتے اور اشتیاق کے گھر ٹھہرتے تو باہر میرا بہتر قدرت کے کمرے میں اگادتی تھی۔

نہیں ہاں میں کتا میں اس کے کمرے میں نہیں سوئی گا۔

لیکن کیوں وہ پوچھتی۔

وہ آدمی ذات کو چھوڑ کر گناہ ہے ہلم
تو بڑا آدمی۔

نہیں ہاں میں اس کے کمرے کی پاکیزہ فضا کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔

ابتدائی ایام میں ایک دو یا تین دونوں آگے بڑھ کر ریل گاڑی دوسرے پر گئے تھے۔

قدرت اللہ نے ایک کوپے روڑا کر لیا تھا۔ اس نے میرا بہتر اوپر کی سیٹ پر لگا دیا تھا۔ میں کوپے میں سو نہ سکا تھا۔ آہستہ آہستہ میرے اندر کا اضطراب اس قدر بڑھ گیا کہ سانس لینے میں دشواری ہو گئی جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو میں دبے پاؤں چپے اترا اور پھر چپکے سے کوپے سے باہر نکل گیا۔ صرف قہر کا اس کے ڈبے کھلے تھے۔ ہمیشہ کچھ زیادہ ہی تھی۔ جیسے کچھ ڈبے کے فرش پر آڑوں بیٹنے کی جگہ مل گئی۔ نکل اور کمری کے بعد خود میں وہی یوں اطمینان سے بیٹھا قہاسیے تخت فیر مقررہ مل گئی ہو۔

دن چڑھا تو شاب کالی اے مجھے احمق بنا ہوا آ گیا۔

کہنے لگا 'پلیے صاحب بارہ ہیں۔'

شاب نے مجھ سے بالکل نہ پوچھا کہ آپ کئی پلے گئے تھے۔ کیوں پلے گئے تھے۔ لیکن لگا کر اپنی آنے والی ہے اپنا سامان درست کر لیجیے۔

کچھ دیر کے بعد میں نے ٹوہنی بات چھیڑی۔ میں نے کہا میں چلا گیا تھا۔

بولتا ہوں جب آپ گئے تھے تو میں جاگ رہا تھا۔ پلے میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرتا رہا۔ پھر آپ پلے گئے اچھا کیا پلے گئے۔

میں نے بات نہ جانے کے لیے بھوت بولا۔

میں نے کہا 'میں آئیے کنڈیٹین سے الگ ہوں۔'

ہاں 'وہ بولا' میں بھی ہوں۔

پھر آپ 'اے سی' میں کیسے سوتے ہیں۔

آپ ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور سکی ہو جاتے ہیں۔ میں خود سے لڑتا رہتا ہوں۔

خود سے لڑنا تو اچھی بات ہے۔

نہیں 'اس نے جواب دیا' ہر نہ مانا بھی تو شوکت لکس کی آگ صورت ہے۔ ہار مانتے میں دبا سکتے ہیں۔

شاب کے کردار کی ان میں خصوصیات کی وجہ سے میرے دل میں اس کا احترام تھا۔

لیکن کسی محترم کے پلے جانے کے بعد یوں گھپ اندھیرا تو نہیں ہو جاتا۔ زندگی میں ملا تو نہیں پیدا ہو جاتا۔

جھوٹی 'شم کا چور احساس۔

اگر میں چاہتا تو اس اور اسی کو دور کر سکتا تھا۔ راولپنڈی میرے دوستوں سے بھرا ہوا شہر تھا۔ مسعود تھا، عمار تھا، عرفان تھا، عظمیٰ تھا، پھر میرے پرانے دفتر کے لوگ تھے۔ مس فخری تھی جس نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔ حالانکہ اسے علم تھا کہ میرا ساتھ دینے سے وہ اپنی ملازمت خطرے میں ڈال رہی ہے۔

ان دنوں بھائی جان نے پھر سے مری میں رہائش اختیار کر لی تھی کبھی کبھار وہ پٹنڈی آ جاتے۔ ان کے آنے کی سب کو اطلاع ہو جاتی۔ ہم سب راجہ شفیق 'والی' ملک آٹھالور میں 'دربار' میں جا بیٹھے پھر وہیں ایک فیروزی قسم کی محفل لگ جاتی۔ پتہ نہیں کیوں 'دربار' کے حلقے میرے دل میں وہ جوش و خروش نہیں رہا تھا۔ بھائی جان کی عزت میرے دل میں جوں کی توں قائم تھی۔ لیکن دل میں وہ کشش نہ رہی تھی۔

ڈاؤنڈول

میں اپنے دل کی بات کسی سے نہ کہہ سکتا تھا۔ صرف راجہ شفیق ایسا فرد تھا جسے میں دل کی بات بتا سکتا تھا۔ راجہ مجھ سے پوچھتا یہ تجھے کیا ہو گیا ہے ملتی۔ نہ تو 'دربار' میں حاضری دیتا ہے۔ نہ اپنے پرانے دوستوں سے ملتا ملتا ہے۔ دوگی میں تو نہیں آیا کبھی۔ طلق کی محفل میں تو نہیں جاتا۔ بات کیا ہے۔

میں جواب دیتا 'پتہ نہیں راجہ مجھ پر اک بے باق اور اسی جھالے رہتی ہے۔

کسی لڑکی سے محبت ہو گئی ہے کیلہ ایسا ہے تو مجھ کو بتا۔ بس ایک اشارہ کر دے۔ میں اسے انکار نہیں کرتا۔ اسے لے آؤں تو میرا نام راجہ نہیں۔

نہیں راجہ محبت نہیں دینے ہی لو اسی ہے۔

وہ تو ہے جب پڑتی ہے تو سارے گھرانے پر پڑتی ہے۔ آج کل سب ڈاؤنڈول ہو رہے ہیں۔ بھائی جان کا 'دربار' رکا ہوا ہے۔ سائیں کی تیار پڑے ہیں۔ تسماری یہ حالت ہے۔ والی بھی گھربند ہوا بیٹھا ہے اور میں گواہی گلی کی طرح اکیلے مارا مارا پھرتا رہتا ہوں۔ دراصل راجہ یہ بات نہیں سمجھا تھا کہ میں 'دربار' سے کٹ گیا ہوں۔

یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔

بے شک وہ محترم تھا، محسن تھا، اس کے ہونے سے مجھے بڑے دنیاوی فائدے حاصل تھے۔ ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ زندگی ایک غلام میں بدل جائے۔ دلچسپیاں بے معنی نظر آتے لگیں۔ دوست بیگانے محسوس ہونے لگیں۔

کراہتا جیٹی

انہی دنوں۔ ایک نیا نیا ٹیپ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اس میں طفیل کے گائے پھرے ہوئے تھے 'یہ گائے ستودھ میں ریکارڈ نہیں کیے گئے تھے۔ ریکارڈنگ کچی تھی۔ لیکن نمائشی اجہام سے پاک تھی۔

جب وہ 'بول ملی ٹیپا بڈیا' سچ کر کہتا تو ایسے لگتا جیسے کوئی جیٹی کرا رہا ہے۔ دکھ سے بے مال ہو کر چیخ رہا ہے۔

اگرچہ گیت کا کمزور خاصہ ہے معنی تھا۔

بول ملی دیا بڈیا دے۔

تیرے دکھوں نے مار مکھا دے۔

میرا سوال ملتی۔

ان دنوں طفیل کے انداز اور آواز میں واقعی جیٹی صفر قلعہ م راشد کے جیٹی میرید جس کے صدیوں جبرسا ہو۔

سارا سارا دن میں ٹیپ لگائے رکھتے یوں پڑا سنتا رہتا جیسے مگر کچھ سمندر کے کنارے دھوپ میں ریت پر پڑے رہتے ہیں۔

مجھ پر ایک عجیب قسم کی لڑائی چھائی ہوئی تھی۔ گہری گاڑھی لڑائی اور اس لڑائی کو دور کرنے کی خواہش نہ تھی۔ انسانی چاہتا تھا اور گاڑھی ہو جائے۔

ایسی کیفیت مجھ پر زندگی میں کبھی طاری نہ ہوئی تھی۔ بھٹوں میں جدائی کے کئی بار موقع آئے تھے ایسے موقعوں پر بے چینی ہی محسوس ہوا کرتی تھی۔ بے چینی کے طوفان میں ایک سکون کا حلقہ ہوتا تھا چلو اچھا ہوا قسم کا احساس۔ جھلا ہوا میری جھمبھری ٹوٹی۔ میں تو پانی بھرن سے

سرے سے الیت ہی نہ تھی۔

میرے گھروالے بھی میری اس کیفیت پر مت پریشان تھے۔

میری بیوی میری اس کیفیت پر غاراض تھی۔

میری بیوی ایکن آپار کی شیشی ہے۔ ایکن آپار کے شیخ نو مسلم ہیں۔ اپنی گذشتہ مت پرستی پر

وہ مت شرمندہ ہیں۔ اس سینس آف گھٹ کی وجہ سے جو ان کے اندر دیکھا بیٹھا ہے۔

وہ کسی بندے کو کوئی روحانی مرچہ دینے کو کفر سمجھتے ہیں۔

وہ کسی بندے کو کوئی روحانی مرچہ دینے کو کفر سمجھتے ہیں۔

ڈیجیٹل ہو گیا ہوں۔ اور قدرت اللہ پر مرکوز ہو چکا ہوں۔ راجہ نے قدرت اللہ کی
خصیت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ یہ اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ قدرت اللہ میرا مرکز بن چکا
ہے۔

میں خود اس بات پر شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

بھائی جان کے مجھ پر بڑے احسان تھے۔ انہوں نے مجھ میں بیداری پیدا کی تھی۔ مجھے

خوافات سے نکال کر پاکیزہ فضا میں لے آئے تھے۔ مجھ پر رقت طاری کر کے میری برائتوں کی کو

دفع ہیں۔ آپ نے وہ مخلوق بنا ہو گا کہ وہ میرے از گولڈ دیے از قیمت۔

کیا وہ واقعی میں گولڈ ہیں۔

ہاں وہ بولے، مجھے اس بات کا علم ہے۔

مجھے تو ایسے گمنا ہے جیسے وہ جیل ہوں۔

بالکل وہ بولے گولڈ ہوتا ہے وہ گولڈ دکھائیں۔ جو دکھتا ہے وہ گولڈ نہیں ہوگا۔

غفور صاحب کی باتیں سن کر مجھے حیران ہو جاتا ہے کہ

لیکن اس کے برعکس دراصل ہوا۔ مجھے فہم آئے لگا۔ خود پر فہم۔ یہ میں کیا کر رہا ہوں۔

یہ کس طرف چل رہا ہوں۔ ہانا مجھے دو مانیات سے کیا لیتا رہا ہے۔ اگر دنیا کے ساتھ ساتھ اللہ

کا ایک نظام چل رہا ہے۔ تو ہم اللہ پڑا چلے۔ مجھے اس سے کیا لیتا رہا ہے۔ آئی ڈونٹ بلانگ

لوت اور میں جاننے کی دھن میں کیوں لگا ہوں۔

دن میں بیسیوں باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ نہیں سمجھ سکتے۔ دو عالم نظام بھی

ان میں سے ایک ہے میں خواہ کلو کلا کر لڑا کہ ہو مڑنا بیٹھا ہوں۔ اپنی زندگی حرام کر رکھی ہے۔

ہانا قدرت اللہ چاہے اللہ میں کا بچا ہے یا انسان وہ جو بھی ہے پڑا ہو۔ مجھے کیا لیتا رہا ہے۔

خود فریبی

وہ دن میں ذہن میں ڈال کر یہی خیال سوچتا رہا۔

تیسرے دن میں مکر سے ڈاکٹر لیا۔ دوگی میں جا بیٹھا۔ ریڈیو شیشن پہنچا۔ مسعود عمر عہد

سے کہیں مارتا رہا۔ مس فخری سے شرارتیں کرتا رہا۔

شام کو جب میں واپس گھر پہنچا تو میں نے محسوس کیا کہ خوش وقتی کی یہ ساری انکسار ساز

ملف ابھڑا تھی۔ آمد نہیں بلکہ آورد تھی۔ خود فریبی تھی۔ اپنے دوستوں میں میں وہ نہ تھا جو

ہوا کرتا تھا۔

پھر وہ ایک دن میں دربار میں جا کر بیٹھا رہا۔ سائیں اللہ بخش سے باتیں کرتا رہا جیسے پہلے کیا

کرتا تھا لیکن ان باتوں میں وہ گمن نہ تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ مزار مجھے اوپر الٹا لگا رہا تھا۔

دل ہی دل میں میں دعا میں مانگ رہا تھا کہ کیسے ملک راجہ آگیا یا والی نہ آجائے۔ کیس

نہیں وہ مسکرائے۔ آپ کو نہیں پتا کیا۔ کہ انہوں نے کوشش کر کے

میں چارہ کیوں کر لیا تھا۔

نہیں مجھے نہیں پتا۔

وہ مسکرائے بولے اس لیے کہ وہاں کی سرکاری کلم نہیں ہے۔

آپ تو کہتے ہیں انہیں خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔

منفی صاحب وہاں وہ اپنا کام کرنے کے لیے گئے ہیں انہوں نے تزکیہ کا بہت بڑا پلان بنایا

ہوا ہے۔ مثلاً وہ یہاں احتکاف اور دیگر دکانیں نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں چپ رہنا ممکن نہ تھا۔

مراٹے نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ہے کہ پانڈ میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی لائبریری

ہے۔ جس میں کئی نئے بیسے بہتات میں ہیں۔

یہ بتائیے کہ آپ کے اندازے کے مطابق وہ کب واپس آئیں گے۔

پانچ سال لگیں گے۔ غفور نے جواب دیا ایک پانڈ میں وہ مصر میں پھر شاید وہ جدے

میں۔ منفی صاحب آپ ان کے جانے پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ انہیں چاہی تھا کہ ان کا جانا ملک

کے مفاد میں ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ باہر چلے جائیں۔ کچھ دیر کے لیے

لیکن وہ بل مول کر رہے۔ بل مول ان کی عادت میں داخل ہے مگر اس وقت چلے

جاتے تو بہتر ہو کہ خیر اب بھی ٹھیک ہے۔

میں نے پوچھا غفور صاحب ایک بات بتائیے۔ مجھے بتائیں گے؟

بولے ہاں جیسے۔

گولڈ اینڈ قیمت

میں نے کہا یہ بتائیے کہ قدرت اللہ شباب کون ہے۔

اس پر غفور مسکرا دیے۔ کہنے لگے یہ بات میرے علم سے باہر ہے۔ مجھے صرف یہ پتا ہے

کہ وہ اچھے آدمی ہیں لوہہ ان کا یہاں ملک میں رہنا ملک کے لیے باعث برکت ہے۔

لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ ان کا ملک سے باہر جانا ضروری تھا۔

وہ بھی درست ہے۔ غفور نے کہا۔ آپ کو پتا ہے کہ اچھے لوگوں کے راستے میں رکاوٹیں

خائف نہ ہوتا ہے۔

انہیں ہر نہ لگ جائے کہ مجھ میں وہ جوش عقیدت نہیں رہا تھا کہ وہاں میں کسی تھا۔ بلکہ میرا
ہمت تھا۔

اس دن کے بعد آقا عظیم نے بھی جہان بن کر محفل میں حاضری دی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی خوش لباسی بھی نہ چھوڑی۔ وہ باقاعدہ سوٹ پہن کر ٹاپ و ٹرائز جاکے ساتھ ایک چھیلے میں پیاجامہ لے جاتے۔ سائیں اللہ بخش کے ڈیرے کی ذبح گھر میں جہان اور ثانی آباد کر کے چھیلے میں لے کر لیتا اور پیاجامہ پہن لیتا۔ آقا عظیم، سائیں اللہ بخش کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کے احکامات کی پابندی کرتا تھا لیکن محفل میں زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا۔

آغا ضیف کے بھائی بھی کبھی کبھی سائیں جی کے ڈیرے پر حاضری دیتے تھے۔ ان کے
ہاں میں سائیں جی کا بڑا احترام تھا۔

آٹا کا سارا خاندان ہی مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اعلیٰ درجوں کے باوجود بڑے انکسار سے دیار میں حاضری دیتے تھے اور دربار میں حاضری دینے والوں سے پروراز سلوک کرتے تھے۔ تہ صنف تھا تو محکمہ ٹریڈ انکوائری میں ملازم، لیکن اسے کھینے پانے سے بہت دلچسپی تھی۔

تقسیم سے پہلے برصغیر کی ایک لڑی سوسائٹی تھی جس کا نام (pen) تھا۔
آغا حلف اس معروف لڑی تحقیر کا علاقائی سیکریٹری تھا۔ باقاعدہ جیلے کا تھا۔ اس کے ایک
لڑی شاید بڑے پائے کے شاعر تھے۔ جن کے کلام کے رنگ میں علامہ اقبال کے کلام کی جھلک
تھی۔

آنا حریف نے ملزئی کا ٹھکانہ اچھا نہ دے رکھا تھا۔ افسری کا یہ اچھا نہ ہونے سے
 لوگوں نے پاس کر رکھا تھا اور وہ سال یا سال سے اس امید پر بیٹھا کہ کب اس کی باری آئے اور
 افسری حیثیت سے اس کی تعیناتی ہو۔

افسری

آغا حریف کو اصرار بنے کا بہت شوق تھا۔

سائیں اللہ بخش نے آقا سے وعدہ کر رکھا تھا کہ ہم تمہیں افسر بنائیں گے۔ ضرور بنائیں

درواں مار لیا وے
میرا دل ڈر رہا ہے

آنا حنیف

پھر آنا حنیف کی بات چل نکلی۔

میرے نزدیک آغا حریف کی شخصیت ایک معجزہ تھی۔ ایک جانب تو آغا حریف دور جدید کا نمائندہ تھا۔ خوش لباس تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے زرانی کلپزی رنگن سے نکل کر آیا ہو۔ باقاعدگی سے قیمتی سوٹ پہنتا۔ چٹون کی کرپڑ کی دھاریوں نمایاں رہتی جیسے گوار ہو، ہر کپڑا کو طلب نکلتا۔ دوسری جانب وہ سائنس اللہ بخش کے تجربے میں ۳۵ سال سے روز بانڈ ماضی رہا تھا۔ دفتر سے سدا حاکم کے ذریعے پر پہنچا دیر تک سائنس اللہ بخش کی عقل میں بیٹھا رہتا۔

ایک روز سائیں اٹھ بھٹنے لگیں کہ یہ کیا کہ آپ سارنگی کے خلاف جیسا اب اس پہن کر محفل میں آ جاتے ہیں۔

سائیں صاحب نے یہ جملہ باتوں اور اہم مذاق کہا ہو گا یا اس لیے کہ چلوں پس کر فرش پر بیٹھنا

© Copyright 2000

بنا کر سائیں اللہ بخش نہیں چاہتے تھے کہ آنا کو اقتدار حاصل ہو۔

قدرت اللہ شباب کے کردار کا بنیادی عنصر بن کر قلم وہ کسی شخص کو خود سے کٹر نہیں سمجھتا تھا۔ بزرگوں کے ساتھ اس کا رویہ قطعی طور پر مختلف ہوتا تھا۔ عام آدمیوں سے وہ جنگ کر لیتا تھا لیکن بزرگوں سے بات کرتے ہوئے وہ تن کر کھڑا ہو جاتا۔

شریف سے مجھے ایک بزرگ کا خط موصول ہوا "لکھا تھا" ہم یہاں شباب صاحب کے سامنے کر رہے ہیں۔

اباحہ کر میرے دل میں شکر گزارا کی کا جذبہ پیدا ہوا شباب کو خط دکھایا تو وہ بڑی بے نیازی سے "اے سائیں کرنے کے لیے ان کی ذہنی تھی ہوئی ہو گی۔"

قدرت کا جواب سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

دن میں نے قدرت اللہ سے پوچھا کہ آج کل بزرگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟

اباحہ آج کل بزرگ تو ہیں، لیکن عینکس افرقہ کے ہیں۔

اباحہ دن جنت کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ اس روز قدرت اللہ چنگکن کے عالم میں تھے۔

جنت میں وہ عجیب و غریب قسم کی باتیں کر دیا کرتے تھے، ایسی باتیں جو وہ عام حالت میں کر دینا کبھی کرتے تھے۔

اباحہ نے "ایک صاحب تھے جو ریاضی میں ایم اے کر چکے تھے انہیں روحانیت کا شوق پڑا۔ بات کرنے لگے، پھر تڑکے قلم کیلک وہ روزانہ داتا صاحب کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اس صبح پر پہنچ گئے کہ داتا صاحب کے دروہہ پنڈے کی حاضری کی صورت پیدا ہو گئی۔

اباحہ وہ داتا صاحب کے دروہہ بیٹھے تھے۔ داتا صاحب نے کوئی بات کی تو وہ بولے، "میں بات تو ریاضی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ داتا صاحب نے فیسے سے ان کی جانب دیکھا۔

بات پھر دوہرائی۔ ان صاحب نے اپنا اعتراض پھر دہرایا۔ اس پر داتا صاحب نے ان کے پاس دیا۔ اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ ان کی پائیں آنکھ پھوٹ کر بہہ گئی۔

اباحہ کیوں میں نے پوچھا۔

مشکل یہ تھی کہ آنا ضیف کسی بات میں بھائی جان سے مشورہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بھائی جان کو نہیں مانتا تھا "چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ مرتبے میں کسی صورت وہ بھائی جان سے کم نہ تھا چونکہ اس کا سائیں اللہ بخش سے براہ راست تعلق تھا۔ اور یہ تعلق بہت قدیم تھا۔ وہ انہیں طعن دیا کہ اگر آپ تو احکامات مری سے لیتے ہیں۔ (مری میں بھائی جان مقیم تھے) ہم تو براہ راست سرکار قبلہ کے حکم کے پابند ہیں۔

دورنی

میں سوچ میں پڑ جاؤں ایسا کیوں ہے کہ ایک ہی بزرگ کے دو ہانکے۔ ایک دوسرے سے خفا کھاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے سبقت لے کر ہٹا کر کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ بھلا ہر ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ بڑے اخلاق سے ہیں، لیکن درپہ درپہ دل میں ہی جذبہ موجود رہتا ہے کہ دوسرے کو تھپا دکھائیں۔ رقابت اور کمپیٹیشن کا جذبہ چھپائے رکھتے ہیں۔

پیر و مرشد کو اس دورنی کیفیت کا علم ہوتا ہے، مگر وہ التزاماً دخل انداز نہیں ہوتے۔

قدرت اللہ شباب سے ملنے کے بعد اس کے توسط سے مجھے اس بات کا اور آگ بھلا ہوا۔ عام طور سے بزرگ ایک دوسرے سے پر خفا رکھتے ہیں۔ اور اس پر خفا کا عملی طور پر اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

مجھے اس بات کا بھی شعور ہو چکا تھا کہ ہر بزرگ کو اپنے مرتبے پر مان ہوتا ہے کہ ہر بزرگ میں ایک ایسی ہی "میں" ہوتی ہے جیسے عام آدمیوں میں ہوتی ہے۔ انہیں اپنے شیش کا آئینہ ہوتا ہے۔

بزرگوں کے درمیان اختلافات ہوتے ہیں۔ کوئلہ دار ہوتی ہے، ڈبلی ڈبلی جھپی لڑائی۔

میں انہیں جتنیں بھی ہوتی ہیں۔ جو کبھی کبھی ہلاکت تک پہنچ جاتی ہیں۔

میرے لیے یہ عجیب و غریب بات تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگی "میں" کی نفی کیے بغیر ما

میں ہو سکتی۔

میرے دن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے تھے۔ یہ بڑھا بڑا ڈاڈا ہے۔ کسی کو مزار پر بیٹھے نہیں

جب بھائی جان مری سے آئے تو میرے نے آغا صاحب کی اس مجددانہ کیفیت کی رپورٹ

بھائی جان یہ سن کر چپ ہو گئے۔

راجہ شفیع نے کہا: آغا صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

میرا بولا: جناب اس روز آغا صاحب اپنے آپ میں نہیں تھے۔

دانی نے کہا: یہ صاحب مزار کی تدبیریں ہوئی۔

بھائی جان بولے: شاید آغا صاحب کو کچھ ملنے والا ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولے۔

شروع ملنا چاہیے۔ انہوں نے تیس سال سرکار قبلہ کی خدمت کی ہے اور فقیر کی خدمت

تک لائے بغیر نہیں رہتی۔

راجہ کہنے لگا: یہ تو مجددانہ رنگ ہے۔ ظاہر ہے کہ فقیر نے جو دیا ہے آغا صاحب میں اسے

سنانے کا عرف نہیں ہے۔

بھائی جان بولے: جو دیتا ہے وہ ساتھ عرف بھی دے گا۔

دانی نے کہا: آپ آغا سے بات تو کریں۔

نہیں بھائی جان نے کہا: یہ آغا اور سرکار قبلہ کا معاملہ ہے۔ ہم اس میں دخل دینے والے

نہیں ہیں۔

ای روز آغا صاحب کے دونوں بھائی مزار پر آ گئے۔ وہ بھائی جان کی خدمت میں وفد کی

صورت میں آئے تھے انہوں نے آکر بتایا کہ آغا دوش و حواس کو بیٹھے ہیں۔ کھر میں با آواز بلند

قرآن کلاں دیتے ہیں: نازبا کرکتیں کرتے ہیں۔ جناب ہم ایک شریف خاندان کے فرد ہیں۔ آغا

کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعث دعا بنی ہے۔ ازراہ کرم ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں۔

بھائی جان بولے: ہمیں ایسا لگتا ہے، جیسے آغا صاحب کو مرتبہ ملنے والا ہے۔

نہیں جناب! انہوں نے جواب دیا: ہمیں ایسا مرتبہ نہیں چاہیے جو باعث بدنامی ہو اور

دعائے کوفت کا باعث ہو۔

قدرت ہوئے! بزرگ جنت برداشت میں کرتے، جنت کرنا پر دو ٹوک کے خلاف ہے۔

یہ سن کر میرے ذہن کا لیور اڑ گیا۔ دانا اور کسی کو تحیڑ ماریں۔ وہ دانا جو صرف دنا با

تھے۔ جو اب بھی وصل کے بعد ساتوں کو دوسے رہے ہیں، دیے جا رہے ہیں۔ وقت کے

ساتوں کا جہوم پڑھتا جا رہا ہے۔ یہ تو خیر جملہ محترمہ تھا۔ بات آغا صاحب کی ہو رہی تھی۔

مجددیت

آغا عتیف میں دلی ہوئی شدت تھی جس کا اظہار بھی کبھار ہوتا تھا۔ ایک روز آغا صاحب

آئے، آتے ہی انہوں نے خلاف معمول با آواز بلند سائیں اللہ علی کو لگا کر شروع کر دیا۔

گلیاں دینی شروع کر دیں۔ آغا کی آنکھیں انگوروں کی طرح سرخ تھیں۔ چوہ سو جا ہوا تھا۔

بکھرے ہوئے تھے۔

پھر وہ تھوڑے اتر آئے۔ مزار کی چوکھٹ کو آگاہی کے نشانی کی۔ مزار پر چڑھا گیا۔

قبلہ کو مخاطب کر کے نازبا باتیں کیں۔ مزار کے قریب رہنے والے لوگ گھروں سے باہر

آئے۔ وہ حیرت سے آغا کی طرف دیکھ رہے تھے، لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ

صاحب سے کچھ کہے۔

میری را

میری را مزار کا ظہور تھا۔ میرے کا مکان مزار کے پہلو میں تھا۔ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی کوٹھی

اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتا تھا۔ اور مزار کی خدمت کیا کرتا تھا۔ چھارو دینا صفائی کا

رکنا۔ میرے کی حیثیت ایک چوکدار خادم کی تھی۔ میرا مزار کا متولی نہیں تھا۔ سائیں اللہ

کا حکم تھا کہ مزار پر کوئی شخص متولی بن کر نہ بیٹھے۔ مزار پر چھت حیرت نہ کی جائے۔ مزار کی

دعاری کو لونچانہ کیا جائے۔

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ سرکار نہیں چاہتے کہ ان کی قبر کو مقبوریتا دیا جائے اور

متولی آئیں۔

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ایک افراد نے مزار پر بیٹھے کی کوشش کی تھی،

اس خود کریں گے۔ مجھے مداحات کرنے کا کوئی حق نہیں۔

جب شب پائین روانہ ہونے لگا تو میں نے پھر آٹا کی مرضی یاد دلائی۔

کہنے لگا: میں نے وہ مرضی اٹلاف کو ہر کو سے دی ہے وہ اس پر ایکشن لیں گے۔

یہ بات جہان کن تھی چونکہ شب ہر سال کے اعداد بخوردی کیا کرتا تھا اور حتی الوسع کوشش کرتا کہ اس کی مدد کرے، کیا مرد قلندر نے اسے منع کر دیا تھا کہ آٹا کی مرضی پر ایکشن نہ لے۔

تعمیناتی

یہ بات میرے لیے جہان کن تھی۔ اٹلاف گوہر بنیادی طور پر فحش کے افسر تھے۔ انہیں روز اور رات جیوش کا علم تھا، پھر انہوں نے یہ غلطی کیوں کی کہ آٹا کی جو فطری افکوش میں ایک ریگولر پوسٹ پر فائز تھے ایک کانٹر سیکچول پوسٹ دے دی۔

آٹا مجھ سے ملے کہنے لگے، 'مفتی صاحب زبان بند رکھئے'۔ اس بے ضابطگی کی طرف توجہ نہ دلائے۔ گھر سرکار قبلہ کا وارنٹ چل گیا ہے۔ مجھے یقیناً افسری ملے گی۔ مرد قلندر کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا آٹا صاحب میں تو زبان بند رکھوں گا، لیکن اگر اسے لوٹنے بے ضابطگی کی نشاندہی کر دی تو۔

اسے لو آپ کا دوست ہے وہ بولے۔ آپ اسے بات سمجھا دیں۔

صغیر ہمارے اسے لوٹے میں صغیر صاحب سے ملا۔ صغیر صاحب سے میرے بڑے اچھے

مراسم تھے۔ اور وہ بھلا، بعد روانہ ہوئے رکھتا تھا۔

صغیر کو بات بتائی تو وہ بولا، 'میں یہ نہیں ہو سکتا۔ اٹلاف گوہر ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔ میں

نہیں مانتا۔ آپ انہیں یاد نہ میں، لیکن جب کلمات آپ تک پہنچیں تو غلطی کی نشاندہی نہ کرنا۔

تقریباً ایک سال آٹا اس کانٹر سیکچول آٹا کی کام کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کے

بہرہت مجھے فطری افکوش سے ایک خط موصول ہوا۔ لکھا تھا آپ نے ہمارا آدمی بنام آٹا شریف

مستعار لے رکھا ہے۔ مرہٹی سے اس کے متعلق حتی فیصلہ کریں یا تو اسے اپنے حکم میں

بٹائی جانے کا دیکھیے یہ معاملہ دینے والے اور لینے والے کے درمیان ہے۔ دینے والا جانے اور لینے والا بھاری کوئی حیثیت نہیں کہ اس بات میں دخل دیں۔ آپ سرکار قبلہ کی خدمت میں اپنا درخواست پیش کریں اور دعا کریں کہ آٹا شریف کو عرف عطا کیا جائے کہ وہ سرکار قبلہ کی دین کے متحمل ہو جائیں۔

درخواست

آٹا شریف نے ہمیں بتائے بغیر ایک درخواست صدر ایوب کی خدمت میں بھیجی تھی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں فطری افکوش میں لازم ہوں۔ افسری کا ٹھکانہ استحقاق پاس کر چکا ہوں۔ تقرری کا انتظار ہے۔ عالی چاہ میں اپنی ذوق رکھتا ہوں اور ایک انٹر نیشنل ایبل سوسائٹی کا ممبر بنی رہا ہوں۔ ایوبوں اور صحافیوں سے میرا رابطہ ہے، میں اس بات کا خواہش ہوں کہ مجھے وزارت افریقہ میں کوئی سیٹ عطا کی جائے۔ صدر ایوب نے یہ مرضی قدرت اللہ شب کو بھیج دی۔ لکھا، 'اگر اصولی طور پر ممکن ہو تو آٹا شریف کو وزارت اطلاعات میں کوئی پوسٹ دے دی جائے۔ جب یہ درخواست شب کے پاس پہنچی تو وہ دست نیران ہوئے کہنے لگے، 'آٹا صاحب نے یہ بات مجھ سے کیوں نہ کی۔ وہ درخواست چند ایک ماہ ویسے ہی چڑی رہی۔

میں نے چار ایک بار شب کو یاد دلایا کہ آٹا کی مرضی پر آپ نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

برابر وہ جواب دیتا کہ ہاں۔ بڑا اچھا کیا کہ آپ نے مجھے یاد دلایا۔

جب بھی میں آٹا کی مرضی کی بات کرتا تو شب یکی جملہ دہرات، لیکن عملی طور پر کچھ بھی نہ کرتا۔

ایک روز تنگ آکر میں نے شب سے کہہ دیا کہ آپ بھی آٹا کے لئے سرکار قبلہ کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں۔

اس نے پچھا، 'سائیں اللہ بخش صاحب کی کیا پالیسی تھی۔

میں نے اسے ساری بات بتائی کہ جب بھی آٹا صاحب کے افسر بننے کے امکانات پیدا ہوتے تھے، سرکار قبلہ انہیں رخصت کر دیتے تھے۔ آپ بھی ایسی کر رہے ہیں۔

یہ سن کر شب چپ ہو گیا۔ میں نے ضد کی تو بولا۔ ہاں آٹا صاحب کی تعیناتی سائیں اللہ

آجائے اندر سے سمجھیں آواز آئی۔

اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ چھ سات مسائل بیٹھے ہیں۔ درمیان میں ہلکا بیٹھا ہے۔ کمرے کی دیواروں پر جا بجا قرآنی آیات کے پوسٹرز لگے ہوئے ہیں۔ ایک دیو بیکل صبح ایک طرف ڈھیر لی ہوئی ہے۔

مسائل ہادی ہادی ہلکا سے اپنے مسائل کے حلقے پر چبھتے۔ ہلکا بڑے غور سے ہر مسئلہ کی بات سنتا اور پھر گردن اٹکا کر سرخی سوچ میں پڑ جاتا۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ سر اٹھاتا اور مسائل کو جواب دے دیتا۔

صغیر کو کچھ کراہی طرف متوجہ ہو گیا۔ بولا آپ ثبوت سے ہیں صغیر صاحب۔

بی قاضی صاحب 'اللہ کا شکر ہے۔

کیسے آتا ہوا' قاضی نے پوچھا۔

آپ نے قرآن کا قیاس کر مشکل کو آنا اس لیے میں حاضر ہو گیا ہوں۔

ہلکا مسکرایا بولا 'صغیر صاحب آج تو سوسوار ہے۔

لوہو صغیر بولا 'میں کبھی مشکل ہے۔

کل آئیے ٹانپا لے کر 'پھر صغیر طرف متوجہ ہوئے بولے۔

قرآن کے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

صغیر بولا 'یہ میرے عزیز دوست ہیں۔

ہاں تو فرمائیے 'ہلکا نے مجھے متوجہ کیا۔

مجھے تو بتاؤ کچھ نہیں پوچھنا' میں نے جواب دیا میں تو صرف سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں 'میں نے کہا۔

خوب خوب بڑی کرم نوازی ہے آپ کی 'ہلکا نے کہا۔

صغیر بولا 'حضور ان کے ایک دوست ہیں۔ ان کی تعیناتی ملک سے باہر ہو گئی ہے۔ یہ جانتا

چاہتے ہیں کہ وہ کب واپس آئیں گے۔

ان کا اسم گرامی ہلکا نے پوچھا۔

بتاؤ ان کا نام ہے قدرت اللہ 'صغیر نے جواب دیا۔

پرمانش پوسٹ دے دیں بصورت دیگر اسے واپس بھیج دیں۔

اس خط کو پڑھ کر الخلف گوہر کو احساس ہوا کہ غلطی ہو گئی ہے۔ الخلف گوہر حیران تھے کہ یہ غلطی کیسے ہوئی۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ الخلف گوہر کو کیا پتا تھا کہ یہ ایک مرحوم قلندر کی شرارت تھی۔ الخلف گوہر اس بات کو کیسے سمجھتے وہ تو ایک سکھ بندہ دانشور تھے۔ صرف عقل کو مانتے تھے۔ ان کے ذہن میں قابلیوں اور ملائحتوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

قدرت اللہ شباب الخلف گوہر کی ملائحتوں کے معترف تھے۔ کہتے تھے 'اس شخص کو اللہ نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں' مگر سول سروس میں کامیابی حاصل نہیں ہو گی۔

میں نے پوچھا 'کامیابی کیوں نہ ہو گی۔

بولے 'سول سروس میں بیچے جیسے چلے واپس کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ آگے چلے واپس کو نہیں۔ سول سروس میں میڈیا کر بیٹھتے پھرتے ہیں۔

بہر حال۔ آٹا کی تعیناتی میں غلطی کو دور کرنا لازم ہو گیا۔

اور الخلف گوہر نے جوں توں کر کے آٹا کے لیے انٹرویویشن انٹری آزمائی نکالی اور آٹا کو انٹری مل گئی۔

یہ خبر آٹا کو ملی تو وہ جاہل میں آگئے 'بولے شباب نے تو کچھ نہ کیا تھا اور اسی لیے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ آخر کار قلم خود میدان میں آگئے۔ ان کی بات کو کون جال سکتا ہے۔

بھائی جان بولے 'یہ پڑھا پڑا ڈنڈا ہے۔

اس پر صغیر بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگا 'مفتی سی' یہ کون بزرگ ہے۔ جس نے یہورو کے تمام انٹرویو کو اٹھا کر دیا۔

میں نے کہا تم معاصر دنیا چاہتے ہو کیا۔

شیر اور بکری

UrduPhoto.com

بولا ہاں 'پھر کہنے لگا۔ میرا بھی ایک ہلکا ہے۔ میں بھی آپ کو لے چلوں گا اس کے پاس۔

صغیر مجھے سببیت جانوں کے ایک مکان میں لے گیا۔

اس نے دروازہ کھولا۔

UrduPhoto.com

تقاضی بلایا سرخاک کر دیتے تھے۔

پھر دھتارے پیالے سرافٹیا دیے، یہ تو آپ نے اچھا نہیں کیا۔

صغیر صاحب۔ یہ تو آپ نے زیادتی کر دی۔

لیلیٰ کی اس بات پر ہم حیران ہوئے۔

بلایا نے، میں تو ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ آپ نے بکری کو شیر کے روپرو بخا دیا۔ نہ صغیر

صاحب کھل کھری کھل شیر۔

بزرگ اور آزمائش

بزرگ

دراصل فن دونوں میں بزرگ کے مقبوم کو نہیں سمجھتا تھا۔

ان دونوں میں سمجھتا تھا کہ بزرگ بڑے طاقت ور لوگ ہیں۔ مستقبل میں جھانک سکتے ہیں۔ لوگوں کے رخ بدل سکتے ہیں تقدیریں بدل سکتے ہیں۔ کراثت دکھا سکتے ہیں اور یہ طاقتیں انہیں مجاہد اور مہارت کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں پھر بزرگوں سے رابطہ کے بعد آہستہ آہستہ جھ پر انکشاف ہوا کہ بزرگوں کے متعلق میرا نظریہ بالکل غلط تھا۔

بزرگ تو بڑے عاجز اور بے بس ہوتے ہیں۔ عام انسان کی طرح آزادی نہیں ہوتے بلکہ انکثات کے پابند ہوتے ہیں۔ اتنی پابندی کہ ان کا بالی پل بندھا ہوتا ہے۔ اتفاق کی پابندی، خدمت خلق کی پابندی، شریعت کی پابندی، پرائیویسی کی پابندی، ایک کڑے ڈسپلن کی پابندی اور سب سے بڑھ کر کلام کی پابندی۔ کلام کے چٹا میں فن کی اپنی مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔

داتا صاحب کی کتاب پڑھ کر مجھے پتہ چلا کہ دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایئر گروپ ایک روحانی نظام چل رہا ہے جس کی ایک کڑا نظم و ضبط رائج ہے۔ جس کی جواب دہلیبیاں نہیں ہوتیں،

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پہرچھے ہے بھی پتہ چلا کہ بے شک بزرگوں کو کچھ طاقت حاصل ہوتی ہیں، لیکن ان کو استعمال کرنے پر اتنی پابندیاں ہوتی ہیں کہ جنگلی کی بے شکوت سلق آتی ہے کہ ”وہن پر بھلی چٹری سہلے ڈوہ رکھ کے سوئی۔“ مطلب ہے کہ اس چودھریاں کا بیڑا لگ رہا ہے جس کے سہلے دودھ رکھا ہو اور وہ اسے بے بغیر سو جائے۔

ایسے ہی بزرگوں کا حال ہے دودھ کی گڑی سہلے رکھی ہے، لیکن پینے کی ممانعت ہے۔ کہتے ہیں حضرت علیؓ جنگ میں تھوڑی دلی کر رہے تھے۔ ایک دشمن کو گرا دیا۔ اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھنے میں تھوڑا بھونکنے والے تھے کہ دشمن نے ان کے چہرے مبارک پر ٹھوک دیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ دشمن کو قتل کے بغیر اٹھ بیٹھے اور اسے چھوڑ دیا، کسی نے پوچھا یہ کیا کیا آپ نے فرمایا، اس نے میرے منہ پر ٹھوک دیا تھا، اس کے بعد اسے قتل کرنا تو اس میں ذات کا فائدہ شامل ہوتا اور انتقام کا فائدہ بھی آ جاتا، جنگ میں تو صرف اللہ کے ہم پر قتل کرنے کی اجازت ہے۔

میں نے جانا بزرگ پر لازم ہے کہ وہ لاگ لگھ کرے پاک ہو۔ بندہ بشر ہوتا ہوئے لگھ کرے پاک رہتا ہے عد مشکل ہے۔ میں نے جانا کہ بزرگ کسی کے دوست میں ہوتے کسی کے دشمن نہیں ہوتے۔ کسی کے عزیز نہیں ہوتے۔ کسی کو عزیز میں رکھتے۔ اگر ان میں حکم ہو جائے کہ بیٹے کو قتل کر دو تو وہ بڑے اطمینان سے بیٹے کو اٹھ لگا کر قتل گھ کی طرف چل پڑتے ہیں۔

جوں جوں میں بزرگ کے منہم کو کھتا گیا توں میرے دل میں بزرگوں کے لیے احرام اور ہر دلی کے جذبات پیدا ہوتے گئے۔ احرام اس لیے کہ وہ اللہ والے ہیں اور ان میں اللہ دل کر رہا ہے، اعتبار ہے عقل سے برداشت کرنے کی طاقت ہے کہ وہ ذات کی نفی کرنے کی ہمت رکھتے ہیں اور ہر دلی اس لیے کہ وہ اتنے مجبور ہیں پابندوں میں بیکڑے ہوئے ہیں اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ تو ہم جس بزرگ بتا دیا تو میں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا، نہ حضور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالے، میں اس کا تحمل نہیں ہو سکتا مجھ پر یہ ظلم نہ کیجیے۔

اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا بلکہ نام لٹا دیا جاتا ہے۔ سب با سب کا ہاتھ ایک چھوٹی سی لغزش کی وجہ سے مٹی میں مل جاتا ہے۔

بزرگ لوگوں پر مسلسل خوف طاری رہتا ہے، اللہ کا خوف کہ چلے یا ان چلے میں حکم عدولی نہ ہو جائے۔ کہیں وہ لاگ لگھ کرے پھیر میں نہ آجائیں۔ کہیں نفس شیون نہ مارے دے۔

ابتدائی ایام میں جب مجھے شعور نہ تھا کہ شباب چمکنے کے عالم میں ہے، جب مجھے علم نہ تھا کہ جو میرے ہوتے ہیں وہ چمک بھی جاتے ہیں، جب مجھے یہ شک نہیں تھا کہ وہ کاشی ہے اور کسی کام پر مامور ہے، یا وہ میرا ہوا ہے۔ اس نے اتفاقاً کہا تھا اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو جانتے ہو کیا ہو گا۔ میں ایک پانچ ہوں گا۔ سڑک کے کنارے پڑا ہوں گا۔ میرا سارا جسم کل چکا ہو گا۔ اس میں مٹھایاں رنگتی ہو گی۔ لیکن میرا ذہن بالکل ٹھیک ہو گا۔ حیات بیدار ہوں گی، تاکہ لذت کا احساس ہو، تاکہ میری کیفیت ایسی ہو گی کہ لوگوں کو مجھ سے کراہت آئے گی۔ جسم سے بدبو کے مہم کے اٹھیں گے۔ کوئی شخص میرے قریب نہیں چمکے گا۔

اس کی یہ بات سن کر مجھے حیرانی ہوئی۔ یہ کس مشن کی بات کر رہا ہے۔ صدر کے سیکرٹری کا کیا مشن ہو سکتا ہے۔ بلکہ، یہی تاکہ صدر کے احکامات کی تعمیل کرے اور اگر صدر غراض ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کرے گا کہ تو کرسی پر خرواش کر دے۔

۱۹۸۸ میں جب شباب اور میں نے اکٹھے جاکا قلعہ ج کے دوران شباب نے مجھے بتایا کہ عام بزرگوں کو بچ کرنے کا شوق نہیں ہو گا۔ چوں کہ جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں تو جیسے جوتا پیرا ناکہ پڑتا ہے، ایسے ہی جوتے کے ساتھ اپنی دستار بزرگی کو بھی اتارنا لازم ہوتا ہے۔ چوں کہ حرم میں صرفہ بندے کی حیثیت سے داخل ہو سکتے ہیں اور یہ یقینی نہیں ہو گا کہ وہاں ہی رہائیں جاتے بزرگ کی جائے گی طے، نہ طے نہ ملے۔

پہرچھے پتہ چلا کہ قیامت کے بعد جب ۱۲ سوا کی پیمبری لگے گی تو عام آدمی سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کتنے دفعہ کام کیے اور ہر دفعہ کام کا کیا دیا جائے، لیکن بزرگ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو سونپائیں کرنے کی استطاعت دی گئی تھی، لیکن آپ نے صرف ۳۰ تک کام کیے۔ اتنے کم کیوں کیے جواب دو۔

انہوں نے تصویر کھینچی تھی۔ کہنے لگے، 'جب ولایت ملتی ہے تو کچھ اس قسم کا منظر ہوتا ہے۔
 لہ سمندر کا کنارہ ہوتا ہے۔ سامنے اٹھوا سمندر ہوتا ہے۔ طوفان زدہ سمندر، جو بے سحاب ہوتا
 ہے، دل کو ایک ٹوٹا ہوا اونچے اور پھوٹی کوئی کشتی دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں میاں اب تیری بہت
 ہے۔ اس روحانی سمندر میں جتنی دور جا سکتا ہے چلا جا۔

یہ تو بڑی بے بسی اور بے چارگی کی بات ہے، میں نے کہا۔

اس نے سر اٹھاتے میں ہلا دیا۔

لوگ مجھے گئے کہ ولایت بہت بڑا اعزاز ہے۔

ہاں ہے، وہ بڑا بڑا اعزاز ہے۔ ساتھ ہی بہت بڑی بے بسی ہے، بے چارگی ہے۔ دونوں
 پہلو ہیں۔ لوگ صرف ایک پہلو دیکھتے ہے۔

شباب جی مجھ سے ایک وعدہ کریں، میں نے کہا۔

کیا، وہ بولا۔

مجھے اس کث سے بچائیں۔

کیا مطلب، وہ بولا۔

مجھے ڈر ہے کہ بھائی جان یا کوئی اور بھلا مجھے اللہ کی راہ پر نہ ڈال دے۔ مجھے وردی نہ پنا
 دے۔ دیکھتے میں ایک پورا اور کمزور آدمی ہوں، آرام طلب ہوں، محنت یا مشقت کا لال نہیں۔
 میری قوت ارادی بہت کمزور ہے۔ مجھ میں حوصلہ نہیں، صبر نہیں، برداشت کرنے کی بہت
 نہیں۔ میں ایک عام بندے کی حیثیت سے جینا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا، 'مجھے ڈر ہوتا ہے اگر بھائی جان یا کسی اور نے مجھے سپاہی کی وردی پہنا دی تو میں
 مارا جاتا۔ آپ جانتے ہیں، میں ایک ہڈیاتی آدمی ہوں، میں سالک نہیں بن سکتا۔ مجھ میں
 توازن کا فقدان ہے۔ میری طبیعت میں مہذوبیت کا عنصر ملای ہے۔ میں عقل و غرور کو دونوں گد
 اپنا ہوش نہیں رہے گا۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گیا۔

پھر بولا، 'لوگ تو بے اعزاز حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔

شاید میں بھی کرنا، اگر آپ سے نہ ملتا تو شاید کرتا، لیکن میں نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھ لیا

کرامتیں

ان دنوں جب میں بزرگوں کے تذکرے پڑھا کرتا تھا تو مجھے تذکرے لکھنے والوں پر بڑا فہم
 آتا تھا۔ تذکرے بزرگوں کی کرامتوں سے بھرے ہوتے تھے۔ کوئی تذکرہ نویس، صاحب تذکرہ
 کے کردار کے متعلق نہیں لکھتا تھا کہ وہ کتنے عظیم کردار کے مالک تھے کوئی اس پر روشنی نہیں
 ڈالتا تھا۔ کوئی انہیں انسان کی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ سبھی بزرگ کی بات کرتے ہیں
 ان کی پرنسپل قوتوں کی بات کرتے تھے۔ کشف کی بات کرتے تھے، کرامتوں کی بات کرتے
 تھے۔ ان کی بٹری کمزوریوں کی بات کرتے نہیں تھے۔ اس مسلسل نکالنے کی بات نہیں کرتے
 تھے۔ جس میں وہ گرفتار رہتے ہیں۔ اس مسلسل اتھار اور آزمائش کی بات نہیں کرتے جس کے
 تحت وہ زندگی گزارتے ہیں۔ بزرگوں کے تذکرے پڑھ کر قاری سمجھتا ہے کہ بزرگ ایک صاف
 سترا، نمایاں دھوا ہوا، پاک صاف شخص ہوتا ہے، جو ایک اعزاز کی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور جسے پیر
 نچل قوتیں حاصل ہوتی ہیں۔

ولایت

اس زمانے میں بھی میں سمجھتا تھا کہ جب انسان کو بزرگی عطا ہوتی ہے تو
 کپڑے کی طرح اسے دھو کر مٹری کی دی جاتی ہے، کوئی لاکھ باقی نہیں رہتی۔

ایک دن میں نے شباب سے اس بارے میں پوچھا۔

کہنے لگا، 'مجھے تو اس بارے میں علم نہیں، لیکن بزرگوں سے سنا ہے کہ بزرگی عطا ہوتی ہے تو
 تمام حیات شکنی قاتی MAGNIFY ہو جاتی ہیں، رخصتات میں تیزی آ جاتی ہے، شدت
 پیدا ہو جاتی ہے۔ خواہشات میں دھار پیدا ہو جاتی ہے

کیا بہت رخصتات میں ہی شدت پیدا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، وہ بولا، 'بہت اور سختی دونوں رخصتات چار چہرہ کا تیز ہو جاتے ہیں۔

مجھے پوچھا، 'ولایت کیا ہے؟

کہنے لگا، 'غور صاحب نے ایک مرتبہ بتایا تھا مجھے۔

نہ ہائیں۔ سو واٹ۔

میں نے کہا اس روز آپ کو پیغام ملا تھا کہ یہ فوت ہو آپ کچھ دے ہیں غلط ہے جو کچھ
اچھا ہے ہیں۔ وہ صحیح تھا۔ کیا یہ بائق الفطرت پیغام نہیں تھا۔
دیکھئے وہ بولایا بائق الفطرت واقعہ نہ تھا کسی کرم فرمائے ہدایت دی تھی۔ فرض کیجئے اگر وہ
پر انجیل بھی تھا تو اسے عمل میں نہیں لایا تھا۔ میں بائق الفطرت واقعات جزئیات نہیں کرتا۔
اگر مجھ پر ایسے واقعات ہوتے ہیں تو یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔
یہ واقعات کون عمل میں لاتے ہیں۔
مجھے علم نہیں۔ غالباً دی فورسز ہی ہوتے۔

قدرت اللہ شباب نے شباب مانے کے آخری باب میں لکھا ہے کہ چھبیس سال مجھ سے
نفیہ خذ و کتابت ہوتی رہی۔ اگر شباب مجھے یہ بات بتا دیتا تو میرا کریم کا جذبہ ختم ہو جاتا۔ لیکن
شباب نے مجھے یہ بات بھی نہیں بتائی تھی۔
شباب کے متعلق میں نے چند باتیں محسوس کی تھیں۔
۱۔ کہ وہ ایک بلند کردار کا مالک ہے۔
۲۔ کہ وہ بہت اچھا انسان ہے۔
۳۔ اللہ کا عابد بندہ ہے۔
۴۔ حضور سرور کائنات کا کوئی غلام ہے۔

۵۔ اسے پر اسرار ہدایات ملتی رہتی ہیں اور مورخین ہوتی رہتی ہیں۔
۶۔ اس نے بھی دعوتی نہ کیا تھا کہ وہ بزرگ ہے یا اسے کوئی منصب حاصل ہے۔
۷۔ چونکہ ہدایات ملتی تھیں اس لیے ظاہر ہے کہ وہ کسی کام پر مامور تھا۔ اسے کچھ کرنا
تھا۔ کیا کرنا تھا؟ اس کام کا مجھے علم نہ ہوا۔ البتہ اس نے چشمن کے عالم میں کئی بار مجھے بتایا تھا کہ
اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو میرا حشر کیا ہو گا۔
تو شباب سے میری دلچسپی صرف اسرار کی وجہ سے تھی یا اس کے عظیم کردار کی وجہ سے؟
میں اس کا احترام کرتا تھا۔
اگر وہ بزرگ ہو نہ یا بزرگ ہونا تسلیم کر لیتا اور مجھ سے کہتا کہ میری بیعت کر لو اور

ہے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔

میری بات سن کر وہ ہر خاموش ہو گیا۔
کتنے لگا مفتی صاحب آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ میں بھی آپ کا ہم خیال ہوں ایک عام
مسلمان اللہ کا بندہ بن کر جینے سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو گی مرتبہ نہیں۔
بے شک آپ ایک مسلمان ہیں۔ میں نے کہا لیکن آپ عام بندہ نہیں ہیں۔ جو آپ میں
اس نے کچھ کنا چاہا لیکن میں نے اسے چپ کر دیا۔
میں نے کہا شاب صاحب یہی لائیزوی بیٹے دیت دیروزی کراؤں۔

اگر ایسا ہوتا

اگر شاب ایک بار میرے سامنے تسلیم کر لیتا کہ میں ایک بزرگ ہوں تو ساری بات ہی ختم
ہو جاتی۔ میں اسے ایک بیابان لیتا۔ میرے دل میں اسرار کی حیرت نہ رہتی اور میرے اندر کے
داخل و در کو جاننے کا جذبہ نہ رہتا۔ اس کے برعکس میں کرم سکون سے بیٹھ جاتا۔ یوں میری
زندگی کا رخ ہی بدل جاتا اور شاید اللہ ہماری کلمے کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔
مجھے شباب سے صرف اس لیے دل بہسی پیدا ہوئی کہ اس کی زندگی میں پر اسرار باتیں
واقعہ ہوتی تھیں اور میں اس اسرار کا عید چاہتا تھا۔
ایک بار میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا بھی تھا۔
میں نے کہا شاب صاحب آپ کی زندگی میں یہ بائق الفطرت نوعیت کے واقعات
ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

مجھے نہیں معلوم اس نے جواب دیا۔
ہوتے تو ہیں باتیں نے پوچھا۔
ہاں شاید۔ آپ انہیں بائق الفطرت سمجھتے ہیں۔ میں بائق الفطرت کو ماننے میں۔
بزرگ لوگ جو کراہتیں دکھاتے ہیں انہیں نے کہا۔
چھوٹی بات ہے وہ بولا۔
اس کے بغیر لوگ انہیں مانتے نہیں۔

@Geraldine

ہائی کی وجہ اپنے اپنے شوق کی کوئی ہے۔

یہ بھی جب گورکھ دھندا ہے۔ مجاہدہ میسر ہو تو شوق میں کوئی رہ جاتی ہے۔
شوق خیز ہو تو مجاہدہ کمزور رہ جاتا ہے۔ ان دونوں کو ہم آپس کرنا چاہتے ہیں کاروگ تو
ہے نہیں۔ چنانچہ مجبور ہو کر ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔
جہاں محنت اور شوق دونوں اپنی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ وہاں جگر کی بے بسی
کام آگئی۔

اپنی محنت کو شوق یا شوق سے محلات پر قابو پانے کی کوشش میں ایک قسم کا
دعویٰ ہوتا ہے۔ عاجزی میں مجبوری اور صبر۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ لب چند لیم سے
کچھ گفتگو محسوس ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ رو جاری رہے۔

اپنا جائزہ لیا تو اس اندرونی بندش کی وجہ کچھ کچھ میں آئی۔ پچھلے اگست
میں جب واقعات سے پٹنا کھلیا اور صبح شام میری آواز جانا شروع ہوا تو جو نتیجہ نکلا اس
میں خدا کی کوئی بجز ہی تھی۔ زبان سے یہی کہہ دیا۔ دل میں
نہیں کسی غصہ کو شے میں شکست کا احساس ہنسا رہا کہ آخر ایسا ہوا تو کیوں ہوا۔

پاکستان میں تو دعوتوں، دوستوں، عزیزوں کے بیگانوں میں یہ احساس دیا رہا
لیکن یہاں کی تبدیلی اور دفتر کے عالم بے کاری نے اندر ہی اندر اس احساس کو ہوا
دی۔ خدا کی طرف سے ہماری کا انتظام ایک طرف۔ اندر ہی اندر یہ احساس شکست و
باپسی دوسری طرف۔ اس تضاد اور تلخ میں دل و دماغ اور روح کے لیے جو جو بند
نہ بند ہیں وہ کم ہیں یہ تضاد ایک قسم کا کفرانِ نعمت تھا۔ شکر ہے کہ اب یہ بات
کچھ آگئی۔ چنانچہ اب میں نسبتاً بارش محسوس کر رہا ہوں۔ اب انشاء اللہ جلد ہی لکھنا
بھی شروع کر دوں گا۔

۵ جون ۱۹۸۰ء کے خط میں قدرت اللہ نے لکھا۔

میں اب ہر دن اپنے پروگرام میں لگ گیا ہوں۔ پچھلے چھ ماہ گویا (IN
(TUNING کا عرصہ تھا۔ اب کہیں جا کے FREQUENCY کی

(WAVE LENGTH) کا کچھ کچھ سراغ ملے گا ہے۔ دعا کرتے بھی رہیں اور

بھائی جان اور سائیں صاحب سے کرواتے بھی رہیں۔

اس چھ مہینے میں تزکیہ نفس کی سی حاصل بھی کی۔ نفس تو منوٹا ہی رہا، لیکن
جسم ضرور پٹا ہو گیا۔

تقلیل طعام، تقلیل مقام، تقلیل کلام اور تقلیل کام کا ملوسم سمجھنے کی ضروری
ہست کوشش کی چنانچہ لب تک ۱۹ پانچ دن گھٹ چکا ہے۔ دینہ ذبح کر کے ساڑھے
نویر چلی تیسے میں ڈال کر سامنے رکھیں تو صبح اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر بے کار
بوہہ اڑ گیا ہے۔

دھوکے سے کہنا تو محال ہے لیکن ذوقا کی اندازہ لگتا ہے۔ انشاء اللہ

اگلے سال ارض منور کی زیارت نصیب ہو گی۔ قیام طویل ہو یا مختصر، ہر
صورت میں آپ کی شراکت کا اہتمام بھی ضرور ہو گا انشاء اللہ۔

یہ خطوط میرے لیے حیران کن تھے۔ مجھے بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ شاب صاحب
میں تزکیہ نفس میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی زبردست کو بکلی سرزد ہو گئی ہو۔ جس
کی وجہ سے پراپتیت کرنا ضروری تھا۔

لیکن میری دانست میں کوئی کوئی نہ ہوتی تھی۔

ہوا صرف یہ تھا کہ صدر ایوب نے بیرونی اور شاید اندرونی دباؤ میں آکر شاب کو حکومت
کے محلات سے الگ کر دیا تھا۔

ذاتی طور پر شاب کو حکومت یا عہدے سے دلچسپی نہ تھی۔

ایڈووکیٹ فقور صاحب تو براہِ مکرہ رہے تھے کہ شاب کا حکومت سے الگ ہو جانا ملک کے
نہ میں نقصان دہ ہے۔ خود صدر صاحب کے لیے نقصان دہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاب صاحب
کی حکومت سے وابستگی ملک کے لیے باعثِ برکت ہے۔

بھائی جان بھی شاب کی علیحدگی پر فکر مند تھے۔ سائیں کرم دین کہتے تھے صدر نے شاب
کو الگ کر کے اپنے پاؤں میں خود کھلاڑی ماری ہے

شاب نے پاکستان سے روانگی سے پہلے ہم سب سے کہا تھا کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا

ہے۔ جب پاکستان کا آئین بنایا تو اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا تھا۔ اس پر شباب نے مدح و تحسین بھائی جان اور سائیں جی غرضی سے پھرے نہیں سارے تھے۔

پاکستان کا اسلامی جمہوریہ بن جانا بھی محض ایک اتفاق امر تھا۔ صدر ایوب اور اس کی کابینہ سیکرٹری مزاج کے لوگ تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اقوام عالم میں پلوقار حیثیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کو سیکلر حیثیت دی جائے۔

صدر ایوب نے پوری باری کابینہ کے ہر رکن سے پوچھا تھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ ہر رکن نے سیکلر کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ آخر میں انہوں نے قدرت اللہ سے بھی پوچھا تھا۔ حلال کہ قدرت اللہ کابینہ کا رکن نہ تھا۔ لیکن صدر ایوب اتفاقاً قدرت سے پوچھا کرتے تھے۔

قدرت اللہ نے کہا تھا مجھے اتفاق نہیں ہے۔ دنیاوی نقطہ نظر سے میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ اس پر صدر ایوب نے کہا تھا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں اور قدرت اللہ نے جواب دیا تھا کہ جناب میں مقرر نہیں ہوں۔ تقریر نہیں کر سکتا اگر آپ اجازت دیں تو میں کل لکھ کر اپنے دلائل پیش کر سکتا ہوں۔

اگلے روز کابینہ میں قدرت اللہ نے لکھ کر اپنے دلائل پیش کیے تھے اور حیرت کی بات تھی کہ ساری کابینہ نے قدرت اللہ کے دلائل کو تسلیم کر لیا تھا۔

ان سب باتوں سے یہ پتا چلتا تھا کہ قدرت اللہ کی دینی پاکستان میں غلط اسلام سے متعلق تھی۔

کوٹاہی

قدرت اللہ نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ صدر ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی طرف لائے۔ قدرت اللہ نے انہیں قرآن کریم کے مطالعے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ علامہ اقبال کے کلام کی طرف توجہ دلائی تھی، لیکن اس میں وہ پورے طور پر کامیاب نہ ہوا تھا۔ صدر ایوب کے سیکلر دلائل نظر کو بدل نہ سکا تھا۔

میری رائے میں قدرت اللہ کی یہی ایک کوٹاہی تھی، لیکن یہ کوٹاہی تو صدر ایوب کی تھی۔

ضروری ہے ان کی کھالی کے لیے دعا کرتے رہیں۔ ان کا رہنا ضروری ہے وہ لاکر کمن ہے خدمت کر سکتا ہے۔ بھائی جان نے کہا تھا کہ 'شاب صاحب کے جانے کے بعد نفسا نفسی بھائی جانے گی۔ ہم سب کے حصے میں آئے گا پھر جب زندہ دار لوگ نکل دیئے جائیں گے۔ پھر جب شاب صاحب ایوب سے خدا حافظ کئے جانے والے تھے تو لاہور سے غفور صاحب فون آگیا تھا۔ غفور نے کہا 'آپ صدر ایوب سے آج نہ ملے۔ میں آ رہا ہوں۔ ذہنی بات کروں گا۔ آپ صدر صاحب سے اظہار غارتگی نہ کیجئے' بات بہت اہم ہے۔

شام کو غفور صاحب آگئے۔ پتہ نہیں۔ انہوں نے شاب سے کیا کیا باتیں کیں۔ مجھ سے ملے تو کہنے لگے 'شاب صاحب کا باہر جانا ضروری ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے شاب صاحب سے کہا تھا کہ باہر چلے جائیں یہاں نفسا نفسی کا طوفان آنے والا ہے، لیکن وہ نہ گئے اگرچہ اب دیر ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی ٹھیک ہے۔ ملک کے وسیع تر مفاد کے لیے ضروری ہے۔ انشاء اللہ انہیں چند ماہ کے بعد واپس بلا لیا جائے گا۔ پھر ان کی حیثیت زیادہ پر اثر ہوگی۔

میرا اندازہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اگرچہ وقت کے متعلق صرف اللہ کی ذات کو علم ہے۔

شاب صاحب صدر سے ملے تو صدر نے کہا 'میری عارضی غلطی تھی ضروری ہے۔ جو جو کام تم نے ملک کے لیے کیا ہے' مجھے ایک ایک بات یاد ہے۔

صدر نے کہا 'شراب تم میری کمرل کے چچے جانتے ہو۔ جس میں ٹکڑے کے لیے پٹیاں

تو ذہنی پڑیں گی۔

پاکستان

یہ ہماری باتیں ایک ایک کر کے مجھے یاد آتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اصلی بات کیا تھی۔ میں بری طرح سے کنفیوز ہو رہا تھا سوچا کہ پاکستان کو اپنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ چوں کہ اسلامی جذبے کے زور پر قائم ہوا ہے 'اس لیے اسلامی ملک ہے' لیکن اسلامی ملک تو دنیا میں بیسیوں ہیں۔ پھر اسے خصوصی اہمیت کیوں دی جا رہی

میں نے کہا "خود رو اپنے کام سے آئے ہوں گے۔
 کہنے لگی "بیشک کام سے آئے ہیں۔ چلی اتر آتے ہیں۔ ایک رات رہتے ہیں۔ اگلے روز کام
 کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔
 میں نے کہا اب کی بار بھی کام سے آئے ہوں گے۔
 بولی "نہیں" وہ کہتے ہیں مجھے کوئی کام نہیں ہے میں تو صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا
 ہوں۔ کتب ختم کر کے واپس چلا جاؤں گا۔
 کیا واقعی؟

میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بزنس میں ہوئی جہاز کا کرلیہ خرچ کرے۔
 اپنا وقت ضائع کرے ایک کتب پڑھنے کے لیے۔
 ٹھیک ہے گنہگار کی عقل کو چھوڑ کر جانے کو کس کا بی چاہتا ہے۔ لیکن امی تو ایک کچا گنہگار
 ہے۔ گنہگار کم۔ کم "حق زیادہ۔"

حاتم طائی

پھر درخت "قدرت اللہ کے کردار کا ایک اور پھل سامنے آگیا۔ اس کا ایک خط موصول ہوا۔
 اس خط میں ایک چمک ٹخوف قلم ساتھ ایک پرہ خاض میں چار توبوں کے نام اور پتے لکھے
 ہوئے تھے۔ ہر نام کے سامنے رقم لکھی ہوئی تھی۔ نیچے درایت تھی کہ ان لوگوں کے چوں پر
 مئی آرڈر بھیج دیے جائیں۔ اس معاملے میں تہل کو کام میں نہ لائیں۔ ہر صورت میں انہیں
 یہ رقم پہلی تاریخ سے پہلے موصول ہو جانی چاہئیں۔ اگر مئی آرڈر ایسوں سے کچھ بچ جائے تو
 اسے اپنے پاس نکالت کے طور پر رکھ لیں۔ اگر ڈالے خرچ ہو تو مجھے واپس ڈاک اطلاع دیں۔
 اس نوعیت کے پہلے خط کو تو میں نے اہمیت نہ دی، لیکن جب ہر تیسرا خط اسی نوعیت کا
 موصول ہونے لگا تو میں حیران رہ گیا۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ خرچ کرنے میں قدرت اللہ خاصہ بخیل واقعہ ہوا ہے۔ خرچ
 کرنے میں وہ بڑا مہلک تھا۔
 ایک واقعہ میں نے محنت سے شکایت کی۔ وہ بھئی کہنے لگی "جی نمائے گی کیا" پھر دے گی

اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی آپ بیتی لکھوں جس میں اپنی کمزوریوں اور کمزوریوں کو
 سچائی سے بیان کر دوں۔ چوں کہ ان دنوں مجھ میں جرأت نہ تھی "اس لیے میں نے اسے جگ
 بیتی کی شکل میں لکھا تھا میرا خیال تھا کہ اس کتاب کو کسی قسم کی اہلی حیثیت حاصل ہوگی۔
 اشفاق احمد اور بانو قدیر مجھ سے بہتر اہلی شعور رکھتے تھے۔ چونکہ انہوں نے باقاعدہ اردو
 ادب کا مطالعہ کیا تھا اس کے برعکس میں نے صرف انگریزی ادب پڑھا تھا "وہ بھی نفسیات کے
 حوالے سے۔

پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ جب میں صدر گھر میں او
 ایس ڈی ہوا تو چک لالہ میں مجھے ایک مکان ملا تھا کہ وہ ایک ایک ڈیڑھ سال کے بعد ہمیں گھر
 لائن میں ایک کوآرڈر مل گیا۔ اس لیے ہم گھر لائن میں آگئے۔
 وہاں آئے ابھی دو ایک دن ہوئے تھے کہ شام کے وقت پڑوسیوں کی لڑکی آئی۔ کہنے لگی۔
 کراچی سے میرے اکل آئے ہیں۔ انہیں سونے سے پہلے پڑھنے کی عادت ہے۔ اگر آپ کے
 پاس کوئی کتاب ہو تو دے دیجئے "صرف رات کے لیے چاہیے کل وہ کراچی واپس چلے جائیں
 گے۔
 ابھی میں نے کتابوں کے ہڈل نہیں کھولے تھے۔ اتفاق سے علی پور کا ایلی کٹی پڑی تھی۔
 میں نے سوچے کچھ بے پروہ کتب اسے دے دی۔

کیا واقعی

اگلے روز وہ لڑکی کتب واپس دے گئی۔ کہنے لگی "اگلے ساری رات کتب ہی پڑھتے رہے"
 سوئے نہیں۔

آٹھ دن دن کے بعد وہ لڑکی پھر آئی۔ کہنے لگی "کراچی والے اکل پھر آئے ہیں۔ پہلے تو
 وہ کام سے آئے تھے اب کہتے ہیں "میں صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ مجھے وہ
 کتب دے دیں۔

میں نے کہا "لی بی آپ کے کراچی والے اکل کرے گا۔"

کہنے لگی "ان کا اپنا بزنس ہے۔"

راولپنڈی میں ہم تین چار سال اٹھتے رہے تھے، لیکن قدرت نے کبھی لام بری کی بات نہ

کیلہ ہماری تو تنخواہ کٹوتیوں کے بعد اس قدر قلیل رہ جاتی ہے کہ مشکل سے دال روٹی پلٹی

۱۔ م ۔ ا ۔ ع ۔ ک ۔ ہ ۔ ق ۔ ح ۔ گ ۔ ز ۔ کہ : انہیں روم کے لئے ایک اصلاً قالین تو خریدو ۔

انہیں اندر داخل ہونے نہ دیتا تھا۔ ذات سے بہت کر خواہشات پوری نہ ہوتیں تو یہی اسے دھکا
میں لگا تھا۔ قدرت اللہ نے پاکستان کے قیام اور استحکام کے متعلق صدر ایوب سے بڑی
امیدیں استوار کر رکھی تھیں۔

لیکن جب وہ صدر صاحب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ سامنے ہوتل اور گلاس رکے بیٹھے
ہوئے تھے۔

مجلد

پھولی کے انعام پر جب قدرت جانے لگا تو میں نے کہا چند ایک باتیں چاہتا ہوں۔
کیا جانا چاہتے ہیں آپ اس نے پوچھا۔

اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ سے دلچسپی ہے۔ دیکھیے شباب صاحب آپ میری
مقیدت کا ذائقہ اڑایا کریں۔

میں مذاق نہیں اڑاتا، وہ بولا، آپ عقیدہ ہالے مقیدت ایک پھولی چیز ہے۔
میں ایک پھولا آدمی ہوں، پھولیا ہوں۔ میرے اندر عقیدے کا غلغلہ تھا ہے۔ لیکن میری
مقیدت میں غلوں سے۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میری غلوں بھری مقیدت کا ذائقہ
اڑائیں۔

میری بات اسے لگی۔ بری طرح لگی، بولا، ہاں پوچھیے۔ آپ کیا جانا چاہتے ہیں۔
ایک شرط ہے، میں نے کہا مجھے ہالے نہیں۔

یہ بتائیے کیا آپ نے انڈیا میں پھولنے میں سطر بننے کی کوشش کی تھی۔
ہاں، اس سے سرشارت میں بلا دیا۔

اس لیے کہ آپ کو وہیں مجلد کر کے کامو قہ طے۔
ہاں وہ بولا۔

آپ مجلد کیوں کرنا چاہتے تھے۔

مجلد ایک دھولی ہے، وہ بولا، وہ آپ کو زمین پر بیچ کر دھو دیتا ہے۔
میں اپنی شکست کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔

نے کبھی لام بری کی یا ان کے مزار پر جانے کی بات نہ کی تھی۔

یہ آپ کو نصیحت، لام بری کی حاضری دینے کی بات کیسے سوچیں، میں نے قدرت اللہ سے
پوچھا۔

کہنے لگا، پھینڈ میں اسلامی کتابوں کی دنیا بھر میں سب سے بڑی لائبریری ہے۔ اس لائبریری
میں بے شمار قلمی مسودات ہیں۔ اشفاق سے ایک قلمی مسودہ دیکھنے میں آیا، جس میں لکھا تھا کہ
لام بری نے فرمایا تھا کہ ہمارے علاقے میں ایک اسلامی شر آپد ہو گا، جو دنیا کے اسلامی ملکوں کا
مرکز بنے گا۔

وہ قلمی کتاب کب کی لکھی ہوئی تھی میں نے پوچھا۔
وہ ڈھائی سو سال پہلے کی، وہ بولا۔

میری ہنسی نکل گئی۔

آپ فہم رہے ہیں۔ آپ کو یقین نہیں آیا کیا اس لیے پوچھا۔
یقین کی بات نہیں، میں نے کہا اسلام آباد کی بات ہے جو اس وقت زیر حیر ہے۔

اسلام آباد کی کیا بات ہے اس نے پوچھا۔

اسلام آباد بنگلوں کا شہر ہے جس کی حیرتیں نہ اسلامی رنگ ہے، نہ پاکستانی۔

اسلام آباد نے لام بری اور ان کے نور پور شاہوں کو آؤٹ آف پورٹ قرار دے دیا ہے۔
اشفاق نے لام اور ان کی درگاہ پر شرم ساری محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام سڑکوں کو توڑ

دیا ہے۔ جو نور پور جاتی تھیں اور نور پور کو جانے والے ناگھوں کو اسلام آباد شہر میں داخل ہونے
کی اجازت نہیں ہے۔

وہ مسکرایا، کہنے لگا، بزرگوں کے ساتھ بڑے کئے لوگ ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے ہیں۔

قدرت اللہ کی رخصت کے دوران انکی ایک مجلس ہوئیں۔ انہیں کے گھر جلی وہ گھر سے
ہوئے تھے۔ اشفاق احمد کے گھر مزار پر، دربار میں۔

یہ انوکھ کریم تھی کہ قدرت اللہ کو روک لیا جائے گا۔

قدرت اللہ کے کردار میں ایک بات واضح تھی۔ وہ ذاتی خواہش کو دل میں رکھنے سے
انکار کرتا تھا۔ سرسری شرم کی خواہشات آتی تھیں، اس کے دل کا دروازہ کھلتا تھا، لیکن وہ

آپ صدر ایوب سے بات کیوں نہیں کرتے 'میں نے پوچھا۔
'میں وہ بولا' اگر میں واپسی کے لیے کوں تو ذات کا مسئلہ بن جائے گا۔ ذات کا مسئلہ
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہیں دیے ہی کریں۔
دیے مفتی صاحب' وہ بولا' اگر میں 'ول' کروں تو وہ مجھے بلانے پر خود کو مجبور نہیں کے' لیکن
میں 'ول' کیوں کروں۔

پھر مس یوں

میں نے کہا یہ بتائیے کیا اب بھی ریگ میں چنگاوریں بجز بڑاتی ہیں۔ 'میں' وہ مسکرایا'
'چنگاوریں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔
کس سوچ میں پڑ گئے 'آپ' میں نے پوچھا۔
'بول' پر 'ول' بات یاد آگئی۔ آج سے آٹھ دس سال پہلے میں نے رمضان مبارک کی
انائیسویں کو جانگے کا پروگرام بنایا تھا۔

میں موقع پر مس یوں کا فون کیا کہ 'لچ میرے ساتھ کھانا کھاتے ہو' وہ کہہ کر وہ نہ رکھا۔
اب روزہ ہی نہ رکھا تو رات جانگے کی بات بے مفتی ہو گئی۔ پچھلے رمضان ایڈیشن سٹائیسویں
کوشب بیداری کا پروگرام بنایا۔ اسی روز فون آیا۔ 'مس یوں نیوڈارک سے ہل ہی تھی۔ کہنے
گئی' 'میں آ رہی ہوں' مجھے پیرس میں ٹیلے اور پھر اپنے ساتھ ایک لے پائیے میری والدہ
بہو سے ساتھ ہو گئی۔

دس سال کے بعد بھر دی بات۔ مقدمہ سٹائیسویں شب کا پروگرام فتح کرنا تھا۔

کیا 'مس یوں' کو اس بات کا شعور تھا' میں نے پوچھا۔

'میں' قدرت نے کہا 'اے ہمارے چارے کو کیا پتہ کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔

کون استعمال کرتا ہے' میں نے پوچھا۔

بتائیں 'کون' شرکی توہین اور کون۔

شرکی توہین آپ کو پتہ کیوں نہ پاتی ہیں۔

صرف مجھے ہی نہیں۔ کوئی بھی ہو' جو راستے پر چل نکلے جس کے پہنچنا کا شعور ہو۔

آپ یہ بھی مجاہدہ کر سکتے تھے۔

'میں' وہ بولا' میں کئی ایک باتیں ممکن نہ تھیں۔ یہاں کم کھانا کم سوؤ تو ممکن تھے کم بول
ممكن نہ تھا۔ مجاہدہ سے فرات بڑھ جاتی ہے۔ مجھے کلف پسند نہیں وہ ایک چھوٹی چیز ہے۔

فرات سے کیا ہوتا ہے' میں نے پوچھا۔

لوگوں کے اندرونی اوصاف نظر آنے لگتے ہیں۔ جب مفت کا بھائی فوت ہوا' تو مفت کو بڑا

مذہب ہوا۔

'ایک دن اتفاق سے میری نظر پڑ گئی۔ دیکھا کہ مفت کے اندر قصائی چمرا چکے گوشت
کٹ رہا تھا۔ مجھے مفت پر ترس آنے لگا۔

دیکھیے مفتی صاحب' وہ بولا' عبادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ باہر کی دنیا جیسے دے دیے ہی
رہتی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تقدیر بھی وہی رہتی ہے' بدلتی نہیں' صرف
زادہ نظر بدل جاتا ہے۔ دکھ ویسا ہی رہتا ہے' لیکن اس کی دھار کاتی نہیں۔ باتیں وہی رہتی ہیں
لیکن باتوں کی وہ اہمیت نہیں رہتی۔ ذات سے اخراج ہو جانے تو واقعات اور اسامات پر سر
نہیں رہتے۔

میری زندگی عمل طور پر بدل چکی ہے اس نے کہا۔ بیوی سے ہم آہنگی زیادہ ہو گئی ہے۔
ذات کافی پیچھے ہٹ گئی ہے۔ پہلے صدر ایوب کو مٹل سمجھ لیا تھا مٹل کہ وہ راستہ کا ایک سنگ
مٹل تھا۔ اب وہ بات نہیں دی۔ اگرچہ میری مٹل 'مٹل' صدر ایوب پاکستان کی جڑ کو کھینے کے بارے
مٹل ہے۔ دوسروں کی بہت اس میں زیادہ صلاحیت ہے۔ فکر کے سامنے بیٹے بھی لوگ ہیں' ان
مٹل میں صدر ایوب بھرے' لیکن صدر میں دین اور اللہ کا جذبہ بڑھ نہیں پایا۔ فقط نظریں
مزید وسعت پیدا نہیں ہوئی' بلکہ محدود ہوتا جا رہا ہے' دنیاوی ہوتا جا رہا ہے۔ وہ عقلت نہیں
دی۔ جمور کی بجائے ڈیڑے کی طرف رغبت ہو گئی ہے۔ ممکن ہے' مٹل بات رکھو بن گئی
ہو۔ سوئیے اللہ بھر جاتا ہے۔

آپ کی واپسی کی کیا صورت ہے' میں نے پوچھا۔

کہنے لگا' وہ صورتیں ہیں۔ یا تو میری شرائط پر مجھے واپس بلایا جائے۔ اور یا واپسی ایوب کے

بعد عمل میں آئے۔

اس "ملق" صاحب "شاید" آپ نے صدر صاحب کو مناسب طور پر نہ پانچا ہو۔

بھائی جان آپ دیکھ رہے ہیں۔ غائبانے کہا راتوں رات علم کا قلب بدل گیا ہے۔
ہم کے بعد پہلی مرتبہ ہم نے محسوس کیا کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے لیکن بھائی جان! معدود
اسباب کا رویہ عوام سے ہم آہنگ نہیں تھا۔

ملحق ٹھیک کہتا ہے، 'وانی والا۔ صدر کی تقریر میں وہ جوش و خروش جو عوام میں دھختا جاگ رہا ہے۔'

بدلتی جان بولے، یعنی ہم تو حکم کے پابند ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا
 ہے۔ اللہ صدر کو توفیق عطا فرمائے۔

انہوں نے یہ خبریں

پھر انہوں نے ایک طوفان چل پڑا۔

اگر میں مرد قہقہہ کے دوہار پر جا کر دماغ کرکٹ، اگر مجھ پر رات طاری نہ ہوئی۔ اگر میں
عالم جان سے حقیت نہ پالیتا۔ اگر مجھے قدرت اللہ شباب سے لے کر نابالغہ نہ ملتا تو میں بھی ان
لوگوں کو انگوٹھ سے زیادہ حشیت نہ دیتا۔

جوابت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ جوابت قدرت کے خاناہ اصولوں سے مٹ کر ہوئی ہے جس بات کا سائنسی کی بے تجربہ نہیں کیا جاسکتا اس کو ہم دانش ور افواہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری عقل محدود ہے مگر قدرت کے کچھ اصول ایسے بھی ہیں جن کا ہمیں اور اک نہیں ہے اور صرف چند ذائق ایسے ہیں جن کا سائنسی میں بھی تجربہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے باوجود دانش ور ہر اس بات کو 'نئے' وہ سمجھ نہیں سکتے انوار کہہ کر ٹل دیتے ہیں۔

ہر مال اب ان مشاہدات کے بعد میرے لیے وہ افواہیں نہیں کہ خبریں تھیں۔

لاہور کا ایک مست جو کبھی نہیں بولا تھا اور جسے لوگ چپ لہا کہتے تھے، گلی کوچوں میں

جنگ

دانی کے خواب کے ایک ہفتے کے بعد بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اتنا ہلکا تھا کہ سارا پاکستان سنانے میں آیا۔

چہ جبری رات کو سارے لاہور کو جگا دیا۔ اعلان کر دیا کہ اسٹیبل منسٹر کی مراد ہے کہ کل صبح ہجرت لاہور پر حملہ کرے۔ اب اس لیے لاہور کے عوام کو خبردار کیا جاتا ہے کہ بقیان بجاد دو گھنٹوں سے باہر میڈیٹھوں میں نکل آؤ کہ ہم باری سے جانی نقصان نہ ہو۔ اس اعلان کو سن کر لاہور والے ڈر کر رہ گئے۔ لیکن بجائے حملہ کے فیرے لگتے گئے۔

لاہور پر بمباری ہوئی تو لاہور کے خندقوں میں پناہ لینے کے بجائے چٹوڑ پر چڑھ گئے اور
بھارتی ہوا بازوں کو سکے دکھائے گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے میں میں کرنے والوں کے دلوں سے
میں صدمہ کھینچی ہو اور پاکستان کی محبت از سر نو جاگ اٹھی ہو۔ چاروں طرف سے پاکستان کا مطلب
کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے گونج رہے تھے۔ پاکستان اور اسلام کا تعلق جو گمراہ آلود ہو چکا تھا پھر
سے ابھر آیا تھا۔

پاکستانی افواج میں تو یہ جذبہ کبھی گرد آلود نہ ہوا تھا۔ ان میں شہادت کے لیے تازہ تڑپ پیدا ہو گئی تھی۔

جب صدر ایوب نے ریڈیو پر بھارت کے ملے کا اعلان کیا جرت سے میراث کٹے کا کھلا وہ
گمید مجھے نہیں نہیں آ رہا تھا کہ صدر ایوب بول رہے ہیں۔
ان کے انداز میں گمبیرا تھی، پچکاہٹ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کے کھٹنے قمر قرہ کا پ
رہے تھے۔ وہ جہاد کی بات نہیں کر رہے تھے، جنگ کی بات کر رہے تھے۔ وہ مملکت خدا دلو کی
بات نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ ملک کی بات کر رہے تھے ان کے لہجے میں اسلامی جوش نہ تھا۔

میں نے بھائی جان سے بات کی، میں نے کہا 'بھائی جان ساری امیدیں جو میں نے صدر ایوب سے استوار کر رکھی تھیں، خاک میں مل گئی ہیں۔ لگتا ہے وہ عظمت جو پاکستان کے کسی ایک سربراہ کو ملنے والی ہے، صدر ایوب کے نصیب میں نہیں ہے۔'

سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، جو مالک ہے جو چاہے کرے۔ ہم تو اس کے چاکر ہیں

پاکستان اور دعا

ہم نے قاضی صاحب سے عرض کی کہ پاکستان کے لیے دعا کریں۔ قاضی صاحب بولے 'مفتی صاحب میں آپ کے لیے دعا کر سکتا ہوں۔ دو سروس کے لیے دعا کر سکتا ہوں پاکستان کے لیے دعا کرنے کی میری کوئی حیثیت نہیں ہے پاکستان کے لیے بڑے بزرگ کام کر رہے ہیں۔ میں تو آج صبح آدی ہوں۔ بڑے کام ہوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں بڑے بزرگ میدان جنگ میں پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں ورنہ یہ بے ہوا کہ چڑی میں اوہم گرائے جائیں اور ان میں سے صرف پانچ بچیں۔'

مکرم بھر کر چلانے لگا لوگو! دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کیا معجزے دکھاتے ہیں۔ ڈرو نہیں فتح ہماری ہوگی۔ سیالکوٹ سے آنے والے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سینکڑوں سفید گھڑ سوار دیکھے جو سفید وردیاں پہنے ہوئے تھے 'ہاتھوں میں کھواریں تھیں۔ کہتے تھے کہ ہم علف پر جا رہے ہیں۔ روزنامہ جنگ کو دیندہ منورہ سے خط موصول ہوا۔ لکھا تھا 'جس روز لاہور پر حملہ ہوا۔ اسی رات دیندہ منورہ میں مقیم دو افراد نے خواب میں دیکھا کہ حضور اعلیٰ معلّم گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے ہیں۔ پوچھا حضور! اتنی جلدی میں کہاں جا رہے ہیں فرمایا 'پاکستان میں جلو کے لئے جا رہے ہیں۔'

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں قدرت اللہ کا ناہنجہ انصوں نے ۲۰ کو لکھا تھا۔ اس خط میں قدرت اللہ نے جنگ کے متعلق افسانہ خیل کیا۔ انہی ملاحظہ ہو۔

آزمائش کا دور

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو فضل کیا ہے۔ وہ مقام شکر بھی ہے اور مقام عبرت بھی۔ ہم لوگ جیسے جہوں کے مسلمان ہیں وہ تو ظاہر ہے۔ اس پر بھی خدا نے ہمارے فرائض ایمان کی لاج رکھا۔

آزمائش کے وقت جو غرائز وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ مسلط ہوتے ہیں۔ عداوت، ہنس، اس لیے فن پر ٹھانے بنانا یا استعدا کے لیے ان پر کھینے کرنا مناسب نہیں۔ اصلی چیز تو تبادلی ہے۔ اہل ہند کے علاوہ ایمان کی تبادلی بھی۔

۲۔ افراد اور قوموں کی زندگی میں دعا بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لیے دعا کرتے ہیں، اور کچھ دہان کے لیے یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ چاہتے ضروری اور موثر ہیں، لیکن کچھ دہان کے لیے یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ چاہتے کے لیے اس کی مصلحت کرتے ہیں، جب تک کسی ملک یا قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں، اس ملک پر مسیت تو آئے ہے، لیکن چاہی نہیں، دعا اور کوشش کریں کہ پاکستان میں ایسے لوگ پیدا نہ ہوں۔

۳۔ ہندوستان کے تیر لکھ نہیں ہیں۔ بین الاقوامی منڈی میں بھی انصاف اور ایماندار ہستی کم یا کم ہے۔ اسی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے ختم نہیں ہوا۔

قدرت اللہ اپنے خطوط یا بیانات میں سب سے کام لینے کا دعویٰ تھا۔ اس نے کبھی بڑھا چڑھا کر بات نہ کی تھی۔ اس کی بات غلطی، غیر ضروری تھیں بات کو قدرت اللہ کا رد تھا۔

رہائی کے بل کو چھ کرنے کے لیے آیا تھا۔ دریا پر پہنچا تو کیا دیکھا ہوں کہ دریا پر ایک عظیم جگہ چل رہی ہیں۔

ایک اور پائلٹ قیدی نے بتایا کہ ہم دو دریا پر حملہ کرنے آئے تھے۔ مطلع پاکل صاف تھا۔ حالات سازگار تھے لیکن جو نمی ہم دو دریا کا پچھتے تو یہ نہیں ایک گاڑھا ہادل کہیں سے آگیا اور اس نے دو دریا کو چھپا لیا۔

پاکستان کے صحافی اور لویہ جو مختلف محاذوں کا دورہ کر کے آئے تھے انہوں نے بتایا کہ جس بھی بھارتیوں نے ہتھیار ڈالے، وہ محض غلط فہمی کی وجہ سے ڈالے چونکہ پاک فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، لیکن بھارتی فوج نے سمجھا کہ پاک فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔

سیر فائر

جنگ ۶ جنوری سے شروع ہوئی تھی۔ ۲۳ کو سیر فائر ہو گئی۔

سیر فائر کے احکامات سن کر فوجی کمانڈر بہت سچے آئے اس لیے کہ پاکستان کی فوجیں جگہ جگہ بھارت کے علاقے کے اندر دوڑ نک پش قیدی کر چکی تھیں۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق سیر فائر منظور کر لیا۔ سخت حفاظت تھی چونکہ سیر فائر کا فیصلہ دہان کے تحت کرنا پڑا تھا۔

ظہور ایڈووکیٹ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جنگ میں میری ڈیوٹی سرگودھا پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے نقصان ہونے نہیں دیا، اللہ احسان ہے۔

کہنے لگے میں نے بروقت صدر صاحب کو خط لکھ کر بتایا تھا کہ سیر فائر کے لئے دہانے کا آپ جانتے رہے۔ اگر آپ کو تسلیم کرنا پڑے تو یہ شک منہ ڈھانی تسلیم کر لیں۔ عمل کرنے میں تاخیر کریں اور فرض کیجیے سیر فائر عملی طور پر کرنا پڑے تو صرف دو یا تین گھنٹے کا ہو، لیکن صدر صاحب نے اس چیز کے کسی حصے پر بھی عمل نہ کیا۔

بزرگوں کا خیال تھا کہ اس جنگ میں پاکستان کا پلہ ہماری تھا۔ پاکستان کو ٹیجی ادا ہو حاصل تھی۔ لیکن صدر صاحب میں جذبہ جلا نہیں تھا، اس لیے بات بن کر بھڑکنی۔

ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے سربراہ میں جب تک اسلام اور جملہ کے لیے جذبہ نہ ہو گا کچھ نہ ہو سکے گا چونکہ پاکستان کی تمام تر اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔

اس کا کتا تھا کہ شدت اور جذباتیت روحانی دنیا میں DISQUALIFICATION بھی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس غفور صاحب مکمل کرپا کر دینے کے عادی تھے اور ان کا انداز جذباتی تھا۔

غفور کا خط

غفور صاحب کا کتا تھا کہ یہ جنگ پاکستان کے لیے ایک درس موقع تھا جو صدر صاحب کی بے حس کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔

۲۱ فروری ۲۰۱۱ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شاہب کو ٹیک میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

”ہمارے حکمران طبقے کو یہ علم نہیں کہ ملک میں روحانی انقلاب آ رہا ہے جس سے صرف پاکستان اور ہندوستان ہی متاثر نہ ہوں گے بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں درویشوں کی تعداد کثرت سے ہے یہی ایسے لوگ ہیں جو چشمِ دزدان میں ہندوستان تو کیا ان ملکوں میں انقلاب لا سکتے ہیں جہاں اسلام کا نام و نشان نہیں۔

سزا و دوزخ جنگ ہندو پاک کے واقعات کو اگر آپ غور سے مطالعہ فرمائیں تو انسانی عقل و فکر حیران رہ جاتی ہے۔

میرے بہت سے فوجی دوست کہتے ہیں کہ اس جنگ نے انہیں صحیح اور سچا مسلمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی اور نبی آخر الزماں کی کرم فواہی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اتنی شدید فوجی اور جنگی تعلیمیں کر کے حق حاصل کیے۔ یہ جنگ درویشوں کی کمانڈ کے تحت روحانی انٹی قوت سے لڑی گئی۔

تم بزدل ہو

۲۸ اگست ۲۰۱۱ء کو غفور صاحب راولپنڈی تشریف لائے۔ مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر

۷۱۰ نمبر میں اصل تفصیل ملاحظہ کریں۔ خط نمبر ۷۱

UrduPhoto.com

آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا: کہنے لگے، ”صدر ایوب سے ہم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں“ چوں کہ صدر ایوب کے کردار میں کئی ایک خوبیاں ہیں۔ وہ ظلم نہیں، ٹیک نیت ہیں۔ لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں، خود پسند نہیں، ذاتی مفاد کے قائل نہیں، لیکن ”معا“ وہ سبیکوٹ ہیں۔ ان میں اسلامی رتھان نہیں ہے اور وہ کچھ زیادہ ہی ریشل ہیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ قدرت اللہ انہیں گائیڈ کرتے رہیں۔ اب شاہب صاحب کے جانے کے بعد وہ چند ایسے لوگوں کے زیر اثر آ گئے ہیں جو انہیں صحیح مشورہ نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا اسی وجہ سے میری ڈیوٹی گت بھی تھی کہ میں انہیں باقاعدہ خط لکھوں۔

غفور صاحب نے بتایا کہ جنگ کے بعد میں مکہ معظمہ میں تھا۔ مکہ شریف کے ایک کھڑاب نے مجھے ایوب کے پیام سے پکارا۔ میں نے کہا میں ایوب نہیں ہوں، غفور ہوں۔ اس نے میری بات پر توجہ نہ دی اور مجھے ایوب کہنے پر مصراہ۔ پھر اس نے مجھے کچیاں دینی شروع کر دیں۔ بولا ایوب تم بزدل ہو۔ تم بھلو کر گئے سڈرے ہو۔ کافر تھے جہاں میں کرو گے بولو۔ غفور صاحب نے کہا میں نے اس واقعہ کی خبر ذریعہ خط صدر پاکستان کو پہنچادی تھی۔

بزرگوں کی مینٹنگ

پھر مکہ معظمہ میں بزرگوں کی ایک مینٹنگ ہوئی۔ اس مینٹنگ میں زیادہ تر بزرگ صدر ایوب کے خلاف تھے۔ دو جن ایسے بھی تھے جو صدر ایوب کے حق میں تھے۔ اور چاہتے تھے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔

غفور صاحب نے کہا کہ میں نے اس واقعہ کی صدر ایوب کو اطلاع دی۔ میں نے صدر صاحب کو لکھا کہ اگر آپ کو ان باتوں کا نتیجہ نہیں آتا تو فی الفور اپنا کوئی الٹریٹیو پیش کیجیے تاکہ وہ خود آکر دیکھ لے کہ یہاں نقصان کے خلاف ہے۔

غفور صاحب نے کہا انیسویں صدی کے صدر ایوب نے اپنا الٹریٹیو پیش کیا۔ انہوں نے اعوان صاحب کو بھیجا۔ اعوان صاحب جب مکہ معظمہ میں پہنچے تو میں وہاں سے آچکا تھا۔ غفور صاحب نے کہا کہ مکہ شریف سے آنے سے پہلے مجھے کہہ کے ایک بزرگ نے تعویذ دیا کہ ایوب صاحب اسے پتے نہ رکھیں۔ پاکستان میں آکر میں نے بہت کوشش کی وہ تعویذ صدر



دکٹر مکسی مفتی
اپنے بے گانے



مفتی



مقبول قریشی



مسیح مفتی



ڈاکٹر انست مفتی



انجمنہ برادران



امجد مفتی (جہان)

موت کو کے عالم میں تھا۔ اس صورت حال میں لکھنے کا سوال پیدا ہی نہ ہوا تھا۔

پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے مگر ایسے ہوتا ہے کہ کوئی پرانی عادت یا نشہ جو آپ چھوڑ چکے ہوں، وقتوں کے بعد پھر سے آپ پر حملہ کر دیتا ہے۔ اس کیفیت کو ایک شاعر نے خوب بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وہ شیشہ ہائے مے کشی کہ معلوت اسی میں تھی
جنہیں وہیں پرے پرے۔ وہیں کی خاک کھا گئی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہا ہوں میں

کبھی کبھار شیشے بھٹائے بھٹے پر اپنی حملہ کر دیتا تھا۔ وہ میرے دور دورہ آکر کھڑا ہو جاتا۔ مجھ سے کہتا: یہ تو کیا کر رہا ہے۔ یہاں سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یہ ظلماتی دنیا جس میں تو بی رہا ہے، یہ تجھے کبھی کبھہ میں نہیں آئے گی۔ یہ تیری دنیا نہیں ہے۔ یوڈنٹ بلاگ ٹوٹ۔ تو تو خشکی پر رہنے والا ہے۔ کیوں خواہ تو خود گھر سے باہر میں غوطے کھا رہا ہے۔ تجھ میں بزرگ بننے کی خواہش نہیں ہے، ملاحیت نہیں ہے۔ تیرے کردار میں استقامت نہیں ہے پھر تو یہاں کس امید پر بیٹھا ہے۔ صرف اس لیے کہ اپنی CURIOSITY کی تسکین کر سکے۔ صرف جاننے کی خواہش کی محفل تو متعدد حیات نہیں بنائی جاسکتی۔ آج تجھے اس ماحول میں جیتے ہوئے دس گیارہ برس ہو چکے ہیں، لیکن روحانی دنیا کے متعلق تو کچھ بھی نہیں جان سکتا۔

قدرت اللہ شہاب ایک وسیع سمندر ہے، جس کی نہ کوئی سمت ہے نہ کنہار۔ تجھے آج تک کبھی نہیں آیا کہ وہ کون ہے کس کام پر مامور ہے۔ چھوڑا۔ اسے اپنا کام کرنے دے تو اپنا کام کر۔ تو تو ذات کا ایلی ہے۔ "ذات دی کو بزرگزی، ہتھیاریاں مل جیے" چل کی خاتون کے در پر جا کر بیٹھ۔ یہی تیری اصلیت ہے۔ یہی تیری منزل ہے گزشتہ تین سال میں اپنی اے دو تین بار مجھ پر حملہ کیا تھا اور ایسے وقت پر وار کیا تھا کہ میں کئی دن ڈھمی پر بندے کی طرح خرچ رہا تھا۔

بھائی جان سب میری عقیدت کمزور پاتی جا رہی تھی۔ اگرچہ دل میں ان کا احترام جوں کا توں قائم تھا، مگر قدر کی خدمت میں میں باقاعدہ حاضر ہوا دیا کرتا تھا، لیکن دل میں اک خوف سا رہا تھا کہ بھائی جان کے الفاظ میں وہ بہت ڈانڈے دیتے۔ طاقت ور تھے اور کوئی کس کو برداشت

اُس کرتے تھے۔ قدرت اللہ بہ عظیم کردار اور وسعت دل کی وجہ سے میری زندگی کامرکزیں
ہو تھا اور اس جذبہ عقیدت و ثبات کا مضرب ثل ہو گیا تھا۔

آ رہے ہیں

پھر ایک دم قدرت اللہ کی اُن کی خبریں آنے لگیں۔
دو ایک سناہوں نے مجھے کہہ ہمارے اخبارات میں ان کے آنے کی خبریں چھپی ہیں۔
راجہ شیخ دوڑا دوڑا میراں کیا کہنے کا شلب صاحب والہں آ رہے ہیں۔
وفاقی نے مجھے فون کیا کہنے اہلی یہ کسی خبریں سن رہا ہوں۔
مری سے بھائی جان کا دوا کہہ سننے میں آیا ہے کہ ستارا والہں آ رہے ہیں۔ اس کے
مطلق معلومات حاصل کر کے آ گئیں۔
سائیں کرم دین بولے "ایک" والہں آئیں گے" انہوں نے اُمیں حلق سے باہر بھیج کر
لال قلعی کی حتی "اب بھگت رہ ہیں۔
میرے دوست شیر شاہ گما مہارک کو شلب صاحب آ رہے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ وہ
وزارت تعلیم کے سیکرٹری کی جگہ سے کام کریں گے۔
پھر فزور صاحب کا خط ہوا لکھا تھا

شلب صاحب کی واپسی ہاں اہکامات عہدہ منورہ سے چھ ماہ پہلے جاری ہو چکے ہیں۔ کچھ
میں متین آ رہا کہ وہ کیوں نہیں آ رہے۔ آنے میں کیوں تاخیر کر رہے ہیں۔
آخر میں قدرت اللہ کا خط ہوا لکھا تھا "امکان غالب ہے کہ ہم واپس آ رہے ہیں۔ اب
کی ہر شاید وزارت تعلیم تینا آؤ گی۔

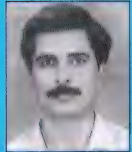
لیکن قدرت اللہ کی آوا پہلے ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے میرے ذہن کا لیڈر اڑا
کر رکھ دیا۔ میرے ہاتھ پاؤں ہل گئے۔ یہ کیا ہوا۔

یہ ۱۹۹۹ء کی بات ہے۔ میلازات سے ریٹائر ہو چکا تھا۔ میں نے سرکاری گھر نکالی کر دیا تھا
نور قریب ہی ایک مکان کرائے لے لیا تھا۔

اس مکان کی ایک سٹ بیٹل پر تین کمرے تھے جن کے ساتھ ساتھ ایک لمبا برآمدہ



تسکینہ مصنی



کوہ برت



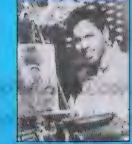
سویا



فریدہ رحمانی



نقش اور نیو



عسکی تصویر بناتے ہوئے



لہذا اس کا ایسی حقا کہ عقل و خرد روحانیت کے لیے باعث تقویت ہیں۔

اس لیے میں قدرت اللہ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

مکس کی زندگی خلیب و فراز سے بھری ہوئی تھی۔

جب وہ دو سال کا ہوا تو اس کا باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

جب وہ چار سال کا ہوا تو اپنی بیٹھ کے لیے چھوڑی جلی مٹی، پھر باپ پتہ نہیں کہیں سے آ

گیا۔ وہ مکس کو اپنی لگا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

نوف زوہ چھ

اسے بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کئی کوئی چھوڑ جاتا ہے کبھی کوئی آ جاتا ہے۔ اسے

لوگوں پر بھروسہ نہ رہتا۔

مگر میں صرف ابا سے اور بوڑھی دادی اب۔ وہ باہر کھیلنے نہ جاتا تھا کہ کہیں وہ دونوں اسے

چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔

باپ سکول ہائز تھا۔ جب وہ پڑھانے کے لیے سکول جاتا تو مکس ضد کر کے باپ کے ساتھ

جانا نہ دیتا۔ جتنی دیر ابا پڑھاتا رہتا، مکس دیوار سے لگ کر کھڑا رہتا، جب ابا شاف روم میں جاتا تو

مکس ساتھ جاتا اور وہیں کرسی سے لگ کر کھڑا رہتا۔

مکس ایک اکیلا اور خاموش بچہ تھا۔

پھر گھر میں ایک اپنی آگئی۔

یہ وہ اپنی نہ تھی۔ پتہ نہیں کون سی اپنی تھی۔ وہ اور بھی گمراہ گیا۔

۱۹۵۱ء میں جب وہ چھٹی آگے تو مکس کو اینٹ میری سکول میں داخل کر دیا گیا۔

جس گھر میں مکس پرورش پا رہا تھا، وہاں لکھتے، لکھتیں تھیں، پھیلنے لگیں۔ باپ سارا

دن پڑھائی پر بیٹھ کر سکھاتا تھا۔ پاس پر بیٹھ کر دھرا ہوا جو ہر وقت چلاو رہتا کیوں کہ ابا

موسیقی کے بغیر لکھ نہ سکتا تھا۔ گھر میں کوئی قانون نہ تھا اصول نہ تھا پابندی نہ تھی۔ گھر میں

فریت تھی اور آزادی تھی۔

باپ کے چند ایک دوست تھے وہ سب بیڑی میں ملازم تھے۔ عمر تھا، مسعود تھا، مرزا تھا، ہوا

پہنہ کرتی ہے۔ دونوں آپس میں ملا کرتے تھے۔ پھر مکس کو پتہ چلا کہ گھر والے لڑکی کی شادی کر

رہے ہیں۔ اس پر مکس ان کے گھر چلا گیا اور لڑکی کے عزیز و اقارب سے، جو فوج میں افسر تھے،

بات کی۔ جواب میں لڑکی کے بھائی اور باپ نے مکس سے بد کلامی کی اور تحلیل کر کے اسے گھر

سے نکال دیا۔ اس شاک سے مکس کے ذہن کا توازن قائم نہیں رہا۔

میں اس لڑکی سے مل چکا تھا۔

ایک اے کے بعد میں نے مکس سے صاف کہہ دیا تھا کہ اب تماری شادی ہو جانی چاہیے۔

بہتر یہ ہے کہ تم اپنا بیٹن ساتھی خود تلاش کرو۔ تلاش کرنے کے بعد مجھے بتا دینا۔ پھر میرا کام

شروع ہو جائے گا۔ اس کے لواحقین سے میں خود جا کر ملوں گا۔ غشیں کروں گا، ہاتھ جوڑوں گا،

اگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوئے تو ہم لڑکی کو انوکھا کر لیں گے۔

ایک دن مکس میرے پاس آئے کہنے لگا، اب آپ فارغ ہیں کیا۔ اگر فارغ ہیں تو ذرا باہر

آئیے۔ میں آپ کو اپنے ایک دوست سے ملانا چاہتا ہوں۔

جب میں ڈرائیگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ ایک

بھرے جسم کی سنجیدہ چٹ کپڑی لڑکی تھی۔

میں نے زندگی میں چٹ کپڑی خواتین تو دیکھی تھیں۔ لیکن چٹ کپڑی لڑکی نہیں دیکھی

تھی۔ لڑکیاں تو رنگ دار ہوتی ہیں، دھاری دار ہوتی ہے۔

چٹ کپڑی سفید اور سیاہ لباس پہنتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔

دراصل چٹ کپڑی سنگار کرنے میں درجہ مکمل حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ وہ اس انداز سے سنگار

کرتی ہے کہ تاثر "سلوکی" کا قائم رہتا ہے اور یوں نظر آتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔

کہتے ہیں کہ چٹ کپڑی کا ڈھاپائی نہیں لگتا۔ اور وہ مہربان ہو جائے تو جنت میں جاسے کی

آزاد نہیں رہتی۔

کئی ایک دن میں نے متوجہ نہیں کرنا دے۔ میں یہ جانتا چاہتا تھا کہ آیا یہ محبت میں تحلیل

کا نتیجہ تھا یا واقعی مکس کو کوئی مشاہدہ ہوا تھا۔ اس معاملے میں میرے حلقہ ارباب میں قدرت اللہ

کے سوا کوئی شخص نہ تھا جو میری راہ نمائی کر سکتا میرے جاننے والوں میں قدرت اللہ ہی ایسا

مرد تھا جو روحانیت اور عقل و دانش کو ہم آہنگ سمجھتا تھا۔ میری طرح انہیں متعلق نہیں سمجھتا

ہر ایک روڈ ایک عجیب بات عمل میں آئی باپ لکھنے میں مصروف تھا۔ بیچ جمل رہا تھا۔
 ابا کی طبیعت ہو رہے تھے۔ کسی چپکے سے تپا اس نے ریڈیو کی سوئی گھما کر آگ لگا دی۔
 ابا نے جیت سے کسی کی طرف دیکھا۔ یہ کیا ہوا۔ پھر اسے خیال آیا کہ شاید مجھے خوش کرنے
 کے لیے کسی نے کپڑا لگا دیا ہے۔

لیکن چند ایک دنوں میں بات کھل کر سامنے آ گئی۔ کسی کی بہنوں نے باپ سے شکایت
 لی کہ بھائی انیس قلمی موسیقی سننے نہیں دیتا، سوئی گھما کر آگ لگا دیتا ہے۔ باپ کو یہ سن کر
 ہلائی جیت ہوئی، لیکن اس نے بات کو زیادہ اہمیت نہ دی، چونکہ کسی کے ہمہ فوخل اور طور
 پر ہنسنے سے یہ کسی ظاہر نہ ہوا تھا کہ وہ ایک ذہین لڑکا ہے یا اس میں فکارت و مسامحت ہے۔
 لیکن وہ ایک میڈیا کر لڑکا تھا، ایک ایک لکھا تھا پیسے سے جس ہو۔

جب کسی کی جوئر کیمبرج میں پہنچا تو باپ نے فیصلہ کر دیا کہ سینٹ میری سکول چھوڑ دے
 اور انٹر کولیشن کی تیاری کرے۔ سینٹ میری کے ڈائریکٹر نے کسی کو سرٹیفکٹ دینے سے
 انکار کر دیا اور کہا کہ اپنے ڈیڈی کو میرے پاس بھیجو۔

ڈائریکٹر نے کہا یہ بچہ سینٹر کیمبرج کرے گا۔

نہیں یہ بچہ میٹرک کرے گا، باپ نے جواب دیا۔

نہیں ڈائریکٹر بڑ بولا، یہ میرا فیصلہ ہے۔

آپ فیصلہ کرنے والے کون ہیں، باپ نے پوچھا۔

میں اس کا ٹیچر ہوں، وہ بولا۔

میں اس کا باپ ہوں۔

آپ بچہ کی اہمیت کو نہیں سمجھتے، بڑ نے کہا۔

جاننا ہوں، باپ بولا، میں نے بارہ سال بچوں کو پڑھایا ہے۔

جیت ہے، ڈائریکٹر بڑ بولا کہ پھر بھی آپ بات نہیں سمجھتے۔

کوئی بچہ بھی بات نہیں سمجھتا، چوں کہ وہ کتابی دنیا میں جیتا ہے۔ مسٹر بڑ نے بھی کتابی دنیا

میں جیتے ہیں۔

بہر حال ہم اس بچے کا سرٹیفکٹ اٹھ نہیں کریں گے، ڈائریکٹر نے کہا۔

تھا، بس غلط تھا، وہ اکثر گمراہ جاتے۔ آتے ہی پیچھے چلائے، نعرے مارے، قہقہے لگاتے، مذاق
 اڑاتے یا تاش کی بازی لگے لیتے۔ ہارنے والے سے جہاد وصول کرتے اور جب جہاد کی رقم
 کافی ہو جاتی تو وہ کسی کو لکھاتے اور اسے کلفہ خریدنے کے لیے بازار بھیج دیتے۔ پھر کسی
 منڈلی میں کلفہ کی سروس کرتے، کہاں کی کر دے سب نعرے لگاتے ہوئے پیچھے چنگارتے ہوئے چلے
 جاتے اور اب پھر سے پٹائی پر بیٹھ کر لکھنے لگا تھا۔

چھوٹا

کسی کا کوئی اپنا دوست نہ تھا، اس لیے وہ ابا کے دوستوں میں بیٹھا رہتا تھا۔ اسے ابا کے
 دوستوں سے سخت شکایت تھی کہ وہ اس سے سارے کام کرایا کرتے تھے۔ کسی چائے لگاؤ۔
 کسی پانی۔ کسی تاش کھائے، لیکن انہوں نے کبھی کسی کو دوست کی حیثیت نہ دی تھی۔ ان
 کے نزدیک وہ محض ایک چھوٹا تھا۔ کوئی ایک آٹا آکر باری باری سب سے ہاتھ ملاتا، لیکن کسی کو
 چھوڑ دیتا۔ اس پر کسی سخت احتجاج کرتا کہ اسے اہمیت نہیں دی، پھر جب کسی کے احتجاج میں
 نرم قسم کا عنصر پیدا ہو گیا تو انہوں نے کسی کو کچھ کچھ اہمیت دینا شروع کر دی۔

انہی دنوں کسی میں بیداری کی پہلی کرن پھوٹی۔

اگرچہ اس کے باپ کو کچے داگ کی پہچان نہ تھی۔ موسیقی کے محقق صرف کتابی علم
 حاصل تھا۔

..... نہ مجھے میں داگ تھا، نہ کان میں وہ خصوصی حس تھی جو موسیقار کے لیے از بس
 ضروری ہوتی ہے۔ لیکن ایک بات ضرور تھی۔ کپڑا گن کر اس کے باپ پر ایک عجیب سا بے
 پیم اثر ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جب بھی لکھنے بیٹھا ریڈیو پر موسیقی لگاتا، کوئی ایسا شیش جوں
 سے ایسا گانا شروع ہوا تو آجس میں کچے داگ کی آغوش ہوتی۔

پہلی بیداری

کسی کو اس کی دونوں بہنوں کو کچے داگ سے چڑ تھی۔ جب بھی اسے موقع ملتا وہ شیش
 بیل دیتا اور لکھی جگہ ریڈیو لگا دیتا جہاں سے قہقہے لگنے شروع ہو رہے ہوتے۔

ٹھیک ہے، باپ نے کہا کل سے تھکی سکول میں آئے گا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے میٹرک لیٹن پاس کر لیا۔
اس زمانے میں باپ کی زندگی میں انقلاب آیا تھا اور وہ مرد قلندر کے مزار پر جانے لگا تھا۔
تھکی بھی اس کے ساتھ باقاعدہ مزار پر حاضری دیتا تھا۔ راجہ شیخ نور دانی اس کے دوست بن گئے
تھے اور بھائی جان اس پر شفقت کی نظر رکھتے تھے۔ پھر وہ کراچی چلے گئے۔
طبلہ

چند ایک ماہ دھارے راستے اگے رہے، پھر ایک روز میں نے دیکھا کہ وہ گھر کے باہر اپنی
لگائے کیوس پر چاقو سے رنگ توپ رہا تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ ظاہر تھا کہ وہ وہاں خانے
بجائے۔

تصویر بنا رہے ہو، میں نے پوچھا۔

بانتھ آنا رہا ہوں، وہ بولا۔

میں حیران ہوا، یہ لڑکا موسیقی سے پیشگیب کی طرف کیسے آگیا۔

پانچ چھ مہینے وہ بانتھ آنا نے میں لگا رہا اس دوران میں گھر میں سات آٹھ کیوس آکٹھے
کئے، محض دو ایک ڈیمر درختوں کا ایک جھنڈ، قلعے کا دیوئی منظر، مری کا شہر و سوپ چھٹاؤں میں۔
مری کا لینڈ سکیپ قدرت اللہ شاہ کی بیوی ڈاکٹر عفت کو اس قدر پسند آیا کہ وہ اٹھارہ
لے گئی۔

پھر وہ کسی سے کہنے لگی، چھوڑ لاؤں کوئی اے ایم اے میں کیا رہا ہے۔ آؤ ہم طرا
بھینٹنٹر کا روپار کرتے ہیں۔ تو تصویریں بنانا چاہیں چھٹی جاؤں گی۔ تھی اس تصویر کو بڑا
کمرت سی میری لئے والیاں خرید رہی ہیں۔ پانچ سو روپے میں ایک تصویر بچوں کی۔
پھر دھنا، پیشگیب کرنے کا تھار اتر گیا اور تھکی کا بچ کی لیکچر وینیز میں حصہ لینے لگا۔

DECLAMATION پھر بحث۔ پھر وہ کرکٹ کھیلنے لگا اور کھل کینڈ بھینٹنٹر میں غامض شہرہ
میں پھر یہ نہیں کیا ہوا۔ دھنا، اسے سٹیج لے کر گھن گئی اور اس نے کئی ایک ماہ کی
کے بعد ایک پبلک سٹیج لے کر ڈالا۔

اسٹیج لے کے بعد اس کی توجہ آڈیو اور ویڈیو کی طرف مبذول ہو گئی۔ وہ سارا سارا
کباڑوں کی دکانوں پر چمک میں پرندوں کو تلاش کرتا اور پھر آکر مجھے کہتا ہو، جڑاروں کا دیکھا۔

کراچی میں تھکی باپ کے ساتھ ویلج ایڈ کے دفتر میں چلا جاتا دفتر میں ساز تھے، پرو بیکڑے،
کیرے تھے، ٹیپ ریکارڈر تھے، احمد بشیر تھا، ابن انشا تھا اور حفیظ جالندھری تھا۔
دفتر کے باہر قیصر تھا، جس کے ساتھ باپے چٹا دلوں ساراں کراچی میں آوارہ گردی کرتے
تھے۔ شام کے وقت احمد بشیر کے گھر محفل موسیقی لگتی تھی۔

پیارنگ سے شدہ موسیقی سن کر یہ نہیں کیا ہوا۔ ایک روز جب طبلہ نہ آیا تو کسی
نے اٹھا کر طبلہ بھانا شروع کر دیا۔ یہ ایک حیران کن بات تھی۔

کسی کی ملاجیت کو دیکھ کر پیارنگ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے تھکی کو طبلے کے متعلق
ترتیب دینا شروع کر دیا۔ چھ مہینے تھکی طبلہ بھانے کے محفل میں لگا رہا، پھر اس نے طبلہ بھانا
چھوڑ دیا۔

ایک دن میں نے پوچھا، تم نے طبلہ بھانا کیوں چھوڑ دیا کہنے لگا، ابو طبلہ بھانا مقصود نہ تھا۔
تلی کہتا چاہتا تھا سو سمجھ گیا ہوں، تلی کا بھید مل گیا ہے، اور وہ اندر دھج رہی ہے۔ بس یہی چاہا
تھا اب طبلہ بھانا وقت ضائع کرنے کے برابر ہے۔

پھر کراچی سے ہم واپس پٹنڈی آئے اور تھکی گاڑوں کا بچ میں داخل ہو گیا۔
اس کے بعد تھکی میں ایک تبدیلی واقع ہوئی۔ پہلے وہ سارا وقت میرے ساتھ گزارتا تھا۔

اب زیادہ وقت گزرتا ہے، کراچی کے لگا۔

پیشگیب

ایک روز میں نے پوچھا، آج کل کہاں رہتے ہو۔

اٹھے کہوں سے پاس ہو جاتا تھا اور پڑائیں حاصل کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا ابو احمق نہ تو مطالعہ سے پاس ہوتا ہے نہ محنت سے۔ احمق سوچہ بوجہ کے دور پر پاس ہو تا ہے۔
ایک سال کے بعد مکی میرے پاس آیا کئے لگا ابو میں نے سی لائیں کی تیاری مکمل کر لی ہے۔ میں ابھی پڑائیں حاصل کروں گا۔
بڑی خوشی کی بات ہے میں نے کہا۔
لیکن وہ بولا میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھو۔

کئے لگا کیا یہ ضروری ہے کہ میں سی لیں لی بنوں۔
میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور کہا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم عزت کی نوکری کرو۔

ابو میں سی لیں ہی کی عزت کی نوکری نہیں سمجھتا۔

میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

میں سی لیں ہی بننا نہیں چاہتا وہ بولا۔

تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا میں نے پوچھا۔

اس لیے اس نے جواب دیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں محنت سے ہی چراتا ہوں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے اگر آپ چاہیں کہ میں سی لیں ہی بنوں تو میں احمق نہ دوں گا اور نہ نہیں۔

میرا ایسا یہ ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو یہ خوش فہمی دے رکھا ہے کہ میں وسیع القلب باپ ہوں اور ان کی رضامندی کے بغیر کوئی بات ان پر ٹھوسا پسند نہیں کرتا۔

بسرمل اس روز میرا بی چاہتا تھا کہ فرائز دلی کا وہ ڈھنگ چاک ہٹ کر کے رکھ دوں لیکن مجھ میں جرأت نہ ہوئی۔ میں نے بیٹے پر جبر رکھ کر کسی سے کہا کہ کوئی ان نہیں۔ اگر تم سی لیں ہی کی عزت کی نوکری نہیں سمجھتے تو نہ کسی ٹھیک ہے۔

ان دنوں مکی کی کئی ایک سیلیبھن تھیں یہ نہیں وہ اس کی ہا تھیں دوست تھیں یا محبوبائیں تھیں۔

میں نے ایک دن مکی سے کہا کسی اب تجھے شادی کر لینی ہے مگر ہے کہ تو اپنا جیون

تیمیں میں یک رہا ہے اور ابو کہا ہے کہ پتہ ہی نہیں کہ اس کے جبک میں کچھ ساڑسکس چلا ہوا ہے۔ جو کوڑیوں کے مول بک جائے گا۔ اس زمانے میں مکی نے شہت سے محسوس کیا کہ اس کا باپ ایک غریب آدمی ہے اور وہ ایسی چیزوں کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود مکی کی ایک مٹھیں آگئیں ریکارڈر انیس ہینز لکڑ پتیکر۔
پھر ایم اے میں تعلیمات کے پریکٹیکل کے لیے اسے چھ ماہ کے لیے لاہور گورنمنٹ کالج میں جاتا پڑا۔

چھ ماہ وہ اشفاق اور پاؤ کے گھر رہا۔ وہاں اس نے اشفاق سے بہت کچھ سیکھا چونکہ اشفاق کی جملہ قابلیتوں میں مسز کی قابلیت بھی موجود ہے۔ وہ مٹھوں سے کھیلا رہا ہے۔ بڑے پیار سے انہیں ہاتھ لگاتا ہے۔ اپنے بیٹوں سے کہتا ہے 'خالوں اس مٹھی سی جان پر کیوں ظلم کرتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ وہ اتنی سی ہے لیکن اتنا بڑا کام کر رہی ہے۔
پاؤ نے مکی کے گرد مٹا کے ڈھیر لگا دیے اور اسے لت پت کر دیا۔ اشفاق کے گھر نے مکی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔
پھر وہ گارڈن کالج میں پیکرار ہو گیا۔

سی لیں ہی

انہی دنوں میں نے مکی سے کہا ایک بات پاؤ کے۔
کئے لگا کہیے۔

میں نے کہا پہلے وعدہ کرو کہ تم زندگی بھر گورنمنٹ کی نوکری نہیں کرو گے۔
کیوں اس نے پوچھا۔

اگر گورنمنٹ کی نوکری کرتی ہے تو سی لیں ایس ایس کرنا لازم ہو گا سی لیں ایس کے بغیر گورنمنٹ کی نوکری کرنا ہے عزتی ہے۔

ابچا وہ بولا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں سی لیں ایس کروں گا۔ اس کے بعد وہ سی لیں ایس کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

مکی کو مطالعہ عاشق نہ تھا لیکن اسے احمق پاس کرنے کا اگر آتا تھا نتیجہ یہ کہ وہ بیسٹ

اور بے جان بن گئے ہیں۔

ایسا مشاہدہ اللہ کی جانب سے آتا ہے۔ یا تو یہ مشاہدہ آزمائش بنا ہے یا انعام۔

جن کو اس مشاہدے سے نوازا جاتا ہے وہ اسے جان لیتے ہیں۔ ان میں انڈر سٹینڈنگ پیڈ ابو ہاشم ہے۔ مشاہدت کا تجربہ شادی کا تجربہ جنس کا تجربہ.....

ہمیں کے خطوط سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سورج جو اس کے دم میں طلوع ہوا تھا اس کی کرنیں ابھی تک ہمیں کو گھیرے ہوئے تھیں۔

دو سال کے بعد ہمیں چیکو سلاویہ سے واپس آگیا، لیکن وہ ہمیں قتلہ جس کے ساتھ میں نے زندگی کے تیس سال گزارے تھے۔

وہ ایک مرتعہ ہوئے پھول کی طرح قتلہ لگتا جیسے ٹوٹا ہو۔ وہ زیادہ شستا قتلہ زیادہ محسوس کرتا تھا، لیکن بہت کم بولتا تھا۔

مجھے آج تک علم نہیں ہوا کہ پرگاہ میں ہمیں پر کیا تھی۔

لیکن وہ تیس لوٹ بیٹیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کے طائف اور ذہنی کیفیات کا پتہ دیتی تھیں۔

ان لکچوں میں مختصر نوٹ تھے۔ موضوع وحدانیت تھا، کیم لرا کی بنا پر وحدانیت کا مسئلہ حل کیا ہوا تھا کہیں روشنی اور رنگ کی بنیاد پر۔

ہمیں کسی آند پر ہم سب نے حقیقت فیصلہ کر رکھا تھا کہ چچ عواک یہ یا پرگاہ کی بات نہیں کریں گے تاکہ اس میں ناخوش گوار یادیں پیدا نہ ہوں۔

ایک دن جب ہمیں اس میں ایکے بیٹھے تھے تو میں نے ہل کی بات چھیڑ دی۔ شاید اس لیے کہ میں حقیقت حل جاننے کے لیے بے قرار تھا۔ میں نے ہمیں پرگاہ میں تو تم چھائی پر لگے رہے۔

ہاں ابو، وہ بولا، چھائی پر لگا رہا کاش وہ دن لوٹ آئیں اور اب میرے چھائی پر لگ چکوں، لیکن اب شاید ایسا نہ ہو۔ اس نے لمبی آواز بھری بولا، کھو دیا ابو کو دیا اب کی آنکھیں بھر آئیں۔ آواز بھرا تھی۔ کئے گئے، اب میں ایک غلطی برتن ہوں ہاں لیکن ابھی کہ ہمارے سے ساری چھوک لکل گئی ہے اور چھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ کوئی غلط نہیں رہا۔ کوئی مشعل نہیں

دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ اس کے خطوط میں چاہتا پاکستان اور اللہ کا تذکرہ ہوتا۔ ساتیس کے حوالے سے، یا قلمی کے حوالے سے یا دینے ہی۔ اگرچہ وہ اپنے خطوط میں منہ و حق سے بات کرتا تھا۔ ذاتی کیفیت کے اظہار سے گریز کرتا۔ لیکن دلی ہوئی شدت اچھل کر باہر نکل آتی جسے محسوس کر کے میرے دہرے اس کا سوجا ہوا مسخ شدہ چہرہ معلق ہو جاتا، آنکھیں پونی کی طرح سرخ ہوتیں۔ مثلاً اس کے خط سے انہیں ملاحظہ ہو۔

ابو چک ایک مایوس قوم ہے۔ انہوں نے اپنی امیدوں کے تمام اٹھے مار کر مرم کی فکری میں ڈال رکھے ہیں مار کر مرم کا رنگین وعدہ لیا تھا، ہوا جس سے انہیں دھچکا لگا اور سارے اٹھے ٹوٹ گئے۔

اللہ مشرق کے پاس اللہ ہے۔ اہل مغرب کے پاس زر ہے۔ چک کے پاس نہ اللہ ہے نہ زر ہے، پھر چک کس سرید پر بیٹھے۔ اسے پتہ نہیں کہ وہ کون ہے بلکہ مر سے آ رہا ہے، فکر مر کو جا رہا ہے، اس کی منزل کیا ہے، زندگی کا مقصد کیا ہے۔

چک کی گہری مایوسی سے ایک طوفان ابھر رہا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے پاکستان میں ایک طوفان بن رہا ہے۔ چک کے دل میں ابھرے والا طوفان ثبت نہیں۔ پاکستان میں بننے والا طوفان ثبت ہے۔ پاکستان میں عظیم واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ اللہ ایک عظیم پلازہ ہے وہ مجبوروں کو پسند نہیں کرتا۔ چھوٹے چھوٹے واقعات سے عظیم نتائج پیدا کرتا ہے۔

پاکستان میں عظیم واقعات رونما ہوں گے۔

ہمیں کے ہر خط میں کسی نا کسی بے نام پاکستان اور خدا کا تذکرہ موجود ہو گا۔ لگتا جیسے وہ پرگاہ میں بیٹھا ہے، لیکن اسے اپنے ارد گرد ہماروں طرف پاکستان ہی پاکستان نظر آتا ہے۔ اس کے کئی ایک خط تو جنہیں مضامین کی حیثیت رکھتے تھے۔ مثلاً:

مشاہدہ

بابو۔ اللہ نہ نکلوں میں ہے نہ عبادتوں میں۔ قرآن کریم پڑھتے رہو پڑھتے رہو، پھر بھی آپ اللہ کو نہیں جانتیں گے۔ عقل اس کا امانہ نہیں کر سکتی۔ اسے آپ صرف مشاہدے کے

انے کے لیے بھی کھڑی کھڑی گھومتا رہے گا، ان کھڑکیوں جو شہروں سے دور واقع ہیں، جن پر اسی شہری اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ وہاں جانے والے مقامی لباس پہننا ہو گا اور ٹرک وہاںوں میں قیام کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔

آجہ دان عیسی میر ٹیکب کو نرسنگ دتا رہا۔ ہانڈل کے ایکسپرت کے لیے یہ ایک انوکھی نرسنگ تھی۔

پھر وہ دونوں سندھ، بلوچستان، قباقر، مکران اور بعد کے دور اقلہ گاؤں کی جانب نکل گئے، جس مظلوم پاکستانی پتھر مغرب زدہ شہروں، کلاں، ماب اور جدیدیت کے حملے سے ابھی بچا ہوا بیٹھا ہے۔ جہاں لوگ ساز و داروں پر لٹے لٹے گئے لڑے ہو چکے ہیں۔

پتہ نہیں نکلیں نے وہاں کیا دیکھا۔ ہر حال چند ماہوں کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس پر لوگ درخت کا جنون سوار تھا۔ چیکو سلائیہ میں اس کی باگی کا مرکز مطالعہ تھا، اب لوگ ورڈے ہو گیا۔

جہانگیر

نکسی کا ایک لنگو تہہ دوست تھا۔ جہانگیر۔

جہانگیر ایک کمزور بچہ تھا۔ بچپن سے ہی اسے لپٹا لپٹی لگی ہوئی تھی۔ اس کا بچپن اور جوانی اس بیماری کے خلاف مسلسل جدوجہد میں گزرے تھے۔

جہانگیر والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، اس کے والدین آہنیے سے والماند محبت تھی۔ میں نے زندگی بھر اس قدر پیار کرنے والے والدین نہیں دیکھے، جہانگیر سے پیار ان کا واحد مقصد حیات تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے ہڈی سے ہڈی قربانی کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

جہانگیر کا والد آری میں مول اضر تھا۔ لیکن اس زمانہ کی پمپ نہیں لگی ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں سے ہشاش کے چھینٹے اڑتے رہتے تھے۔ اور وہ ہر وقت ہذبہ محبت سے بھٹی بلکہ جھلکتی رہتیں۔ اس کے انداز میں ایک عام ناڑی تھی۔ مزاح کی حس تھی اور خدمت کا جذبہ تھا۔

جہانگیر بھی عام نوجوانوں جیسا نہیں تھا۔ اس کی طبیعت میں تین صلاحیتیں نمایاں تھیں۔

رہی۔ بس غلامیں ٹنگا ہوا ہوں اور خود بھی ایک غلام ہوں۔

میر ٹیکب

پھر یہ غلام میر ٹیکب کی آمد پر ہو گیا۔

میر ٹیکب ایک معری نوجوان تھا، خوش شکل، رنگین مزاج، جس کھ۔ وہ یو نیکو کا ایک ایکسپرت تھا۔ جسے پاکستان کے لوگ گیت اکٹھے کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا۔

یو نیکو، وزارت تعلیم سے اکثر مطالبات کیا کرتی تھی، یو کلاڈی ڈویسٹ کے ہوتے تھے اور جنہیں پورا کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ یو نیکو کا یوں ایک جیتے جانتے آدمی کو لوگ گیت جمع کرنے کے لیے بھیج دیا گیا، میر مہولہا تھی۔

وزارت تعلیم کو کیا پتہ کہ گیت کیا ہوتا ہے، سر کیا ہوتی ہے، تل کیا ہوتی۔ میر ٹیکب کی آمد پر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

ہر حال انہوں نے میر کو انٹرک میں غصا دیا۔ بولے، ہم چند روز میں لوگ گیتوں کا انتظام کر دیں گے، آپ انتظار کریں۔

دیر تک وہ بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ پھر آخر کے باہر نکل گیا۔ کسی سے کہیں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے چاروں کا پتہ نہ دیا۔ میر ٹیکب کو چارے سے بہت پسند آئے، وہاں مشریت کی جھلک تھی۔ وہ دیکھتے میر ٹیکب بائیں سے گیت ستارا، چٹکائی، جانا رہا۔

پھر کسی نے میر کو بتایا کہ یہ گیت تو چارہ گیت ہیں، لوگ گیت نہیں ہیں۔ اس کا دل ٹوٹ گیا، وہ سیدھا سیکرٹری تعلیم کے پاس پہنچا۔

لوگ ورڈ

الحق سے ان دنوں قدرت اللہ پکڑی تعلیم تھے۔ انہوں نے نکسی کو میر جاعلون مقرر کر

نکسی نے میر ٹیکب کو بھجوا دیا، بھائی پاکستانی لوگ گیت اکٹھے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لوگ گیت بائیں کے چاروں میں نہیں ملتے، نہ ہی آرٹ کونسلوں میں ملتے ہیں۔ انہیں جمع

میں کوئوں سے پوچھتا ہوں 'یہاں کوئی تعزیر ہو رہی ہے۔

وہ کہتے ہیں 'تم دیکھ نہیں رہے سامنے تخت بچھا ہے۔

یہاں تاج پوشی ہوگی۔

اس کی تاج پوشی۔

وہ جواب دیتے ہیں۔ جن کی تاج پوشی ہوئی ہے۔ وہ ابھی نہیں آئے

اتنے میں پہنچ پر ایک شخص نمودار ہوتا ہے۔

یہ کون ہے 'میں نے ان سے پوچھتا ہوں۔

یہ اس تعزیر کا ناظم ہے وہ جواب دیتے ہیں۔ یہ آنے والے بادشاہ آگاہ پرتائے گا۔

پھر وہیں دیکھا ہوں تو ناظم نے دونوں ہاتھوں میں تاج اٹھا رکھا ہے۔ اے

سے میری فتح نکل جاتی ہے۔ یہ تو قدرت اللہ شہاب ہے۔ ساتھ نہایت آنکھ کھل جاتی

بڑا عجیب و غریب خواب ہے۔ میں نے کہا۔

ایسا خواب مجھے کبھی نہیں آیا۔ مقبول نے کہا۔

تم قدرت اللہ کے حلق سوچتے رہتے ہو گے 'میں نے کہا۔

قلبی نہیں 'وہ بولا۔ میں نے ان کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ میں انہیں سرسری طور

جانتا ہوں۔

مقبول قریشی میرا دلدادہ ہے۔ میری بڑی بیٹی سویرا کی مقبول قریشی سے شادی ہوئی تھی۔

جب اس کی چاہت سے شادی کا پیغام آیا تھا۔ ان دنوں وہ سی۔ اے کی ٹینک حاصل کر رہا

تھا۔ ان دنوں قدرت اللہ شہاب ملک سے باہر تھے۔

میں نے انہیں خط لکھا جس میں مقبول قریشی کے کو ایک درج تھے اور ساتھ ہی ایک نوٹ

کرافٹ لکھوا تھا۔

قدرت اللہ نے جواب دیا کہ میں نے مقبول قریشی کو غور سے دیکھا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ ابھی

آدھی ہے اور انشاء اللہ موزوں رہے گا۔ آپ معاملہ اللہ پر چھوڑیں اور مقبول قریشی کا پیغام منظر

کر لیں۔

مقبول قریشی ایک خوش مزاج خوش پوش نوجوان تھا۔ اس میں مزاج کی حس موجود تھی

لیکن بنیادی طور پر وہ ایک عقیدہ اور عقیدہ نوجوان تھا۔ سواٹ روپیہ کو بچانے کرتا تھا۔

انکوائس میں ہونے کی وجہ سے وہ جہاد پور روپیہ کا قاتل نہ تھا۔ وہ بڑی مہربانی کو بچانے

کرتا تھا۔

مقبول قریشی عام طور سے خواب نہیں دیکھا کرتا تھا۔

نہ چاہتے 'نہ سوتے کے۔

ایک روز وہ سخت گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ کہنے لگا 'میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا

ہے۔ عام طور پر مجھے خواب نہیں آتے۔ کبھی کبھار آتے بھی تو وہ بامعنی نہیں ہوتے۔

کنفیوزڈ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خواب بالکل واضح تھا۔

میں نے پوچھا۔ کیا دیکھا تم نے۔

بولا۔ دیکھا ہوں کہ ایک بہت بڑا جھوم ہے۔ وہ سب کسی تعزیر پر جا رہے ہیں۔ ان میں

بڑا جوش و خروش ہے۔ میں بھی اس جھوم میں شامل ہو جاتا ہوں۔

ہم در یک چلتے رہتے ہیں۔

آخر ہم ایک بہت بڑے عظیم الشان قلعے میں پہنچتے ہیں۔ قلعے کے اندر داخل ہوتے ہیں

ایک بہت بڑے ہائی کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ سامنے ایک اونچا

سیج بٹا ہوا ہے۔ اس پر ایک تخت بچھا ہوا ہے۔

دوسری شادی

شہزاد کی وفات کے بعد میں دوسری شادی کرنے کے حق میں نہ تھا۔ مجھے کثرت ازدواج سے نفرت تھی، چونکہ میری زندگی والد صاحب کی کثرت ازدواج کی وجہ سے تباہ ہو چکی تھی۔

ابن نے مجھے دوسری شادی کرنے پر مجب کر دیا تھا۔

ابن کہتی تھی۔ دیکھو ممتاز بے شک اپنے لیے دوسری شادی نہ کرو، لیکن اس بچے کی طرف دیکھو۔ کیا بچہ اکیلا تنہا لاوارث دنیا گزارے گا اسے مگر نصیب نہ ہو گا۔ مجھ پر بھروسہ نہ کرو، میں تو جانے والی ہوں۔ قہر بڑا نہیں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ اس بچے پر رحم کرو۔

شادی سے پہلے میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جس روز میری بیوی نے نکاح سے بدسلوکی کی، اسی روز میں علیحدگی اختیار کر لوں گا۔ میری بیوی اقبال بیگم کا پر مجھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے گھر میں سوسیلے پن احساس تک نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ جب اس کی اپنی بیٹیاں بڑی ہو گئیں تو ایک دن اس کو خودی میں میرے منہ سے نکل گیا کہ جب نکاح کی ہاں فوٹ ہوئی تو۔

ٹریکیں یہ سن کر حیران رہ گئیں۔ دادا سے پوچھنے لگیں۔ کیا نکاح ہمارا بھائی نہیں ہے۔ جب انہیں حقیقت حال کا پتہ چلا تو وہ ان روٹی رہیں۔

میں خوف زدہ تھا کہ دوسری شادی مجھ پر ایسے اثرات پیدا نہ کرے جو والد صاحب کی دوسری شادی نے مجھ پر کیے تھے۔ میری زبان کے دھارے کا رخ ہی بدل دیا تھا۔

ابا کی دوسری شادی کے بعد دوخت میں آئے یہ مگر کی نوکرانی بنادی گئی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب میں وصال سال کا قادیب میں نے ہوش سنبھالا تو میں ایک نوکرانی کا بیٹا تھا۔ گھر میرا اپنا گھر نہ تھا۔ لہذا گھر مجھے کبھی نہیں نہ ہوا۔

دوسری امی نے ہم سے بڑی بدسلوکی کی۔ جس کی وجہ سے احساس کتبی میرے بندہ نہ میں رنج گیل۔

میری دوسری امی سالکوت کی شہزادہ کی بڑی خوبصورت عورت تھی۔ وہ میری آئیڈل بن گئی۔ اس لیے عورت کے ساتھ میرا دل (LOVE HATE) تعلق قائم ہو گیا۔

اپنے بے گانے

برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان اور بھارت کے درمیان بلوچندری لائن مقرر کرنے میں بڑی بے انصافی کی گئی تھی۔

ضلع گورداسپور جو مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ تھا، بھارت میں شامل کر دیا گیا تھا۔ جاناں کے مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔

منہیں محلے میں رہنے والے عزیز و اقارب اور برادری کے تمام لوگ پاکستان میں چلے ڈھونڈنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ قافلے کی صورت میں پاکستان پہنچے تھے۔ کچھ راستے میں شہید کر دیئے گئے جو پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے وہ جگہ جگہ بکھر گئے۔

ہمارے چند ایک قریبی عزیز لاہور میں مقیم ہو گئے۔

جب نکاحی اور میں پاکستان میں پہنچے تو ہماری حیثیت لاوارثوں کی تھی۔ رشتے داروں سے میل ملاپ کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ کوئی ہمیں منہ لگانے کے لیے تیار نہ تھا۔ جن کے دل میرے خلاف غم و غصہ اور نفارت کے چند بلب سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے ملنے کے دواوا نہ تھے۔ چند ایک جو ملے تھے بہت مختار تھے۔ چوری چوری ملنے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔

کے شاعر لیب فن کار اور دانش ور سوار تھے۔

مجھے والد صاحب کی وفات کی خبر گاڑی میں ملی تھی، لیکن میں نے اپنی نہاداری رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں کرائس کا آدمی نہیں ہوں۔ کرائس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بھاگ جانا ہوں۔ دوسرے میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ باپ کی وفات کے بعد بڑا بن کر آجینا ہے۔

امجد مفتی، مسلمان مفتی

وفات سے پہلے والد صاحب نے ایک دن مجھے پاس بٹھا کر بڑی سنجیدگی سے کہا تھا ممتاز میری ایک بات مان لو۔ تم باقی بہن بھائیوں سے تعلق رکھو یا نہ رکھو یہ تمہاری مرضی ہے۔ لیکن امجد سے ضرور تعلق قائم رکھنا۔ وہ بڑا اچھا لڑکا ہے۔

سارے بہن بھائیوں میں امجد واحد بیٹا تھا جس نے اپنے عہد کی قربانی کی تھی۔ اس بات پر مجھے خوشی محسوس ہوتی تھی کہ لہذا امجد سے محبت کرنے کے لیکن ان کی محبت کا انداز مجھے پسند نہ تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ امجد کو اپنا بچہ سمجھتا ہو رہا ہے۔

دو اسے اپنے بیٹا بنا رہے تھے۔ اس کی صلاحیتوں کو اپنے سانچے میں ڈال رہے تھے۔

اس پر میں نے کئی بار احتجاج بھی کیا تھا۔

میں کہتا تھا۔ اب امجد نے اپنے دور میں زندگی بسر کرنا ہے۔ اسے جدید کے مطابق تربیت دیجئے۔ اسے اپنی کاروبار بنانی نہ پڑے۔ ایسا کرنے میں لاپرواہی کا رنگ ہے۔

اس بات پر لہذا مجھ سے متعلق نہ تھے۔

امجد ہر بات میں اپنی بات کی بات مانتا تھا۔ میرے خیالات اس کے لئے اہل قبول نہ تھے۔

پھر اس کی شادی کی بات چل نکلی۔

ابا چاہتے تھے کہ امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں کریں۔

مجھے یہ بات پسند نہ تھی۔ اس لیے کہ ابا کے رشتے دار دور دریدہ سے اس پر بے گانہ تھے۔

جب امجد کی شادی کی بات طے ہو رہی تھی تو میں ابا سے جا کر ملا۔ ابا نے کہا ابا اللہ کے

دائے امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں نہ کریں۔

میری بیٹی بھڑکتی پریس (SUPPRESS) ہو کر رہ گئی۔

میرے دل میں قادر ہو سبیلش کا بندھ کر گر گیا۔

یہ تمام بھڑکتی حقیت تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ میری ساری زندگی میں جس کا زہر کھل گیا۔ یہ تھکات میں علی پر کے ایل

میں قلم بند کر چکا ہوں۔ یہاں صرف حوالے کے طور پر انہیں دہرانے پر مجبور ہوں۔

والد صاحب

میری دوسری اہلی کی حکومت نو دس سال چلی۔ اس کے گھر کوئی بچہ نہ ہوا۔ اور وہ وفات پا گئیں۔

اس کے بعد والد صاحب نے دو اور شادی کیں۔ اس وقت میں دسویں پاس کر چکا تھا۔ ان

شادیوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا۔ پھر یہ بھی ہے کہ میری تیسری اور چوتھی والدہ کے

بچوں سے خوش گوار تعلقات رہے۔

والد صاحب بھی میری جانب مہلت رہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ان کے گھر کو اپنا نہ

سمجھ سکا۔

اس گھر پر بیچ بچگی کی مرگ چلی تھی وہ جوں کی توں قائم تھی۔

والد صاحب سے میں نے زندگی بھر اچھا سلوک نہ کیا۔ اب سوچتا ہوں تو مجھ پر شرمندگی

طاری ہو جاتی ہے کہ والد صاحب کی جو جو باتیں مجھے نا پسند تھیں، لہذا میرے بعد وہ سب

باتیں ایک ایک کر کے مجھ میں پیدا ہوئی گئیں اور میری کوششوں کے باوجود تقویت پاتی گئیں۔

چونکہ والد صاحب کے گھر کو گھر نہ سمجھا اس لیے اس کے افراد خانہ کو بھی نہ اپنا لیا۔ بھائی

بھنوں کو بیگنے سمجھا۔

تیسری والدہ سے میری دو بیٹیاں تھیں۔ کشور اور انور۔

چوتھی والدہ سے تین بھائی تھے۔ امجد، ارشد اور سلمان۔

۱۹۶۶ء میں جب میرے والد فوت ہوئے تو اس وقت میں اس سیشن گاڑی میں سوار تھا، جو

صدر ایوب کو حصار ف کرانے کے لیے کراچی سے پشاور تک چلائی گئی تھی اور جس میں ملک بھر

کرامت کی رنڈا منٹ کے بعد اس کی بیوی نے اس سے اچھا سلوک نہ کیا اور وہ باطرح دربر ہوا۔ آخری ایام میں وہ اپنے بیٹے کے پاس آگیا۔ بدروہائی فوج میں اونچے عہدے پر فائز تھا اور لالہ دار راولپنڈی میں مقیم تھا۔ میں کرامت کو ملنے جایا کرتا تھا۔ چونکہ میرا لنگو بیہ قہل میں اکثر اسے کہتا تھا کہ کرامت تیری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ تو سب کو پرا دیتا ہے۔ سرگت اور چائے پتا دیتا ہے۔ شراب کی بندش ہو چکی ہے۔ اب تو کسرا یہ پر زندگی سے چٹا ہوا ہے۔ اب بس کر معافی دے اور رخصت ہو۔

جواب میں وہ مسکرا کر آگتا ممتاز تو مجھ سے چھ ماہ بڑا ہے۔

عرصہ درواز تک ہماری نوک جھونک چلتی رہی۔

پھر ایک روز وہ رخصت ہو گیا۔

میں نے نیت کے پکن میں کہا کیوں ہے تو تو کتنا تھا میں تجھ سے چھ ماہ مینے بڑا ہی اب بول۔

مجھے جھوس ہوا جیسے اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں کھل گئے۔ اس مسکراہٹ میں بی بی جی تھی۔

ڈاکٹر اہلت مفتی اپنے باپ پر گیا تھا۔ اس کا باپ مبارک علی ہمارے محلے میں واقع ہرگ تھا۔ آخری ایام اس نے مسلسل عہدات اور تزکیہ میں گزارے تھے۔

میں اسے دیکھ کر حیران ہوا کرتا تھا۔ اکثر اہل سے کہتا اہل یہ حیرا بھائی کیسا افسانہ ہے۔ بالکل بے چارہ ہے۔ جیسے پانی ہو۔ اسے گھاس میں ڈال لو یا کنورے میں۔

ڈاکٹر اہلت بھی اپنے باپ کی طرح بڑا عہدات گزارا تھا۔ بڑا بڑا فنی۔ اس کا کراہیے کی طرح روشن تھا لیکن اس دیکھتے تھے اندھا آفتاب گھر میں وہ چڑھانے بھونٹ رہا تھا۔

میں اسے دو ایک بار قدرت اللہ کے پاس لے گیا تھا۔

میں قدرت سے کہا کہ یہ کیسا گورکھ دھندلا ہے۔ یہ شخص جو گرد و پیش کو دھندلا اور خدمت سے روشن کیے رکھتا ہے اس کے اپنے گھر میں کیوں اندھا رہا ہے۔

جس کا مسلک لوگوں کو تسکین دیکھتا ہو۔ وہ خود کیوں ہے جین رہے۔ کیوں اضطراب زدہ رہے۔

جیسے کیوں اضطراب ہے اہلے کہا وہ لوگ میری بہت عزت کرتے ہیں۔

میں نے کہا اہلکامہ کی شادی آپ اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کی عزت بڑھے۔ یہ تو انا پسندی ہوئی آپ کو چاہیے کہ امجد کی شادی ایسی جگہ کریں جو اس کی زندگی کے لیے باٹ خوشی ہو۔

آپ اس کی شادی کسی تعلیم یافتہ لڑکی سے کریں۔ کسی ملازم گھرانے میں کریں۔

کسی ملازم گھرانے میں رشتہ کرنا مجھے منظور نہیں انہوں نے کہا۔

اب اسے باؤس ہو کر میں نے امجد کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن امجد نے میری بات کو اہت نہ دی۔ انا اس نے سمجھا کہ میں اس کی شادی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ایک وقت کے بعد امجد نے اپنا رنگ انقلاب اس کی شخصیت میں اتنی مثبت خصوصیات پیدا ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

اس میں فنا کا وصف اس شدت سے پیدا ہوا کہ اس نے ہر شخص کی خدمت کرنے کو اپنا شعار بنا لیا۔ امجد کے جھ پر بڑے احسانات ہیں۔ اس نے زندگی بھر مجھ سے محبت کی ہے۔

سلمان مفتی بچپن میں ہی پولیو کا شکار ہو گیا تھا۔ ۱۹۸۵ میں سلمان فوت ہو گیا۔ میری طبیبی فطرت کی وجہ سے میں نے میرا رابطہ نوٹ کیا۔

سقاوت کرامت اہلت

بھائی بہنوں کے بعد میرے کزن تھے۔ ماہوں زاد۔ پھوپھی زاد اور خالہ زاد۔

سب سے زیادہ دوا بل ماہوں زاد بھائیوں سے تھے۔ وہ میرے دوست بھی تھے اور رشتہ دار بھی۔

تقسیم کے بعد سقاوت لاہور آگیا تھا۔ کرامت ریلوے میں ملازم تھا اور ان دنوں ملتان میں تحصیل تھا۔ اہلت جو ڈاکٹر بن چکا تھا وہ فیصل آباد میں مقیم ہو گیا تھا۔

مکے میں مقیم ہونے کے باوجود میرے کزن میرے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔

پھر سقاوت پر اللہ آپڑی۔ اسے جوڑوں کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ معذور ہو کر صاحب فراش ہو

©Oneurdu.com

میں ہر ایک کو سب سے زیادہ ہے۔ میں جواب دیتا۔

ہر ہم ایک تاریخ مقرر کر لیتے۔

اور اہل آنکھ دن پہلے ریلے پلٹ فارم پر جائیں۔

تو رت مجھے کتہ میں بھی نہیں سمجھ پاتا کہ یہ کیا گورکھ دندا ہے۔

ایسا ہونا نہیں چاہیے مگر ایسا ہوتا ہے جو کچھ ہانتا ہے خود کسی نہیں دیتا بلکہ یوں کہنا

لطیف ایک بڑی دھکی خاتون تھی۔

اس کا میں جو میرا خاندان زانو تھا؟ ایک ڈاکٹر تھا۔ اسے مغربی طریق زندگی اس قدر پسند آ گیا کہ وہ شادی کے دو ایک سال بعد مگر چھوڑ کر چلا گیا۔ بس لطیف کا ساگ دو ایک سال قائم رہا پھر اس پر زندگی بھر کی تعلیمی مسئلہ کر دی گئی۔

میاں جانے سے پہلے اسے اپنی تعلیمی کے طور پر ایک بیٹا دے گیا۔ زندگی بھر منظر مفتی میں کا واحد سہارا رہا۔

بچپن میں مغرب شہزاد اور میرا راز دان اور پیچھے بردار تھا۔ بڑا ہو کر وہ میرا دوست بن گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ بے تو جی اور تعلیمی کے بلکہ وہ وہاں رہا۔ ۱۹۷۳ء میں منظر کا پاپ دہلی کا ہائیڈ آئرس تھا۔ اس وقت کے دوران وہ پہاڑ گج میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتے کیا تو بند ہو جائیں گے اسے شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ایسی دردنگی کا غماز تھا کہ گاندھی نے خود اعلان بعد روئی کیا۔ منظر بھوان ہوا تو وہ بھی پاپ کی طرح انگریز تھا۔ اس میں بڑی ملاقاتیں تھیں، مگر وہ بڑے کار نہ آ سکیں، بہر حال منظر نے مجھ سے بڑی محبت کی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے متاثر رہے۔

تمکینہ، صبا مفتی

دیے تو شہزاد کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

لیکن ہم دونوں کی محبت کی وجہ سے ان کی زندگیوں ایک الیہ میں بدل گئیں۔

انوار سے پہلے میں نے شہزاد کو بہت سنبھالا تھا کہ بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں لیکن وہ نہ لائی۔

میں نے کہا: دیکھ جلی مشکلات ہوں گی جنہیں بچے برداشت نہیں کر سکیں گے۔

آخر میں فیصلہ ہوا کہ بچے، بچے نہیں جوں ہیں، اپنا اچھا برا بکھاتے ہیں۔ لہذا ان سے پوچھ لیا جائے۔

بچوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ میں کے ساتھ رہیں گے چاہے کچھ بھی ہو۔

کتنے لگی، ممتاز تو نے سارے رشتے داروں سے جملہ تو لیا ہے۔

میں نے کہا: نہیں لیں، میں نے نہیں توڑا۔ ٹوٹ گیا ہے۔

چاہے کچھ بھی ہے، وہ بولی فریو سے تعلق نہ توڑا۔ میرے لیے۔

فریو میری بھینہ کی بیٹی ہے۔

فریو سے تعلقات قائم رکھنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ اس لیے کہ فریو میں وہ تمام عیب موجود ہیں۔ جو مجھ میں ہیں۔ مثلاً: میری طرح وہ ایک ہڈی لڑکی ہے۔ میری طرح اس کے ہڈیات کا شیرہ بڑا گاڑا ہے۔ میری طرح وہ بھی فیمل ہے۔ اس کا قصہ بھی بھڑ بھڑا ہے۔ میری طرح وہ بھی منہ پست ہے۔ میری طرح وہ بھی ایکسپریز پاؤں رکھ کر زندگی گزار رہی ہے۔ میری طرح اس کی بریک بھی کام نہیں کرتی۔

میں نے کتنے ہی ایک جیسے پر غصے ایک ہی درخت پر بیٹھ جاتے ہیں۔ انسان کی بات اور ہے۔ ایک جیسی خواہشات کے لوگ تو مل بیٹھے ہیں لیکن ایک جیسے اوصاف کے لوگ مل بیٹھ نہیں سکتے۔ بہر حال میں اور فریو بہت لڑائی لیا میں لڑا اور مجھ، مجھ کو شک گئے تو مل بیٹھے ہیں۔ فریو نے میری بڑی عزت کی ہے۔

پھر فریو کے میاں ہیں پر فخر تدریس احمد۔

تدریس احمد تحقیق اور تنقید کے آدمی ہیں۔ وہ CREATIVE CRITICISM کے قائل ہیں اور اس قدر عقلی لکھتے ہیں کہ ہماری خبروں میں بعد از شریعت ہے۔ اس کے باوجود میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں ان کا مداح ہوں۔

لطیف، منظر مفتی

پھر میری پوجی زار کرن لطیف تھی۔ وہ بڑی بارغ و بہار خاتون تھی۔ لطیف نے مجھ سے بہت محبت کی۔ ہم دونوں یوں اکٹھے رہتے تھے، جیسے لگو ہے ہوں۔

لطیف، شہزاد کی پڑوسی تھی۔ دراصل وہ دونوں ایک ہی مکان میں رہتی تھیں۔ درمیان میں کوئی دیوار نہ تھی۔ اسے علم تھا کہ میں شہزاد کے گرد کیوں پیچھے لیتا رہتا ہوں، لیکن اس نے کبھی مجھے ٹوکنا نہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بات اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ٹوکنا بیکار ہے۔ اس

© Oneurdu.com

پھر ایسے حالات پیش آئے کہ بچے دل گئے۔

شہزاد کا بیٹا قیس بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا لیکن اس میں بے پرواہی تھی۔ آوارگی تھی جب میں راولپنڈی پہنچا تو شہزاد کی سب سے چھوٹی بیٹی نمکینہ کامیاب پنڈی میں ملازم تھا۔

نمکینہ کی شادی بہت چھوٹی عمر میں کر دی گئی تھی۔

نمکینہ کامیاب مجھے پسند نہیں کرتا تھا وہ مجھ سے کیل میل آپ رکنا نہیں چاہتا تھا۔

اس لیے نمکینہ چوری چوری مجھ سے ملتی تھی۔

نمکینہ کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔

کئی ایک سال ہم چوری ملتے رہے، پھر وہ بندش ٹوٹ گئی۔ جب نمکینہ کے بچے جون ہو گئے تو وہ مجھ سے ملائیے ملنے لگے۔ اس کا بیٹا مباح مفتی پیش پیش تھا۔

آخری ایام میں میرے رشتے داروں نے صدق دل سے مجھے معاف کر دیا۔ لیکن وہ عجیب جو قائم ہو چکی تھی نہ گئی۔

رفیق و ہرو

رفیق و ہرو دو واحد رشتہ دار تھا جس نے ہم سے زندگی بھر رابطہ قائم رکھا۔

رفیق اقبال بیگم کا بھائی تھا۔

اقبال بیگم کے تین بھائی تھے۔ عبدالغفور، عبدالجبار اور عبدالرفیق۔

عبدالغفور جہلم میں مقیم ہو گیا تھا۔ عبدالجبار نے تحصیل علم کے بعد فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

تقسیم کے بعد اٹلن آباد کے شیخ کراچی مراعت کر گئے تھے اور انہوں نے موٹر پارک بزنس کو اپنا لیا تھا۔ چونکہ کاروباری اہلیت پڑی میں رہتی ہوئی تھی اس لیے بہت جلد انہوں نے موٹر پارک بزنس میں ایک مقام پیدا کر لیا۔

اقبال بیگم کے والد یوسف دہرو تقسیم سے پہلے جہلی بند میں بیجمری میں چھکے داری کا کام کرتے تھے۔

تقسیم کے بعد یوسف دہرو بھی اپنے بیٹے عبدالرفیق کو ساتھ لے کر کراچی چلے گئے۔



میرزا اسف علی خان



میرزا حسین (شہاب کا بھائی)



میرزا شہاب (قدرت اللہ کا بھائی)

آج پشہ ہونے کے باوجود دیانت دار آدمی تھے۔ کراچی میں کھلیاں مارنے کے
 لیے ہر حربے استعمال کیے جاتے تھے وہ یاسف وہو کے لیے قاتل قبول نہ تھے، بچے رفیق کو
 اور وار جانے کے لیے راولپنڈی آنا پڑا یوں ہمارا رابطہ قائم رہا۔
 رفیق میرا سلا بھی تھا دوست بھی اور بھائی بھی۔
 ان کے وقت وہ ہمیں سارا دیا تھا۔
 عام حالات میں وہ میرا ساتھی تھا۔



ممتاز مفتی، پروین عافت، موی ہستہ (الندن)



ممتاز مفتی، گلن، نجمینہ، نسکی، والدہ نجمینہ

وہ لڑکی نے اطلاع دی کہ وہ لاہور سے پنڈی پہنچ رہی ہے۔ ڈاکٹر عفت اپنے عزیز
 بھائی لاہور گئی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا چلو میں بھی عفت سے مل آؤں۔ اس لیے اپنا
 کپڑا پہنے کر میں ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ جہاز لیٹ تھا اس لیے میں ایئرپورٹ کی کنٹین میں
 بیٹھا۔ اس زمانے میں ایئرپورٹ کی کنٹین ایئرپورٹ سے ملحقہ ایک عمارت میں تھی۔
 پچھ درے کے بعد شباب کی بھینہ اور بچے کنٹین میں داخل ہوئے۔ ان کے رنگ اڑ
 گئے تھے۔ سانس گویا اکھڑے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی خوف زدہ کیفیت میں تھے۔
 گویا کہا ہوا میں نے نہ سمجھا۔

محمد ہد

یہ نہیں ہیں مجھ میں قدرت اللہ سے بہت کرنے کی ہمت نہ پائی۔
پھر امین صاحب اٹھے اور قدرت اللہ کے سامنے جاکھڑے ہوئے اور تسبیح پڑھتے ہوئے چلائے۔

حاجی عبدالعزیز

ایک روز قدرت کئے لکھنوی صاحب میں چار ایک دن کے لیے لاہور جا رہا ہوں۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو آپ بھی چلیے۔

آپ دوسرے پر جا رہے ہیں کیل میں نے پوچھا۔

نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ ایک ذاتی کام ہے۔

کوئی چنگیز ہے کیل۔

وہ مسکرایا۔ چنگیز تو ختم ہو گئیں۔ ہالینڈ میں ایک کرم نوازی یہ ہوئی کہ چنگیزیں ختم ہو گئیں۔

تو پھر لاہور میں کوئن سارا ذاتی کام ہے۔ میں نے پوچھا۔

ایک بزرگ سے ملتا ہے۔ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ چلیے آپ بھی مل لیجیے۔ دراصل غنت کے ایک چٹکی دیرینہ خواہش ہے کہ حاجی صاحب انہیں بیت کے لیے قبول کر لیں۔

آپ کی سفارش مان لیں گے کیا؟

نہیں نہیں وہ گھبرا کر بولا۔ وہ تو بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میری کیا حیثیت ہے کہ سفارش کروں۔ آپ کے دوست فقور صاحب ایڈووکیٹ ہیں نا وہ بھی خواہش مند ہیں کہ حاجی صاحب انہیں بیت کر لیں۔

دھن! میرے ذہن میں حاجی صاحب کی بیٹائی کا احساس اچانک ہوا۔ اچھا! اتنے بڑے ہیں وہ! میں نے پوچھا۔

۸۸۵ کے قدر میں حاجی صاحب نے شرکت کی تھی! اس وقت وہ نوجوان تھے۔ اب ان کی عمر ۳۰ کے قریب ہو گئی۔

بیٹائی بالکل ٹھیک ہے۔ دانت دوبارہ اگے ہیں! بل سفید ہو کر دوبارہ کالے ہو گئے ہیں۔ ۵۵ روپے کپتے ہیں۔ اب ۵۵ روپے بچ رہا ہے۔

یہ کوائف سن کر میرے ذہن کا لیوڈ اڑ گیا۔

وہی ڈاڑھی ڈواٹ۔ وہی۔ وہی بچ وراڈ ڈرک۔ قدرت اللہ کا سر جھکا ہوا تھا! وہ ڈائینگ ٹیبل پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

امین نے پھر اسے لٹکارا! جواب دیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔

قدرت اللہ نے سر اٹھایا اور امین کی طرف بڑی معذرت اور بے بسی سے ہنسنے لگا۔ دیکھنا شروع کر دیا۔

پھر اس کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو اڑھا اور گل پر رک گیا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ وہی نشہ ہے۔ وہی پرائی اکسیسیس! جس میں چٹکن عمل میں آتی تھی۔ کیا ہالینڈ کے عجیبے میں وجدان میں اس قدر شدت پیدا ہو سکتی تھی۔

قدرت اللہ ایک تن خلد آیا اور قہار گھر میں غنت کے سوا اسے کوئی نہیں چاہتا تھا۔ کوئی اس کی کیفیات سے واقف نہ تھا۔ ہیشہ نہ ہونی نہ ان کے بچے۔ دفتر میں کسی کو نہ تھا کہ یہ شخص صاحب کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

محمد امین

غنت کی پوزیشن بھی بڑی میسر تھی۔ وہ جانی تو تھی! لیکن بتائے پڑ پائی تھی۔ نہ گھر والوں کو تا سکتی تھی! نہ میاں سے مکمل کہت کر سکتی تھی۔

قدرت کا بہنوئی تنہی کی قہار وہ ایک صراط مستقیم فری قہار ٹیک دل تھا۔ خلی قہار بچت تھا! پڑ پائی قہار شدت کا بار ہوا تھا۔ اور بے حد فسیل قہار وہ خود بھوت بولنے سے گریز کرتا تھا۔ بھوت بولنے والے کو سخت چپنہ کرتا تھا۔ منہ پست تھا۔ اصولوں کا پابند تھا۔ پکا مسلمان تھا۔ صوم صلوٰۃ کا پابند تھا۔ دفتر میں وہ اپنی دوائے کار بڑا اظہار کردیتا تھا اور کسی قسم سے لیوڈ کم کو گوارا نہ کرتا تھا۔ حکومت کے اکاؤنٹ بھی اگر اصول و قانون سے بہت کر ہوتے تو وہ ان کی قبیل سے بڑا اظہار کردیتا تھا۔

اپنے ایک نیک دل دوست کو روئے تھو۔ چارپائی کے نیچے ایک ٹھنڈی بندھی پڑی تھی۔ چارپائی پر ایک

بڑا چٹا دوا تھا۔

قدرت اللہ ہل میں داخل ہوا تو میں جان بوجھ کر پیچھے رو گیا۔

قدرت کو دیکھ کر وہ بوڑھا لپک کر اٹھا قدرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور دواؤں دار سے چہ منے لگا۔

ابن اللہ، 'سبحان اللہ' کہہ کر وہ قدرت کا ہاتھ پکڑ کر چوڑا اور اس کو انگوٹھ سے لگا رہا۔

یہ منکر دیکھ کر میں رک گیا۔

حالی صاحب بار بار کہہ رہے تھے۔ ہم نے حضور قبلہ سے عرض کی تھی کہ ہمیں بھی ان

صاحب کی زیارت کرائیے، جن پر آپ خوش ہیں۔ ہم نے سرکار قبلہ کی ۳۵ سال خدمت کی

علم بجالائے۔ لیکن سرکار ہم سے اتنے خوش نہیں ہیں جتنے آپ سے ہیں۔

حالی صاحب پھر سے قدرت کے ہاتھ چومنے لگے۔

پھر بولے، 'ہم نے درخواست کی تھی کہ ہمیں بھی زیارت کرا دیں تو حضور نے ہماری

درخواست من لی۔ حضور کی بڑی کرم نوازی ہے کہ انہوں نے آپ کی زیارت کرا دی۔

سبحان اللہ، 'سبحان اللہ' وہ پھر قدرت کے ہاتھ چومنے لگے۔ یہ منکر دیکھ کر میں چپ چاپ

باہر نکل گیا۔ اس عالم میں ان دونوں میں مثل ہونے کی جگہ میں جرات نہ ہوتی۔

ہل سے باہر نکل کر میں ایک چوڑے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ یہ کیا معجزہ ہے، 'قدرت اللہ

بزرگ سے ملنے آیا ہے یا بزرگ کو قدرت اللہ کی زیارت کرائی گئی ہے۔ یہ بزرگ صاف بات

کیوں نہیں کرتے۔ سیدھی بات کیوں نہیں کرتے۔ کیوں خود خود کے انجمنہ ڈالتے ہیں۔

پھر دلتا، 'مجھے خیال آیا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ جس کی حالی عبدالمعبود جیسے بزرگوں کو

زیارت کرائی جاتی ہے۔ جس پر حضرت ماجر کی صاحب اس قدر خوش ہیں۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ہل کرے سے باہر نکلے۔ آگے آگے قدرت اللہ تھے۔ پیچھے حالی

صاحب آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر میں اٹھا، آگے بڑھ کر حالی صاحب کو سلام کیا۔ حالی صاحب

نے دینیک السلام تو کہہ دیا۔ لیکن انہوں نے میری جانب نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اس پر قدرت اللہ بولا۔ حالی صاحب یہ میرے عزیز دوست ممتاز مفتی ہیں۔

اچھا! وہ بولے اور میری جانب دیکھے بغیر شاباب کے ساتھ جوتوں میں مصروف رہے۔

اتنے بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے پوچھا۔

جناب ماجر کی کی نیت ہیں، وہ بولا۔ ماجر کی صاحب بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۱۸۵۷ء

کے غدر میں انہوں نے ہندوستان میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی۔ جو چند ماہ چلی، پھر

انگریزوں نے اسکو اور کلک حاصل کر لی اور اس اسلامی ریاست کو تخریب کر لیا۔

کہتے ہیں قدرت اللہ نے کہا کہ اس وقت جناب ماجر کی کو ایک مجذوب مست نے خبر دی

تھی کہ تمہارے خواب کی تعبیر آج سے نوے سال کے بعد نکلے گی۔

اچھا! پھر میں نے پوچھا۔

انگریزوں نے ماجر کی صاحب کو قید کر لیا، 'قدرت نے کہا، لیکن ایک روز انہوں نے دیکھا

کہ جیل کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اس لیے جیل سے باہر نکل آئے اور سیدھے کراچی کی

طرف پیدل چل پڑے۔ بیٹھوں پہلے پھر جہاز میں سوار ہو کر مکہ کمرہ پہنچے اور پائی زندگی

وہیں بسر کی اسی وجہ سے انہیں ماجر کی کہتے ہیں۔

یہ حالی صاحب ماجر کی صاحب کے مرید ہیں، 'میں نے پوچھا۔

ہاں، 'شاباب نے جواب دیا۔ ان کے چار مرید تھے صرف حالی صاحب پیچیدہ حیات ہیں۔

حالی عبدالمعبود کے کو انک جان کر میں بے حد متاثر ہوا۔ اس لیے قدرت اللہ کے ساتھ

لاہور چلا گیا۔ شاباب نے مجھے بتایا کہ حالی صاحب چھوٹی میں اسنگن روڈ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اسنگن روڈ پر غنت کے عزیزوں کی بہت بڑی کوٹھی تھی۔ جو اب خستہ حالت میں تھی،

صرف دو ایک کمروں میں رہا تھا تھی۔

ساری کوٹھی ویران پڑی تھی۔ آباد کمروں میں دو ایک خستہ حال بوڑھی خواتین بیٹھی ہوئی

تھیں۔

شاباب نے پوچھا، وہ بزرگ کہاں ہیں۔

ایک خانقہ نے جواب دیا، 'دوا جہاں کرے میں ہیں۔ دو ایک بار آپ کا پوچھ بیٹھے ہیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

قدرت اللہ نے مجھے اشارہ کیا کہ ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

شپ ہوائے

قدرت نے کار کا دروازہ کھولا اور آگلی سیٹ پر حاجی صاحب کو بیٹے اور احترام سے بٹھایا۔ بھر پور سیٹ کا دروازہ کھول کر اشارہ کیا۔ بیٹہ چلا، بیٹہ چلا، بیٹہ بیٹہ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔

حاجی صاحب قدرت سے مسلسل باتیں کرتے رہے۔ ان کی باتوں سے پتہ چلا کہ قدرت اللہ نے کلینڈر میں حضرت مہاجر کی صاحب سے رابطہ پیدا کیا تھا۔ اور وہ رابطہ اس قدر گہرا ہو گیا تھا کہ دو بیٹہ کر بات کرنے کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور قدرت اللہ کو ان کی خوشنودی میں آگئی تھی۔

انار کلی میں جاکر گاڑی رک مگنی ریلوے جس سوسائٹی کے منتقل انار کلی سے باہر ایک معمولی سی چائے کی دوکان تھی۔

ایک طرف چائے کا بنیادی دیکھ چمے پر چڑھا ہوا تھا۔ جس میں کڑک چائے گرم ہو رہی تھی۔ دوسری جانب چار ایک بچا رکھے ہوئے تھے۔ جن پر چند ایک لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ دوکان میں صرف ایک لڑکا تھا۔ جو سرویس پر مامور تھا۔

یہ لڑکا جسم کا بھرا ہوا تھا۔ قد چھوٹا تھا۔ لباس میلہ تھا۔ ہل کھڑے کھڑے تھے، چہرے کا ایک بے نام سی بے حسی طاری تھی۔ ایک آنکھ میں پھولا تھا جس کی وجہ سے چہرہ اور بھی بد نما ہو گیا تھا۔

حاجی صاحب لاہور چھانچوں کی ایجنسی روڈ سے روز میں بیٹہ کر اس چائے خانے پر آئے تھے۔ ایک پیالہ چائے کا پیئے اور پھر اس لڑکے کو چہرے کے آگے اپنے دے کر واپس چلے جاتے تھے۔

تین مرتبہ شباب طور میں حاجی صاحب کے ساتھ اس دوکان میں گئے۔ وہاں چائے پی اور پھر حاجی صاحب کو ایجنسی روڈ پہنچا کر واپس آ گئے۔

میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ حاجی صاحب اس ہوٹل میں آئے کہ وہاں کے لیے کہاں آتے ہیں۔

اگر بچے کو رقم دینی مقصود ہے تو ایک دم پانچ دس روپے کیوں نہیں دے دیتے۔

پتہ نہیں وہ بولا۔ بہت بڑے بڑگ ہیں۔ بڑے بڑگوں کے بھید وہی جانتے ہیں۔

یہ ایک معمولی سی بات ہے، اس میں کیا بھید ہو سکتا ہے بھلا، میں نے کہا۔

میں نظر نہیں آتا۔ کچھ نامکھ مقصود تو ہو گا۔ کوئی مصلحت ہوگی۔ کوئی حکم ہو گا۔ آپ اور میں ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

انوکھا اعزاز

اچھا ایک بات بتائے، میں نے کہا۔

وہ میری جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

گذشتہ تین ماہاتوں کے دوران میں نے حاجی صاحب کو چھ بار سلام کیا ہے۔ تین بار آپ نے میرا تعارف کرایا، یہ میرے دوست ہیں۔ ہے نا۔

اس نے سر ہلٹ میں ہلکا سا۔

لیکن انہوں نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر میری جانب نہیں دیکھا۔ شاید آپ نے نوٹ نہ کیا ہو۔

کیا تھا وہ بولا۔

اتنی بے اشتعال بھی تو نہیں ہوتی چاہئے۔ ہانک میں ایک عام آدمی ہوں۔ منہ زبانی مسلمان ہوں۔ پائیکیز کی سے محروم ہوں، لیکن آخر ایک انسان ہوں۔

وہ چاہے تو جہ کریں یا نہ کریں۔ قدرت نے کہا۔ ان کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے زندگی میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

کیا وہ واقعی بڑے ہیں۔ میں نے پوچھا۔

بہت بڑے، وہ بولا۔ عالم ہیں، شاعر ہیں۔ ان کی نوٹ تک میں ساتھ ہزار شعر کہے ہوئے ہیں۔ ۲۰ ہزار شعر! میں زبانی یاد ہیں۔ قاری اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ مومل کے رہنے والے ہیں۔ یہاں آکر غیر ملاتے میں بس گئے ہیں۔ چار ایک دن کی پیدل مسافت کے

بعد سڑک پر پہنچے ہیں۔ ہر سال حج پر جاتے ہیں۔ سارے یورپ میں گھومے اور لکھتے ہیں۔ One World, One Love ہے۔ جب ہم کسی کو حج کرتے ہیں تو خود کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں اور اسے اپنے سامنے اٹھتے ہوئے ہیں، میں نے کمال۔

ہاں وہ بولا بہت بڑے۔

بحرہ آپ کے ہاتھ کیوں چومتے ہیں۔ کیوں انہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں۔

یہ ان کی کرم فواری ہے، قدرت نے جو آپ دیا۔

اس کے بعد حلیٰ صاحب کا قدرت اللہ سے رابطہ پیدا ہو گیا۔ جب بھی حلیٰ صاحب حج پر جاتے تو راستے میں ایک رات قدرت اللہ کے پاس رکھتے، قدرت فرما، مجھے اور لکھی کو فون کرتے آجائے، آجائے۔ حلیٰ صاحب آئے ہوئے ہیں۔

ہم دونوں مودبناہ سلام کر کے حلیٰ صاحب کے پاس جا بیٹھے۔ حلیٰ صاحب ہم سے مخاطب ہوئے بغیر قدرت اللہ سے باتوں میں مصروف رہتے ہوں جیسے قدرت کے علاوہ کوئی اور کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

ہر باج دس منٹ کے بعد جب بھی موقع ملتا۔ قدرت حلیٰ صاحب سے کہتے۔ یہ میرے دوست ہیں ممتاز مفتی، ساتھ ہی میری جانب اشارہ کرتے۔ حلیٰ صاحب میری جانب دیکھے بغیر سرسری طور پر اچھا اچھا کر کے میرے قدرت سے باتوں میں مصروف ہو جاتے۔

اگلی مرتبہ جب حلیٰ صاحب پھر تشریف لاتے تو قدرت پھر مجھے فون کرتے۔ اس وقت ان کے انداز میں اس قدر معصوم خوشی ہوئی جیسے کوئی بچہ اپنے کسی ساتھی کو لٹو کھلانے کے لیے بلا رہا ہو۔

ایک دفعہ میں نے قدرت سے کہا چھوڑ دو یہاں آنے کا فائدہ آپ کے حلیٰ صاحب تو کچھ اتنا کبھی نہیں دیکھتے، بات کرنا تو الگ بات ہے۔

یہ سن کر قدرت گھبرا گیا کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، وہ بولا ہے شک حلیٰ صاحب متوجہ نہ ہوں۔ ہمارے لیے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ ان کے قریب بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔

ایک دوڑ میں نے شے میں کمال شائبہ صاحب یہ کیسے بزرگ ہیں۔ اس پر قدرت گھبرا گیا بولا، نہ لکھی بات نہ کہیں مفتی صاحب بزرگی لٹو، کالیکٹ کٹ ہے وہ مجھے چاہیں عطا کر دیں۔

چاہے کالے چر کو عطا کر دیں۔ بزرگ کو حج کرنے والے ہم کون ہیں۔ حج کرنے کی عادت اچھی

سید فیضی

قدرت نے میز پر پڑا ہوا ایک کٹھن اٹھایا اور مجھے تھما دیا۔ مجھے ایسے لگایا جیسے کٹھن پر قرآن کریم کی آیت لکھی ہوئی ہو۔ دونوں میں سوچنا رہا کہ میرا ایمان کون دوست ہے جو حلیٰ دان ہو۔ میں نے مسودے سے پچھا مرے پچھا عوا سے پچھا کسی نے حلیٰ نہ بھری۔ پھر میں نے ریڈیو نشین پر مذہبی پروگرام کے نیشن کو فون کیا تو جواب میں فیضی بولا۔

فیضی، میں نے پچھا تو تمہیں کیسے آگیا۔

فیضی ہنس کر ریڈیو والوں نے ایک ٹاک کے لیے بلایا ہے۔

سید فیضی میرا پرانا دوست قلم پیور آف ریفرنس اینڈ ریسرچ میں ہم دونوں اکٹھے کام کیا کرتے تھے۔ وہ حلیٰ اور قاری دونوں زبانوں میں دسترس رکھتا قلم قاری کا شعر پڑھتا تو ایسے لگتا جیسے ابھی ابھی ایران سے آیا ہو۔ حلیٰ بولتا تو لگتا جیسے قرآن کریم پڑھ رہا ہو۔

اسلامی تقریبات میں دوسرے علماء کے ساتھ فیضی کو بھی مدعو کیا جانا قلم دہی شیخ پر کھڑے ہو کر جب وہ تقریر کرتا تو ایسے لگتا جیسے حلق کے تمام پردے بدل گئے ہوں۔ سننے تو یقین نہ آتا تھا کہ فیضی بول رہا ہے۔ فیضی کی شخصیت میں بڑے تعلقات تھے۔ وہ ایک وقت عالم بھی تھا، ادیب بھی، مولوی بھی اور مذہبی قلم۔ اس میں رنگین مزاحیہ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر بات پر ہنستا ہنساتے ہوئے رنگین پلہ کی طرف متوجہ ہو جاتا، ہر نئی آواز پر کھن کھڑے ہو

Oneurdu.com

ہاتھ بچھیں اور سے بھگ جائیں۔ پتلیاں لٹیں مارتیں۔
میں نے چاکر کما یا رفیض میں تو تجھے ڈھونڈ رہا ہوں۔
بولتا مجھے ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔
مشکل کیوں ہے۔

ہر طرح کے کمالات نے اسے گھیرے میں لے رکھا ہے اور اس کی ذات کو ہم فخریہ
القاب حاصل ہیں۔

۵۔ کوئی بلندی نہیں جو اس کی وجہ سے اپنے کمال پر نہ ہو۔ دسترس سے زیادہ بلند
ہے۔

۶۔ پابند میں حسن و سرور غشی سے اس نے نیا پائی ہے ہانگ پورے چاند کی مانند جو کبھی
ڈوبنے والا نہیں۔

۷۔ یہ سلام ایک خاص بندے کی طرف سے ہے جو دینے کا رہنے والا ہے 'اور وہ سب
سے بہتر دینے والے اللہ کے رسول' کا قربت دار ہے۔

۸۔ وہ حیرتی خدمت میں بے زبہ ملاقات حاضر ہوا اور اس نے حیرتی ذات سے انفاق کے
مجھے جتنے ہتے دیکھے۔

۹۔ ایسی ایسی باتیں ممدوح سے منسوب ہیں کہ خلق خدا اس کا ذکر کرتی ہے اور لوگ ان
بہتوں کو نقل و حکایت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

۱۰۔ اگر تم کو مہمانت کا میرے ساتھ سلوک کرو تو تم اس کے لال ہو اور غویوں والے
انسان ہو۔

۱۱۔ درنہ میری بد قسمتی ہو گئی اور میں محروم رہ جاؤں گا۔ ایک کریم النفس انسان کی دریاہی
اور بخشش سے۔

انجام بخیر

اس قصیدے کو چاد کر بات ہانگ ہی واضح ہو گئی کہ حضرت ماجر کی نے حاجی عبدالعزیز کو
شباب صاحب سے ملوایا تھا اور حاجی صاحب ان سے فیض یاب ہونے کے حتمی تھے۔ یہاں تک
تو بہت واضح تھی۔ پھر خیال آتا کہ شباب کون ہے۔ یہ عید نہیں ملتا تھا۔
پھر آخری ایام میں قدرت کی وفات سے چند ایک سال پہلے۔ میرے ایک دوست نے مجھے

کس نے لکھا ہے 'اس نے پوچھا۔
دفتار' میں سے کاندہ پر نظر دوڑائی دیکھا تو قدرت اللہ نے پہلے ہی حاجی عبدالعزیز صاحب
کے دستخط کاٹ رکھے تھے تاکہ کسی کو یہ علم نہ ہو قصیدہ کس نے لکھا ہے۔

ڈاک سے موصول ہوا ہے۔ میں نے جھوٹ بولا۔
فیضی چنا بولا کسی نے شباب صاحب کی سفارش کرانی ہو گی۔ جہی توہینوں کے چنگے لگائے
ہیں۔ ہاں انداز روایتی ہے۔

چلو کسی کا کلام ہو جائے گا۔ تو کیوں اعتراض کرتا ہے۔ میں نے کلمہ
لوہوں، فیضی بولا 'شباب صاحب بڑے نکالیں ہیں وہ کلام کر دیں گے' لیکن اس قصیدے
کے قریب میں نہیں آئیں گے۔

فیضی کا ترجمہ چاد کر میں پھر سے سوچ میں پڑ گیا لکھا تھا۔

قصیدہ

۱۔ بہترین سلام ہو ان غویوں پر جو اس کی فطرت میں شامل ہیں اور اچھی عادتیں ہی قبولیت
کی نکلیں ہو اگر گئی ہیں۔

۲۔ عزت اور وقار کو اس کی ذات سے تخلیق حاصل ہے کیونکہ وہ شباب جیسی منزلت رکھتا
ہے اور کوئی ایسی فعالیت نہیں جس میں وہ بیضا ہوا نہ ہو۔

بتایا کہ حلی صاحب اسلام آباد کے ایک بچے میں مقیم ہیں۔
شام کو قدرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: آپ کو پتہ ہے کیا کہ حلی عبدالعزیز
صاحب آجکل اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ ان کے ۳۳ حج مکمل ہو چکے ہیں اور اب وہ مشکل
طور پر اسلام آباد میں سکونت رکھتے ہیں۔

محمد علی صاحب

جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہو تا تو میرے دل میں یہ سوال ابھرتا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ کیا وہ
کسی کلام پر مہور ہے۔ کوئی فیصلہ آئینہ پر یا سیکرٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ چاہے وہ کالی تھا یا
افرقہ۔ میرے لیے اس بات کا کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ اس کے عہدے کی فضیلت سے میں کبھی
متاثر نہیں ہوا تھا۔ مجھے بزرگ بننے کی خواہش نہ تھی۔ نہ ہی میں بیعت کرنے کا متمنی تھا۔
انہیں تو خوف زدہ تھا کہ کبھی قدرت اللہ مجھے ایسا رخ نہ بخش دے جو مجھے کہیں اور لے
جائے۔

میں تو اس کے کردار سے متاثر ہوا تھا۔ اس کے کردار کی عظمت نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت قلب تھی۔

تکسی نے چنگی سلاو کیے سے واپسی پر مجھے دو ایک بار کھانے کی کوشش کی تھی کہنے لگا ہوا
آپ خواتین اور لڑکوں میں بڑے ہیں۔ سیدھی بات ہے۔ شب صاحب کا مسلک محمدیہ ہے۔ وہ
حضورؐ کے عشق قدم پر چلنے کو شش کرتے ہیں۔ ہر بات پر وہ سوچتے ہیں کہ ان حالات میں حضورؐ
کا طرز عمل کیا ہوتا۔

تکسی کہنے لگا: میں نے شب صاحب سے پوچھا تھا کہ یہ بتائیے کہ افضل ترین مہربان کون
کی ہے۔ انہوں نے کہا میری دانست میں افضل ترین مہربان ہے۔

IDENTIFICATION WITH MOHAMMAD
خصوصی حالات میں ان کا رد عمل کیا ہوتا۔ ان کے جذبات کیا ہوتے محسوسات کیا ہوتے۔ تکسی
نے کہا ہوا آپ کو بھی انہوں نے بتایا ہو گا۔ میں مجھے بھی یہی بتایا تھا میں نے جواب دیا۔

وفات

ایک روز قدرت اللہ نے مجھ سے کہا ایک خبر آئی ہے۔ آپ نے سنی ہے کیا۔

میرا خیال تھا کہ جب میں قدرت کو یہ خبر سنوں گا تو وہ حیران رہ جائے گا۔ اس کے برعکس
قدرت نے نہایت اطمینان اور سکون سے جواب دیا۔ کہنے لگا میں مجھے علم ہے۔ حلی صاحب
اپنے بیٹے کے ساتھ رہتے ہیں۔
کیا وہ آپ سے ملنے نہیں آئے۔
قدرت نے سرائیکی میں دیا۔
تو چلیو ہم جا کر ان سے مل آتے ہیں۔
اچھا۔ چلیں گے۔ قدرت نے بات چل دی۔
میں نے بڑی مشکل سے حلی صاحب کے گھر کا پتہ لگایا پھر یہ خوشخبری قدرت کو بتائی۔
لیکن اس نے مہربان چل دی۔

ایک روز میں نے قدرت کو پکڑ لیا میں نے کہا: دیکھیے جانے کا کیا مطلب ہے۔ میں تو حلی
صاحب سے ملنے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں تو آپ کے لیے کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ ان سے
نہیں ملنا چاہتے تو صاف انکار کر دیجیے۔ جانے کا مطلب۔

میری بات سن کر وہ سنجیدہ ہو گیا کہنے لگا: حلی صاحب اب حلی صاحب نہیں رہے۔
حلی صاحب حلی صاحب نہیں رہے میں نے حیرت سے دہرایا۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔
ہاں وہ بولا۔ وہ سیناٹس ہو گئے ہیں۔
پھر وہ دھردلی کے مستحق ہیں میں نے جواب دیا۔
ہاں دھردلی کے مستحق ہیں۔ وہ بولا۔

دو گنا میں نے محسوس کیا کہ حلی صاحب سیناٹس ہونے کے علاوہ کچھ اور بھی ہو گئے

UrduPhoto.com
ایسی کیفیت میں دھردلی کلم نہیں آئی کیا میں نے پوچھا

نہیں تو میں نے جواب دیا۔

کئے گا غفور صاحب وقت پاتے گئے۔

مجھے بری طرح دھچکا لگا۔ میں ایک دم چپ ہو گیا۔

کچھ دیر ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

ہاں وہ بولا مجھے بھی یہ خبر سن کر صدمہ ہوا اقلہ میرا ذہن دھندلا گیا اقلہ اسی روز مجھے صدمہ ایوب نے بڑا سمجھا۔ مجھے دیکھ کر صدمہ صاحب بولے 'شواہب خیر تو ہے۔ تم آج اکڑے اکڑے کیوں ہو۔'

میں نے کہا 'جناب میرے ایک محسن انتقال کر گئے ہیں۔'

کون۔ انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'جناب وہ میرے ہی محسن نہیں تھے۔ آپ کے بھی محسن تھے۔ پاکستان کے خیر خواہ تھے۔'

کون تھے وہ 'صدمہ نے پوچھا۔

میں نے کہا 'جناب وہی جو آپ کو خط لکھا کرتے تھے اور آپ ان خطوں پر بہت جھنجھکیا کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو کئی ہدایت نامے بھیجے تھے کہ 'نشدت خود تحریف نہ لے جائیے گا۔ پرنسپل بڑے کا لیکن سیرنگار میں التوا کیجئے گا۔'

ہاں ہاں 'صدمہ بولے 'مجھے یاد ہے۔'

میں نے کہا 'اگر آپ ان کی ہدایت پر عمل کرتے تو آج نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور آپ پاکستان کے مردِ عالم کا نام پاتے۔'

ان کے خطوط مکمل ہیں انہیں دیکھنا چاہوں گا۔ صدمہ نے کہا۔

اب کیا قاعدہ سے اب تو حیران کن ہے جھوٹ چکا ہے۔

شباب نے کہا 'اس وقت صدمہ صاحب کی حالت قابلِ ترس تھی۔ تھکا ہوا، ہارا ہوا، ٹوٹا ہوا۔ کئے گئے 'شواہب عقل سے مٹ کر باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں کوشش کے باوجود میں

UrduPh.com

یہ ہماری عقل ہے 'شباب نے کہا 'جب کی بد قسمتی ہے کہ آپ کو یقین نہ دلا سکے۔'

میں نے پوچھا 'شباب جی یہ آپ کو خبر کیسے ملی۔'

قدرت نے کہا 'انتقال کے دو ایک دن پہلے انہوں نے مجھے ایک خط لکھا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ لاہور سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے داتا صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ داتا صاحب نے فرمایا کہ ہمارا پیغام شباب کو پہنچا دو۔ انہوں نے پیغام دیا۔ میں نے عرض کی کہ جناب فرما دیجئے کہ انہیں خط لکھ دوں گا۔ داتا صاحب نے فرمایا 'تاخیر نہ کرنا۔ زندگی کا کوئی مجرورہ نہیں۔'

ان کے فرماں کے مطابق آپ کو خط لکھنے بیٹھا تو محسوس کیا کہ یہ پیغام خط میں لکھنے والا نہیں۔ اس لیے جلد خود آکر عرض کروں گا۔

مجرورہ آپ سے آکرے 'میں نے پوچھا۔

نہیں قدرت نے کہا 'انہیں اتنی صلت نہ ملی۔ غالباً انہوں نے داتا صاحب کے اشارے کو سمجھا نہیں۔'

حیرت کی بات ہے۔ میں نے کہا 'اب آپ کو پیغام کے بارے میں کیسے پتہ چلے گا۔ بٹیلے لاہور جا کر داتا صاحب کی حاضری دیجیے۔'

قدرت نے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ پروتوکول کے منافی ہے 'پھر قدرت نے ایک دم بات بدل کر کہا 'غفور صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ انہیں آپ کو بھی ایک پیغام دینا تھا۔'

میرے نام پیغام میری نفسِ نکل گئی۔ شباب صاحب میری کیا حیثیت ہے کہ کوئی بزرگ مجھے پیغام دے 'کیوں میرا لائق اڑاتے ہیں آپ۔'

قدرت ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ کئے گئے 'مجھ کو رہا ہوں۔ آپ کے نام کسی بزرگ کا پیغام نہیں تھا۔ داتا صاحب کی بات نہیں۔ غفور صاحب نے اپنی جانب سے آپ کو پیغام دینا ہو گا۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ اسلام آباد آؤں گا تو مجھے مفتی صاحب کو بھی ایک پیغام دینا ہے۔'

وہ آپ کے دوست تھے 'تا قدرت نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ شاید وہ دوست کی حیثیت سے پیغام دینا چاہتے ہوں۔'

تزوٰخ، الربیع

ایک روز راجہ شفیق آگیا۔ کہنے لگا، تجھے صاحب دار ہے ہیں۔

کیا کہتے ہیں میں نے پوچھا۔

بولے، کہتے ہیں انہیں، کہنے اگر فرمت ہو تو آجائیں۔

تو کیا تھا کیا ان کے گھر یا وہ تجھے ملے تھے۔

ہاں وہ بولا۔ میں عفت سے ملے کیا تھا۔ وہاں پہاڑ پہ چلا کہ عفت لاہور بھی ہوئی ہے۔

شب آگیا ہے کیا۔

بالکل، دو بولا۔

میں شب کے گھر پہنچا تو وہ بیٹھا ملاوت کر رہا تھا اس روز رمضان کی ستائیسویں تاریخ

تھی۔

دعوت مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی۔ ماویں کو مجھے شب کے ہاں نہیں جانا

چاہیے تھا چونکہ رمضان کی ستائیسویں۔ شب کا عفت لاہور تھا اور میری موجودگی ماحول کی

ایکڑی کے ملتی تھی۔

ایک تو میں روزے سے نہیں تھا۔ دوسرے میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ میرے

کپڑے اور جسم کبھی پاک نہیں ہوئے تھے۔ چوں کہ جوانی سے ہی مجھے **Confounded** کا لفظ یاد تھا کہ ان گیتوں میں جبکہ غلام محمد کے چچو مرشد کا نام لکھا ہوا تھا۔ ایک روز میں نے غلام محمد سے کہا 'یار اگر جو تو اپنی ٹوٹ بک مجھے دو دن کے لیے دے دے تو میں اس میں سے کچھ گیت لکھ لوں' پھر میں کاپی تجھے لوٹا دوں گا۔

غلام محمد نے میری بات مان لی اور کاپی مجھے دے دی۔

اسی رات دو بجے کے قریب میرا دروازہ بجایا۔ بچا رہا۔ میں گری قیود سویا رہا۔

پھر میری دو پسوں نے دروازہ پر چڑھ کر مجھے آواز دیں۔

کہنے لگے 'باہر آپ کا کوئی مہمان دیر سے دروازہ کھٹکنا رہا ہے۔'

میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

باہر غلام محمد کھڑا تھا۔

میں نے کہا 'تو غلام محمد۔ اس وقت خیر تو ہے۔'

بول 'بالکل خیر نہیں۔ تو مجھے میری گیتوں والی کاپی دے دے۔'

میں یہ سن کر حیران ہوا۔ کیا رات کے دو بجے تو اپنی ٹوٹ بک لینے آیا ہے۔

بول 'سرکار قبلہ مجھے سوئے نہیں دے رہے۔ بہت ناراض ہیں۔ کہتے ہیں تو نے ہماری کاپی

وٹاب کے سٹک میں ڈال دی ہے۔ ابھی جا اور کاپی لے آ۔'

اس روز بجلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ میں پیشاب کا حکا ہوں۔ ٹیاگ ہوں۔

پہلے یہ احساس صرف جسم تک محدود تھا۔

پھر ۱۹۵۶ء میں جب میں بمبائی جان سے ملا تو مجھے اپنی ذہنی ٹیاگری کی کا احساس ہوا۔ مجھے پتہ

چلا کہ ذہنی طور پر میں کس حد تک ٹیاگ تھا۔ جسمانی غلاطی سے کہیں زیادہ ٹیاگ۔

آج تک کوششوں کے باوجود۔ میں ان غلاظتوں کو دور نہیں کر سکا۔

ہاں تو اس روز شباب کے گھر پہنچا تو مجھے شدت سے احساس ہوا کہ آج مجھے اس کے ہاں

نہیں آنا چاہیے تھا چوں کہ اس روز ایک تو رمضان کی ستائیسویں تھی اور دوسرے جمعہ کا دن

تھا۔

پھر خیال آیا شاید شباب نے مجھے کام سے بلایا ہو۔ شباب نے مجھے دیکھتے ہی کہا 'یو! اچھا ہوا

اب آگے' عفت لاہور گئی ہوئی ہے اور میں آگیا ہوں! اس لیے میں نے آپ کو بلا لیا کہ گپ

ستار دعا

تقریباً ۱۹۳۰ء کی بات ہے جب میں منگھری کے گورنمنٹ سکول میں پڑھتا تھا۔ تو میرا ایک

دوست غلام محمد نے جو ان دنوں سبکی میں آٹا کا پکڑ تھا۔ مجھے احساس دلایا تھا کہ میں ایک ٹیاگ

مفص ہوں۔ غلام محمد میں دو خصوصیات نمایاں تھیں۔ ایک تو وہ سختی سے شریعت کا پابند تھا

دوسرے وہ ستار بچائے کا ریا تھا۔

نماز پڑھنے لگتا تو جائے نماز کے ساتھ ستار رکھ لیتا۔ نماز پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر مسطح

بیٹھے بیٹھے ستار بچائے لگتا۔

ایک دن میں نے غلام محمد سے کہہ دیا 'میں جواب نہیں دے سکتا'۔

وہ بولا 'میں ستار نہیں بچاتا۔ دعا مانگتا ہوں۔'

میں نے کہا 'دعا مانگنے کا یہ طریقہ ہے کیا۔'

بول 'تجھے نہیں پتہ۔ ستار مجھ سے بہتر دعا مانگتی ہے۔ اللہ کی قسمیں کرتی ہے۔ ہاتھ جوڑتی

ہے 'ہاتھوں پڑتی ہے میں اپنا سارا دل کہ دروازے پر لے' ہاتھ ستار میں جھٹکتی کرتا ہوں اور وہ اللہ

کے حضور میں فریادی بن جاتی ہے۔ غلام محمد اللہ سے یوں باتیں کیا کرتا تھا جیسے اللہ اس سے

سامنے بیٹھا ہو۔ اسے اللہ سے بہت پیار تھا۔ ایسا پیار جیسے بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے۔

ایک دن میں نے کہا 'غلام محمد تجھے اللہ کیسے مل گیا۔'

کہنے لگا 'یہ میرے مرشد سرکار قبلہ کی دین ہے۔ وصال کے وقت وہ فرماتے تھے غلام محمد

تجھے کون سا عقد دیں ہمارے پاس تو صرف ایک ہی چیز ہے۔'

انہیں پھر خاک کرنے کے بعد جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ اللہ صوفے پر بیٹھا ہے۔

پیشاب کا منکھ

غلام محمد کے پاس ایک ٹوٹ بک تھی جس میں گیت غزلیں اور عمروں کے ہول لکے تھے

Oneurdu.com

شب رہے گی۔

میں نے کہا آج تائیسویں ہے۔ آپ کے لیے عہد کا دن ہے۔

عبادت

ہاں ہاں وہ بولا 'عبادت اپنی جگہ ہے کپ شپ اپنی جگہ۔ یوں کرتے ہیں کہ جود شہ بری
الطیف کی مسجد میں جا کر پڑتے ہیں' پھر وہی ادھر ادھر پکڑ لگاتے ہیں۔ انظار کر کے مغرب کی نماز
پڑھ کر واپس گھر آجائیں گے' پھر بے شک آپ چلے جائے۔
پھر گرام کے مطابق شہاب نے شہ بری کے چاول کھا کر انظار کیا۔ مغرب کی نماز لڑائی اور
گھر آ گئے۔

راستے میں میں نے پوچھا 'آپ عبادت کیسے کرتے ہیں۔

بولے 'بس اللہ کا نام لیتے ہیں۔ چاہے کیسے بھی لو۔ قرآن کریم کی تلاوت کرو یا کلام پڑھو۔

آپ کیا پڑھتے ہیں' میں نے پوچھا۔

بولے 'میں تو نفل پڑھ لیتا ہوں۔

میں نے کہا 'اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔۔۔۔

تو کیا' میں نے پوچھا۔

میں دیکھتا چاہتا ہوں کہ آپ کیسے عبادت کرتے ہیں۔

تو لب لبب کشن 'وہ بولا۔ بے شک دیکھ لیں۔

عشاء کی نماز کے بعد ایک بڑے کمرے کے ایک کونے میں اس نے جائے نماز بچھالیا۔

آپ بھی نفل پڑھیں گے' اس نے پوچھا۔

نہیں میں نے جواب دیا 'میں دیکھوں گا۔

کمرے کے دوسرے کونے میں میں بیٹھ گیا۔

شباب بیت اللہ لڑکھڑائی کر رہا تھا۔

اس کا کھڑا ہونے کا انداز ہی انوکھا تھا۔ یوں نہیں جیسے نمازی کھڑے ہوتے ہیں' بلکہ یوں

جیسے اللہ تعالیٰ اس کے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں۔ وہ سر پہاڑی بن کر کھڑا تھا۔

UrduPhoto.com

میرا خیال تھا کہ ابھی وہ رکوع میں جائے گا۔ لیکن وہ جن کا توں کھڑا رہا ہے جس وحرت
لڑا رہا۔ اس کے جسم کا بند بندہ مجھ سے بھیگا ہوا تھا۔

دل تھا' مجھے خیال کیا کہ میں اپنی موجودگی سے فضا کو ہٹا کر رہا ہوں۔ مجھے بھی کچھ پڑھنا
پڑا تھا۔ مجھے صرف درود کج یاد تھا۔ یہ جنت اللہ بخش صاحب کی دین تھی۔ میں نے درود کج
پڑھا شروع کر دیا۔ ساری رات شہاب مجھ سے بری طرح لٹ پٹ کھڑا رہا۔ رات بھر میں اس
نے ہاتھ ایک بار رکوع اور تھوڑا سا کھڑا ہو گا۔ پھر پچھلے پھر وہ دھڑام سے چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔
خوش

اس نے دو ایک بار میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا' لیکن میں اس کے اشارے کو سمجھ نہ سکا۔
مجھے سمجھ میں آیا کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔ قریب گیا تو اس نے لیلی فون کی جانب اشارہ کیا۔ میں
نے فون اس کے قریب رکھ دیا۔ اس نے ڈائل کیا' پھر مدھم آواز میں 'میں کیا کیا۔ اور پھر
ہار لڑا کر پڑ گیا۔

میں حیران کھڑا تھا یا اللہ یہ کیا بات ہے قدرت مجھ سے بات کیوں نہیں کرتا۔ کیا یہ بھی
عبادت کا حصہ ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کریں۔

اسنے میں دروازے کی کھنٹی بجی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ موٹر اندر داخل ہوئی۔ ایک
شاب بارنگلے بولے 'شاب صاحب کھلی ہیں۔

میں نے پوچھا 'آپ کی تعریف۔

بولے 'میں صدر کامیڈین کی آفیسر ہوں۔

میں اسے شب کے کمرے میں لے گیا۔

ابھی وہ معائنہ کر رہا تھا کہ ایک اور گاڑی پچھلے میں داخل ہوئی۔ میں نے نیچے جھانک کر
دیکھا۔ منت کو دیکھ کر مجھے حوصلہ ہو گیا اور میں بھاگ کر نیچے گیا۔

ایک نہیں سب

منت نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا 'شاب تو خیریت سے ہیں' دل تھا' بات سمجھ میں آگئی کہ

شاب تیار ہے۔ اس نے فون کر کے ڈاکٹر کو بلایا ہے، لیکن عفت لاہور سے لیے گئے۔
عفت نے ڈاکٹر سے ہلت کی تو پتہ چلا کہ شاب کو دل کا دورہ پڑا ہے۔

عفت فارغ ہوئی تو میں نے پوچھا، آپ لاہور سے کیسے آئیں گی۔
میں نے کہا، شاب کو کوئی تکلیف ہونے والی ہو تو مجھے چار دن پہلے پتہ چل جاتا ہے۔ لاہور میں میں نے محسوس کیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ میں نے ایک کھرا حال گروہ کے گوشت بھنا، پھر لی آئی اسے کھا کر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کل رات کے چھ بجے میں ایک کن کنڈر سیٹ کے لیے میں ایئر پورٹ پر انتظار کرتی رہی، لیکن بات نہ بنی۔ البتہ کچھ صبح کی فحاشیت میں سیٹ مل گئی۔

ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ عفت نے ایک ٹیکسی داخل ہوئی اور قدرت کا چہرہ بھائی حبیب کراچی سے آگیا۔ آتے ہی بولا۔ قدرت خیمت سے ہے۔
قدرت اللہ سے مل کر جب حبیب باہر نکلا تو میں نے پوچھا، آپ کیسے آئے۔
میں نے کہا، کل دوپہر سے میری طبیعت خراب ہوئی شروع ہوئی۔ ایک بے عام ہے چینی۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، شام کو بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔ میں نے ایک ٹرانسکو نیپالانزرا کھایا اور لیٹ گیا۔ لیکن بے چینی کم ہونے کی بجائے عذاب بن گئی۔ میں کچھ کیا کہ قدرت کا معاملہ ٹھیک نہیں۔ میں نے پی آئی اے کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے ٹائٹ اس میں ایک سیٹ مل گئی اور میں چلا آیا۔ جب بھی قدرت کو کوئی تکلیف ہونے والی ہوتی ہے تو میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک بے چینی لگ جاتی ہے پھر وہ اس قدر شدت اختیار کر لیتی ہے کہ عذاب بن جاتی ہے۔

حبیب شاب

پھر مجھے وہ رات یاد آگئی جب حبیب کو گروسے میں پتھری کی تکلیف تھی۔ ناقابل برداشت تکلیف اور دونوں بھائی ڈرتے تھے کہ کیس میں بی کو پتہ نہ چل جائے۔ وہ پریشان نہ ہوں۔ اس وقت دروازہ ہوتا تھا اور ایک صاحب نے دروازے میں کھڑے کھڑے کہا تھا انہیں نمہ چلاؤ۔

قدرت اسے نہ پلاتا رہا تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد حبیب غسل خانے کی طرف بھاگا۔ چیشاب میں پتھری کے دو ٹکڑے نکل کر باہر گرے۔

دونوں بھائی بہت خوش تھے کہ بی بی کو پتہ نہیں چلا۔ اتنے میں بی بی داخل ہوئیں۔ حبیب سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں، شکر ہے، دونوں چکر نکل گئے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ یالہہ یہ کیا خاندان ہے۔ ایک قدرت ہی نہیں۔ سارے افراد ہی کسی ان جانی طاقت کے زیر اثر ہیں۔ اس روز میں نے محسوس کیا کہ قدرت اللہ گھر والوں کا مرکز تھا۔

بزرگ کہاں دعا کرتے ہیں جو راضی بہ رضا ہوں وہ کیوں دعا کریں گے؟ www.urdudownload.com مست خود آکر میری دلخیز نہیں بیٹھا بلکہ ٹھٹھا کیا ہے تاکہ میری الرئی سلب کر یوں میرا لاہور چالے گا پھر وگراں ختم ہو گیا۔

مست

ان دنوں میں سبب ثابت جان کے ڈی پاک میں رہتا تھا۔ اگلے روز ہمارے گھر کی دلخیز ایک مست آ بیٹھا اس کا چہرہ ڈراؤنا تھا۔ کپڑے نیلے کپیلے۔ اسے دیکھ کر کہن آتی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا بیماری تھی۔ ہر دو کھٹے کے بعد وہ چلا آتا۔ روٹی روٹی۔ اسے جو بھی دیتے کھا لیتا پھر دو کھٹے کے بعد چھین مارنے لگتا۔ روٹی روٹی۔

میری بیوی کہنے لگی 'یہ کیا مصیبت آپڑی ہے۔ اسے یہاں سے اٹھو۔ میں نے دو ایک بار مست سے بات کرنے کی کوشش کی کہ پاپا اور بیٹھ جا کہ۔ تو نے تو ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ اس نے میری بات کی طرف توجہ نہ کی۔

چند ایک دنوں کے بعد مست نے کھانا شروع کر دیا۔ اس کے جسم پر ہنسے ہنسے چھالے لگ آئے، کھانا کھا کر چھالے زخم بن گئے۔

ہم سب خوف زدہ ہو گئے کہ مست کی کھلی گھر کے اندر آجی تو سب گس جائیں گے، لیکن کوششوں کے باوجود ہم اسے اپنی دلخیز سے اٹھا نہ سکے۔ ایک دفعہ دو کھٹے داروں نے اسے سمیٹ کر سامنے بند درواں کے پیچھے تھلا دیا، لیکن اگلے صبح جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ وہ پھر بیماری دلخیز پر آ بیٹھا ہے۔ یوں دس چودہ دن گزر گئے۔

دفعہ مجھے خیال آیا کہ ان دنوں کے دوران مجھے الرئی کا دورہ نہیں ہوا تھا۔ شہاب کی طرف گیا تو ہر سبیل تکرار، مست کی بات کر دی۔ میں نے کہا 'حیرت کی بات ہے کہ ہم تو رستے تھے کہ مست کی کھلی گھر میں داخل ہو جائے گی، لیکن اس کے برعکس اس ہفتے مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ قدرت نے مست کی بات سن کر اس میں دل بستی لینی شروع کی۔ مست کے حلق کی ایک سوال پوچھتے میری الرئی کے حلق وہ غیر معمولی دلچسپی لیتا رہا۔

میں نے کہا شہاب جی مجھے شک پڑتا ہے۔

کیا شک پڑتا ہے اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

ہاں وہ بولا 'ہو سکتا ہے۔ شاید بھائی جان نے ٹھٹھا ہو۔

اونہوں میں نے جواب دیا۔ بھائی جان ایسے کتب نہیں کرتے وہ تو عموماً مستی ہیں۔

شاید آپ کے سر پر قبضہ سائیں لٹھ بٹھ لٹھ سے بھیجا ہو، وہ بولا۔

ہاں ہو سکتا ہے۔

آپ بھائی جان سے پوچھیں 'قدرت نے کہا۔

پوچھوں گا۔ مجھے بتائیے کیا یہ لوگ اتنے طاقت ور ہوتے ہیں۔

ہاں وہ بولا۔ سنا ہے یہ لوگ بہت طاقت ور ہوتے ہیں۔

یہ تو بڑی زیادتی ہے 'میں نے کہا کہ ایک شخص کو بچانے کے لیے دوسرے کو روگ لگا دیا جائے۔

جب میں رخصت ہونے لگا تو وہ بولا 'میری بھئی بھی شہر چلتا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ موٹر سائیکل میں رہنے دیں۔ آپ کے گھر جا کر میں بھی مست کو دیکھتا چاہتا ہوں۔

اس روز خیر از معمول دو میرے گھر کی فلو ڈمچی میں در تک بیٹھاست کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر دلی دلی مسکراہٹ تھی۔ اس کے بعد بھائی جان سے ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں مست کی بات سنا لی۔ میں نے کہا 'بھائی جان ایک بیٹے سے وہ بیٹھے گھر کی دلخیز پر بیٹھا ہے۔ اس دوران میں مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ لگتا ہے جیسے میری الرئی اس نے سلب کر لی ہے۔ کھانا کھا کر اس کا جسم زخموں سے بھر گیا ہے۔

آم اور درشت

بھائی جان میری باتیں غور سے سنتے رہے۔

میں نے کہا 'جب ایسے لگتا ہے جیسے وہ خود میری دلخیز آکر نہیں بیٹھا بلکہ اسے بھیجا گیا ہے۔

ہے۔

شاید وہ بولے 'ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا شاید سرکار قبلہ کا کرم ہو۔

بھائی جان سوچ میں پڑ گئے، پھر پوچھنے لگے، کیا آپ نے سرکار قبلہ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ مجھے الٹی سے بچانے کے لیے دعا کیجیے۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

سوچ سمجھتے ہوئے شاید۔

بقی نہیں میں نے ان کی خدمت میں کبھی گزارش نہیں کی۔

یہ سن کر وہ پھر خاموش ہو گئے۔ دیر تک خاموش رہے پھر سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے

مفتی بی، آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ آم کھا لیے۔ بیڑ کیوں سمجھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ

آپ پر لوگ صبر کرتے ہیں۔ کرم لوانا میں ہو رہی ہیں۔

اگلے روز راجہ شفیع آگیا۔ اس نے مجھے ڈانڈا شروع کر دیا۔ کہنے لگا، مفتی یہ کیا بری عادت

ہے تجھے۔ چھوڑ اسے تو آم کھا بیڑ کیوں سمجھتا ہے۔

یہ میرے بس کی بات نہیں راجہ، میں نے جواب دیا۔

بھائی جان تجھ سے ناراض ہیں۔ کہتے ہیں اسے سمجھا جا کر کہ ہل کی کھل اتارنے کی عادت

چھوڑ دے۔

دراصل راجہ شفیع ایک سچا مرد تھا۔ وہ جانے بغیر سامنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مجھ میں جاننے

کا جو نہ تھا سامنے کی توفیق نہ تھی۔

اس کے بعد جب بھی میں شاب سے ملتا تو وہ پوچھتا، مست کا کیا حال ہے کیا ابھی بیٹھا ہے۔

کیا آپ کو الٹی کی شکایت ہوئی۔

چار ایک بار مجھے خلک پڑا کہ شاید یہ شاب کی شرارت ہو۔ لیکن دل نے کہا نہیں۔ شاب

اس قسم کی شیعہ بازی کو پسند نہیں کرتا۔

UrduPhoto.com

پھر ایک دن میں جو کمرے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ مست موجود نہیں۔

میں نے لوگوں سے پوچھا، جو کھلی میں کھیل رہے تھے۔

UrduPhoto.com

کے تھوڑے پر چار بیٹے پڑا تھا۔

اگلے روز علاقے کی پولیس نے آدراڑہ کھٹکھٹایا۔ کہنے لگے، آپ کے بیانات لیجئے ہیں۔

میں نے پوچھا، کس سلسلے میں۔

بولے، اس مت کے بارے میں جو آپ کی دلگیری بیٹھا رہتا تھا۔

اسے کیا ہوا، میں نے پوچھا۔

وہ فوت ہو گیا ہے۔

اگلے دن میں شاب سے ملا تو میں نے کہا، بڑا ظلم ہوا۔

کیا ہوا، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، مست فوت ہو گیا۔

یہ تو قسمت کی بات ہے، وہ بولا، اس کا وقت آگیا ہو گا۔

میں نے کہا، پچ نہیں کیوں۔ لیکن میں کھلی محسوس کر رہا ہوں۔

وہ کیوں؟

اس مت نے میری الٹی سلب کر لی اور اپنی جان کر قربانی دے دی۔

شاب نے جواب نہ دیا۔

آخر دس ماہ کے بعد مجھے پھر سے الٹی کی پھینکیں نکل آئیں۔

شاب اس پر مسکرایا۔ بولا، سائیں جی سے کو شاید وہ کوئی اور مت بھیج دیں۔

میں نے کہا، شاب جی۔ یہ تو بڑا منگکا سودا ہوا کہ ہر دس ماہ کے بعد ایک مت کی قربانی

دے دو۔

جواب سے کہ جب ہو کر بولا 'اوسوں تو چاہے نہ چاہے یہ تو ہو گا جو ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ ایک بار شباب نے بھی مجھ سے پرستشیں تذکرہ کیا تھا 'انشاء اللہ ہم اکٹھے جگ پر جائیں گے۔ آپ جگ پر جانے کی عرضی دے دیں۔

پھر وہ تین سال میں باقاعدہ جگ پر جانے کی عرضی دیتا رہا، لیکن قریب انداز میں میرا نام نہ لگا۔ اس اثنا میں شباب کا چھوٹا بھائی اور وہ بیٹا چلا گیا۔

جگ کا پروگرام

میں نے خط میں اسے اطلاع دی کہ اس سال بھی میرا نام نہیں نکلا۔ جواب میں اس نے مجھے ۳۰ دسمبر ۱۹۵۸ء کو خط لکھا جس میں جگ کا پروگرام لکھا تھا۔ مجھے اس قسم کی ہدایات دی گئی تھیں۔

۱۔ جگ کے لیے درخواست دے دیں۔ اگر نام نکل گیا تو خوب۔

۲۔ اگر نام نہ نکلے تو آپ ہیرو آجائیں۔ امریکی ایکسپریس سے کہیں کہ وہ ٹکٹ بنا دیں۔

کراچی سے ہیرو

ہیرو سے ہیرو

ہیرو سے ہیرو

ہیرو سے ایسٹروم ————— لندن ————— ہیرو

ہیرو سے ایسٹروم

ایسٹروم سے کراچی

۳۔ کراچی سے یوں روانہ ہوں کہ ۳۱ یا ۲۷ کو ہیرو پہنچ جائیں باقی جنگ لوہن رکھیں۔

۴۔ ہم انشاء اللہ ۲۷ مارچ کی شام کو ہیرو پہنچ جائیں گے۔

میں اس پروگرام کے مطابق تیاری کر رہا تھا کہ آخری ایام میں۔ غفور صاحب میری گھر آ گئے۔ ان کی آمد میرے لیے حیرت انگیز تھی چون کہ انہیں میرے گھر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ کہنے لگے 'میں راولپنڈی کسی کام سے آیا تھا۔ سوچا آج سے ملتا جاؤں۔

میں نے جگ کی تیاری کے متعلق بات کی تو کہنے لگے 'کیا آپ کو شباب صاحب نے اطلاع

جگ، ہارٹ اٹیک، مکان،

پھر جگ کی بات چل نکلی۔

دراصل جگ کی بات کئی ایک سال سے چل رہی تھی۔

جگ کے متعلق میں نے تمام تفصیلات اپنی کتاب لیک میں درج کر دی ہیں۔ جنہیں یہاں درج کرنا مناسب نہیں چند اہم باتیں یہ تھیں کہ

جگ پر جانے کی خواہش میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے جگ پر جانے کی خبر مجھے راجہ بازار کے فوارہ چوک میں کھڑے ایک مست نے دی تھی۔ پھر لاہور چھتائی کی ایک گلیں روڈ کی کوٹھی میں ایک نوجوان مست نے اس کی تصدیق کر دی تھی۔ شباب اور میں برآمدے میں بیٹھے تھے۔ دفعتاً باہر ایک شور مچا ہوا بگیدہ سی عورتیں ہاتھیں کر رہی تھیں۔ ان میں ایک مرد کی آواز بھی تھی۔ وہ جگ رہا تھا چلا رہا تھا۔

پھر وہ ہماری جانب آگیا۔ آتے ہی شباب سے بولا تو اسے جگ پر کیوں نہیں لے جاتا۔ لے جاتا پھر اس نے مجھے بہت سا کرنا نہ کھلایا۔ لے وہ بولا 'رکھ لے یہ تیرا خرچہ ہے۔

پھر وہ شباب کی طرف اشارہ کر کے بولا 'یہ تمہیں ایمان دلا ہے۔ عمل والا ہے۔ یہ پانچ جگ کرے گا اس کی گاڑی پر بھڑا آگے گا قاضی بنی ہوئی ہے۔' صرف دھچکا کرتے جاتی ہیں پھر وہ

© Oneurdu.com

رکلوئیں

ج کے دوران مجھے چار ایک پاؤں کا پتہ چلا۔

کہ کمرہ میں شباب کو چار ایک بار اٹھایا سنا کا دورہ پڑا۔ دو تین بار اس کے جسم کے جوڑا کڑھ کر حرکت کرنا ممکن نہ رہا۔ جب بھی کوئی اہم مقام آتا تو اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی ہوتی۔

ج سے واپسی کے بعد میں نے اس حصے پر چھل کہ مکہ معظمہ میں ایسے حالات کیوں رونق میں آئے تھے۔

مجھے نہیں پتہ وہ بولا، بس میرے راستے میں رکلوئیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔

کس نے رکلوئیں کھڑی کیں، میں نے پوچھا۔

بولا، پتہ نہیں غالباً، دی فور سزنی پوچھو۔

وہ خیر کی طاقتیں تو نہیں ہو سکتی تھیں۔

اس نے سرنگی میں ہلادیا۔

ایک بات بتاتے ہیں میں نے کہا، آپ کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی۔ آپ خود ہی کہا کرتے ہیں کہ رکلوئیں سے گھبراہٹیں چاہیے۔ صرف اس کا راستہ روکا جاتا ہے جس کے پیچھے چاہئے کا خلع

-۱۰-

ہاں وہ بولا ہوتا تو ایسا ہی چاہیے لیکن۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

ایک بات اور ہے، میں نے کہا یہ رکلوئیں صرف مکہ معظمہ میں پیش آئیں۔ مدینہ منورہ میں نہیں۔

توجہ اور مرکز

مدینہ منورہ تو رحمت ہی رحمت ہے، اس نے جواب دیا۔

ج کے دوران قدرت اللہ بار بار مجھے ایک بات سمجھا رہا کہ دیکھو یہی توجہ مرکز سے نہ

میں دی کہ اس سال آپ ج کے لیے نہیں جائیں گے۔ مدینہ شریف سے منع رہیں، میں نے کہا۔
چند ایک روز کے بعد شباب صاحب کا خط ملا لکھا تھا پادشہ اس سال ہم ج پر نہیں جائیں گے۔

۱۹۶۶ء کے آخر میں شباب واپس پاکستان آگیا اور اس نے مرکزی وزارت تعلیم کے سیکرٹری کا چارج لے لیا اور ۱۹۶۸ء میں ہم دونوں ج پر ملے گئے۔

مرد قدیم

ج میں میرا سب سے بڑا مشاہدہ مرد قدیم تھے۔ مسجد نبویؐ میں جب ہم فجر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے تو مرد قدیم اس جانب سے تشریف لائے جہرہ مسجد کا پرآئندہ قلعہ۔ اوپر سے مسجد میں داخل ہوئے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

ان کے بڑے کی طرف دیکھ کر میں حیران ہوا۔ ان کے چہرے پر اتنی عزم اور سنجیدگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوہے کے بنے ہوئے ہوں اور اس قدر قدیم ہوں کہ تاریخ کے کسی دور سے نکل کر آئے ہوں۔

برآمدے سے وہ سیدھے ہماری جانب آئے۔ اس وقت ہم فجر کی نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے۔ پیچھے سے آکر انہوں نے ہم دونوں کو الگ کیا اور ہمارے دو میان آکھڑے ہوئے۔

اس بات پر مجھے بڑا فخر آیا۔ ہمیں الگ کرنا کیا ضرورت تھی۔

پندرہ بیس منٹ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ انہوں نے ہم سے منہ سے کوئی بات نہ کی، لیکن ان کے ہاتھ متحرک رہے اور وہ باتیں کرتے رہے ان کے جسم میں محبت بھری لہریں تھیں۔ اپنی بات تھی، کرم نوازی تھی۔ ان کی شخصیت سے عجیب سی وابہریشنز نکل رہی تھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے قدرت کی طرف دیکھا وہ مجھ کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

لیکن اس کی آنکھوں میں دلی دلی پھلجھڑی چل رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ سمجھتا ہے، چاہتا

ہے۔ گرد و پیش میں چاہے کوئی واقعہ پیش آئے۔ کوئی بھگڑا ہو یا بحث کوئی کیڑا پھسکا، حافظ الہی One word تک (۱۰) سے پر فائز تھا کہ یہ تمام مرے دفتر میں بیٹھے بٹھائے طے ہو سکتے تھے۔

علیٰ کھانے کا مڑا

عینہ منورہ میں دو روز صبح تک چپ بچھے جگانا اور ہم دونوں جہڑ مبارک کے باہر کیو میں
 کھڑے ہو جاتے۔ جب مسجد نبویؐ کا جہڑ مبارک والا دروازہ کھلتا تو وہ دھکے کھانا ہوا اندر داخل
 ہوا اور جہڑ مبارک میں نفل کی نیت پاندھ کر کھڑا ہو جاتا پھر رازیں کا رطبانہ اندر داخل ہوتا
 ت اور اندر کھڑا کھانہ لکڑی سے دیوار لٹکنا جانتھ۔ پھر سے دھکا لگتا تو وہ دروازہ نفل کی
 طرف لٹکنا ہوا اور آ پچھتہ جہڑ مبارک میں نوافل پڑھنا پڑے دل گردے کا کام تھا۔ کئی بار وہ
 بارے جا کر غلاما چوٹ لگتی، لیکن اس کی نیت نہ ٹوٹی۔

ہندو متود میں قیام کے دوران تین مرتبہ پاکستان ڈسٹری کے ڈاکٹر نے قدرت اللہ کو پیغام لیا۔ آج رات کو مسجد نبویؐ خصوصی طور پر قضاۃ اللہ کے لیے چند کمروں کے لیے کیے گی۔ آپ چاہیں تو آپ بھی جن کے ہمراہ مسجد میں جا کر نوافل لڑا کر سکتے ہیں۔

قدرت اللہ شب نے ڈانگز کا شہرہ لڑا کیا اور معذرت کردہ کہ میری طبیعت خراب ہے اس لیے میں حاضری نہیں دے سکوں گے۔ اس کے علاوہ وجہ کے وقت اس سے مجھے آج کا پورا سالہ جزو مبارک میں جانے کا وقت ہو گیا اور وہ جزو مبارک میں حسب معمول دیکھے کھانا بہ اعلیٰ مرتبہ جب یہ شخص خصوصی طور پر مسجد نبوی کے کھانے کی خبر پڑی تو عفت بگڑ گئی۔ کہنے لگی، آپ کو دیکھے کھانے میں مزا آتا ہے۔ ہمیں آپ جانے سے کیوں روکتے ہیں۔ میں روکتا تو نہیں اس نے جواب دیا اگر آپ چاہا جانتی ہیں تو بے شک جائیں۔ میں ڈانگز صاحب کو فون کر رہا ہوں۔ وہ خصوصی پاس بجھا دیں گے۔

۶/۱۰/۱۱ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا 'آپ بھی عفت کے ساتھ ہو آئیں۔'

میں نے نفی میں سر ہٹا دیا۔

وقت غصے میں بولی کیوں آپ کو کیا ہے۔

میں نے کہا، انہیں دھکے کھانے میں مزا آتا ہے۔ مجھے انہیں دھکے کھاتے دیکھنے میں مزا آتا

انطلاق سوز واقعہ، کچھ بھی ہو اس کا ٹولس نہ لیں۔ دل آزدہ نہ کریں، غم نہ کھائیں، غصہ نہ کریں۔ مرکز سے توجہ نہ ہٹائیں۔ ایسے واقعات صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ آپ کی توجہ بٹ جائے۔

عینہ منورہ کے ہوٹل میں ایک روز میں غم و غصہ سے بھرا بیٹا قاتل اتفاق سے قدرت آ گیا پیری طرف دیکھ کر بولا کہیں کیا ہوا۔

کچھ نہیں' میں نے اسے ہانپنے کی کوشش کی۔

آپ بڑے ڈسٹرکٹ ہیں وہ بولا۔

میں نے کہا، 'سعودی حکومت نے جو افسر آپ کے ساتھ بھیج کر رکھا ہے، اس کی دیکھ و لیری پر حیران ہوں۔'

اس نے کیا کیا ہے، شہاب نے پوچھا۔

ایک پاکستانی لیڈی ڈاکٹر کو چھنایا ہے۔ دونوں نے یہ سامنا کرا رکھ کر دیا ہے۔ اعلا ہے
اکٹھے رہتے ہیں۔ شہاب صاحب یہاں مدینہ شریف میں ایسی اتفاق سوز حرکت۔

منطقی صاحب اس نے جو آپ دیا، وہ یہ اخلاقِ سوزِ حرکت صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کا جھوٹا کر دیں۔ آپ غم و غصہ کا شکار ہو جائیں۔ آپ کی توجہ مرکز سے ہٹ جائے یہ آپ کے خلاف ایک سازش ہے۔

عام انسان

جج کے دوران دوسری بات جو قدرت اللہ نے مجھے سکھائی یہ تھی کہ حرمین شریف میں راز کو عام انسان کی حیثیت سے رہنا چاہیے۔ بزرگی کا احساس پیدا نہ ہو۔ عہدے کا احساس نہ

ہو، پڑائی کا احساس نہ ہو صرف انسان عالم انسان۔

قدرت الله اس پر عملی طور پر پابند تھا۔

جب بھی وہ حج یا عمرہ کے لیے سعودی عرب آتا تو ایک عام ڈاکٹر کی طرح کیو میں کھڑا ہو کر دوا حاصل کرتا۔ کیو میں کھڑا ہو کر ہی اسے کئی نکت بنو اتانور فاران ایکس پیجنٹ حاصل کرتا۔

©meurdu.com جس میں ایک جالے پچائے ہوئے انسانہ نگار نے لیک کی رونمائی پر یہ عنوان

سیارہ ڈائجسٹ

نکلا۔

ج کی رونمیاو لکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا یہ موضوع اسلام سے تعلق رکھتا تھا۔ اور میں

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سڑیہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ماہ اور ایک مسلسل پندرہ ماہ کا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظمین بار بار شاہدار پل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مدنی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ناشر سیف اللہ صاحب سے سرکشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

انہیں یہ شکایت بھی تھی کہ ممتاز مفتی کو صدر گھر میں مرشد کیوں ملا۔ اس کا خبر کے لیے انہیں خائفہوں یا پھر غفلتوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے اپنے کالموں میں بار بار اس کا ذکر کیا۔

ترقی پسند

پھر ترقی پسندوں نے اس کتب کے خلاف ایک مہم چلا دی۔ انہوں نے ایک خبر بھیجی کہ ہاسک میں ایک اہلی کانفرنس ہوئی جس میں ممتاز مفتی کے مضمون ”جج بیت اللہ“ پر جو سیارہ احتجاج میں قسط وار چھپ رہا ہے۔ تہہ کیا گیا۔ کانفرنس میں کہا گیا کہ ایسے مضامین لکھے جائیں جو قارئین کو مذہب سے بے زار کریں جیسے کہ جج بیت اللہ۔

اس پر مفتی دُور نے ہفت روزہ ”زندگی“ کے ۳۰ دسمبر تا ۹ جنوری ۶۲ء کے شمارے میں ایک کالم لکھا جس سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

گزشتہ دنوں روس میں امن بذریعہ قلم کار کانفرنس ہوئی۔ اس میں ایشیا اور افریقہ کے ترقی یافتہ اہل لبّ دوس کی ہدایت اور تحریک پر غریب عوام اور ممالک کی جبری ترقی کے ذرائع پر غور و فکر کرتے رہے۔ پاکستان اور بھارت کے بہت سے ”اہل دل“ اور ”اہل درد“ بھی دروہانے کے لیے سیر کو گئے۔ پاکستانی کمونسٹوں کے جدِ اعلیٰ جناب سجاد ظہیر اسی کانفرنس میں امن کے بوجھ سے دب کر اس دنیا سے ہل دیے تھے۔ اس کانفرنس میں برصغیر میں پائیدار قیام امن اور بھارت پاکستان کنفیڈریشن کے قیام کے لیے ان لوگوں کو ایک لائحہ عمل دیا گیا۔ اس کی تفصیل

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سڑیہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ماہ اور ایک مسلسل پندرہ ماہ کا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظمین بار بار شاہدار پل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مدنی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ناشر سیف اللہ صاحب سے سرکشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

تقریبوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ تقریب کسی نہ کسی منہل پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور مقلد کسی نہ کسی مرحلہ پر پہنچ کر قلم ہو جاتا ہے، یہ مضمون بھی پندرہ ختم ہو گیا اور سامعین نے اس کے ختم کے ساتھ گرم جوشی سے تائیں بنائیں۔

اس تقریب میں ایک مضمون ذوالفقار بٹاش نے پڑھا اور کتب سے گزر کر اس شخصیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جس نے اس ستر کرے کو بہت روٹتی بخشی ہے۔ یہ قدرت اللہ شہاب ہیں۔ ذوالفقار بٹاش کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس صاحب کرامت بزرگ کے گرد تین درویش اکٹھے ہوئے ہیں۔ ممتاز مفتی، اشفاق احمد، ابن انشاء ہر درویش مرشد کے حقیقی الگ بیان دیتا ہے اور زبلی داستان بناتا ہے۔

افجاز حسین بنامی کہتے تھے کہ ہم نے بھی شہاب کو دیکھا اور جانا ہے پتہ نہیں مفتی صاحب نے انہیں کس آنکھ سے دیکھا اور وہاں کیا جاوہر پلایا۔

سودا بھر دھار جانی ہے / دنیا تو نہیں وہ
کیا جانے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

اسرائیل کے ایک جریدے JEDI OF AHARONOT میں اس کی جائے والی قرار دو میں کہا گیا کہ "بھگہ دیش" کے قیام کے بعد برصغیر میں عوامی تحریک اور پروتگاری نگر کی کھیلانی کو مزید منظم کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت کے درمیان ثقافتی دیواریں توڑ دینا چاہئیں۔ پاکستان اور بھارت میں کنفیزیشن کا قیام اور پائیدار امن اسی صورت ممکن ہے کہ پاکستان میں جینیائی ادب اور دہشت پسند تحریروں کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ دہشت پسند کماتوں اور پرانے ہندی ہنسی انداز کے انسانوں کی تشویر ہے حد ضروری ہے جس میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا مذاق اڑایا جاتا جائے۔ قرار دو میں کہا گیا ہے، اس سلسلے میں پاکستان میں روسی سفارت خانے کا تعاون بہت ضروری ہے اور امریکی مراکز اطلاعات سے بھی مدد حاصل کرنا چاہیے۔ کراچی سے نکلنے والے دو رسائل "عالمی ڈائجسٹ" اور "سب رنگ ڈائجسٹ" کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور لاہور کے رسالہ "سیارہ ڈائجسٹ" کے جنوری ۱۹۹۷ء کے مضمون "ج بیت اللہ" کی تحریف کی گئی ہے۔ برصغیر، فلج کی ریاستوں اور مشرق وسطیٰ کے ترقی پسند مصنفین کو اس محلہ پر فوری جہو امن شروع کر دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

ایک روز شہاب اور اشفاق بازار سے کچھ کتابیں خرید کر لائے تو اشفاق کئے لگا 'یار مفتی جیری کتاب "ایلیک" ادبی کتابوں کی دوکان پر نہیں ملتی۔ اسلامی کتابوں کی دوکان پر ملتی ہیں۔ شہاب بولا۔ قرآن کریم اور حدیث کی کتابوں میں رکھی ہوئی ہے۔ حیرت کی بات ہے میں نے کہا میرا خیال تھا اس کتاب پر بڑے اعتراضات ہوں گے۔

ہاں ہوتا تو کیا چاہیے تو اشفاق نے کہا۔
معلوم ہوتا ہے کسی اللہ کے ہندے سے اس کتاب کو پائسر کر دیا ہے۔

ساری رات میں سوچا رہا اشفاق کی کتاب ہے۔ یہ کتاب سیری کتاب نہیں ہے مجھے اس کی اشاعت میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔
اگلے روز میں نے پیش کو نسل کے نام پر "کتاب" میں اعلان کر دیا کہ لیک کے حقوق مصنف کے حق میں محفوظ نہیں ہیں۔ جو شخص چاہے اسے مصنف کی اجازت کے بغیر شائع کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر یاربر لیسٹکاف

حال ہی میں ایک امریکی ڈاکٹر یاربر لیسٹکاف نے "ایلیک" پر تحقیق کرنے کے بعد ہندی دار لڑی ریٹائزیم کا نام تاجون ۱۹۹۰ء کے شمارے میں ایک چار کالی نمونہ شائع کیا ہے جس کا انشورج ہے۔

"BARBRA METCALF QUESTIONS THE ASSUMPTION THAT ISLAM IS MONOLITHICALLY INTOLEVANT OF SATIRICAL TREATMENTS OF RELIGIOUS ORTHODOXY AND EXAMINES THE URDU WRITER MUMTAZ MUFTI'S LABBAIK AN ACCOUNT OF HIS PILGRIMAGE TO MECCA, A BOOK CONTINUOUSLY IN PRINT SINCE ITS PUBLICATION IN 1975."

بارٹ انیک

جج سے واپسی کے چند ماہ بعد مجھے دل کا دورہ پڑ گیا۔ رات کے دس بجے کے قریب مجھے چھاتی میں درد ہوا۔ دل میں سمجھا کہ شاید درد رتے ہے۔ مجھے اکثر ہوا کی شکایت ہو جاتی تھی۔ درد بڑھتا گیا بڑھتا گیا حتیٰ کہ نا قابل برداشت ہو گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بارٹ انیک ہے۔

مشیخ نے دو تین پارکاً میں ڈاکٹر لے آتا ہوں۔ لیکن میں نے (Dr. Farid) صاحب آپ کی ریکوری تو خوب رہی۔ آپ کا تو سکار بھی نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے ہماری دوائیاں بڑے اہتمام سے کھائی ہیں۔

میں نے کہا: جناب میں نے سیانے لوگوں سے مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا: قلب کے لیے بہترین دوا طب میں نے کی۔ اس لیے میں خیرہ مراد یہ کہا: رہا کلور سٹل کے لیے مجھے بائو کسی میں ایک ایسی دوا مل گئی جو خون نہ تو کاڑھا ہوئے دیتی ہے نہ چٹا کرتی ہے۔

یہ سن کر ڈاکٹر صاحب سخت بھولے ہوئے 'آپ پڑھے لکھے ہو کر کوئی بکس کی دوا کھاتے ہیں۔

میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب ابھی ابھی آپ فرما رہے تھے کہ کمال کی ریکوری ہوئی ہے۔ سکار تک مٹ گیا ہے۔

اس پر دو اور بولے۔ بولے: 'آپ علاج کے لیے میرے پاس نہ آئیں۔ آپ انہی سے مشورہ کریں جن کی دوا کھاتے ہیں۔

ہارٹ اٹیک کے بعد ہسپتال میں لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آتے رہے۔

مکان

سب سے پہلے میری بیوی آئی۔ کہنے لگی: 'آپ ہارٹ اٹیک کرا کے بیٹھ گئے ہیں اور ہمارے لیے ابھی تمہی نہیں کیا کہ سر پہچانے کے لیے ایک کو فوری بنا دیتے۔ مجھے اس کی بات سن کر بڑا غصہ آیا کہ میں دل کے عارضے سے پرہیزوں اور یہ بی بی گھر کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

دیسے اس کی بات بھی تھی۔ لاہور میں جو گھر ہمیں ملا تھا وہ ہم چھوڑ کر راولپنڈی چلے آئے تھے۔

پنڈی میں حکومت نے سرکاری ملازموں کو سیٹلائٹ ٹاؤن میں پلاٹ دینے کی سکیم بنائی تھی۔ میں نے بھی ایک مرضی دے دی تھی۔ میرا کلیم منظور ہو گیا تھا۔ ابھی پلاٹ نام زد نہیں ہوا کہ میرا چاولہ کراچی ہو گیا تھا۔

یوں میرے نام کوئی پلاٹ یا مکان ملا نہیں ہوا تھا۔ میری بیوی کے چلنے کے بعد میرا ایک دوست احسان میری خبر لینے کے لیے آگیا۔ احسان سی ڈی اے میں الگوش افسر تھا۔ میں

میرا سہا ہے۔ ان دنوں ہم دونوں سیٹلائٹ ٹاؤن میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

میرا راج پور گرام بنا تو مشیخ نے مجھے سے کہا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد اقبال اور بچے اٹیک رہ جائیں گے چوں کہ کبھی ابھی چیک سلاو کر کے واپس نہیں کیا تھا۔

کہنے لگا: ہماری گلی میں ایک مکان خالی پڑا ہے بہتر ہے ج پر جانے سے پہلے مکان بدل لیں۔ اس کے کہنے پر میں نے مکان بدل لیا تھا۔

مجھے چھاتی میں درد ہوا تو اقبال نے مشیخ کو بلا لیا۔ جب درد نا قابل برداشت ہو گیا تو مشیخ نیکی لانے کے لیے بھاگا۔ پھر دھمتا ہوں ہوا جیسے کسی نے پانی کی منگ بجھ پر گرا دی ہو اور میں بے جان ہو کر چار پائی پر گر پڑا۔

ہولی فلی ہسپتال میں انہوں نے مجھے پے پے ڈین کا ٹیکہ لگا کر سلا دیا۔

اگلے روز ڈاکٹر آیا تو میں نے اسے بتایا کہ مجھے دل کا دورہ پڑا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: 'آپ فکر نہ کریں۔ ابھی پتہ چل جانے کا پہلے آپ چار ایک شٹ کروائیں۔

تین دن میں کیوس کڑے ہو کر شٹ کروانا رہا۔ چوتھے دن میں نے ڈاکٹر سے کہا: جناب میں قلم مزدور آدمی ہوں۔ گھر چلانے کے لیے سکرپٹ لکھتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ گھر چلا چلوں اور سکرپٹ لکھنے شروع کر دوں۔

ڈاکٹر نے کہا: 'آپ کے دستوں کے نتائج آجائیں گے میں انہیں دیکھ کر آپ کے بارے میں فیصلہ کر سکوں گا۔

اگلے روز دو گھبرایا ہوا آئینے کا 'آپ کو کارڈری انفکشن ہوا تھا۔ بہت شدید ہارٹ اٹیک تھا۔ آج سے آپ بیڈ ریسٹ پر ہیں۔

میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب مجھے آپ پر اعتماد نہیں رہا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ پہلے روز ہی اعتدال کے طور پر مجھے بیڈ ریسٹ کا حکم دیتے۔ اس پر ڈاکٹر ناراض ہو گیا اور میں اس کی اجازت

لے بغیر گھر چلا آیا۔

کوئی بکس

چھ مہینے کے بعد میں ڈاکٹر کے کلینک میں گیلہ انہوں نے میرا ای سی بی کیا اور خوشی سے

© neurdur.gov

نے کہا تمہارے جیسے دوستوں کا کیا فائدہ ہے۔ دیکھو ابھی ابھی میری بیوی مجھ کو لے کر ایک کھڑے ہو کر بیٹھ گئے ہو اور ہمارے لیے ایک کوٹھری کا انتظام بھی نہیں کیا۔

احسان نے کہا ایک عرضی لکھ دو۔

میں نے کہا 'والہ دل کے مریض سے عرضی لکھواتے ہو۔

اس نے کہا 'اچھا ایک کلمہ پر اپنے دستخط کر دو۔ چہ بیٹے کے بعد مجھے ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ تمہارے نام اسلام کلو کے ایف۔ ٹیکس سیکڑ میں ایک ۳۰ x ۹۰ کا پلاٹ الٹ کر دیا گیا ہے۔ لہذا پانچ ہزار روپے لدا کر کے پلاٹ پر قبضہ حاصل کر لیں۔

میرے لیے پانچ ہزار کی رقم بہت بڑی رقم تھی۔ پاکستان میں میری ملازمت صرف چندہ سال کی تھی۔ میری پنشن کمپنیشن کے بعد بے ۲۰ روپے بنی تھی۔ میں نے جون توں پلاٹ تو حاصل کر لیا، لیکن مکان تعمیر کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

تین سال کے بعد سی ڈی اے کے نوٹس موصول ہونے شروع ہو گئے کہ اگر آپ نے مکان تعمیر نہ کیا تو پلاٹ ضبط کر لیا جائے گا۔

میں سی ڈی اے کے اصرار سے جاننا میں نے کہا 'جہاں میں ایک راکٹر ہوں۔ ہم مزدوری کرتا ہوں۔ مکان بنانے کی توقع نہیں رکھتا' اگر آپ لوہے کے حوالے سے مجھے خصوصی اجازت دے دیں کہ جب بھی توفیق ہو، مکان بنوانوں تو شکر گزار ہوں گا۔ انہوں نے میری درخواست کو منظور نہ کیا۔

آفرز

پھر پلاٹ کی آفرز آنے لگیں۔ میں ہزار روپیہ، چھٹیں ہزار روپیہ، تیس ہزار روپیہ، جب ۳۵ ہزار کی آفر آئی تو میرا دل ڈل گیا۔

میں پھر سی ڈی اے کے افسروں سے جا ملا۔ میں نے کہا 'علی چاہو' میرا ایمان ڈل گیا ہے۔ پلاٹ کی آفر ۳۵ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

میرا خیال تھا کہ وہ کہیں گے کہ نہیں آپ پلاٹ کو بیچ نہیں سکتے یہ قانون کے خلاف ہے۔

وہ ہم آواز میں بولے 'بیچ دیجیے۔ بس آپ کو برسرِ سنت اتباع دینا پڑے گا۔

یہ سن کر میرے ذہن کا ٹیوڈ اڑ گیا۔

پھر امین صاحب آگئے۔ وہ مجھے میں لال بھجوا کا ہو رہے تھے۔

امین صاحب۔ قدرت اللہ کے بہنوئی تھے۔

امین صاحب کی شخصیت میں تین اوصاف نمایاں تھے۔ ایک تو وہ سراسر مرلا مستقیم تھے۔ دوسرے خدمتِ خلق کے دوانے تھے اور تیسرے بڑے فیصل تھے۔

انہوں نے آتے ہی کہا 'میں نے سنا ہے آپ اپنا پلاٹ بیچ رہے ہیں۔ خیرادر جو آپ نے پلاٹ بیچا۔

میں نے کہا 'امین صاحب مکان تعمیر کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔

کتنے روپے ہیں آپ کے پاس' انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'صرف چندہ ہزار روپے۔

کتنے گئے 'چودہ ہزار کا چیک کٹ دیجیے ابھی اس وقت۔

اگلے روز میں نے شاپ سے بات کی۔

شاپ کتنے لگا 'آپ کو مبارک ہو۔ اگر آپ کے گھر کی تعمیر کا زمہ امین نے لے لیا ہے تو

آپ کا مکان بن گیا۔ امین اللہ کو گھر تعمیر کرنے کا ذہن ہے۔ وہ لوگوں کے گھر تعمیر کرتے رہتے ہیں۔

مارا دن ہزاروں کی خاک چھلتے ہیں تعمیر کی سستی ترین چیزیں خریدتے ہیں اور باقی وقت لبر کی

پرویزن میں صرف کرتے ہیں۔ میرا گھر بھی انہوں نے بنایا تھا۔ میرے پاس بھی رقم نہ تھی۔

لیکن شاپ صاحب 'میں نے کہا دو لاکھ روپے آجئیں گے کہیں سے۔ امین خاں کو کہیں۔

نہ ہی دو کروڑ پتی ہے۔

وہ مسکرایا 'ہوا' ایسے کاموں میں فیصلہ لدا رہو جاتی ہے۔ شاپ نے بیچ کا تھا۔ پتہ نہیں کہیں

کہیں سے رقمیں آئی گئیں۔ انجانے دیکھے پیدا ہوتے گئے۔ انجانے بکوں سے رقمیں آتی گئیں

اور ۶۹ میں میرا مکان بن گیا۔



۱. تنگ دستی، خوف و ہراس
۲. مہیہونی جادو
۳. ایلپی کی واپسی
۴. دو اپناج

تنگ دستی، خوف و ہراس

بھارتی حکومت کے سربراہین نے
انہوں آتے ہی مارشل لا نافذ کر دیا۔

جنرل یحییٰ

انہوں نے سیکرٹریوں کی ایک میٹنگ بلائی جس میں سب افسروں کو سخت جھاڑ بھجوا دی اور
اپنی حکومت کے حلقہ منہ پھاڑ کر دعوے کیے۔ ہم یوں کر دیں گے، ہم دوں کر دیں گے۔
اس پر قدرت اللہ شاپ نے فیروز محمول مارشل لا کا مذاق اڑایا۔ کہنے لگا، جناب آپ
کے مارشل لا کی کیا بات ہے نمایاں صاف ہو رہی ہے۔ کیا ماری جا رہی ہیں۔ قلعوں کی
دوکانوں پر جامیں گلوئی جا رہی ہیں۔ خاک روپ بیکار پر سڑکیں صاف کر رہے ہیں۔
یہ سن کر جنرل کا پارہ چڑھ گیا اس نے سیکرٹریوں سے کہا اس شخص کا ذہن چل گیا ہے۔
اسے سمجھاؤ۔ ورنہ اسے خیارہ پھینکا دے گا۔

اس پر بعد کر کش نے شاپ کو گھیرے میں لے لیا اور اسے سمجھائے گئے۔
اگلے روز شاپ نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔



اور عمر بھر میں نے شب کے چولے کے حکامات چاری کر دیے۔ چلتی کو تعلیم کا نیکرٹری ہنوز کر دیا اور شب کو رنج نہ مہربان دیا۔ اس کے علاوہ ہنزل نے چنیدہ چنیدہ اکوئیں کو ڈیوٹی لکائی کہ وہ ہادی ہادی شب کو سمجھائیں کہ وہ اپنا اشتہاف واپس لے لے۔ ان میں راجہ محمود آپد بھی شامل تھے۔

ہنزل بچی جبرجگ حم کا آدمی تھا۔ اسے تین پاؤں سے دلچسپی تھی۔ انکسراز آف پاور۔ شراب نوشی اور موٹی عورتیں۔

رات کے وقت شراب نوشی کا دور شروع ہو جاتا تھا۔ کرے میں مونے گوشت کی دلدل بچ جاتی جس میں ہنزل یوں لت پت پڑا رہتا جیسے سمندر کے کنارے کچھڑ میں مگرچھ لت پت پڑا رہتا ہے۔

میں نے شب سے کہا یہ آپ نے کیا کیا۔ خواہ مخواہ بھڑوں کے چنے کو چھڑ دیا۔ شب نے جواب دیا "میری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم سب ہی حضور صیہ ہیں" حکومت کا کوئی بھی سربراہ آئے۔ جائز طریقے سے آئے یا ناجائز طریقے سے۔ حکومت کرنے کی اہلیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ چاہے ذلتی ہو، بخوار ہو۔ چاہے جسمانی طور پر مفلوج ہو، صاحب کردار ہو یا نہ ہو، بی بی حضور صیہ اس کے گرد گھیراؤں لیتے ہیں اور ذاتی مفاد کے لیے اس کے کن گاتے ہیں۔ تفریقوں کے پلے پاتھ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حقائق پس پشت چلے جاتے ہیں اور فیئینسیسی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا جناب آپ نے سانپ کی دم پر پاؤں رکھا ہے۔ اب کیا ہو گا؟ آپ کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں شب کو یو نیکو سے ملاوا آکریڈ ڈائریکٹروں کی ایک میٹنگ میں شرکت کے لیے وہ بیس روانہ ہو گیا۔ کراچی میں وہ چلتی سے ملاوڑ اسے چارنگ دے دیا۔

بیس سے اس نے ڈاکٹر مفت کو فون کیا کہ "فورا" لندن "چانچو" مفت اور ثاقب چپ چاپ لندن روانہ ہو گئے۔

بہائی جان نے کہا "انہوں نے اچھا کیا کہ یہاں سے چلے گئے۔ یہاں مفلوج ہتوں کا دور دورہ ہو گا۔ بی حضور صیہ گھیراؤں لیں گے۔ نفسانسی ہو گی۔ آپا دھانی چلے گی، لیکن آپ گہرا نہیں



مستاز مفتی، محمود ہاشمی، رضا عابدی، افتخار عارف اور دیگر لندن کے جلسے میں



شبائ اور سیری

آئی پہنچ سکا۔ کئے گئے، ہمیں بھی من کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

اسی شام کو راجہ شفیق آکیہ۔ دو دست شے میں تھا، آئے ہی مجھ سے لڑنے لگے۔ کہنے لگا، میں بالی مشکل سے بھائی جان کی توجہ شہاب صاحب کی قینباتی کی جانب مبذول کرتا ہوں تاکہ وہ انہیں جہد میں قینبات کرا دیں، لیکن تم من کی توجہ دوسری باتوں کی طرف الٹا دیتے ہو۔ میرا کیا لایا بڑا کر دیتے ہو۔

دراصل راجہ یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے روپے کو بدلنے پر قادر ہیں۔ اس کے برعکس میں یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے پروگرام پر پلٹے پر مجبور ہیں، چاہے دولت پسند کریں یا نہ کریں۔

میں نے بہت کوشش کی حتیٰ کہ راجہ کو یہ بات سمجھاواں، لیکن میں بری طرح سے ناکام ہوا تھا۔

راجہ شفیق دراصل رسمی قسم کا مرید تھا۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا کہ چلائی سے بھائی جان کا رخ بدلے اور انہیں اپنی ضروریات کے مطابق استعمال کرے۔ مجھے اس کی روش پسند نہ تھی۔ اس لیے میں محسوس کرتا تھا کہ میں آکیہ راہ گیا ہوں۔ اس کے باوجود میں راجہ کے غلوں کا معترف تھا۔

فینٹسیسی

شہاب کے جانے کے بعد وقتاً بے وقتہ مجھ میں فینٹسیسی کا ایک طوفان جاگ اُٹھا۔ تصویریں، نقش تصویریں، نگلی تصویریں۔

میں جوانی سے ہی فینٹسیسی کی بنیادی کاغذ تھا۔ جب بھی میں فارغ ہوتا تو میرے ذہن میں ایک قلم چلنے لگتا، نگلی تصویریں، ہوس سے بھرے ہوئے مناظر، قتل، اغراض خیالات، نقش پھول، شجر۔

پہلے میں اس صورت حال میں الزام دیکھی لیتا تھا۔ جب مرد فتنہ اور بھائی جان سے متعارف ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ یہ علامت میری ذہنی غلط کاری کو ہوا دیتی ہے۔ میں نے بھائی جان سے بات کی۔ انہوں نے قریباً آپ کلہ پڑھا کریں، پھر میں نے اس کیفیت پر ملاحظہ

نہیں۔ یہ دور صرف ایک یا دو سال پہلے تھا۔

راجہ نے کہا، جناب ہم سب کے حالات خراب ہو رہے ہیں۔ ہم سب مصائب میں گرفت ہوئے ہیں۔

بھائی جان بولے جب مصیبت آئی ہے تو ایک فرد پر نہیں آئی، سارے گھرانے پر آئی ہے۔

تین چیل

راجہ نے کہا بھائی جان مصیبت جب بھی آئی ہے ہمارے گھرانے پر ہی آئی ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ آپ کیوں نہیں کوشش کرتے کہ شہاب کی منصب جگہ پر قینباتی ہو جائے۔ بھائی جان مجھے تھکایا کر کے بولے، آپ کو علم ہو گا کہ وہ کس جگہ قینباتی چاہتے تھے۔

میں نے کہا، جناب انہوں نے اس بارے میں مجھ سے بات نہیں کی البتہ راجہ محمود آہا سے کیا تھا۔

کیا کہا تھا، بھائی جان نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا، انہوں نے جہد کی سقارت کے لیے کہا تھا۔ راجہ محمود آہا صاحب نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ کہنے لگے، فادان سروس میں تین مقام جنرل خانے کے حروف کبھی جاتے ہیں۔ جلال آہا، جہد اور جکڑے۔ جہد کی پوسٹ بے لیس کے برابر ہے۔

پھر شہاب صاحب نے کیا کہا، بھائی جان نے پوچھا۔

شہاب نے کہا، مجھے متکور ہے۔

شہاب صاحب جرئیل صاحب کو بھی حضور یوں کی ضرورت ہے، اگر آپ جی حضور یے بننے کے لیے تیار ہیں تو جو چاہیں گے، لے گا۔ اگر جی حضور یے بننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو جو

چاہیں گے اسے کرا کر لے گا۔ راجہ محمود آہا، بھائی جان بولے۔

بھائی جان، میں نے کہا۔ شہاب صاحب کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہتے ہیں چٹنی ہوں اور ایک نہیں دو لوں گا۔ جرئیل کو کمری کمری سٹاؤں گا اور جہد کی پوسٹ بھی لوں گا۔

شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس دہائی بیماری میں تخفیف تو ہو گئی، مگر کچھ عرصہ بعد دوبارہ شروع ہو گیا۔

نکلنے بھی بھلا دورہ پڑ جائے۔ میں نے شب سے بات کی۔ اس نے کہا دورہ پڑتا ہے تو پڑے۔
وہ اسے لہجہ سے کہہ رہا تھا۔ وہ اسے لہجہ سے کہہ رہا تھا۔

اگرچہ شب کا چلنا ہوا طریقہ مشکل تھا۔ اس کی نسبت لاجل پڑنا آسان تھا۔ لیکن لاجل پڑنے میں حقہ مقدم کی کیفیت تھی اور اس طرز عمل میں دورے کو خواہ مخواہ اہمیت ملتی تھی۔

ہرمال چار پانچ سال میں فینٹسی کے دورے تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ لیکن ان ایام میں پتہ نہیں کیا ہوا۔ ایک دم بلاوجہ فینٹسی کا ایک طوفان چلنے لگا۔ میں نے لاجل پڑنا۔
بنتا لاجل پڑنا اتنی طوفان خیز ہو گیا کہ پھر میں نے اس انکار کرنے کی کوشش کی، لیکن عیب۔

میں بھائی جان کے گھر کی طرف بھاگا۔ وہاں مکان پر تالہ لگا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ ان کی بیوی
تیار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔

پھر میں راجہ شفیق کی طرف چل پڑا۔

راجہ فیروز معمول ترک میں تھا۔

میں نے کہا راجہ تجھے کیا ہوا۔

بولا "سب چھوٹ ہو گیا۔"

کیا مطلب۔

بولا "ایز یو ور۔ میں اپنی اصلیت کی طرف مڑ گیا ہوں۔ سارا دان تاش کھینا ہوں۔
سینکس کے ساتھ۔"

منہ ڈبلی نہیں۔ کچھ پتے پانچ سو جیتے۔

ارے میں چلایا۔ تمہاری زبان میں لکت کیوں ہے۔

ایک چٹکی لی ہے۔ تم لوگے۔ وہ مڑا لہجہ کی لپٹ کھولا اور بوتل نکال کر میز پر رکھ دی۔

ایک گھونٹ لی اور وہ بولا "پھر چارے پر جا کر کھائیں گے۔"

وہاں میری ایک پرانی سیکی رہتی ہے۔

راجہ شفیق سے بات کرتا ہے کہ ہمارے ہاں اس کی تو اپنی جہتی اپنی چل گئی تھی۔

حبیب شہاب

اگر قدرت کے متعلق بڑی پریشان کن خبریں آ رہی تھیں۔ وہ لندن کے مصائب
میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہائش پذیر تھا۔ گھڑا بند ہو چکی تھی۔ اسٹیفن مکتور نہیں کیا گیا
تھا۔ ہیشن کی لوائیج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ کوئی بک انڈسٹری نہ
تھا۔ پرائیویٹ کے مالک انڈسٹری کے لائوسٹ پر گزر کر رہا تھا۔ یہ لائوسٹ بہت کم تھا۔
قدرت اللہ کا چھوٹا بھائی حبیب شہاب ہوٹل ٹینک میں پبلک ریسٹورانٹ کا ڈائریکٹر تھا۔ ان
دووں قدرت سے ملنے کے لیے لندن گیا تھا اس کے بیان کے مطابق:

قدرت اس کی بیوی ڈاکٹر عفت نور پڑنا صاحب اس چھوٹے سے گاؤں میں
کیمپری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ صبح ناشتہ پر ایک سوکھا نوٹ۔ دوپہر
کے کھانے پر ایک تازہ نوٹ چائے میں بھگو کر اور رات کو ایک نوٹ
آلیٹ کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ان کے ساتھ کسی ایک روز رہنے کے
بعد جب میں واپس آیا تو مجھے کھانے سے کوئی رغبت نہ رہی تھی۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دل اور جینٹ میں کافی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔
کیوں کہ کئی تکلیف دہ مقرر دل و دماغ پر ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔

سات سالہ صاحب پیل یا پائیکل پر سکول جاتا تھا۔ سکول جاتے آتے ہر
بار اس کا سائیکل برف میں پھنس جاتا تھا۔

برف و باران میں قدرت کا پیل سفر خود سوا لاکھ لائبریری جاتا۔ کھینچ
کے گٹے پر کپڑے دھوتا۔

عفت کی پریشان حالی "بے بسی" "آہیدہ" انھیں "گرتی ہوئی صحت۔ ان
سب مصائب کے باوجود قدرت کی منتظر میں نہ تو کبھی تھی اور نہ اس
نے کبھی کسی کے رویوں ان مصائب کا رونا دھونا تھا۔

حبیب شہاب "عفا" قدرت اللہ سے مختلف تھا۔ وہ ایک جرنلسٹ تھا۔ سوشل فوڈ بات

تے دوچار ہوتے ہیں تو حبیب کو پتہ چل جاتا ہے اور آپ کی طرف اٹھ بھاگتا ہے۔

وہ سکرایا بولا، حبیب اور میرے درمیان ایک عجیب تعلق ہے۔ میرے دکھ اور تکلیفیں حبیب کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔

قدرت نے کہا، وہ ہر مشکل میں میرے کام آتا ہے۔

بچپن میں جب ہم گلت میں گورنر گمر میں رہتے تھے، ان دنوں مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا وہاں چھوٹی چھوٹی کتابیں کرائے پر ملتی تھیں۔ میں روز ایک کتاب کرائے پر لیتا تھا حبیب اور میں دونوں گھر سے اپنے اپنے بچے اٹھا کر سکول کے لیے نفلے گاؤں جوس میں چند ایک کوغریاں خرید لیتے تھے۔ سکول میں جانے کے بجائے میں ایک کوغریاں میں گھس جاتا تھا حبیب سے کہتا کہ تو کوغریاں کی باہر سے کٹڑی لگا دے۔ میں وہاں سارا دن کتاب پڑھتا رہتا تھا جب حبیب سکول سے واپس آتا تو کٹڑی سکول گھر بھیجے گاؤں لٹاتا اور ہر گھر دو دوں بچے اٹھائے گھر میں یوں داخل ہوتے جیسے سکول سے آئے ہوں۔ کہنے لگا، میں نے حبیب کو دھونس دے رکھی تھی کہ اگر تو نے راز فاش کیا تو کتے مارا کر تیرا بھر کس نفلے دوں گا۔

میں نے کہا، شام صاحب یہ بتائیے کہ جب آپ کلک میں باندھ پاؤں کے بدامرواح کی وجہ سے سخت پریشان تھے تو کیا حبیب کو آپ نے بلایا تھا یا وہ از خود آیا تھا۔

از خود آیا تھا، اس نے جواب دیا۔

پابند

میں نے کہا شام صاحب آپ نے جو کلک کے باندھ پاؤں کا نقشہ کھینچا ہے وہ عام باندھ پاؤں سے بہت مختلف ہے میں نے بھی چند ایک باندھ پاؤں دیکھے ہیں، بلکہ ہاتھ سے دھارے کھانے میں کسی ایک مقالت باندھ تھے۔ باندھ پاؤں میں عجیب نوعیت کے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ کیلا چھیلو تو اندر سے ریت برآمد ہو۔ باندھ پاؤں میں واکیہ آسکتا ہے، لیکن وہ چڑیوں کا بھر میں بنتا۔

شام صاحب باندھ پاؤں کا یہ واقعہ آنکھ سنایا کرتے تھے، لیکن ہر بار تفصیلات میں فرق پڑ جاتا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ بھوت بولتے تھے بلکہ یہ کہ پورا جی بیان نہیں کرتے

چیت کرنے کا دلداد، میل جول کا شوقین۔ قدرت کی طرح وہ انکو ورت میں تھا بلکہ ایک شرور ورت تھا قدرت کی ہر اسرار زندگی کو قہیب سے دیکھنے کی وجہ سے اسے راز دان کا راز ادا کرنا پڑا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے بیانات میں بہت محتاط ہے۔ ہر معاملے میں اپنے پیسے بھلی کے کردار کی عظمت کا شرت سے احساس ہے اس مضمون میں جو اشفاق احمد نے اپنی کتاب ذکر شام میں شائع کیا ہے۔ اپنے پیسے بھلی کے معلق حبیب لکھتا ہے کہ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا عظیم انسان نہیں دیکھا جس نے جیسے ضبط اور کسر نفسی سے کام لیا، اللہ نے ذہانت اور دیانت کی خوبیوں سے نوازا۔ جو غریبوں کا دوست رہا جو عزیز و اقارب و دوست احباب کے لیے شفقت، محبت اور خلوص کی دولت سے مالا مال تھا۔ قدرت کی ذات کی یہ صفات بچپن ہی سے آشکار تھیں۔ بچپن ہی سے اپنے ہم عمروں میں منفرد نظر آتا تھا۔

اس کے بعد پتہ چلا کہ جہل بچپن نے کچھ فنی افسروں کو لندن بھیجا ہے تاکہ وہ قدرت اللہ کو گرفتار کر کے پاکستان لائیں اگر یہ پروجیکٹ ممکن نہ ہو تو اس کے بیٹے کو اغوا کر لیں، تاکہ وہ پاکستان آنے پر مجبور ہو جائے۔

یہ خبر قدرت اللہ تک پہنچی مگر چونکہ لندن کے سرکاری معلقوں میں اس کے خیر خواہ بھی موجود تھے۔ قدرت کی گرفتاری کا امکان اس قدر تکلیف دہ نہ ثابتا تا قہیب کا اقرار۔ بل کہ وہ چاہا تو وہ غم و غصے سے دو بانی ہو گئی۔ قہیب سکول جاتا تو دروازے میں کڑی رہتی۔ قدرت ہاؤس لگا تو گھر داس گھر ہو جانا اللہ خیر کرے خیریت سے واپس آ جاسا۔

حبیب اور قدرت کے تعلقات عجیب سے تھے۔ قدرت کو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہوتی تو حبیب پر اک بے نام بے چینی طاری ہو جاتی تھی۔ اور قدرت کی جانب اٹھ بھاگتا کلک کے باندھ پاؤں میں جب قدرت بدروحوں کے گھیرے میں پھنس گیا تھا۔ تو قدرت نے حبیب کو بلایا نہیں تھا۔ حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا۔ لندن میں جب قدرت تک دیتی کا ظہار ہوا تھا۔ تو حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا۔

ایک روز میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ کیا اسرار ہے کہ جب آپ کسی مقام



نے میں پایا۔ میں نے کئی بار کوشش کی تھی کہ شاپ سے کل مل جاؤں، لیکن میں نے محسوس کیا کہ تل اور پانی کا غلط ہے۔ ایک گھاس میں دو ٹوں اکٹھے ہو بھی جائیں تو بھی تل تل رہتا ہے اور پانی پانی۔

صیہونی جادو

قدرت الٰہیہ شاپ نے شاپ ٹائے میں اسرائیل کے دوسرے کے خفیہ مشین کی روایت کو سرسری طور پر بیان کی ہے، لیکن اس نے اسرائیلی جادو کا ذکر نہیں کیا۔ شاپ ٹائے میں کہا ہے کہ جب اسرائیل نے فلسطینی علاقے پر قبضہ کر لیا تو یہ نیکو نے اس پر غایہ کر دیا کہ وہ فلسطینی بچوں کو ان کی مذہبی تعلیم سے محروم نہ کریں۔ فلسطینی اساتذہ انہیں تعلیم دیں اور وہ انہیں سکولوں میں پڑھائی جائیں، جو یہ نیکو میں سے منظور شدہ ہوں۔

اسلام دشمنی

اسرائیل نے حاتی تو بھلی لیکن عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے فلسطینی اساتذہ کو تختہ اچس دے کر گھڑوں میں بٹھا دیا اور یہ نیکو کی منظور شدہ کتابوں کی بجائے ایسی کتابیں رائج کر دیں جن میں اسلام، سیرت مبارکہ اور عربی تاریخ و ثقافت کے خلاف گمراہ کن پراپے کنڈا رقم تھا۔ مثلاً یہ نیکو کی منظور شدہ کتاب میں THE HOLY PROPHET OF ISLAM کے بدلے اسرائیلی اپنی کتابوں میں THE FALSE PROPHET OF ISLAM میں بدل دیتے تھے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

یوں محسوس ہونے لگا جیسے کسی پاکیزہ فیش محل میں ایک سناٹا لعلی سے بند ہو گیا ہے۔ لڑنے کے بخار کی طرح میرے تن بدن پر کچلی طاری ہو گئی اور لذت بے اختیار کٹ کٹ بچنے لگے۔ مری کے مریض کی مانند تشنگی میں گرفتار ہو کر آہ "ہااااا" لڑھکا ہوا میں ایک ایسی قائم نڈل میں جا گرا جہاں پر لعل انسانی کی ہزاروں سال کی خوابیدہ تاریخ و نگہانی لے کر بیدار ہو گئی اور کنگھن کی طرح بگ بگ کرتی ہوئی شاہراہوں پر بڑے بڑے ڈی شان ٹریفیوں کے قدموں کی خاک سے نور کے چشمے پھوٹنے لگے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ جنہیں اللہ کی پاک ذات شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی تھی تاکہ ان کو اپنے کچھ غائبانہ قدرت دکھائے۔

اسی مسجد میں قریش سے عرش تک ٹوٹی ٹوٹی فرشتوں نے وہ راستہ منور کر دیا جس پر نبوت کا سطر اقتدار کے حضور ﷺ نے رسالت کی معراج کو چلایا۔ سدرۃ المنتہی کے پاس جس کے قریب جنت اللہ کی ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہی کو لپٹ رہی تھی۔ جو چڑچڑاہٹ رہی تھی لگاؤ نہ تو اٹھ لور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے غائب دیکھے۔

خبر نہیں وہ وصل کی گھڑی تھی یا فرق کا لور کہ میں اس وقت فضائیں اذان کی تہوار گونجی اور بچپن میں کہیں پڑھا ہوا ہے پرانا شعر مجھے بے اختیار یاد آ گیا۔
خدا کجے موزن سے کہ ٹوکا میں عشرت میں
چمڑی مجھ پر چلا دی نوحہ اللہ ہو آکبر سے
جس شخص کے مسجد اقصیٰ کے حلقے میں جذبات ہیں جو مندرجہ بالا کوشش میں پیش کیے گئے ہیں۔ وہ وہاں سونے کے لیے نہیں جاتے گا۔

عربوں کو اسرائیل کی اس چال کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے یونیسکو کو رپورٹ دی۔ لیکن جب بھی یونیسکو کی انکوائری پادری اسرائیل جاتی تو اسرائیل سے فلسطینی مسلمانوں کو بلا لیتے اور سکولوں سے اپنی کتابیں نکال لیتے اور یونیسکو کی منظور شدہ کتابیں بچوں میں بانٹ دیتے۔
یونیسکو کا ادارہ سمجھتا تھا کہ عربوں کی شکایت تصعب پر مبنی ہے۔

اس صورت حال میں عربوں نے قدرت اللہ شام سے درخواست کی کہ وہ اسرائیل کا خفیہ دورہ کرے اور اس بات کا ایسا ثبوت لے آئے کہ یونیسکو کو یقین آجائے کہ عربوں کی شکایت درست ہیں۔

شام ہائے میں اس خفیہ دورے کی تفصیلات موجود ہیں۔
بہر صورت قدرت اللہ نے اسرائیل میں دو کام کیے۔
۱۔ یونیسکو کے لیے حتمی ثبوت حاصل کیے۔
۲۔ اور ایک رات مسجد اقصیٰ میں تن خواہماری۔

مسجد اقصیٰ

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ میں ایک رات بسر کرنے کے لیے اسرائیل گیا تھا۔ تعلیم سے متعلقہ ثبوت حاصل کرنے کے کام لے اسے موقع فراہم کیا۔
اگر اس کا مقصد تعلیمی ثبوت حاصل کرنا ہوتا تو اسرائیل اس سے اس قدر خوفناک انتقام نہ لیتا اور قدرت دو سال کے لیے صیہونی جادو کے زیر اثر ایک پانچ دیو دار گوشت کا ٹوکڑا نہ بنا رہتا اور جب پاکستان واپس آتا تو آکھا آوی نہ ہو گا۔

شباب نامہ میں قدرت لکھتا ہے کہ میں مسجد اقصیٰ میں صرف اس لیے گیا تھا کہ وہاں رات بھر سو کر اپنی نیند پوری کر سکوں۔ یہ بات قتل یقین نہیں ہے تن خواہماری عظیم الشان پڑھت مسجد میں جو ہمارا قبلہ اول ہے سونے کی غرض سے چلا۔ میری محض اسے تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں شباب کا اہتمام یہ ہے کہ۔

قبلہ اول کی چار دیواری کے اندر جب میں اکیلا رہ گیا تو تاریخ اور تقدس کے مہیب سانے نے مجھے سر سے پاؤں تک غراپ سے نکل لیا۔ مجھے

شاب نامہ میں ان موقیوں اور اہل اللہ کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے، جن سے یورپ میں ان کی طاقتیں ہوئیں۔

انہوں نے اپنے خفیہ دورہ اسرائیل کی اصل غرض و عاقبت بیان نہیں کی۔ انہوں نے نہیں بتایا کہ ان کی یودی واکٹر عفت کی علات کا اصل باعث کیا تھا اور یہ کہ علات کے دوران عفت نے کس حیرت انگیز قوت برداشت، صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ مرض الموت میں انہوں نے کس طرح انگلستان کے واکٹروں کو حیران کیا کہ ان کے واکٹر انہیں WONDER LADY کہنے لگے تھے۔

شاب صاحب نے اپنی کتاب میں یہ نہیں بتایا کہ دورہ اسرائیل کے بعد موسیٰ انگلٹن نے کس طرح ان کا تعاقب کیا، ان پر تشدد کیا اور انہیں ایسی پٹریوں میں جٹا کر دیا جن کے ساتھ انہیں باقی زندگی ایک مسلسل لذت کے ساتھ گزارنی پڑی۔

شاب صاحب نے اپنی آپ بیتی میں یہ بھی نہیں بتایا کہ پاکستان اور بیرون پاکستان کن روحانی ہستیوں سے ان کا ربط خاص تھا اور اس ربط کی نوعیت اور رعایت کیا تھی۔

حجاب

یہ سب باتیں وہ کیوں ضبط تحریر میں نہیں لائے۔ میرا خیال ہے کہ شاب صاحب اپنی ذات اور شخصیت کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کا باعث ان کی ذات کا انکسار اور خود شناسی کا احساس تھا۔

انہیں اپنی ذات کا بول بالا کرنے کا مطلق شوق نہ تھا۔ وہ ہر اس بات سے گریز کرتے تھے جو انہیں دوسروں میں نمایاں یا ممتاز کر سکتی ہو۔ وہ حجاب کے آدمی تھے اور حجاب میں رہنا انہیں اچھا لگا تھا۔

بھید نہ کھلے

گمان غالب ہے کہ اسرائیلی راہبوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں ایسا عمل کر گیا ہے، جو اسرائیل کے لیے جانی کا باعث ہو گا۔ اس لیے اسرائیلی جلد قدرت اللہ کے خلاف حرکت میں آ گیا۔

میری دانست میں تعلیمی نصاب کا مسئلہ اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا چونکہ یونیسکو زیادہ سے زیادہ علم جاری کر سکتا تھا لیکن اسرائیل کو اس پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ تعلیمی مسئلہ اس قدرت اہم نہ تھا کہ اسرائیل قدرت اللہ کو خوف ناک جلوس کی گرفت میں بکڑ لیتا۔

پھر یہ بھی ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اسرائیلی جلد کا تذکرہ کیوں نہ کیا حالانکہ یہ قدرت اللہ کی زندگی کا الٹاک ترین واقعہ تھا۔ اسرائیلی جلد کی وجہ سے جب وہ وطن واپس لوٹا تو وہ آدھا آدمی تھا اور اسرائیلی جلد کی وجہ سے واکٹر عفت فوت ہوئیں۔

میرا اندازہ ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اس کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ کہیں یہ بھید نہ کھل جائے کہ مسجد اقصیٰ میں اس رات کے دوران میں اس نے کیا عمل کیا اور یہ بھی کہ اس کے اسرائیلی دورے کا بنیادی مقصد مسجد اقصیٰ میں وہ عمل کرنا تھا۔

صرف میں ہی ان خیالات کا حامل نہیں ہوں اور لوگ بھی ہیں جنہیں قدرت اللہ کے قریب رہنے کا اتفاق ہوا اور وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذکر شاب میں ذوالفقار ابجد تاپش اپنے معنوں قدرت اللہ شاب میں لکھتے ہیں کہ:

ذوالفقار تاپش

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے شاب نامہ کے کئی اہم واقعات زیادہ تفصیل سے شاب صاحب کی زبانی سنے ہیں اور میں بعض ایسے واقعات کا بھی سامع ہوں جو انہوں نے اپنی طبیعت اپنے مزاج اور اپنی انوکھی طبع کے باعث شاب نامے میں تحریر نہیں کیے تھے۔ انہوں نے

اس قدر قدرت اللہ سے کہنے لگا آپ کو جو چاہا ہے۔ ہم بھی اوجھار رہے ہیں۔
اپنے تحریف لائیے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پچھلے اذکھول دیا۔ قدرت کار میں داخل ہوا تو
اس نے دیکھا کہ بچپل سیٹ پر ایک صاحب بیٹھے ہیں۔ قدرت اللہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔
انہوں نے فرما "بعد اس سے محسوس کیا کہ نقصا کہہ۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے
میں کیا کہ ایک لمبی سوئی اس کے جسم میں بھڑکی گئی ہے۔ پھر اسے ہوش نہ رہا۔ پتہ
نہیں اس کے بعد قدرت کو کہیں لے جایا کیا اس پر اس کی کیا کیا۔

اگلی صبح پولیس نے دیکھا کہ اسی شاہراہ پر بس پر قدرت اللہ بے ہوش پڑا ہے۔ اس
کی جیب سے ہوش کا پتہ برآمد ہوا۔ پولیس پہلے اسپتال لے گئی۔ جب ہوش آیا تو اسے
وہاں میں پہنچا دیا۔

قدرت کا بیان ہے کہ جب سے وہ سوئی میرے دم میں داخل ہوئی۔ میں محسوس کرنے لگا
جہ میں گوشت کا ایک ٹوٹرا ہوں۔ مجھ میں اٹھنے چاہئے کی امت نہ رہی۔ یوں جیسے ریڑھ کی
ہڈی جسم سے نکال دی گئی ہو۔

شراب کی بوتلیں

ڈاکٹر مفت کا بیان ہے کہ اسرائیلی جلدو کا سرے پہلا اثر یہ ہوا کہ ایک روز میں نے
لمباری کھولی تو اس میں دو شراب کی بوتلیں پڑیں۔ میں حیران ہوئی کہ یہ بوتلیں کہاں
سے آئیں۔ میں نے دونوں بوتلیں اٹھائیں اور باہر ڈرم میں پھینک دیں۔ اگلے روز میں
نے پھر لمباری کھولی تو اس میں شراب کی دو اور بوتلیں پڑی تھیں۔

ڈاکٹر مفت سوچ میں پڑ گئی۔ لوہر شراب کی بہت قسم کی چار پانی پر لاش کی طرح پڑا
رہتا تھا۔ ڈاکٹر مفت کے دل میں شکوک پیدا ہوئے۔ قدرت اللہ شراب شراب کے لئے
میں دست تو نہیں رہتا۔

اگلے روز پھر لمباری میں دو شراب کی بوتلیں پڑیں۔ شکوک کو تقویت ملنے لگی۔
مجھے اس بات کا علم نہیں کہ قدرت نے بتیم کو اسرائیلی جلدو کا واقعہ سنایا تھا یا نہیں۔ لیکن
ملاحظہ ہے کہ اس نے کلی موثر اور لمبی سوئی اور سہاٹی کی بات مفت سے نہیں کی تھی۔

چنانچہ شباب علم میں ان کا لہجہ بڑا مودب، انکسار بھرا بلکہ معذرت
خواہانہ رہا۔

وہ دوسروں کی تحریف اور توصیف اور ان کا کردار بیان کرنے پر تو
خوب زور قلم دکھاتے ہیں، لیکن جو کسی کوئی ایسا واقعہ سامنے آیا جس میں
ان کی اپنی ذات کی کوئی برائی یا صفت ظاہر ہوتی ہو تو وہ طرح دے جاتے
ہیں یا بہت ہی سچاٹ لہجے میں اسے بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

شباب نامہ میں انہوں نے جہاں اپنے خلیہ دور اسرائیل کا احوال
بیان کیا ہے ان کا انداز بیان قدرے دبا دبا ہے، جیسے انہیں یہ فکر دامن
گیر ہو کہ ان کی بدنامی ظاہر نہ ہو جائے۔

پھر وہ ہمیں یہ بھی نہیں بتاتے کہ دور اسرائیل میں انہوں نے جو
ایک شب مسجد اقصیٰ میں گزاری تھی، اس کا اصل مقصد کیا تھا۔

لقب

ان دنوں یو نیکو کی میٹنگ میں شرکت کے لیے قدرت اللہ کو پیرس میں رکنا پڑتا تھا۔ بڑی
محنت کے بعد قدرت نے پیرس کے کسی کوئی ایک چھوٹا سا گیم ہوش و حواس نکالنا تھا جس
میں ایک چھوٹا سا گھر موجود تھا جس کا کاروبار بہت کم تھا۔

چوں کہ وہ دن باری تنگ دستی کے دن تھے۔ سارے گھر کا خرچہ یو نیکو کے ملاؤں پر ہوتا
تھا۔ اس لیے قدرت کی کوشش ہوتی کہ پیرس کے قیام کے دوران کم سے کم خرچ ہو۔

ہوٹل کا مالک قدرت کی سہولگی اور سچائی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم جاری کر دیا
کہ یہ چھوٹا گھر کسی اور گاہک کو نہ دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مشر شہب آجائے اور اس کے پاس
رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔

اسرائیل سے واپسی کے بعد قدرت نے تمام جوت وہ اسرائیل سے لایا تھا۔ یو نیکو کے
سامنے پیش کر دیے۔ انہی دنوں جب وہ شاہراہ پر بس سٹاپ پر کھڑا یو نیکو جانے کے لیے بس کا
انتظار کر رہا تھا تو ایک لمبی کالے بھنڈے والی موٹر کار اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ کار کا

© Neurdly.com

کون سے کون سنائے

۱۴ مئی ۱۹۷۷ء

بیارے ممتاز

السلام علیکم

بیارے ممتاز آپ کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا نام لے کر اسرائیل چلا گیا تھا۔ میرا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔

وہ دن اور آج کا دن۔ اللہ اللہ۔ غیب کا علم تو صرف خدا کے پاس ہے، لیکن جس دن میں میں یونیسکو میں اپنے دورے کا اعلان کیا اس دن سے ۷۰ سالوں کے ہارونی مارونی جادو نے مجھے بری طرح دبوچ لیا۔ مجھے برت سے اٹھے بھی اور برے بھی روحانی تجربے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہولناک تجربہ بلا کی روح کا تھا، جس کا ایک چھوٹا سا حصہ میں نے ۱۸ سال لائن میں بیان کیا ہے۔ وہ تو ایک مری ہوئی مظلوم لڑکی کی بیچ و پکار تھی جو صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹیوں کو اس کے اپنے دھرم کے مطابق پروا آتش کیا جائے۔

لیکن اب کے تو مجھ غریب کا واسطہ مسوئیت کے اس زندہ عفریت سے پڑا جو داری اور دیگر اطوار پر ساری دنیا پر کسی نا کسی طرح چھایا ہی ہوا ہے۔

جو کچھ مجھ پر گزری۔ وہ دن سننے اور کون سنائے۔ میرے گوشت پرست کا ریشہ ریشہ پھٹنے اور ٹوٹنے۔ کھڑی کے جالے کی طرح۔ بار بار بٹنے اور ٹوٹنے لگے۔ میرے تن بدن میں میری ہڈی ہڈی کو سڑک کے پتھر ڈونے والے مزدور کھٹا کھٹ۔ کھٹ کھٹا توڑتے گئے۔

عفت پہلے مصائب کا دکھار تھی۔ بیٹے کے انوار کے خوف کی وجہ سے وہ سوکھ کر کالٹا ہو گئی تھی۔

اس کے علاوہ مسلسل قانون سے اس کا برا حال تھا۔

اوجھ شباب حتی الوبح دوسروں کو کافیت دینے سے احتراز کرتا تھا۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ قدرت نے عفت سے اسرائیلی جادو کی بات نہ کی تھی اور وہ غلامی میں اس عذاب کو بھیل رہا تھا جو اسرائیلی جادو نے اس پر طاری کیا تھا۔

اور بات

پھر ایک روز بھید کھل گیا۔ عفت الماری سے دو پلوں تلیم اٹھا کر باہر ڈسٹ بن میں پھینک کر واپس آئی اور اتفاق سے پھر الماری کھولی تو وہاں دو اور بوتلیں پڑی تھیں۔ پھر جتنی بار وہ الماری کھولی اس میں دو پلوں تلیم پڑی ہوئیں۔ یہ دیکھ کر اس نے شکوک رفع ہو گئے اور اسے خیال آیا کہ یہ تو کوئی اور بات ہے۔

بھڑوہ اور بات کھل کر سامنے آگئی۔

ایک روز اس نے نکلا کھولا تو پانی کی بجائے خون چلنے لگا۔ عفت ڈر گئی پھر گھر میں جب تک بکری کے کئی ہوئی سیریاں نظر آنے لگیں۔

بڑھ دو سال قدرت جادو کے اس عذاب میں جتا رہا کہ اس کی بیٹیوں پر ہتھوڑے چلے رہے۔ اس کے جوڑوں میں سٹیکس کھنکی رہیں۔ لوگوں کو اس کے جسم سے بدبو آتی تھی۔ اس میں ٹیٹا تو لوگ باک پر رول رکھ لیتے تھے۔

بڑھ دو سال کے بعد جب اس نے اللہ کے حضور میں التماس کی تو جادو کا ظلم ٹوٹا اور پھر نئے کی طاقتوں نے اس کے اعضا کو جوڑنے کا عمل شروع کر دیا۔

جب تک جادو کا ظلم چلتا رہا اس نے اپنے خنوں میں اس کا ذکر نہ کیا۔ یہ جتنی تنبیہ اوپر دی گئی ہیں۔ ان کا علم مجھے قدرت اور عفت کے واپس پر ہوا۔

لیکن جب اسرائیلی ظلم ٹوٹا تو اس نے ایک خط میں کچھ تفصیلات لکھ بھیجیں جنہیں پڑھ کر میں حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ ایک ہولناک خط تھا۔ اس خط کی کبھی نقل میں کتاب کے آخر میں

ضمیمہ میں پیش کر رہا ہوں۔ یہاں اس خط سے اقتباسات درج ہیں۔

کھٹا کھٹ ہتھوڑا

جب میں چلتا تھا تو واقعی مجھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی ایک پانڈ، ایک پائیک، چٹم لپاچ، لونی ہوئی بڑیوں کے پوسے کو کھینچتا ہو، مگر تا پانڈ، کالیاں کھانڈ، کالیاں دتا، اسی اپنے ایک پاؤں پر اسی ایک جگہ کھڑا ہو۔

پیارے ممتاز۔ میں کیسے بتاؤں مجھ پر کیا کیا جاتی اور کیسے کیسے جتی۔ جب میں اپنے اندر شبو پاتا تھا، لوگ مجھ سے یوں بھانکتے تھے جیسے میں سزا ہوا کوڑھی ہوں۔ جب میں اپنے اندر بدلو سوگھتا تھا، لوگ مجھے مغل بھکتے تھے۔ سوائے مفت اور غائب کے۔ غائب تو خیر پچہ ہے، لیکن مفت تو سرکیف ڈاکٹر بھی ہے۔ چند بار وہ ضرور یہی کے سواںوں اور جواہوں سے دو چار ہوئی ہوگی۔ تین چار دلدہ اس کی استغنیہ لگاہوں نے مجھے گھورا اور اس کی ذمہ خوردہ شلگ نظروں نے مجھے الزما دیکھا بھی، لیکن خدا اسے خوش رکھے انجیم کار اس نے مجھے دی گروانا جو میں واقعی ہوں یا نہیں ہوں۔

عفت واقعی گرت ہے۔ اس نے اچھی یہی کسی کو مل ہی نہیں سکتی۔ اس نکٹش سے تنگ آکر ایک روز میں نے اللہ میاں سے عرض کیا کہ 'اپنی تیری بے شمار عبادت میں سے ضرور یہ بھی ایک عبادت ہوگی، لیکن میرے اللہ میں تو مر چلا۔ اگر تو نے خود کشی حرام نہ کی ہوئی تو یا اللہ تیری قسم' میں ضرور خود کشی کر لیتا۔

بس وہ دن اور آج کا دن وہ چاروٹ کیلہ مری کے گھروں کی چھوٹی پر ٹائلیں دیکھی ہیں آپ نے۔ اب ہر روز یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہی سڑک کے چکر کوٹنے والے مزدور میرے تین بدن کی قلت تائیلیں کو چوڑے اور سینٹ سے جوڑ جوڑ کر دوبارہ ٹھوک رہے ہیں۔

ہائے اس زور پشیم کا پشیم کا ہونا (خاک بدین)

رسمہ بود ہائے دلے بختہ گذشت

یقین جانتے۔ توڑنے اور جوڑنے کے علم میں۔

ہتھوڑی برابر کی چلتی ہے۔

انست دونوں میں ہے

ایک میں درد کی۔

دوسرے میں لذت کی۔

آپ کا
ق

قدرت اور میں

سوال یہ ہے کہ قدرت نے یہ خط مجھے کیوں لکھا۔

اپنی قلبی وار دات، روحانی مشاہدات اور وجدان کی کیفیات کو زبان پر لانے کی اسے عادت نہ تھی۔

میں نے اس نوعیت کی قدرت اللہ کی جتنی بھی باتیں اپنی تحریروں میں قلم بند کی ہیں، وہ میں نے بڑی چلائی سے انگوٹھی تھیں۔

جب بھی وہ کیفیت میں سرشار ہوتا، میں دیکھتا کہ پیالہ بھرا ہوا ہے۔ لہاب ہے۔ تو میں ایسی بات چھیڑتا تھا جس سے چمکن پیدا ہو جیسے اڑیں۔

ہم دونوں کا تعلق، عجیب سا تعلق تھا۔

وہ میرا ساتھی نہ تھا۔ ہمارے مسائل الگ الگ تھے۔

وہ میرا مرشد نہیں تھا۔ مجھے کسی کو رہبر بنانے کی خواہش نہ تھی۔

میں اس کا مرید نہ تھا چوں کہ خواگی اور پردگی کے جذبے سے بلاوقف تھا۔ مجھ میں پردگی کی اہلیت نہ تھی۔

ہمارے راستے الگ الگ تھے۔

پھر راجہ شے میں چلیا، بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔

بھائی جان نے کچھ جواب نہ دیا۔

راجہ بولا۔ لوحہ شب صاحب پر ہتھوڑے چل رہے ہیں۔ اور ہم سب
AS YOU WERE ہوئے جارہے ہیں۔

بھائی جان سر ہٹا کر بیٹھے رہے۔

راجہ نے والی سے پوچھا، والی تم پر کیا بیت رہی ہے۔

والی نہایت افسوس سے بولا۔ اللہ کا احسان ہے۔ بس اتنا سا ہے کہ مجھے شب صاحب فجر
کی نماز پڑھنے نہیں دیتے۔

بھائی جان چونکے۔ شب صاحب نماز پڑھنے نہیں دیتے؟ انہوں نے پوچھا۔

جی، والی بولا۔ صبح جب میں جاگتا ہوں اور اللہ کروٹو کا ارادہ کرتا ہوں تو شب صاحب
سامنے آکر کھڑے ہوتے ہیں، بس یوں ہوتا ہے جیسے میرے جان نکل گئی ہو۔ مجھ میں اٹھنے کی
سکت نہیں رہتی۔

آپ کا وہم ہے، بھائی جان بولے، شب صاحب نماز سے کیسے روک سکتے ہیں۔

شاید وہم ہی ہو، والی بولا۔

لورہ یہ متقی جو ہے، راجہ چلیا، اس سے پوچھئے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔

ہم سب پر بیت رہی ہے، بھائی جان نے کہا، میں بھی آپ کا بھائی ہوں۔ میں بھی شامل
ہوں، وہ بولے پھر کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔ پھر سرفرا کر بولے، پتہ نہیں انہوں نے
مسجد اقصیٰ میں کیا کچھ کیا ہے کہ مہینہ مونی شریدار ہو گیا ہے۔ ہم سب کو جھینا ہو گا حصہ بھدر
ہے۔

دو مجبور

آپ فن کی مدد کیجئے، راجہ بولا۔

ہم بدوں کی باتوں میں دغل دینے والے کون ہیں، وہ بولے۔

میں نے اپنے خط میں یہ سب باتیں شب صاحب کو لکھ دیں۔

وہ میرا دوست نہ تھا، ہم میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔

وہ مراد مستقیمہ قتل میں قتل ہو کر۔

وہ سراسر عمل کا قاتل تھا، میں سراسر نہ بنائی۔

وہ نہ کہنے پر مجبور تھا، میں کہہ دیتے پر۔

وہ عقیدے کا قاتل تھا، میں عقیدت کا مارا ہوا تھا۔

سیانے کہتے ہیں۔ جب کوئی کسی راز سے بھر جاتا ہے تو وہ دغا دے رہا ہے، باتیں کرنے پر مجبور ہو
جاتا ہے۔

مگر غالب ہے کہ میں قدرت کے لیے ایک دغا تھا۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے مجھے تیس سال کیسے گوارا کیا۔ اس ضمن میں میرا خیال
ہے کہ قدرت ذات کا دھولہ تھا۔ اس نے سرور ایک میلہ چٹ کر ڈیکھا اور اسے اٹھالیا، پھر
تیس سال وہ اٹھالنے کی لالچ پاتا رہا۔

مگر ہے اس جادو کے متعلق اس نے اشتقاق احمد کو بھی خط لکھا ہو۔ چوں کہ اشتقاق احمد
اس کا دوست تھا لیکن اشتقاق احمد نے مجھ سے کبھی اس کے بارے میں بات نہیں کی۔

حصہ بقدر بہشت

قدرت اللہ کا خط پڑھ کر میرے ہمارے سے چوک نکل گئی مجھے اپنا فینٹسی کا طوفان
بھول گیا۔

اتفاق سے اسی روز راجہ شفیق کا ٹیلی فون آگیا کہ بھائی جان مری سے آئے ہوئے ہیں۔ اس
لے کل صبح دربار پر پہنچ چلا۔ اگلے روز دربار میں بھائی جان والی راجہ لورہ میں بیٹھے تھے۔

میں نے بھائی جان سے کہا، جناب میں تو پہلے ہی فینٹسی کے طوفان کے محلے سے بچ
ہوا بیٹھا تھا کہ کل شب صاحب کے خط نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ میں نے خط بھائی جان کی
طرف بڑھا دیا۔

بھائی جان نے کہا، آپ اسے پڑھ کر سب کو سنا دیں۔

تھکن کر محفل پر خاموش غاری ہو گئی۔ ذرا تک خاموش غاری رہی۔

ایلی کی داپسی

ایلی کی آنکھ مکمل تھی۔

صحن میں کھانسی کی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

پتہ ایک چار پائیسوں پر لوگ چلوڑیں پیٹتے پڑے تھے۔

رات کی راتلی کی خوشبو چاندوں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

وہ ہاتھ

ارے وہ چونکا اس کے قریب والی چار پائی پر کوئی چادر میں لپٹ پڑا تھا۔

اس کا بازو سرہانے تھے دبا ہوا تھا اور سرہانے سے متاثر ہوا ہاتھ مٹھی بن کر باہر نکلا ہوا تھا۔

شہزاد کے ہاتھ کو دیکھ کر اس کا دل زور سے دھڑک شہزاد کے ہاتھ کو دیکھ کر جیسے اس کا دل

دھک سے رو جاتا تھا۔

صرف شہزاد کا ہاتھ ہی نہیں۔ ایلی کو سائے ہاتھوں سے عشق تھا۔ رات چلتے ہوئے جب بھی

اسے کوئی عقوبت نظر آتی تو چہرے کے بعد اس کی نظروں کے ہاتھوں کو تلاش کرتی۔ اگر ہاتھ

دبے پتے ہوتے تو اس کی دلچسپی ختم ہو جاتی۔ اسے چٹے سفید بھرے بھرے ہاتھوں سے عشق

تھا۔

جواب میں قدرت نے مجھے بھڑا چادری۔

اس نے ۲۳ جون ۱۹۷۱ء کو جس سے مجھے خط لکھا جس سے اقتباس ملاحظہ ہو:

آپ کا خط پڑ کر کچھ دیر متذہب رہا۔ کچھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک

محض ذاتی تجربے کو اسنے لوگوں تک پہنچانا چاہیئے تھا یا نہیں۔

پھر تسلی ہوئی کہ آخر کیا مضائقہ ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ جب سے وہ محرر ٹائٹس کی فکشنل دن بدن بڑھتی جا رہی

ہے۔

قلبی، ذہنی اور روحانی دھم تو بالکل صحت یاب ہو گئے ہیں، لیکن جسم کی

نیس بست ہوئے ہوئے شتم ہو رہی ہیں جیسے ٹوٹی ہوئی پڑی جڑے

کے بعد بھی عرصہ دراز تک نرم رہتی ہے۔

اس کے جواب میں میں نے قدرت کو درج ذیل خط لکھا تھا: یہ میرا مختصر ترین خط تھا۔ لکھا تھا:۔

عالی جاہ میں بار بار آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں۔

کہ ہم اپنی چیز کو وجہ سے مجبور ہیں۔

آپ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

میں کمرہ دینے پر مجبور ہوں۔

۱۔ اصل خط غیبی ملاحظہ کریں۔ خط نمبر xvii

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

کروٹ بدل لی۔

ہاں شہزادہ بیٹھ ہاتھ چمڑا کر کروٹ بدل لیا کرتی تھی۔ پتہ نہیں شہزادہ کو اپنا ہاتھ پکڑا دینے سے کیوں انقباض تھا دراصل شہزادہ کو کسی قسم کے جسمانی قرب سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی دور بیٹھا اپنی نگاہوں سے اس پر پوجا کے پھول برساتا رہے۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ جب اپنی زیادہ تر حق ضد کرتا تو وہ بڑے اناجی انداز میں اس سے پوچھتی، کیا ہے تجھے؟

کچھ بھی نہیں، وہ جواب دیتا۔

کیا چاہے ہو؟ وہ چپ کر سکتی۔

اپنی کی نگاہیں اس کے ہاتھ پر مرکوز ہو جاتیں۔

ہاتھ پکڑ کر کیا کرے؟

وہ پھر خاموش ہو جاتا۔

ایمانا۔ وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر کہتی، جیسے جان چمڑا رہی ہو۔ پھر وہ اپنے کام میں یوں لگ جاتی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے اس ہاتھ سے اسے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جسے اپنی نے تمام رکھا ہو۔

چمک بدل سے باہر نکل آیا۔ اپنی چٹک۔

اُسے وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ساتھ والی چار پائی کے سرہانے سے وہی ہاتھ بھر دیے ہی باہر نکلا ہوا تھا۔

اس نے پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے تمام لیا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادہ پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر کروٹ بدل لے گی، لیکن ایمانا نہ ہوا وہ ہاتھ جوں کا جوں اپنی کی گرفت میں پڑا رہا، بلکہ اور بھی ڈھیل پڑ گیا جیسے خود کو اس کے حوالے کر دیا ہو۔ دیر تک وہ ہاتھ تھمتے پڑا رہا۔

پھر کوئی آہستہ سیٹی دی اور شہزادہ کے ہاتھ نے اپنی کے ہاتھ پر محبت بھرا دباؤ ڈالا۔ اور پھر اگک ہو گیا۔

عالم بی بی

وہ غافلانہ جس نے اپنی کو بھرتے بگا دیا تھا اور اس کا ہاتھ دیا کہ کروٹ بدل لی تھی۔ ایک مسلمان عاتق تھی۔

شہزادہ تو خیر ساری کی ساری پیاری تھی اور وہ کئی ایک سال خاموشی میں اس کی پرستش کرتا رہا تھا۔ شاید اپنی کو اپنے بندھے کا افسار کرنے کی کبھی ہرارت نہ پڑتی۔ اگر اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس کے ہونٹوں کے اس اس قدر قریب نہ آ جاتا۔

اور وہ چھوٹی طرح ڈنک نہ مارتا۔

اس رات گھر کے سب لوگ جاگ رہے تھے۔ وہ سب شہزادہ کے گھر کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔

اپنی کی دوا کی حالت بڑی بگاڑ تھی وہ آخری دموں پر تھی۔ سب اس انتظار میں تھے کہ کب تو آواز پڑے اور وہ کونسا پھیلاگ کر علی احمد کے گھر جا کر میت کے گرد بیٹھ کر قرآنِ خوانی کرے۔

اپنی بھی صحن کے ایک کونے میں کھولی پر پڑا تھا۔ دوا کی موت ڈنک کی بات نہ تھی چونکہ وہ نوے یا سو سال کی عمر پا چکی تھی اور اتنی لمبی عمر بے کے بعد اگر وفات ہوتی تو دستور کے مطابق محلے والیاں رونے کی بجائے خوشیاں منایا کرتی تھیں۔ لیکن اپنی کو دوا کی موت کا بڑا صدمہ تھا گھر میں دوا کی وہ واحد فرد تھی جس نے اپنی سے محبت کی تھی۔

اپنی کو پیاس لگی۔ اس نے پڑے پڑے آواز نکالی، کوئی ہے اٹھ کا بندہ جو مجھے پانی پلائے۔

اس کا خیال تھا کوئی پچ یا اس کی بہن اس کے لیے پانی لے آئے گی۔

آواز لگنے کے بعد وہ پھر دوا کی کے خیال میں کھو گیا۔

پھر دھنسا۔ اس کے ہونٹوں پر لپس محسوس ہوا۔ اپنی نے آنکھیں کھولیں لیں۔ شہزادہ کے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں کے اس قدر قریب دیکھ کر وہ دھنکے کا چھوٹے ڈنک مارتا۔

وہ داناہ دار اس ہاتھ کو پکڑ کر چمڑے لگا۔

چمک کی چاندی میں شہزادہ حیرت سے بت بنی کھڑی تھی۔ دُعا۔ اپنی۔ اپنی دُعا۔

اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس قدر گریب دیکھ کر اس نے اپنا شوق بھرا ہاتھ بڑھا لیا اور اسے پکڑ لیا۔

دھنسا۔ ساتھ والی چار پائی پر شدید حرکت ہوئی۔ کسی نے ہاتھ چمڑا کر بازو سمیٹ لیا اور

میں راستے کی طرف چلنے کا ارادہ کرتا تو راجہ میرے دھند آکر اڑا ہوتا پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے جا کر لہاری کھول کر اس میں سے بوتل نکالتا اور کہتا "چھوڑ مطلقاً ان باتوں کو ایک چٹکی بھر اور پھر ہم اپنے لباس کے پاس جا کر اس سے گناہتے ہیں۔ کیا کیرت سنائی ہے۔ دلو تو سنے تو پاگل ہو جائے۔ دل ہیں۔"

وہ شیشہ ہائے بیکشی
کہ مصلحت اس میں تھی
جنینیں وہیں پڑے پڑے
وہیں کی خاک کھا گئی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہوں میں

پھر قیصر میرے دھند تو کر آکر اڑا ہوتا کہتا

ابہ لو میں نے تجھے کہا نہیں قتل کہ یہ تو کن لوگوں سے شیر و شکر ہونے کی کوشش کر رہا ہے 'تو شباب کے پیچھے پیچھے کیوں چل پڑا ہے۔ انہوں نے ساتھ نہیں نبھے کہ تو ذات کا اہلی ہے 'ہر جہز اپنی اصلیت کی طرف مڑنے ہے سمجھے۔ تو کسی ہائی کے چوہارے کی دلہیز جا کر بیٹھ وہی تیری جگہ ہے۔ کوئے کو دلہنٹ داخل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اوپر سے سفیدی اتر جائے گی۔ اور پھر وہی کلا رنگ 'ہی کا نہیں کا نہیں۔

پھر ایک روز مسعود قریب آ گیا۔ مسعود سے میں بات کر سکتا تھا۔ ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔

میں نے کہا 'یار مسعود میں تو ہمارا ایک

بولا 'بڑی خوشی کی بات ہے۔

میں نے کہا 'میں بخیر ہوں۔

بولا 'میں بھی بخیر ہوں۔ دیکھ مطلق۔ زندگی کی لذت خالی جینے میں نہیں۔ مسلسل جینے میں نہیں۔ بلکہ جینے مرنے جینے مرنے میں ہے۔ اور دیکھ ایک بات یاد رکھ ہم تجھے پاس صرف اس لیے آتے ہیں کہ یہاں گنہگار کی محفل تھی ہے۔ گنہگار کی محفل چھوڑ کر جانے کو کس کا بی چاہتا

انگلے روز جب وہ رخصت ہونے لگی تو اس نے مجھے خدا حافظ کہہ اس انداز سے کہا ہے وہ خدا حافظ نہ ہو۔

بلکہ جی تیاں ہوں کہہ کر رہی ہو۔ جیسے وہ انعام نہیں بلکہ آواز ہو اور جب وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو بات کیے بغیر مجھے بلا گئی۔ ضرور آئے گا۔

وہ ادویہ عمر کی غفلت تھی۔ چراچہ کور قند آنکھیں لگاؤ کی بیگ سے بھری ہوئی تھیں۔ رنگ نہ گورا تھا نہ سناٹا۔ گناہ جیسے ہلکی ہلکی ہوئی ہو۔ وہ درخشاں میں ایک عجیب سی مٹاس تھی۔ طبیعت میں شدت نہ تھی، سختی نہ تھی، خوشی نہ تھی، تواضع نہ تھی، انداز گھبراہٹ نہ تھی۔

وہ بولی 'یہ ہماری بدون ہے 'عالم لی لی۔

عالم لی لی 'یہ بھی کوئی نام ہے۔

کہنے لگی 'نام تو علیحدہ علیحدہ ہے۔ بڑا مشکل نام ہے۔ میں تو اسے عالم لی لی کہہ کر بلاتی ہوں۔ ہمارے محلے رام نگر میں گھر کے پاس ہی ایک سکول میں پڑھاتی ہے۔ میاں فوت ہو چکا ہے۔ بچے بولتے ہیں۔ طبیعت کی بڑی اچھی ہے۔ ہلی مشکلات میں گھری ہوئی ہے 'ہے چارہ۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا اس روز سے مجھے عالم لی لی ہو گئی۔ اسٹے پیسے میرے سامنے وہ ہاتھ لگا رہتا اور وہ ہاتھ بولتا مجھے قلم لود قلم بھی لوبا۔

ساری رات خواب میں وہ ہاتھ میرا ہاتھ قلم رکھتا ہٹا سا دباؤ۔ جلی سی بیگ 'لور لگاؤ سی لگاؤ۔ صبح جاگتا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے لگ جائے لگتا تو کاغذ پر انک جانا پڑتا تو کتب کے صفحات پر چھائے رہتا۔

ایک بات بڑی عجیب تھی 'وہ یہ کہ بات الٹ پلٹ ہو گئی تھی۔ زندگی بھر میں ہاتھ کا مطلب رہا تھا اب وہ ہاتھ خود طلب سے بھرا ہوا تھا وہ مجھے دھوڑا تھا 'بانا تھا 'کسا تھا۔

اس ہاتھ نے پتہ نہیں کیا کہ وہ میرے ذہن میں سائیں اللہ بخش 'بھائی جان لور قدرت

UrduPh

UrduPh

میرا جی چاہتا تھا کہ میں راجہ شفیق سے جا کر ملوں اور اپنی باتہ جیج اسے سناؤں 'لیکن جب

کی۔

اگلے روز بھانڈا پھوٹ گیا۔ بھید کل میلہ عالم بی بی سامنے آکھڑی ہوئی۔

ہوس بھراقرب

ہاں نہیں تھے کیا بول۔ ہوس میرے بند بندہ سے پھوٹ نکلی۔

ابی نے زندگی میں کسی محبت کی تھی، لیکن ان تمام محبتوں میں ہوس کا عنصر پیش پیش نہیں ہوا تھا۔ انانی اپنی محبتوں میں جہلی قریب سے خوفزدہ رہتا تھا۔ اس کے لیے محبت ایک انانی کیفیت تھی، ایک سرشاری اور جس۔ عالم بی بی نے تو گویا بیس میں آگ لگا دی۔

رات کے وقت وہ کوفٹا پھلانگ کر عالم بی بی کے پاس جا پہنچا۔ جب وہ آدھی رات کے وقت کونے کا پردہ پھلانگ کر جاگ تو اسے اچھی طرح احساس ہوا کہ نلیم اور بچہ جاگ رہی ہیں اور وہ نہ پر لوڑھی ہوئی چادر میں، دیہ بان بنا کر دیکھ رہی ہیں اور مسکرا رہی ہیں کہ اس ۶۶ سالہ بڑے کو کیا ہوا کہ آدھی رات کو پردے پھلانگ رہا ہے۔

اور عالم بی بی کا جسم لٹا ہوا تھا۔ ظاہر تھا کہ کئی ایک سکندر اعظم حملے کر چکے تھے۔ وہ کئی ایک بار یہ کھیل کھیل چکی تھی۔ اور اب وہ جسم اس حد تک مضروب ہو چکا تھا کہ اسے طلب نہ رہی تھی، مرہو ہے جس۔

وہ اس عمر کو پہنچ چکی تھی کہ اب کسی سکندر کے حملے کی امید نہ رہی تھی۔ ابی کے اس ہاتھ نکلنے سے وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ اس حیرت میں خوشی کا عنصر اس قدر بھر پور تھا کہ اس کے جسم کے بند بندہ سے پھول نکل اٹھے۔

نلیم بچہ

نلیم اور بچہ یہ دیکھ کر چپکلیاں مارنے لگیں۔

نلیم اور بچہ دونوں ہی بڑی سرلی تھیں۔ گلے میں شہدہ مڑ بھری ہوئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں میں تل تھی۔ سارے جسم میں لے تھی۔ جب وہ اٹل کر نکلیا کرتی تھیں تو سماں بندھ جایا کرتا تھا۔ ان دونوں ان کی پھوٹی بن بیڑی تھے ہم سب کو کہا کرتے تھے 'سو کے کالہ جسم کی مانگ

ہے۔

اور یاد رکھ ملتی، تو اگر صالح بن کر بیڑہ گیا تو ہم تیرے پاس نہیں آئیں گے۔

پھر وہ ہاتھ حرکت میں آئیں۔ کبھی میری چہرے کو سلاتا، کبھی پاؤں میں انگلیاں پھیرتا اور کبھی جسم کو تھپتھپاتا۔ میں نے شدت سے محسوس کیا کہ وہ شہزاد کا ہاتھ نہیں تھا۔ کیونکہ شہزاد کے ہاتھ نے کبھی آکھلا نہ تھا۔ پھر اردو بورڈ سے بلدا آئیں۔

ان دنوں شباب کی سفارش پر اشتقاق احمد نے مجھے اردو بورڈ میں ایڈیٹر کی آسامی پر لگا رکھا تھا۔ جب بھی بورڈ کی میٹنگ ہوتی یا کوئی اور امور قابل توجہ ہوتے تو ڈائریکٹر اردو بورڈ ایڈیٹروں کو بلا لیتے۔

وہ گھر یہ گھر

۱۹۳۷ء سے جب بھی میں کسی کام سے لاہور جاتا تھا تو ہمیشہ اشتقاق احمد کے ہاں فصر تھا۔ پہلے دو مزنگ روڈ میں، جہاں اشتقاق کے والدین اور بھائی بمن رہتے تھے۔ پھر اشتقاق کی شادی کے بعد اشتقاق بانو کے گھر۔

اشتقاق بانو کے گھر پہنچا تو میں یوں محسوس کرتا جیسے بلیغ کتاب میں آگئی ہو۔

ان دنوں احمد بیڑہ بھی لاہور میں رہتا تھا۔ احمد بیڑہ نے ہمیشہ سے مجھ سے بڑی محبت کی ہے، اس کی بیوی اور بیٹیاں بھی مجھ سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے، لیکن میں بھی احمد بیڑہ کے ہاں فصر نہ تھا۔ جب بھی لاہور جاتا احمد بیڑہ سے ملنا ضرور تھا۔

احمد بیڑہ اس بات پر بہت کڑھتا تھا کہ اسے اشتقاق کی طبیعت پسند نہ تھی۔ اہتمام میں وہ مجھ سے کہا کرتا تھا 'یار مجھے بات سمجھ میں نہیں آتی، اشتقاق کی طبیعت تم سے قطعی طور پر مختلف ہے' پھر تم اس گھر میں کیسے رہتے ہو۔ میں کہتا اس لیے کہ وہاں ہاؤس ہے۔ کبھی 'بی بی' کوئی ہے۔ ابی ہے اور وہ گھر۔ مجھے ان گھر سے محبت ہے۔ احمد بیڑہ کی بات سچی تھی۔ اس کی طبیعت بالکل میرے جیسی تھی اور نلیم بچہ مودی سب میری دوست تھیں۔

اس مرتبہ وہ ہاتھ میری ہانڈ پکڑ کر احمد بیڑہ کے گھر لے گیا۔

میں سوٹ کیس اٹھائے گھر میں داخل ہوا۔ تو سارے گھر میں حیرت بھری خوشی کی لہر دوڑ

امہ بشر کے اپنے والدین کے ساتھ اچھے تعلقات نہ تھے۔ والدہ سے اہل بوسہ بلیسی تھی۔ والدہ سے لگاؤ تھا لیکن اس کے والد مرلا مسنجمی تھے اس لیے ان سے نفی نہ تھی۔

امہ بشر کے والد سمجھتے تھے کہ میری وجہ سے ان کا بیٹا راستے سے ہلک گیا تھا۔

اسی بنا پر پروین سے میرا میل جول نہ ہو سکا۔

بحر روین کی شادی ہو گئی۔

جب امہ بشر بڑا بن گیا فلم بنا رہا تھا تو ایک مرتبہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں ایک حسین و جمیل لڑکی بیٹھی تھی۔ میں نے امہ بشر سے پوچھا یہ کون ہے۔ امہ بشر نے کہا: تم نے پروین کو نہیں پہچانا کیا۔

میں نے کہا: وہ ہنس رہی ہے جو بی چوڑی تھی۔ میں نے نہیں مانا۔

پروین بولی: شکر ہے آپ نے پوچھا تو۔ میں بھی کتنی شہر میں آگئی۔

بحر روین امہ بشر کے گھر آئے جانے لگی۔

جب اسے پتہ چلا کہ میں عالم لی بی کے لیے ان کے گھر آتا ہوں تو وہ بولی: اللہ اس لی بی کا بھلا کرے اس گھر میں اپنی قدم نہ رکھتا تو فرمایا۔

نیلیم بچہ کوئی عمری جیمیر لیتیں۔ پروین پہنچا ہوا چلائی۔ مودی چرتی چرتی چڑھانے ہوئی۔ امہ بشر قہقہے مارنا۔ اہلی عالم لی بی کے کھیرے لیتا رہتا۔ یوں دن گزرتے۔ کیا دن تھے وہ۔

باز آ

پنڈی پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ چلو قدرت اللہ کو اطلاع دی دے دو کہ بیخ کتاب میں پہنچ گئی۔ انھوں میں اڑنے والے بچہ جو خدا مافک۔ ساتھ ہی میں نے عالم لی بی کا قصہ بیان کر دیا۔ جو اب میں قدرت اللہ کا ۵ جولائی کا کٹھا ہوا ایک خط موصول ہوا۔ جس میں سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اصل خط میسے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XVIII

تھی۔ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ ہر وقت اپنے لٹکے استو کے ساتھ بچوں کے پروگرام کی تیاری میں لگی رہتی تھی۔

گاہے میں نیلیم بھی مائل تھیں۔ بڑی سے بڑی مشکل بندش کی نقل اتارنا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ ان کی اسی مودی تو کراچی میں پیارنگ سے موسیقی کی قلم بھی لیتی رہی تھی۔

جب بھی عالم لی بی ان کے گھر میں قدم رکھتے تو وہوں بڑی شہید کے گاہے نکلتیں میرا بچا گھر آئی۔ آیا دی میرا بچا گھر آیا۔

مودی عالم لی بی کے بدلے ہوئے انداز اکثری ہوئی گردن اور پہنچا ہوا چلائی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر چڑچلائی۔ یہ کیا کھنڈ چلا ہوا ہے۔ انہوں نے وہ کتنی! لیکن امہ بشر بچہ کو ایک جگہ بٹاکر ڈانٹ دیتا تھا کہ خردار ممتاز کو کچھ نہ کہتا جو وہ کرتا ہے اسے کرنے دو۔ اس کاراست نہ لکنا۔ طعنہ نہ دینا۔

نیلیم بچہ کے انداز میں ایک مفرح حوالہ ہوتا تھا۔ وہ ایک پہنچا ہوا چلا دیتی تھیں۔

بی چوڑی۔ پروین

اور پروین مافک کی تو بات ہی اور تھی۔ اس کی باتوں میں پیارنگ رس تھا۔ ۱۹۳۵ء میں جب میں پہلی بار پروین کے پاسوں اشفاق حسین سے ملا تھا تو اس کے ہاں کیا تو میں سر تک کے لیے تھا لیکن وہاں دیکھ کر گھبرا گیا۔ ایسا دیکھ کر آج تک اللہ نہیں سکا۔ میرا بیٹہ جاساں لیے نہیں تھا کہ اس کے گھر میں موسیقی کی محفل لگتی تھی بلکہ اس لیے دیکھتا تھا کہ اشفاق حسین کی باتوں نے مجھے افسانہ نہ دیا تھا۔

اشفاق حسین کے پاس کوئی خصوصی بات نہ تھی۔ اس کے پاس بات کرنے کا انداز تھا۔ وہ انداز بڑا چاؤب تھا۔

پروین مافک کی غزلی یہ تھی کہ وہ باتوں کی پہنچا ہوا چلائے میں ماہر تھی۔ عام سی بات کرتی۔ اس میں بات چاہے بہت ہی کم ہوتی لیکن پہنچا ہوا چلائی۔

پروین کو میں نے اس زمانے میں دیکھا تھا جب وہ بی چوڑی تھی۔ اعضا بے کئے اور بے ڈھنگے تھے۔ ان دنوں وہ اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

spirit of wilful defiance - there is always hope. The faintest flicker of healthy fear in the depth of consciousness keeps this hope alive. It is small things - like this flickers - that swings. The pendulum of mens faigh and destiny. So be of good cheer.

10. I no longer insist that you meet Bhai Jan immediately. Take your own time. Meanwhile write to be quite frequently.

کالے مول نہ ہونے کے

اب میں اس خط کو پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ یہ ایک عظیم خط ہے اور لکھنے والے کو وسعت قلب کا آئینہ دار ہے، لیکن ان دنوں جب مجھ پر عشق نہیں، محبت نہیں، بلکہ ایک جنون سوار تھا، میں نے اس خط سے کوئی اثر نہ لیا۔ قدرت کے لیے میرے دل میں جو عقیدت تھی وہ اس قدر بڑھ چکی تھی کہ میں نے لانا خود کو اس بد روشی اور بھیست پر ت کہ وہ ۶۵ سال کی عمر کے بدخود میں نے ۲۱ سال کے نوجوان کے مسائل اپنا لیے۔

رات کو میں کوٹھے چلا نکلتا۔

چندوں کی طرح عالم بی بی کے گھر کی دیوار میں چھپا رہتا کہ گھر والے صدمہ دروازہ بند کر لیں۔ عالم بی بی کے نوجوان بیٹے جو بچائیں تو باہر نکل کر چپکے سے عالم بی بی کی آغوش میں جا بیٹھیں۔ حالانکہ عالم بی بی کی آغوش لٹی پٹی تھی۔ وہ میرا انتظار نہیں کرتی تھی۔ اسے جسمانی قرب کی خواہش نہ تھی اور وہ اپنے نوجوان بچوں سے سخت خائف رہتی تھی۔ لیکن میں تو عالم بی بی کی خوشبو کا دیوانہ تھا، چاہے وہ الفتات کرے نہ کرے، لیکن مجھے اس کے قرب کا احساس رہا۔

شور اور ہاتھ میری اس کا یا پلیٹ پر حیران رہ گئے۔ شور تو اپنی طبیعت کے مطابق اندر ہی اندر

6. In my judgement all thoughts and possibility of marriage must be fully and irrevocably averted. Family circumstances on both sides are such that matrimony cannot but fall in the purview of para No. 5 above weighing in the scale of prudence adherence to para No. 4 in the oft. repeated commission of sin (Will be far preferable to the complex consequences) of para no. 5, emanating from marriage. At our age and maturity we ought to be able to abide by this simple arithmetical calculation.

گلز گریس

7. I am emphasising against matrimony because this thought can spring at any time on the crest of desire, love, sex, compassion, or just self pity and morbid remorse. so be on the guard.

8. Please keep me informed at short intervals, write in symbols because there is no need for anybody else to know any thing about it.

9. It is easy to enter in the realm of God's grace. But it is exceedingly difficult to fall out of it. Frail mortals may violate divine injunction a hundred times but if it is not in a

ہوں اور اس سے اپیل کی جائے کہ وہ مفتی کو مرزوں کرے۔

انہیں علم نہ تھا کہ میں نے ابتدا میں ہی قدرت کو مطلع کر دیا تھا کہ آپ نے جس کڑوی کوئی پر شوگر کوٹک کی تھی۔ وہ اتڑ گئی ہے اور کڑواہٹ پھر سے اپنے جوں پر ہے۔
پھر عالم بی بی کی بات کمرنگ تھی۔ میری بیوی مجھے سے بہت ہن گئی۔ بیٹیوں نے بات کے بغیر خاموشی پر دست کیا۔ صرف عکس خاموش رہا یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

راجہ شفیق کی وفات

میں نے سوچا چلو راجہ سے بات کرو۔ میں یہ چاہتا تھا کہ عالم بی بی خود آئی تھی یا کبھی کئی تھی۔ میں خود کرا تھا یا دھکا دیا گیا تھا۔

راجہ کے گھر گیا تو پتہ چلا کہ وہ در سے پر جہلم گیا ہوا ہے۔

دوبارہ گیا تو پتہ چلا کہ راجہ بیمار ہے، جہلم کے ہسپتال میں داخل ہے۔ پھر ایک روز جب ہم بھائی جان کے ساتھ دوبار میں بیٹھے تھے تو دھماکا بھائی جان کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے تڑپ کر رہ گئے۔ پھر وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ آخر بولے۔ کئے گئے ذرا راجہ کے گھر جا کہہ دو تو لگائیں۔

راجہ کے گھر گیا تو گھر مشعل قلعہ پر دوسری تہا کی سب لوگ جہلم گئے ہوئے تھے۔

اگلے دن خبر آئی کہ راجہ فوت ہو گیا۔

ہم سب دفوانہ دو بار راجہ کے کھڑن کی طرف بھاگے۔

راجہ کو دفنانے کے بعد جب میں واپس آ رہا تھا تو مجھے ایسے عموں ہو رہا تھا کہ خود کو دفنانے کے بعد واپس آ رہا ہوں۔

راجہ کے جانے کے بعد میں بالکل ہی اکیلا رہ گیا۔

پھر ایک روز ایک لوز ملوٹ ہوا۔

میں نے عالم بی بی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ عالم بی بی نہ تھی۔

تھلی کے پر جھڑ گئے تھے، پیچھے سے سڑی نکل آئی تھی۔

میں حیرت میں ڈوب گیا کیا اس عورت کے لیے میں نے زندگی کے تین سال گوا دیے۔

سکتا رہا۔ دھواں دیتا رہا۔ پتو پٹا کر رہ گئی بولی، مفتی جی یہ کیا ہوا۔

کون مفتی بی کی بات کر رہی ہو۔

اپنے مفتی بی کی، وہ بولی۔

مفتی لد کیا کہ کوئے نے جو مور کے پر لگا رکھے تھے وہ اٹار پیچھے۔ اب اہلی سے بات کرو۔

پچھنے جی ان تھے کہ مفتی اور اہلی کا قصہ کیا ہے۔

پتو بولی، شایب صاحب کو پتہ چلا تو وہ کیا کہیں گے۔

کہیں گے، کالے مول نہ ہوئے ہے۔

بھائیوں سوسن ملان لگے۔

پتو بولی، یہ بی بی ہے کون۔

میں نے کہا ایک عام سی بھٹی عورت ہے۔

یہ سب اس بی بی کا پھیلایا ہوا شر ہے۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ اس بے چاری میں شرکوں سے کیا۔ وہ تو خود مظلوم ہے۔

آپ بھی مظلوم ہوں گے، اس نے طعن دیا۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ شریں خود ہوں۔ قدرت نے میرے اندر کے شر کو دیا

دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ موتہ کی ناک میں رہا اب اس نے شیخوں مار دیا۔

پھر ایک روز میں نے عالم بی بی کو اگلی لگائی اور اسے پتو کے کھرے کیا اسے دیکھ کر مارا

کا مارا مگر بکا بکا رہ گیا۔

اشفاق احمد، بشیر اور سودی کو عالم بی بی پر غصہ آتا تھا۔ صرف پتو ایک واحد فرد تھی جسے اس

ملوٹے پر دکھ ہوا۔ غصہ نہیں آیا۔

پھر احمد، بشیر اور اشفاق احمد مل بیٹھے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی مل بیٹھے نہ تھے۔ ان

دونوں کی شاخ میں مل بیٹھے کا مضر سرے سے یہ سوچو جی نہ تھا۔

ان دونوں نے کہا یہ مفتی تو جوڑ میں ڈوب گیا اسے دلیل میں لےت ہوئے کی لت پڑ

گئی ہے۔ اسے کیسے بچایا جائے۔

دونوں نے فیصلہ کیا کہ قدرت اللہ خدا کو کھسا جائے، جس میں اس واقعہ کی تفصیلات درج

انہوں کو تاراض کر لیا۔ گھر کی آبیاری کو تلف کر دیا۔ پلو کو دھکی کر دیا۔ کیسی 'میری' ٹولی کو چھین
کے رکھل۔ احمد بشیر اور سوہی کو دھکی کے رکھل۔

یا اللہ! میں نے پہلی بار بڑے عجز سے عرض کی 'یا اللہ کیا میری آنکھیں میری ہیں یا یہ نورسز
لی یا نڈکی تالاع ہیں۔ کیا یہ دیکھ سکتی ہیں جیسے میں چاہتا ہوں یا دیکھ جیسے وہ چاہتی ہیں۔'

۱۔ داستان میرائے

۲۔ محشر رسول نگری

۳۔ پیر خانہ

۴۔ پاکستان

۵۔ چھوٹا منہ



مناقبہ نسیم الدین



رفیق دہرو



سویلا، نسیم، نقش (بیٹیاں)

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

دو ایام



میرزا اسلم خان

میں جس کثرتِ جب وطن واپس پہنچے تو وہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک کے ۳ سال پہلے یہاں سے انگلستان روانہ ہوئے تھے۔ پٹنہ روڈ چیت نظر آتے تھے، لیکن اندر ان کا بند بندہ ٹوٹا ہوا تھا۔ جب ذوالفقار علی بھٹو ملک کے سربراہ بنے تو انہوں نے پہلا حکم یہ کیا کہ قدرت اللہ کی بخش کی منظوری دے دی اور انہیں وطن واپس آنے کا مشورہ دیا۔

جب وہ وطن واپس آئے تو بھٹو نے کہا کہ جتنے سال آپ نے انگلستان میں گزارے ہیں۔ اتنی مدت کے لیے ہم آپ کی ملازمت میں توسیع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ بخش لے لیں۔ لیکن قدرت اللہ نے بھٹو کی اس آفر کو تسلیم نہ کیا۔ بھٹو کی خواہش تھی کہ قدرت اللہ بیکٹری کے عہدے پر فائز رہے۔ قدرت اللہ فوری طور پر بخش پانے کے حق میں تھا۔ قدرت اللہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھٹو کی خواہش کو رد کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت اللہ نے ہینشٹر چنے کے بعد ایک سال کے کنٹریکٹ پر ملازمت کرنا تسلیم کر لیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو اطلاع دیے بغیر اسٹنٹن دیپے بغیر پاکستانی اخبار میں ایک مضمون شائع کرنا کہ ”سی ایس پی ملازمت میں میں نے کیا پامال کیا کھڑا“ مگر آج۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو علم نہ تھا کہ یہ وہ کیوں شباب نہیں ہے جس کے ساتھ انہوں



میرزا اسلم خان

نے صدر ایوب کے زمانے میں مل کر کام کیا تھا۔

آوهآ آومی

جب شباب اور عفت لندن سے واپس آئے تو غلام کسی کو بھی پتہ نہ لگا کہ یہ قدوت اللہ
تو حیا آئی ہے۔ اور اس کی بیوی ڈاکٹر عفت، دو ڈاکٹر عفت خیس ہے، بلکہ ایک بندہ لائی ہوئی
عفت ہے۔

جب قدرت چٹک اپ کے لیے ڈانکر کے پاس گیا قاتلانہ اپنی معاشی کے لیے ڈانکر نے اسے لڑا۔ دیر تک ڈانکر اس کا معائنہ کرتا رہا پھر قتلہ۔ وہ چھٹک کہنے لگا کہ آپ مہل کیسے آئے ہیں۔

$$x = 0, \quad u_{,x} = 0, \quad \frac{1}{2} \frac{d}{dt} (u_{,x}^2) = 0.$$

پھر عفت کو زہریلوں سے گینے

حَقِّقْ لِقَدْرَ حُجَّتِكَ

بھائی جان نے جی کا ہاتھ کر کے چھینے سب پر ہیں گے جو جتنا قریب ہو گا اتنی ہی

بھائی جان کی ایہ بغیر کسی وجہ سے بنار پڑ گئی تھیں۔ بھتیخوں ہسپتال میں رہیں بھائی جان ان کی خدمت کرتے کرتے چور ہو گئے تھے۔ ہمارا خور و نفوت ہو گئیں۔

سائیں کرم دین صاحب فراش ہو گئے۔ دو سال جاہلی پر پڑے رہے۔ انھیں نصیحت ممکن نہ رہی۔ پھر وفات پا گئے۔

دیا گیا تھا۔

ہرمل اگر قدرت شباب ثانی میں آخری باب شامل نہ کرتا تو میں انکھ عمری نہ لکھتا۔
ہرمل عفت کو علاج کے لیے لندن بھیج دیا گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قریبی عزیزہ جلی
کی۔
ماہ دہ کے بعد لندن سے ایک تار آیا۔ لکھا تھا۔

iffat resisting death come

اس تار کو دیکھ کر شباب اور اس کا بیٹا حاقب دونوں چلے گئے۔
تقریباً ایک مہینے بعد ۱۰۔۱۱۔۱۲ لکھا ہوا شباب کا خط ملا۔ جس کا ایک اقتباس درج
دیا ہے۔

اسے فریڈ

ہم یہاں پہنچے تو عفت کو ماں میں تھی۔
پانچ چھ روز تک حاقب کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ ملی۔
اس بار حملہ بے حد شدید تھا۔
لاہور سے کئی سوکنا زیادہ۔

دو روز میں بے چاری کا دل بارہ مرتبہ رکھ مینوں سے Revive کیا
کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ لب دو رو صحت ہے۔ ابھی چھ سات پہنچے
اور ہسپتال میں رہتا پڑے گا۔

اس کے بعد خبر آئی کہ قدرت اللہ دیل گاڑی میں کنیشہری کے ہسپتال میں جاتا ہے
معت داخل ہے۔ گفتوں عفت کے پاس چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے۔
عفت کی بڑوں مریض نے دیکھ کر کہا لی بی بی تیرا یہ بے فریڈ تھ ہے بڑا پیار کرتا ہے۔
میں بھی تھ نہیں کرتا اور پھر آکر گفتوں تیرے سامنے بیٹھ رہتا ہے۔
عفت نے کہا یہ میرا میں ہے۔

اصل خط عیسے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXV

ہی چھانے نکل آئے تھے۔ منہ میں چھاپے زبان پر چھانے ملے۔ لکھا دینا چوت ۱۲
تھا۔ کھانے پینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ سانس مشکل سے آتی تھی۔ پورے بارہ دن کھانا چا
بند رہا۔ ڈاکٹروں نے کھانا ذہنی فیوڈ ہو گیا ہے۔
بانو کے کمر میں عفت بار بار کھانا چلی جاتی تھی۔
قدرت اللہ شش و شش میں پڑا تھا کہ لندن لے جائیں میں۔
میں ایک ڈرپاک آوی ہوں۔ کراس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں لاہور سے بھاگ
آ گیا۔

اور عفت لندن چلی گئی اس کے ساتھ اس کی ہمیشہ تھی۔
بانو اتنے دن کھال میں پڑی رہی کہ گھٹیل کر پانی ہو گئی۔ وہ لندن چلے گئے تو بانو چمک
چمک کر چھینٹ بن کر بھر گئی۔

آخری باب

بانو شباب کی نگن میں اس قدر کھو چکی تھی کہ ہر بات میں اس سے پوچھتی تھی۔ ۱۲
کروں۔ ہم سب میں صرف بانو کو شباب پر حق الثقلین تھا۔
کچھ میں نہیں آتا کہ پھر بانو نے مرزا برہم میں ایسے واقعات کیوں نہ درج کیے جو شباب
ناچنے کے آخری باب کی تصدیق کرتے۔
بانو نے یہ چشم دید واقعات شاید اس لیے ایک آؤٹ کر دیئے کہ قدرت اللہ نہیں جانتا تھا
کہ اس کی زندگی کے ایسے واقعات کو شریک بنائے، لیکن اگر قدرت اللہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی
ایسے واقعات کو راز رکھا جائے تو اس نے شباب ثانی میں آخری باب کا اضافہ کیوں کیا۔
قدرت اللہ نے آخری باب کے علاوہ شباب ثانی کے تمام باب ہمیں چراہ کر سنا ہے۔
آخری باب میں نے قدرت کی وفات کے بعد پڑھا۔ اگر وہ آخری باب مجھے سنا دیتا تو میں خدا
کے بیٹا جانا کہ میری جان لا تو اس آخری باب کو حذف کر دیتیے اور شباب ثانی کے سارے
باب از سر نو لکھتے۔
میرزا آزاد کہہ ہے کہ قدرت کا آخری باب لکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ آخری باب لکھنا اس پر مار

ملات کرے گی۔

پڑوس بولی میں نہیں باجی کبھی غلام بھی بیوی سے لٹکا لٹکا رہتے ہیں۔

عفت کی وفات

پھر خاموشی چھا گئی، اندر سے کوئی خبر نہ آئی۔ البتہ انواہیں سننے میں آتی رہیں۔ میرٹ آباد جانے والے نے لکھا کہ عفت کی بیماری اسے چھوڑ گئی ہے اور اب وہ بالکل صحت مند ہے۔ شاپ، عفت اور جاقب ایک مکان میں رہتے ہیں۔ وہ تینوں بڑے ”مطمئن“ ہیں، آرام سے زندگی گزار رہے ہیں، یوں جیسے کچھ بے ہوش۔

مجھے ان خبروں پر یقین نہیں آتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چلو کاٹھریوں اڑ جائے۔ اگر چلو کاٹھریاں داخل بھی ہو جائے تو غم لوٹے ہوئے اعضا کو جوڑنے والے تصور اچھا رہے ہوں گے۔

جیسے شاپ سے ہوا تھا۔

شاپ کا کوئی خط موصول نہ ہوا کہ راز کھلتا۔ شاید شاپ بات بتانا نہ چاہتا ہو۔

میں انتظار میں بیٹھ گیا کہ کبھی آئے گا اور چٹکن کی صورت پیدا ہو گئی تو شاید بات کھلے پھر دھتارے، خبر آئی کہ عفت وفات پا گئیں۔

پتہ چلا کہ کوئی بیماری نہ ہوئی۔ ہارٹ ایکٹ نہ ہوا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ ایک دن طبیعت چار پائی پر لیٹ گئی اور فوت ہو گئی۔

عفت کی وفات کے بعد جب قدرت واپس آیا تو میں اسے دیکھ کر ڈر گیا۔

پہلے جب وہ واپس آیا تھا تو آدھا آدمی تھا۔

اب وہ محض ایک ایسا لکھکا تھا۔ جس میں سے شہ چر گیا ہو۔

پھر جلد ہی چٹکن ہوئی۔ اتفاق سے میں موجود تھا۔

میں نے عفت کی بات پھیر دی۔

وہ میری باتیں سنتا رہا لیکن خاموش بیٹھا رہا۔ آنسو آتے رہے اور وہ پتیا رہا۔ میرٹ آباد

مشہور لکھنؤ دسے برٹ ہر دار پر ڈیٹے ”کاغذ کی بیج گیلہ“

میں نے کہا، شاپ صاحب آپ تو کہتے تھے کہ آپ چلے جائیں گے اور جاقب کی

کیا میں نے کہا تھا، وہ حیرت سے بولا۔

ہاں میں نے جواب دیا۔ آپ نے مجھ سے نہیں دین سے کہا تھا۔

میں کیا کر سکتا تھا، وہ بولا۔ عفت مدینہ شریف سے احکامات لے آئی تھی۔ میں مجبور ہو گیا۔ ساری بات الٹ ہو گئی۔

پھر رنڈ نوٹ گیا اور بات مکمل کر سامنے آ گئی۔

بولا، جب ہم لندن پہنچے تو عفت کو ماں میں تھی۔ انہوں نے کہا، ملاقات بے کار ہے کما سے ہاگے گی تو آپ اسے مل لیں۔

ڈاکٹروں نے شک دیے۔ جو ممکن عمل ہو سکتا تھا کیا، لیکن کما نہ ٹوٹا۔ چند ایک دن گزر گئے۔

پھر ہم نے دوبارہ درخواست کی تو ڈاکٹر یکن گئے بولے،

ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کما ٹوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ البتہ آپ اسے دیکھ لیتے ہیں ہم تم سے تو وہ بے ہوش پڑی تھی۔

در تک ہم خاموش کھڑے رہے۔ اسے دیکھتے رہے پھر جاقب کا میرٹ نوٹ گیا۔ اس نے چلا کر آواز دی۔ اسی عفت نے آنکھیں کھول دیں۔

ڈاکٹر حیران ہو گئے۔ یہ کیا ہوا۔

ساری رات ہم باپ بیٹا لٹکے کے حضور سرگرم رہے۔

فتن کر رہے۔

اگلے روز ڈاکٹر نے بتایا کہ عفت کی بیماری دور ہو چکی ہے۔ لیکن شدت کی کمزوری باقی ہے۔ اسے چھ ہفتے ہسپتال میں رہنا ہو گا۔ اس کے بعد وہ گھر جاسکتی ہے۔

یہ کیسے ہوا میں نے قدرت سے پوچھا۔

مسلط

پتہ نہیں، وہ بولا، شاید اللہ تعالیٰ کو ہماری منتوں اور تزلزلوں پر ترس آ گیا اور انہوں نے

مسلط عطا کر دی۔ ہم باپ بیٹے کی صرف اپنی سی درخواست تھی کہ یا باری تعالیٰ ہم تینوں کا باپ اور بیٹا بھی اطمینان اور سکون سے گھر میں نہیں رہے۔ ہمیں مسلط عطا کر کہ ہم تینوں ایک گھر میں آرام و سکون سے کچھ عرصہ اکٹھے رہیں۔

جب مفت ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو ہم تینوں ایک مکان میں آرام اور سکون سے رہنا یہ بھی عجیب بات ہے قدرت اللہ شلب کا ملائی جب پڑھا تھا تو فوراً وضو کر کے ملائی کی روح کو ایصالِ ثواب پہنچایا تھا۔ شلب کی تحریریں اور میرے اس ہنر میں کیا تعلق ہے۔ میں نہیں جانتا صرف بیان کر سکتا ہوں۔

بولی نہیں تھڑکی تھیں۔ مجھے ہر دم ان کی سلامتی کا گھر رہتا ہے وہ گھرے ہوئے ہیں۔ اس نے فون بند کر دیا۔

میں اٹھ کر کپڑے پہنے لگا۔ ساتھ ہی سوچ رہا تھا کہ کہیں جاؤں کہ فون پھر بجے۔ میں نے چونکا اٹھایا۔ شب بول رہا تھا۔

کہنے لگا، آپ تکلیف نہ کریں۔ میں صبح سلامت گھر پہنچ گیا ہوں۔

میں نے دھیمی آواز میں پوچھا، کوئی فرائض تھی۔

ہنس کر بولا، نہیں۔

میں نے کہا، تو دوسری مل تھا کیلہ۔

بولا، نہیں۔ وہی فورسز بیٹاؤ۔

میں نے کہا، یہ چکاؤ نہیں بھی تو فورسز بیٹاؤ کی لکٹ ہیں۔

بولا، کل بات کریں گے اور فون رکھ دیا۔

ابتدائی ایام میں میں نے ایک دن محنت سے کہا تھا۔

میں نے کہا، اکثر مجھے ایک بات بتاؤ گی۔

کہنے لگی، پوچھیے۔

میں نے کہا، کچ بچ جانے کا وعدہ کرو تو پوچھوں۔

بولی، کیوں، جوت بولوں کی خواہ خواہ۔

میں نے کہا، یہ بتاؤ کہ قدرت اللہ شب کون ہے۔

وہ سٹپٹ گئی۔ بولی، کیا مطلب۔

میں نے کہا، لگتا ہے قدرت اللہ شب کوئی ہے۔

He is some body لیکن کیا ہے۔ کون ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی، میری بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ ————— ملتی ہی

جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں میری تو مت ماری گئی ہے۔ کبھی کسی کمرے سے تازہ پھولوں

داستان سرائے

اپنے مضمیتوں کے دوسرے مجموعے "اورد لوکے لوگ" کا انتخاب میں نے "داستان سرائے" کے نام کیا ہے، جہاں میں نے زندگی کے بہترین لحاظ گزارے ہیں۔

میں تذبذب میں پڑا تھا۔ کیا تھا پھر جاننے لگا۔ پھر جان گیا۔
پھر جاننے لگا، یوں نہ تھا نصیب ہوا نہ چننا۔
شباب کی وفات کے بعد مجھے لندن سے بلوا آ گیا۔
الحظ گو ہر نے افتخار عارف کے اردو مرکز کی چاہ سے بلایا تھا۔
مجھے لندن دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ سوچا چلو دوستوں سے مل آؤں گا۔ الحظ گو ہر تھا۔ یو سنی
تھا، افتخار عارف تھا، محمود ہاشمی تھا، پروین بھی ان دنوں وہیں تھی اور ڈاکٹر مزمل مفتی تھا۔
لیکن سب سے زیادہ تمنا مجھے مفتی کی قبر دیکھنے کی تھی۔
میں نے پروین عارف کو خط لکھا۔ اللہ کے واسطے وہیں رہنا۔ چلی نہ آتا۔ میں آ رہا ہوں۔
اگر تم نہ ہوئی تو اس شیش محل میں کھو جائے گا۔
وہاں میں صرف آٹھ دس دن رکھا۔

الحظ گو ہر نے اپنا پبلک ریلیشنز اسر مسٹر جان کو میرے پاس بھیج دیا کہ چٹو مفتی کو جیتیں
دکھا دو۔ مجھے جیتیں دیکھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ مجھے زبردستی دست فترا یہے میں لے گیا۔
.....

شروع کیا تھا۔ اس پروگرام میں اشفاق نے شادی کا رد لیا۔

اشفاق احمد اچھا اور اگلا بھی ہے۔ اس کی وجہ اس کا نام ہے۔ اس کا نام عام لوگوں سے زیادہ سناتا ہے اور اس کا مطلق سنی ہوئی آواز کو ہو سو ری پر دماغ سی کر سکتا ہے۔

پتہ نہیں یہ کیسے ہوا کہ اشفاق احمد نے پروگرام کے شاہ صاحب کو ایک مثنوی کردار عطا کر دیا۔ 'خس' مہم آزار۔ منہ پر لور، پیٹ پر کچھ اور عام طور پر ریڈیو والے دیکھیں جوش کرتے ہیں ان کی اور اشفاق۔ انہوں نے بھی مثنوی کردار جوش کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ لیکن اشفاق احمد کا شاہ صاحب ہل نکلا۔ سامعین نے شاہ صاحب کے منہ سے اپنے اندر کی خباثتوں کا ذکر سنا تو نمل ہو گئے۔ پھر اس پروگرام کا نام تلقین شاہ رکھ دیا گیا۔ اور اشفاق چھان سے سید بن گیا۔

یہ پروگرام اس قدر پاپر ہوا کہ بات کہاں تک جا پہنچی۔ ہوا یہ کہ ایک روز پروگرام کے دوران شاہ صاحب نے اپنے غلامِ برایت اللہ سے کہا کہ ٹوکرا لے جاؤ اور مانگے اور کتوں کے چنگے جس بھی پرے نہیں 'انہیں تو کرسے میں ڈال کے لے آؤ۔

برایت اللہ نے پوچھا 'شادی چنگے اکٹھے کرنے کا کیا فائدہ ہو گا۔

شادی نے کہا 'الحق تجھے نہیں پتہ ہم ان چنگوں کو اپنے صدر دروازے کی سائیڈ پر ڈھیر کر دیں گے۔

برایت اللہ نے پوچھا 'آقا اس کا کیا فائدہ ہو گا۔

شادی بولے 'مجھے والے دیکھیں گے۔ ان کے دلوں میں ہماری لہرت کا رعب پڑے گا۔ ہمارا سوشل سٹیشن لوٹا ہوا ہو گا۔

یہ پروگرام ریڈیو سے رات کو نشر ہوا۔

صبح اشفاق احمد باہر نکلا تو دیکھا کہ صدر دروازے کی سائیڈ پر مانگے اور کتوں کے چنگوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

شرت کا ٹھکانہ

اشفاق احمد یہ دیکھ کر چمکے۔ 'نہ' 'نہ' 'نہ' ہو کر رہ گیا اس کے اندر کا ٹھکانہ بچ گیا۔ پھر وہ ٹھکانہ بار بار عیاں کر لینی دین کے اور دوسروں کے دوران ٹھکانہ کے ساتھ حرکت بھی

خدمت اس نے کی ہے، کسی اور نے نہیں کی۔ جتنی اپنائیت مجھے کسی سیری نوکی ہاتھ کے بچوں نے اور اس کی اہلی سزینہ نے دی ہے کسی اور نے نہیں دی۔

اردو لب میں میں نے اشفاق احمد سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

جب میں ریڈیو منٹ کے بعد جلی مشاکٹ میں گمراہ ہوا تھا تو اشفاق احمد نے اردو بورڈ میں مجھے ایڈیٹر کی آسانی پر قیادت کر دیا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قدرت اللہ شاہ جو میری زندگی کا عظیم ترین مشاہدہ ہے۔ وہ بھی اشفاق احمد کی دین ہے، چونکہ فیادی طور پر وہ اشفاق احمد کا دوست تھا۔

اشفاق احمد کی نہیں اس کے سارے بھائی، قادیان اور ملائیتوں کے مالک ہیں۔

اشفاق احمد کے والد بڑے خان خوب آدمی تھے۔ ان کی قابلیت ہفت رخی تھی۔ ساتھ ہی وہ بڑے چارہ پیڑ آف دی فیلڈ تھے، جب وہ گھر میں پاؤں دھرتے تو سناٹا چھا جاتا۔ ان کے حکم کے بغیر پتا نہیں مل سکتا تھا کہ گھر میں سب سے بڑی پر اہم یہ تھی کہ کس طریقے سے بڑے خان صاحب کو رام کیا جائے۔ غالباً اسی وجہ سے سب بھائیوں میں امتیاز، مصلحت اور دنیا داری کی خصوصیت پرورش پاگئی۔ صرف ایک بھائی کے اندر ری ایکشن پیدا ہوا۔ اسے کہہ دینے کی عادت پڑ گئی۔ منہ پر کہہ دینے کی۔ سچ کہہ دینے کی۔ دنیا داری سے بے نیاز، فیملی، عمل کا متوال۔

اشفاق کو ابتداء سے ہی دل کی بات کہہ دینے میں چنگا پٹ محسوس ہوتی تھی۔

میری دانست میں اشفاق احمد کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کی شادی پاؤ قدیر سے ہو گئی۔ اگرچہ بظاہر اس شادی کی وجہ سے دونوں میاں بیوی پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

تلقین شاہ

اشفاق کی شخصیت دو حصوں میں بانٹی جا سکتی ہے۔ ایک تو وہ دور جس میں وہ اشفاق احمد

وہ ایک عام ساریڈو پروگرام تھا، "صبرت حقیر" جو اشفاق نے سکرپٹ رائٹری حیثیت سے

بناپتی اور اصلی

وہی قدرت اللہ آجائے بڑے لوب سے پاؤ کی خدمت میں عرض کرتے۔ بیکم صاحب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے میاں کو دو گھنٹے کے لیے باہر لے جاؤں۔ یقیناً جہاں سے وہ کھنے کے اندر آکر آپ کے میاں کو دلہن ڈیلور کر دوں گا۔
 پاؤ کہتی 'آپ کھانا کھائیں پھر بے تک۔'
 نہیں محترمہ وہ جواب دیتا 'کھانے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کہیں باہر سے تان کباب کھائیں گے۔'

جب بھی میں لاہور جاتا تو پاؤ مجھ سے شکایت کرتی تھی 'کہتی' اشفاق کا ایک نیا دوست بنا ہے جب بھی آتا ہے ہم سے بات نہیں کرتے۔ ایک بیگانہ انداز سے اجازت مانگتا ہے اور خان کو باہر لے جاتا ہے۔ ہمیں کھاس نہیں ڈالت۔

کوئی بڑا حق ہے 'میں اسے جواب دیتا جو تم جیسی خاتون سے رابطہ نہیں رکھتے۔

وہ ہنسی 'مفتی جی آپ مجھے کھن نہ لگا کر میں۔'

میں کہتا 'میں کیا لگاؤں گا وہ تو اللہ نے لگا کر بھیجا ہے۔'

پاؤ بہت بڑی طاقت ہے اس کے پاس وہ بہت ملک اختیار ہیں۔ انکیشن اور خدمت۔

آہستہ آہستہ اس نے قدرت اللہ کو رام کر لیا۔ یہی تک کہ وہ اسی پارہی خانے میں بیڑی پر بیٹھ کر سرسوں کا ساگ 'پائے' اور وال چاول کھانے لگا۔

پھر قدرت اللہ سے میں حصار ہو گیا۔ اشفاق نے تعارف کرا دیا۔ پہلے تو میں اسے ٹٹے سے گرد کرنا رہا۔ چونکہ میں بیڑی اٹھی طور پر چھوٹا آدمی ہوں اس لیے بڑے سروں سے الگ ہوں۔

پھر آہستہ آہستہ مجھے پتہ چلا کہ بڑا سروں کے بڑے سروں سے یہی طرح چھوٹا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں بناپتی چھوٹا ہوں' وہ اصلی چھوٹا ہے۔ اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ پر اسرار آدمی ہے۔ اسے ہدایات ملتی ہیں۔ لہذا ضرور وہ کسی منصب پر فائز ہے۔ خصوصاً جب بھائی جان نے کہا کہ سرکار قبلہ نے اس کی دستار بندی کی ہے تو میں بے حد متاثر ہوں۔

گو تھل اس کے بعد اشفاق احمد کی شخصیت کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ اس کے پروانوں نے اسے ہوا دی۔ قیادہ اعلا۔ اعلا ہو گیا۔

اشفاق احمد بنیادی طور پر ایک شریف الغض انسان ہے۔ اس کے اندر خیر کا عنصر حاوی ہے۔ اسے غصہ ضرور آتا ہے 'لیکن وہ اسے نکالنا نہیں جانتا۔ لہذا اندر چڑچڑھوتی رہتی ہے۔ بغیراری دالے بغیر ہوتی رہتی ہے۔ اس کا غصہ خود کو ضرب لگاتا رہتا ہے۔ ہولناک کر دیتا ہے۔

اشفاق احمد کسی کے خلاف سازش نہیں کر سکتا اپنی پارٹی میں بنا سکتا۔ چل نہیں پھیلا سکتا۔

اسے شہرت کھائی۔

کہنے لگا 'لوب کا ماحول بہت چھوٹا ہے۔

میرا پیغام وسیع تر ہے۔

اس لیے میں میڈیا کا آدمی ہوں۔

ان دنوں اسے علم نہ تھا کہ میڈیا تو سرکاری پابندی ہے فی دی شہرت کا ہمارا تو لگاؤ دیتی ہے ' لیکن مجرمانہ طریقے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے راکھ کی طغی رہ جاتی ہے۔

شہرت نے ہم دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کر دی 'پھر بھی ہمارے تعلقات جوں کے توں قائم رہے۔ فرق صرف اتنا پڑا کہ وہ سلف سفینت اور سلف سینٹر ہو گیا۔ وال کا وہ دائرہ بن گیا جو کھ نہیں۔ پھر بھی میرے لیے کوئی فرق نہ پڑا۔ اس کا گھر تھا۔ پاؤ تھی 'مزینہ تھی' سیری تھا 'کیسی تھا' ٹائیڈ تھی 'وہی قند اس بہشت سے مجھے کوئی ٹھیل نہ سکا تھا۔
 قدرت اللہ بھی اشفاق کے گھر آیا کرتا تھا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب داستان سرائے حقیر نہ ہوا تھا۔ اشفاق اور پاؤ کھن آکر کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ چھوٹا سا پارہی خانہ تھا۔ اس میں دو تین بیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک کھنی بنیاد بنائیاں چولے پر چڑھی رہتی تھی۔ ایک فرانی چین نور ایک لوبے کی کڑائی اور اسے گلی رہتی تھی۔

میں اس پارہی خانے میں غصہ کھٹا کر بیٹھ جاتا۔ پاؤ پکانی اور ہم کھاتے۔

جذباتی مجذوب

اس دن سے میں نے داستان سرائے میں بیٹھ کر یہ چار کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ہار پار پڑو اور اشفاق سے کہا: پیارو یہ ٹھٹھا آؤی جو تم پر اس قدر مہربان ہے۔ صرف ٹیک انسان ہی نہیں، سی اللہ ہی افسری نہیں۔ بھائی جان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بلند پاسے کا بزرگ ہے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ وہ تم کو دوست رکھتا ہے۔

پھر میں قدرت اللہ کی شخصیت کی پر اسرار باتیں سناتا رہتا۔ اشفاق اور پادو بڑے انصاف سے میری باتیں سنتے رہتے اور اس سے بیگم جاتے لیکن پھر وہ اپنے پر ہلکا پڑاتے اور پھر سوکے کاٹھ ہو کر بیٹھ جاتے۔

دو تین سال میں یوں رہا وہ سنتے رہے۔ لیکن بات جہلی دھری تھی وہیں دھری رہی۔ غالباً شوق پادو مجھے ایک جذباتی مجذوب سمجھتے تھے۔ اس لیے میری باتوں پر انہوں نے کان تو دھرا ہر دل نہ دھرا۔

دیے بات بھی درست تھی۔ میں ایک جذباتی آدمی ہوں اور مجھ میں مجذوبیت کا عنصر موجود ہے۔ لیکن غالباً انہوں نے میرے غلوں کی جانب توجہ نہ کی۔

قدرت اللہ کے مرتبے کے متعلق انہیں احساس دلانے میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا۔ مجھے ایک خزانہ ملا تھا اور میں چاہتا تھا کہ میرے دوست بھی اس لوٹ کے بل میں حصہ دار بن جائیں۔

نور بیلا کا ڈیرا

پھر نور بیلا کا قصہ چل نکلا۔

نور بیلا ایک بزرگ تھا۔ اس کا ڈیرہ لاہور چھانوی میں کیو لری روڈ پر تھا۔ نور بیلا کے دو کام تھے۔ بنیادی کام یہ تھا کہ وہ ہر آئے والے کو گوشت روٹی کھاتا تھا۔ اس کے ڈیرے پر آٹھ نو بیسی بیسی داڑھیوں والے بابے کام کرتے تھے۔ چار ایک صبح شام روٹیاں پکاتے رہتے دو ایک ہانڈی پکاتے پر ہمارے تھے۔ اور دو ایک چھوٹے موٹے کام کرنے پر۔ نور بیلا کا دوسرا کام دوا دار دوا کا تھا۔ ڈیرے پر دو بڑے بڑے پارک نمابلی کرتے تھے۔ ایک بہت کھانا تھی۔ قدرت اللہ ایک بے چہتی

مومن کے ایک جانب ان دور مریضوں کا وارڈ تھا۔ جہاں چار بیویوں پر مریض آسمان تلے لینے رہتے تھے۔ نور بیلا دن میں دو بار وارڈ کا راولنڈ لگاتا۔ ہر مریض کا محل پوچھتا اور دوا تجویز کرتا تھا۔ نور بیلا نذا کے ذریعے علاج کرتا تھا۔ کتنا تھا نذا دوا سے بہتر ہے چونکہ اس میں شفا کا عنصر داخل ہوتا ہے۔ زیادہ تر مریضوں کا علاج ملت ہو آتا تھا۔ صاحب حیثیت مریض کو اعجازت تھی کہ وہ نذا کی دوا کی قیمت لودا کر دے۔ دوا کی قیمت 'قیمت خرید کے مطابق لی جاتی۔

نور بیلا اپنے ڈیرے میں بیلا بن کر نہیں بیٹھتا تھا۔ بلکہ چاروں طرف گھومتا پھرتا۔ کسی کو پانی پادتا۔ کسی کے لیے گرم روٹی لے آتا۔ کسی کا محل احوال پوچھتا۔ ڈیرے میں اس کی حیثیت ایک کافی کی تھی، بیلا کی نہیں۔ ڈیرے کا خرچ کیسے چلتا تھا اس کا مجھے علم نہیں۔ پتہ نہیں کیسے اشفاق سے یا دیوے ہی ایک روز اشفاق نور بیلا کے ڈیرے پر جا پہنچا۔

شوق تحقیق

اشفاق کی عادت ہے کہ اسے کوئی نئی چیز مل جائے تو وہ اس کی تحقیق میں لگ جاتا ہے۔ اس کے اندر گھس جاتا ہے۔

جب وہ مکان بنوا رہا تھا تو فن حیر کے اندر گھس گیا۔ جب ننگے گھوا رہا تھا تو اس نے ٹوٹیوں کے متعلق تہم معلومات حاصل کر لیں۔ کون کون کتنی ٹوٹیاں بناتی ہے۔ ٹوٹی کا منہ کتنا کھلا ہوتا ہے۔ اس کا داخل کتنا دیریا ہوتا ہے۔ ان دنوں وہ براہِ راز تھ روڈ پر جا پہنچا اور اس تحقیق میں لگ گیا کہ وہاں کیا کیا بیکنا ہے، مکمل مکمل جاتا ہے۔ کیا کیا باہر سے آتا ہے۔ کیا کیا خانہ ساز ہے۔ اشفاق احمد تحقیق کا مائل ہے۔

نور بیلا کے ہاں پہنچا تو وہاں بھی، دلی میں جگہ ذہنی تحقیق میں لگ گیا کہ روحانیت کیا ہے۔ یہ۔ 'قصوف کیا ہے۔

نور بیلا دیکھنے میں تو ایک عوامی فرد تھا۔ وہ بچہوں اور مرشدوں کی طرح مسند پر نہیں بیٹھتا تھا۔ مسئلے نہیں چمکاتا تھا۔ سرکار قبل بن کر ارشادات فرماتے کا عالمی نہ تھا۔ وہ ایک لمبا سا چنڈ پنہ رکھتا اور ننگے پاؤں یوں گھومتا پھرتا جیسے کوئی خدمت گار ہو، لیکن جب بات کرتا تو بڑی بڑی

© Oneurdu.com

صوفیانہ: 'پائیاں جھوٹے جھوٹے جملوں میں برکتیں تلاش کر کہ جانتے اس کے پاس ایسے تیس ہیں
 جملے تھے، جنہیں سن کر دانش ور چونک جاتے اور سوچتے پر مجبور ہو جاتے۔

مجھے بلایا کہ یہ بات بہت سلی۔ اتنا بڑا دعویٰ اور یوں بڑا۔ اور پھر اتنا خفا۔

کسی نے کہا: 'یاد رکھیے جو پاکستان ہے یہ کیا اسلامی مملکت ہے۔

یاد رکھیے۔ ابھی تو بیچ پڑا ہے، ابھی بونا نکلے گا اور جب بونے پر پھول لگا تو ساری دنیا حیرت

دیکھے گی۔

یہ جملے Aphorisms تھے۔ مثلاً: "ماتے کے لیے جتنا ضروری نہیں۔ غم سمجھنے کی چیز

افورازمز

وہ مسکرایا ہوا میں اس قتل ہو تا پھر آپ کی منت کیوں کرتا۔

میں نے ہاتھ سے بات کہہ دی۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ اس جتنی جھگڑے نے بات میں کو تباہی ہو گی، لیکن اشفاق پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اننا وہ شباب کی موندگی میں نور پائی کی باتیں کچھ زیادہ ہی ہنڈے سے منانے لگا۔

پھر یہ نہیں کیا بول، کچھ ہو گیا۔

ہاتھ پر دھننا، انکشاف ہوا کہ قدرت اللہ ایک بڑا بزرگ ہے۔ ہاتھ کے نیچے عقیدت کے ہنڈے سے پھٹکنے لگے، قدرت اللہ نے اپنا گنڈا "آڈو" جب بھی قدرت اللہ لاہور جاتا تو ہاتھ شوشیری، مسز جٹ ہاتھ کے تمام بیٹے بیٹوں سب قدرت کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے، پھر مسئلے مسائل چل پڑتے۔ سوال پوچھتے جاتے۔ قدرت اللہ ان سوالات کے جواب دیتا۔ بات کی وضاحت کرتا، فیصلے حل کرتا۔

ایک سال کے اندر اندر قدرت واستان سرائے پر ایک بزرگ کی حیثیت سے چھا گیا۔

واستان سرائے والے انتظار کرتے کہ کب شباب صاحب لاہور آئیں۔ خود شباب کی خواہش ہوتی کہ وہ لاہور جائے۔

دراصل جب سے واکٹر عفت فوت ہوئی تھیں قدرت کو "ہوم" نصیب نہ ہوا تھا۔

بے گھر

وہ اپنی ہمیشہ کے گھر رہتا تھا۔ اس کا بہنوئی لٹن، ہمیشہ محمود اور ان کے بیٹوں بچے گڈی۔

بلو اور پیکل سب اس کی عزت کرتے تھے۔

ایٹن پور فقیر کا قافلہ تھا وہ خود ایک مراد مستقیم تھا۔ وہ قدرت اللہ کو ایک نیک آدمی

کہتا تھا اور میں نے

میرا ذاتی خیال ہے کہ قدرت اللہ نے اپنے گھروالوں کی نظر بندی کر رکھی تھی کہ ان کو قدرت کی اصلیت کا پتہ نہ چلے۔ طاقت قدرت کا معمول تھا کہ وہ صبح تین بجے جاگتا۔ جبہ ادا کرنا

UrduPhoto.com

پھر سنی پکڑ کر باہر نکل جاتا اور وہ کتنے اسلام آباد کا پکڑ لگاتا، پھر گھر آکر فجر کی نماز پڑھتا اور پھر سو ہاتا۔ گھروالوں نے کبھی نہ سوجھا تھا کہ وہ کوئی رات کے وقت شہر کا پکڑ کیوں لگاتا ہے۔ وہ وقت نہ چل قدرتی کا ہوتا ہے نہ جانگم کا۔

ایک دن میں نے قدرت سے پوچھا، آپ جو رات کے تین بجے اسلام آباد کا پکڑ لگاتے ہیں تو شہر کے کتے آپ کا استقبال کرتے ہوں گے۔

ہاں، اس نے جواب دیا۔ بڑے کتے ہیں اس شہر میں۔ مگر اس وقت سیر کرنے کا پورا عزا آتا ہے۔

میں نے کہا، شباب صاحب آپ انسانی ذہن کی تو جین نہ کیا کریں۔

اس نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔

میں نے کہا، شباب بی، یا تو بات کہہ دیا کیجیے اور یا چھپانا مقصود ہو تو ایسے چھپائیے کہ چھپ جائے۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

میں نے کہا کچھ علم نہ تھا کہ کوئی ایسا عمل عقیدہ بھی ہوتا ہے جو چلتے چلتے پڑھا جاتا ہے۔

اس نے کہا آپ نے کبھی مجھ کو سیرے چل قدرتی کی ہے۔

میں نے کہا جناب صبح کے وقت مجھ پر شیطان غالب ہو آتا ہے۔ رات کو نیند آئے نہ آئے۔

مجھ کو وہ تھک تھک کر سلاطنت ہے۔

بہر حال وہ مگر جس میں قدرت رہتا تھا اس کے لیے گھر نہیں تھا۔ گھروالوں کو علم نہ تھا کہ

وہ کون ہے۔

میرا گھر

بجی کبھی میرے گھر بھی آیا کرتا تھا۔

میرے گھر میں صرف وہ افراد اسے جانتے تھے، مانتے تھے، کبھی اور میں۔ میری بیوی شیتلی

ہے۔ شیخ نو مسلم ہیں۔ وہ صرف اللہ کو مانتے ہیں۔ کسی بزرگ پر یا فقیر کو نہیں مانتے۔ بزرگ کو

نہ میری بیوی کے نزدیک بت پرستی کے مترادف ہے۔ کرامت کی بات سن کر وہ حسرت سے ہنس

دیتی ہے۔ عقیدت کا وہ مذاق الماتی ہے۔ اور مجھے کولاف زنی سمجھتی ہے۔

اس قدر بظہار حاکم بڑی شدت سے دکھ رکھا کہ اتوالہ قادیان تیسرے محبوب صراہی اور بول کا دلدادہ تھا۔

بی ایم اڑ نے میری کسی تحریر پر کتبہ چسپی کی تھی۔ غالباً وہ تحریر قدرت اللہ سے متعلق تھی۔ اس نے مجھے ایک خط لکھا کہ جناب آپ بافق الفطرت باتیں کر کے کیوں اپنا وقار اور قارئین کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ ایسے خط مجھے اکثر آیا کرتے تھے۔ جن کا میں نے کبھی جواب نہ دیا تھا۔ پتہ نہیں بی ایم اڑ کے خط کو دیکھ کر مجھے کیوں غصہ آگیا اور میں نے جواب میں لکھا کہ محترم سر! اپنے محلے میں بھونکا اچھا کتا ہے۔ میں اپنے محلے اہلی دنیا میں بھونکا ہوں آپ بھی اپنے محلے صحافت میں بھونکیے۔

میرے خط کو دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا اور مجھ سے ناراض ہو گیا۔
کسی کی پرچی کو دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ اگر اڑ نہ ملتا تو کیا ہو گا۔

حمینہ

بہر اتفاق سے میں نے حمینہ کو دیکھ لیا۔ حمینہ بہت ہی ذہین لڑکی تھی۔ بڑی ایکسٹروورٹ۔ جرات سے بھرپور۔ منہ پھٹنے کا قلیت میں اپنے آپ جیسی۔ باپ کی پرستار، لیکن لوہی نہیں والی۔ محبت کرنے والی، ساتھ ہی فضیل۔ بھانجرا لگنے والا غصہ، وہ تو انورا کر نے والی تھی۔ ہونے والی نہیں۔

یہ تو مشکل پڑ گئی، میں نے سوچا اگر بی ایم اڑ نے انکار کر دیا تو اس لڑکی کو انورا کرنا تو مشکل ہو جائے گا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اڑ کو خط لکھا کہ اگر تم وسعت قلب سے کام لو اور گزشتہ گستاخی کو معاف کر دو تو میں بعد ازہم تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کروں کہ اگر تم میرے بیٹے کی مفتی کو اپنی فرزندگی میں قبول فرماؤ تو یہ میرے لیے باعث اعزاز ہو گا۔

اڑ نے کھلے دل سے معافی دے دی اور کسی حمینہ کی شادی ہو گئی۔ حمینہ پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ لوہی ناگ والی تھی، ولایت اور ایڈنڈ تھی۔ اس نے ہمارے گھر میں آکر شہاب کا تذکرہ غارتوہ سوچنے لگی کہ یہ شہاب کیا شے ہے جو اس گھر پر محبت کی طرح سوار ہے۔ اسے شہاب

میری تین بیٹیاں ہیں۔ سورا، نیلا، شعلہ، بیان کی شادی کے سلسلے میں ذہر دست رکھوئیں آگے ہوئی تھیں۔ میری بیوی ان رکھوئوں کی وجہ سے سخت پریشان تھی۔ پھر بغیر کسی کوشش کے بغیر کسی وجہ کے وہ تمام رکھوئیں باری باری دور ہو گئیں۔ یوں دور ہو گئیں۔ جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس پر میری بیوی حیران رہ گئی، لیکن وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ اس میں شہاب کا ہاتھ تھا۔ میری بیٹیوں کو احساس ہے کہ شہاب نے مدد کی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے پتہ چاہنے اس بات کو تسلیم نہ کیا تھا۔
کبھی کبھی میں جوش عقیدت سے سرشار ہو کر گھر میں شہاب کی بزرگی کی بات کرتا تو میری بیوی میرا مذاق اڑاتی۔

اس کا بے لوب رویہ دیکھ کر میں خوف زدہ ہو جاتا۔ یوں گھر میں شہاب کی بات کرنا میرے لیے ممنوع تھا۔
۱۹۷۲ء میں کبھی کی شادی ہو گئی۔

میں نے کسی کو صاف کہہ رکھا تھا کہ میں حیرے لیے رشتہ تلاش نہیں کروں گا۔ جس لڑکی سے تو شادی کرنا چاہتا ہے اس کا نام اور پتہ ایک پرچی پر لکھ دے۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دے۔ اگر لڑکی والوں نے رشتہ قبول کر لیا تو بہت خوب ہے، کیا تو ہم لڑکی کو انورا کر کے لے آئیں گے۔

بی ایم اڑ

کبھی نے ایک پرچی پر بی ایم اڑ کی بیٹی حمینہ کا نام لکھ دیا۔ بی ایم اڑ کو میں جانتا تھا۔ وہ ایک جانا بچا دانش ور تھا۔ سب سے پہلے ہماری ملاقات اشفاق کے گھر میں ہوئی تھی۔ ان دنوں ہم اسے ڈپٹی کمار کرتے تھے۔

پہلے وہ ڈپٹی تھا۔ پھر کرمنٹ کالج میں اقبالیات پڑھانے لگا۔ یہ پروفیشن بھی اسے جذبہ کر سکا تو وہ انگریزی روزنامہ بی ایم جی میں صفائی بن گیا۔ اس کے کالوں کو ایڈیٹوریل کی دھم چھ گئی۔ پھر سول لیڈ ملٹری گزٹ بند ہو گیا۔ تو وہ تربیل میں پبلک ریلیشنز آفیسر بن گیا۔ تربیل ایک انٹرنیشنل شہر تھا۔ اس شہر میں حمینہ بی بی بیان کی بیوی تھیں۔

بی ایم اڑ کی شخصیت میں تین خصوصیات نمایاں تھیں۔ وہ ایک پڑھا لکھا قلمب آدی تھا۔

اگلی بار دورہ پڑا تو تہینہ نے آدھے دل سے قل پڑنے شروع کیے۔ جوں جوں وہ قل شریف پر ماضی گئی، ٹھنکی کی گردن کی حرکت دم پڑتی گئی۔
تہینہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ آیات ہیں یا جادو ہیں۔
سات آٹھ دن کے بعد ٹھنکی کے دوسرے ختم ہو گئے۔
یوں تہینہ بھی شباب کو بچھ ماننے لگی۔ اس طرح ہمارے گھر میں شباب کو ماننے والے دو کی بجائے ڈھائی ہو گئے۔
پھر بھی ہمارا گھر شباب کے لیے ایک بیگنہ جگہ تھی۔

مروا برہم

آخری چند ایک سال کے دوران داستان سرائے شباب کا گھر بن گیا تھا۔ پاؤں کی بست بڑی میرہ تھی۔ سیری نے خود کو مکمل طور پر شباب کے حوالے کر رکھا تھا۔ اس دور میں پاؤں نے جتنی خدمت شباب کی کی، ٹھنکی اور نے بھی اس کی اتنی خدمت نہیں کی ہو گی۔
جب پاؤں نے مروا برہم کی تحفیف کا اعلان کیا تو میں بہت خوش ہوا کہ کوئی تو ایسے واقعات بیان کرے جن سے شباب ہمارے آخری باب کی تصدیق ہو۔
نئی دی پر پرگرام ہوا تو اشتیاق اچھ نے شباب کی بزرگی کا تذکرہ نہ کیا۔ پاؤں کی مروا برہم اتنی تو محسوس ہوا، جیسے کتاب صرف اس لیے لکھی گئی ہو کہ یہ ثابت کیا جائے کہ شباب سے جتنے قریبی تعلقات پاؤں کے میاں اور اس کے بچوں کی تھے اور کسی کے نہ تھے۔
کتاب پڑھ کر میں سمجھا میں اسے تعجب بھری نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر ٹیلی فون آنے شروع ہو گئے۔

ملحق 'پاؤں نے یہ کیا کیا! اتنی بڑی معنفہ ہوتے ہوئے یہ کیا کیا۔
کیا کیا! میں پریشان۔
اپنے گھر آنے کو بوٹ کرنے کے لیے کتاب لکھ دی۔
کیا مطلب۔

کتاب کہتی ہے کہ قدرت اللہ شباب کے جس قدر قریبی تعلقات علی صاحب اور بچوں

کے نام سے چڑھ گئی۔

پھر چند ایک ماہ کے بعد ایک عجیب حادثہ رونما ہونے لگا۔ ٹھنکی رات کے وقت چارپائی سے اچھٹا پھر کرتا پھر اچھٹا کرتا۔ میں جیسے کوئی اٹھا کر پھر دے مارتا ہوں۔ وہ گھبرا گئی، یہ کیسی بھاری ہے۔ اس نے کمائیں ڈاکٹر کو بلا لاتی ہوں۔ ٹھنکی نے منع کر دیا۔
پھر اس 'اچھٹا کر' نے قل پڑی اور اس کی گردن مڑنے لگی۔ جھٹکا لگا تو گردن بائیں سے دائیں جانب مڑ جاتی۔ پھر جھٹکا لگا تو دائیں سے بائیں جانب مڑ جاتی۔ تہینہ نے ٹھنکی سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ پہلے تو ٹھنکی نے اصل کرتا رہا۔

اسرائیلی چھینے

پھر اس نے تہینہ کو بتایا کہ چیکو سلوڈ یکہ میں ایک شام وہ کمرے میں رہنا بیٹھا پڑھا تھا کہ دروازہ بجلا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک حسین و جمیل عاتون کھڑی تھی۔ وہ از خود اندر داخل ہو گئی۔ کرسی پر بیٹھ گئی۔ بولی میرا نام زہرا ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ دراصل میں اپنی سہیلی کا ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہ لڑکی بائیں کمرے دی اور ساتھ ہی کمرے کی دیوار پر اگلی سے کچھ لکھی رہی۔ ٹھنکی نے کہا وہ بڑی شہزادہ کی بیٹی تھی۔ زہرا کے چالنے کے بعد۔ مجھ پر ایک ڈھالی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں ایک فیض میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ عاتون کے باہر شدت سے برف پڑ رہی تھی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ یہ بڑا بے قصہ ہے۔ ٹھنکی نے کہا اس عاتون سے مجھ پر ایسی کیفیت وارد ہوئی راقی ہیں۔ تہینہ یہ سن کر خوف زدہ ہو گئی۔
میں نے تہینہ سے کہا تو قدرت اللہ کے پاس جا آئے ساری بات سننا شاید وہ مدد کر سکے۔
وہ ٹھنکی میں چلائی۔ قدرت اللہ کیا ڈاکٹر ہے۔ کہ وہ مدد کرے۔ گھ آپ لوگ پڑھ سکتے ہیں۔
کر کیسی باتیں کرتے ہیں۔

افریق سے اسی روز قدرت اللہ ہمارے پاس آگیا۔ تہینہ نے اسے ساری بات بتائی۔
ٹھنکی کا آپ قرآن کریم پڑھی ہوئی ہیں کیا۔

ہاں وہ بول۔
کے لگا جب ٹھنکی پر ایسی کیفیت طاری ہو تو آپ چاروں قل شریف پڑھا کریں۔

سے تھے اور کسی سے نہ تھے۔

یہ ہانگ بج ہے، میں جواب دیتا۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن ملحق اس بات پر کتب تو نہیں لکھی جاتی۔

مجھ میں آج تک اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ ہانگو کو یہ بات بتاؤں۔

محشر رسول نگہی

عفت کی موت کے بعد ایک دم سکوت چھا گیا۔

یوں جیسے بجھڑ چلنے کے بعد ایک دم خاموشی چھا جائے۔ ویرانی بھری، مروئی بھری خاموشی۔

یہ بجھڑ ایک جھٹکے سے رک گیا۔

شاید اس جھٹکے کی وجہ سے بھائی جان بیٹھے بٹھائے آئے، "فلاں" رخصت ہو گئے۔

جب قدرت اور میں بھائی جان کی قبر پر بیٹھے تھے تو میں نے کہا، یہ کیا ہوا، "فلاں"، کسی کو

خبر نہ ہوئی۔

قدرت نے مدغم آواز میں جواب دیا، "میں انہیں خبر تھی۔"

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

ہوا، چند دن پہلے ان سے ملا تھا۔ انہوں نے مجھے انوداع کسی تھی۔ کہنے لگے ہم جا رہے

ہیں۔ ملحق کو خبر نہ دیتا۔ صرف ہمارا سلام پہنچا دیتا۔

ویرانگی، مروئی

اس کے بعد ایک ویرانگی چھا گئی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہے۔ بڑے بھرا ہوا ہے۔

لیکن مجھے یہ پتا نہ چلا تھا کہ وہ کون ہے۔

یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ کسی کام کرنے کے لیے آیا ہے۔

کسی عظیم شخصیت کی آمد کے لیے جگہ بنائے بھیجا گیا ہے کہ جا چاکر دریاں بچھا کر سیاں لگاؤ
ڈانکس سہلہ کے اسے دلالت ملتی ہیں۔ سرزنشیں ہوتی ہیں۔ شرکی طاقتوں کے حکم سے اس کے
گرد چنگوڑیں بھیجے جاتی رہتی ہیں کہ اس کی رول کائیں۔

یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر اندازے لگائے تھے، لیکن مجھے یہ علم
نہ ہو سکا تھا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ میرے شعور کا بند بند کواہی دیا تھا کہ قدرت اللہ کوئی ہے
لیکن کیا ہے کون ہے، کس منصب پر فائز ہے، اس کا مجھے پتہ نہ لگ سکا تھا۔

کوئی لگا لگا کر میں ہار گیا تھا اور پھر میں نے بن لیا تھا کہ وہ پڑا انسان ہے اور بن لینا بھی تو
موت ہے۔

میں نے جانے بغیر اپنی کشتی اس وسیع سمندر میں ڈال دی تھی۔ مجھے علم نہ تھا کہ میں کس
جا رہا ہوں۔ میری منزل کیا ہے۔ بس پانی ہی پانی چاروں طرف پانی ٹھہرا ہوا پانی، نہ بھلا، نہ
حرکت، نہ رخ۔

پیر بھائی

جب وہ سب ساتھ والے کمرے میں چائے پینے کے لئے گئے تو اس نے میری ہانہ پکڑ
لی۔ بولا، بیٹہ جاؤ اس کا قد چھوٹا تھا، جسم لاغر تھا، انداز غیر بزرگانہ تھا۔ انھیں کون کیوں کی طرح
دیکھ رہی تھیں۔ آواز میں رعب تھا۔
میں بیٹہ گیا۔

بولا، تمہیں پتہ ہے کہ ہم اسلام آباد میں کیوں آئے ہیں۔

میں نے سر ہلایا۔

کہنے لگا، تم اپنے جی بھائی سے ملے آئے ہیں۔ صرف اسے دیکھنے کے لیے اس سے ملنے
کے لیے ہم نے کوئٹہ سے اسلام آباد تک اتنا لمبا سفر کیا ہے۔

جیسے تماشاً قسم ہونے کے بعد "دی ایڈ" کی سختی آجاتی ہے۔

جب صفت کی وفات کے بعد قدرت اور تھاتا وہ "وہ قدرت اللہ نہ تھا جس سے ہم واقف
تھے۔ ایک ایسا بڑھا ہوا، جو لاگ لگاتے سے باہر آچکا ہو۔ جسے کچھ ہونے کی پروا نہ رہی ہو۔ کچھ
کرنے کا فکر نہ رہا ہو۔ ایک ایسا کالی جو دریاں بچھا چکا ہو، ڈانکس سہا چکا ہو۔
اپنے کاموں سے فارغ ہو چکا ہو اور اب اپنی صلت کے دن گن رہا ہو۔ اور دعائیں مانگ رہا ہو
کہ انعام بخیر ہو۔

پہلے قدرت اللہ انظریات سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا ہر کام مندر قہد یہاں تک کہ اس کی
عملیات کا انداز بھی مندر قہد خدمت خلق کا تصور مندر قہد اللہ کا تخیل مندر قہد
انظریات کے علاوہ اس میں بے پناہ "فوج" تھی کچھ کرنے کا خاموش عزم۔ وہ ہر وقت
چاکر و چہرہ رہتا تھا۔

وہ ایک دریا تھا جو پہاڑی علاقے میں بہہ رہا تھا۔ گرا پھلتا، جھکے کھاتا، سر ٹھکاتا، چوٹیں
کھاتا، پائے جانے چوٹ کھا کر وہ تادم ہو جاتا تھا۔

صفت کی وفات کے بعد جیسے وہ پہاڑی دریا۔ سمندر میں جا کر لہ سمندر بن گیا۔ نہ بھلا رہا
نہ سمت رہی، نہ حرکت رہی، نہ اچھل رہی، نہ چھلکن۔

شاید اس کا سفر قسم ہو چکا تھا۔ وہ منزل پر پہنچ چکا تھا اور منزل کیا ہے۔ انعام "دی ایڈ"
موت۔

میں بھی وہ ممتاز مفتی نہ تھا جو ۱۹۵۸ء میں پہلی بار قدرت سے ملا تھا۔

پانی ہی پانی

میں نے اتنا کچھ دیکھا تھا، اتنی دیر کر یہ میں لگا رہا تھا، محض کے گھوڑے دوڑائے تھے، پوچھ
کچھ کی تھی، "ایسے اصحاب سے بھی ملا تھا جو جانتے تھے، لیکن میں سب کچھوں کے بلوہ جو کچھ

مجھے نہ پتا تھا۔
مجھے صرف یہ پتہ چلا تھا کہ قدرت اللہ ایک عظیم انسان ہے۔ ہاں وہ تو وہی ہے۔ اللہ کو
کدھوں پر بٹائے پڑا ہے۔ حضور اعلیٰ علیہ السلام کا کوئی ترین نظام ہے۔ بخش دینے والا ہے۔ دیا

کی 'میں نے جواب دیا۔

کتنے 'کا' جنہیں پتہ ہے ہمارا یہ بھائی کون ہے۔

جی نہیں 'میں نے جواب دیا۔

تم ہمارے یہ بھائی ہو 'وہ بولا۔

میں ————— محشر صاحب میرا تو کوئی یہ بھائی نہیں ہے۔ نہ میں کسی کامیہ ہوں۔

ہے 'تمہارا یہ ہے۔ اس نے مجھے ڈانٹا۔

میں نے کہا جناب میں نے کسی کو یہ بتایا ہی نہیں۔

یہ بڑے نہیں جانتے 'وہ بولا۔

آپ کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہیں 'محشر صاحب۔ آپ تو خود بزرگ ہیں۔

کون کتا ہے میں بزرگ ہوں 'وہ بولا۔

میرے دوست مجھے یہاں زبردستی لائے ہیں کتنے تھے 'تو جنہیں ایک بزرگ سے ملا

لائیں۔

سمندر

وہ قریب تر ہو گیا۔ بولا۔ وہ سب احمق ہیں۔ افسوس کیا خبر۔ دیکھئے ہم نے آپ کی کتاب

"ٹیک" پڑھی ہے۔ اس میں ایک فقرے نے ہمیں چٹکا دیا۔ آپ نے لکھا تھا "کاش کہ میں اپنی

کشتی" کی ندی یا دریا میں ڈال دیتا مجھے یہ تو پتہ چلا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ میری منزل کہاں ہے

لیکن میں نے اپنی کشتی سمندر میں ڈال دی۔ اب مجھے پتہ نہیں چلا کہ میری سمت کیا ہے 'میری

منزل کہاں ہے۔ وہ رک گیا 'پھر بولا 'ہمارا بھی یہی حال ہے۔ ہم نے بھی اپنی کشتی سمندر میں

ڈال دی تھی۔ اب نہ کوئی سمت ہے 'نہ منزل 'بس ہمیں سمجھ میں آ گیا کہ تم ہمارے یہ بھائی

ہو۔ اور ہم یہاں صرف اپنے یہ بھائی کی زیارت کرنے آئے ہیں۔

محشر کی بات سن کر میرے ذہن کا لیز اڑ گیا۔

محشر سے ملنے کی مجھے قلعی طور پر خواہش نہیں تھی۔

میرے دوستوں نے زبردستی مجھے افکار کا بازی میں ڈال دیا تھا 'جیسے میں ہمیں کی ایک بوری

ہو یا یہ کہ رات کے آٹھ بجے فور سیکٹرز نے میرے گھر پر دھوا بول دیا۔ سردیوں کے دن

تھے 'میں لفاف میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔

کہنے لگے 'چلو جنہیں ایک بزرگ سے ملا لائیں۔

میں نے کہا 'نہ بھائی مجھے کسی بزرگ سے ملنے کی خواہش نہیں ہے۔

مروا 'یار تو 'تو بزرگوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔

نہ بھائی 'میں نے کہا 'ایک سے ملا ہوں۔ جب سے توبہ کر لی ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

مسود نے قہقہہ لگایا اور وہ چلے گئے۔

محشر کے ہاں پیچھے تو انہوں نے پوچھا۔ دیر سے کیوں آئے۔

وہ بولے 'مضور 'ایک دوست کو ساتھ لانا چاہتے تھے۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا۔

مسود نے کہا 'وہ کتا تھا۔ مجھے محشر۔ ملی انٹرویو ہی بھلی۔

علا بولا 'وہ کتا تھا جب سے ایک بزرگ سے ملا ہوں۔ میں نے توبہ کر لی ہے۔ خدا محفوظ

رکھے۔

محشر نے قہقہہ لگایا۔ بولا 'سیانا معلوم ہو آجے۔ ہم بھی اگر توبہ کر لیتے تو آن پھانسی پر نہ لگے

ہوتے۔

وہ بھی کئی ایک سال سے پھانسی پر لٹکا ہوا ہے۔ مسود نے کہا۔

کیا ہم سے اس کا محشر ہے پوچھا۔

متنازق 'مطلق 'افغانی نے جواب دیا۔

متنازق 'محشر بولے 'اسے تو آواز ہے۔ اسے کو اگر سیدھی طرح سے نہ کیا تو ہم

بلاوا بھی جانتے ہیں۔

اگے دو دو فور مسکینرز پھر آگئے۔ کہنے لگے 'بچہ سیدھی طرح سے چل پڑو نہ محشر

صاحب بلاوا بھی جانتے ہیں۔

رند بزرگ

محشر رسواں مہری ایک رنگ رنگیلا طرح دار رند بزرگ تھا۔ سارے ریڈیو پاکستان میں اس

اس وقت اس پر عجیب کیفیت طاری تھی۔

اس وقت وہ چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔

وہاں پہلا، یعنی لیکن سے حد چاک و چوندہ۔ ذہین، تیز طرار، یوں بیدار جیسے کوئی سپاہی جو ہاروں طرف سے دشمنوں سے گمراہ ہوا۔

بظاہر وہ آرام فرما رہا تھا، لیکن آرام اس سے کوسوں دور تھا۔ اس کی یونی بوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔

اگرچہ اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ تراشی ہوئی۔ مٹی بھر، لیکن ایسے گتھا تھا جیسے بے داڑھی ہو۔ ہاتھ بے اثر۔ نہ وہ عمر کا متحرک تھی نہ معززت نہ بزرگی کا گتھا تھا جیسے منڈوے کی ہو۔ جو ایکڑ لگاتے ہیں۔

اسے دیکھ کر میں نے محسوس کیا جیسے چھوٹے سے نحیف و نزار جسم میں اتنی زیادہ جان ڈال دی گئی ہے کہ سارنا مشکل ہو رہا ہے۔

اسے دیکھ کر مجھ پر خوف سا طاری ہو رہا تھا۔ میں نے خود کو جھنجھوڑاں میں نے کہا مشرقی میں نے آپ کا کیا گاڑا ہے کہ آپ مجھے اسلام آباد بخش رہے ہیں۔

اس نے غصے سے میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا مجھے اقتدار نہیں چاہیے۔ بزرگی کی طلب نہیں۔ میں تو ایک انسان کلاما ہوا ہوں۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بزرگی کی طلب کے بے یولو، ہم بھی تو انسان کے مارے ہوئے ہیں۔

مسعود بولا۔ تم دونوں مرام گزیدہ آپس میں فیصلے کر لو تم تو چلتے ہیں۔

اگلے دن قدرت نے فون کیا کہنے لگا کل رات کہیں گئے ہوئے تھے آپ۔

میں نے کہا اپنے بھائی سے ملنے گیا تھا۔

آپ نے کسی کو بھی بتایا ہے کہ اس نے پھر ملے۔

نہیں، میں نے جواب دیا، وہ کہتا تھا، جی ہائے نہیں جانتے، میں جانتے ہیں اور جو بتائے جاتے ہیں وہ چلتے نہیں۔

بڑی دلچسپ بات ہے، قدرت بولا۔

کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کی کرکٹ کے چرچے تھے۔ جو بھی آتا اسے انگلی لگا کر ساتھ لے جاتا۔ وہ ہر کسی کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔ اس کی محفل ہمہ وقت بھی رہتی تھی۔

ان دنوں وہ سعادت کے گھر میں مہمان تھا۔ بہت سے لوگ اسے ملنے آتے تھے۔ ہر وقت چائے، بکٹ، سموے، کباب پلتے تھے۔ اندر سے کھانے یوں پک کر آتے تھے جیسے اندر بیچ کی جگہ کوئی بوش کا چیف بیٹھا ہو۔

سعادت ایک خوش شکل باریب اور خوش لباس شخص تھا۔ وہ ان دنوں کسی سرکاری کارخانے کا ٹینک ڈائریکٹر تھا۔ اسے دیکھ کر جین میں آتا تھا کہ بڑی فیسری اور کرکٹ کا قائل ہو سکتا ہے، لیکن جس ذوق اور غلوں سے وہ محض اور اس کے دوستوں اور مریدوں کی خدمت میں لگا رہتا تھا، دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

سعادت

میں نے اعلیٰ سے پوچھا، یار یہ دونوں کیا چیزیں ہیں۔

کون سی چیزیں، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، یہ محض اور سعادت۔

کہنے لگا، یہ محض تو کوئی لادینی چیز ہے، اس کا بھید کسی نے نہیں پایا۔ خٹوے اور بزرگ کا مرکب معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ سعادت۔

سعادت نے سی ایس ایس کا امتحان دیا تھا چونکہ بلوچستان سے تھا، پاس ہونا اور سلیکشن میں آنا جتنی قہر لیکن۔ انٹرویو میں غصہ ہو گیا چونکہ بھلا تا تھا۔

اگلے سال سعادت کے باپ نے محض کو انگلی لگائی اور ساتھ لے گیا۔ انٹرویو میں سعادت

بھلا بھول گیا۔ پاس ہو گیا سلیکٹ ہو گیا۔ اسٹنٹ کنٹرولنگ کیا، پوٹینیل ایجنٹ بن گیا۔ اب وہ محض کے گرد بچرے لیتا رہتا ہے۔ کوئی مشکل آئے تو محض کو کون سے پکڑ کر لے آتا ہے۔

اسلام آباد سے رخصت ہونے لگا تو محض نے کہا ملتی ہم نے تجھے اسلام آباد کا چارج دے

دیا۔ جامونگ کر۔

وہ 'نہا تھا تیرا' جو بھی مسند رہے، میرا بھی مسند رہے۔ نہ ہمارا کوئی رخ ہے نہ سمت ہے نہ
خصل۔

وہ کون تھا؟ قدرت نے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ کون تھا؟ میں نے جواب دیا، لیکن وہ مجھے اسلام آباد کا پادشاہ بنا گیا ہے۔ اب
آپ مجھ سے بائیں پلاٹ ہو شیار ہیں۔

چند روز کے بعد چیئر خالی کے لیے میں نے محشر کو ایک خط لکھا کہ وہ اعلیٰ جناب آپ تو
مجھے اسلام آباد کا پادشاہ بنا گئے تھے۔ یہاں کا تو سپاہی بھی مجھے گھورتا ہے۔ مرنے مروڑتا ہے اور
گھورتا ہے۔ کم از کم جانتے ہوئے پولیس کو تو بتا جاتے کہ میں کون ہوں۔

محشر نے جواب دیا۔ آپ بائیں پرست ہیں۔ پرانے خیالات میں جکڑے ہوئے ہیں۔
پرانے زمانے میں پادشاہ حکم کرتے تھے اور رعایا قہقہہ کرتی تھی۔ آج کل لوگ حکم کرتے
ہیں اور پادشاہ قہقہہ کرتا ہے۔

میں نے وہ خط قدرت کو دکھایا وہ مسکرایا۔

بولتا 'جگ کتے ہیں۔ پیلے مرشد آگے آگے چلا تھوڑے مریدوں کا رخ بدلتا تھا۔ گتا ہے' جیسے
اب حکم ہے کہ پیچھے پیچھے چلو اور رخ بدلو۔

چند دنوں کے بعد محشر کی جانب سے ایک کتاب موصول ہوئی۔ عنوان تھا 'شہلو خرمی'۔
دیکھا تو وہ محشر کے مرشد کا تذکرہ تھا۔

شہلو خرمی

اس تذکرے کا پڑھ کر میں حیرت زدہ گیا۔

مجھے ان 'اسلامی کتابوں' سے کوئی دل نہیں جو قلمے بیان کرتی ہیں۔ مسائل پر بحث
کرتی ہیں یا دو مخالف اور ان کے حیرت انگیز اثرات کی بات کرتی ہیں۔

مجھے صرف تذکروں سے دل بہنسی ہے۔

وقت یہ ہے کہ تذکرے سرکار جنابوں کے ہوتے ہیں، اس معرقلوں کے ہوتے ہیں۔
مردوں میں ادرشوات ہوتے ہیں۔ گرائیں ہوئی ہیں اور ان پر احرام کا اتار کاڑھا توام کا

ہونا ہے کہ گتا ہے جیسے صاحب تذکرہ ہم میں سے نہ ہوں، بلکہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتے
ہوں۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا؟ جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

شہلو خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا؟ جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

شہلو خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

تبصرہ

| | |
|-----------|-------------------------------|
| ہم کتاب : | شہلو خرمی۔ |
| مصنف : | محشر رسول محمدی۔ |
| ناشر : | سہیل پبلی کیشنز، کوئٹہ۔ |
| پرنٹر : | پاکستان پریس چینل روڈ، کوئٹہ۔ |
| صفحات : | ۳۵ صفحات۔ |
| قیمت : | دس روپے۔ |

شہار خراسانی ایک تذکرہ ہے۔

کتب کا عنوان بذات خود اس حقیقت کا مظہر ہے کہ یہ تذکرہ دہلی میں بلکہ اس نوع کی دوسری کتابوں سے مختلف اور منفرد ہے۔ مصنف کے ذلویہ نظر اور اسلوب بیان میں سلوکی ہے تکلفی، خلوص اور روانی ہے۔

اس تذکرے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ محشر صاحب نے صاحب تذکرہ اپنے سرکار قبلہ اور خود کے درمیان دہلی احرام کی فک بوس دیوار کھڑی نہیں کی۔ بلکہ جذبہ احرام کو سمیٹ کر اپنے دل کی گمراہیوں کے بند بندہ میں دھپایا لیا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ صاحب تذکرہ قادری کے سامنے ایک انسان کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ ایک ایسا انسان جو ہمارے درود مند پر بیضا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ ہمارے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔ ہمدردی، محبت اور خدمت کے احساسات سے سرشار، مساوات کے جذبے سے پیچھا ہوا۔

محشر صاحب نے اپنی تعریف کا جو بارود چیش کیا ہے وہ بھی منفرد اور اچھوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضور (ﷺ) کی سیرت

”حضور اعلیٰ علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں۔ اگر ہمیں نظر نہیں آتے تو یہ ہماری نگاہوں کا قصور ہے۔“

”جس طرح قدرت نے اپنے آخری رسول کی حیات طیبہ کے ایک ایک لمحے کو تاریخ عالم کے اوراق میں محفوظ کر دیا ہے اسی طرح اس نے یہ اہتمام بھی کر رکھا ہے کہ ہر دود میں ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہیں جن میں رسول مقبول کی سیرت و اخلاق کی مختلف جھلکیاں فروزا فرمائی جائیں۔“

گویا قدرت نے چاہا کہ قیامت تک ہر دود میں آنحضرت کے خلق عظیم کے آئینے چہرہ نگاہی رہیں اور مہمان حق کے پردے میں حضور علیہ السلام کی ایک ایک اوجاز دکھائی دے۔ جس طرح صدیق اکبرؓ میں آنحضرت کے بتلے فاروق اعظمؓ میں آپ کے جلال۔ مثنیٰ فوجؓ میں آپ کی حیاء و استقامت۔ سلمان و ابوذرؓ میں آپ کے فہر و

مشق۔ معصوم میں آپ کے نطق۔ غلامؓ میں آپ کی شجاعت۔ جلالؓ میں آپ کی خوش لوائی۔ زید و حبیبہؓ میں آپ کی استقامت۔ علیؓ میں آپ کی جنت قاصع اور شیرؓ میں آپ کے جذبہ تسلیم و رضا کی جھلک پائی جاتی تھی۔ اسی طرح اس امت میں قہود اولیٰ کے بعد بھی ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نایاب جھلک موجود تھی اور وہ اس کے نور سے اہل عالم پر حق کی چھت قائم کرتے رہے۔“

”اے اللہ والے آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی ہر دود میں موجود رہیں گے تاکہ آنحضرت کی رحمت اللعالمین کی تصدیق ہوتی رہے۔“

”اس کتاب میں امت محمدیہ کی ایک ایسی ہی صاحب دل کیفیت کا ذکر مقصود ہے۔“

ان الفاظ میں مصنف نے گویا (MOHAMMAD HOOD) کا تخیل جھلکایا ہے جس کی جھلکیاں بزرگان دین اور صوفیاء کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ ایک اچھوتا تخیل ہے۔ حرف اول میں مصنف نے حتمی طور پر برکتیں تذکرہ اپنے خاندان کے متعلق ضروری حقائق بیان کر دیے ہیں جو ان کے ذہنی رخسار پر روشنی ڈالتے ہیں اور مصنف کے ذلویہ نظر کو گھنے شبنم سے مدد دیتے ہیں۔

محشر صاحب کے آپا واداد خود ہرگز یہ لوگوں میں سے تھے۔ لہذا طلب حق کی تپ محشر نے درخش میں پائی، لیکن حاشا کی سمت کا تہن کرنا بہت مشکل تھا۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

”چوں کہ آج کل ملت کا دور ہے اور لوگوں کو جان سے زیادہ تن عزیز ہے۔ اس لیے مہمان خدا امت بھی اپنے آپ میں پوشیدہ ہو گئے ہیں۔

جو خون معرفت پہلے سب کے لیے عام تھا اب صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جن کے دلوں میں حق کی حقیقی پیاس ہو۔

امت مسلم کے لیے یہ کس قدر محرومی کا مقام ہے کہ ان ہی فیضان معرفت کے چشمے موجود ہیں، لیکن قدرت نے ان کو اپنی کبریائی کی حصار میں اس طرح چھپا رکھا ہے کہ عوام ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔“

عام طور پر تذکرے میں مروج کے حالات زندگی بیان کیے جاتے ہیں اور کرامت کا ذکر کیا

جانا ہے۔ ساتھ ہی کن کے اقوال زیریں درج ہوتے ہیں۔

کچھ تذکرے ایسے بھی ہیں جن میں حالات زندگی کی نسبت اقوال کو ولایت حاصل ہوئی ہے۔ قوال کی روشنی میں صاحب تذکرہ کا کردار خود بخود ابھرتا ہے۔

اس ضمن کے تذکروں میں تذکرہ غویہ سر فرست ہے۔ ایک روز ارشلو ہوا کہ قوت صاحب تذکرہ کی شخصیت کو اتنی خوب صورتی اور تاثر سے اچا کر کیا گیا ہے کہ قاری اڑ سے بیگ جاتا ہے۔

معرصہ صاحب نے زیر نظر تذکرہ کو ایک نیا اسلوب بخشا ہے۔ صاحب تذکرہ کے حالات زندگی کا ذکر کرتے ہوئے بریکل تذکرہ وہ تصوف کے بڑے بڑے اور اہم مسائل پر تبصرہ کرتے ہیں۔ یہ تبصرے ساری کتب میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں۔ انداز بیان بحث و مباحثہ کا رنگ اختیار نہیں کرتے۔ بڑے بڑے حقائق کو سرسری انداز اور کچھ پھٹکے الفاظ میں لدا کر دیتے ہیں جو قاری پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ افکار و مسائل پر منتقلی کے پادہ و کتب پر پھیل نہیں ہو پاتی۔

مثلاً "مہلوت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"زندگی کے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی فرمائیں برداری کرنے کا اہم مہلوت ہے۔"

عشق

عشق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

"عشق حلت سے ہے۔"

مثلاً تیل ہے جو کسی درخت سے چٹ جائے تو اسے خشک کر دیتی ہے۔

الہام کے نزدیک عشق جنوں کی ایک قسم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ

نے عیبت امتیاد کے باعث اپنے کلام میں عشق کا لفظ استعمال نہیں

فرمایا۔

"قرآن کریم اور احادیث نبوی میں متعدد مقامات پر "حب" کا لفظ

استعمال ہوا ہے جو لفظ تعالیٰ کی اپنے بچے کو اور نیک کار بندوں سے محبت پر اور بندوں کی اپنے مولائے محبت شدید پر دلالت کرتا ہے۔ گویا بندہ اللہ تعالیٰ کا حب بھی ہے اور محبوب بھی۔"

مہلوت اور عشق کے باہمی تعلق کی وضاحت یوں کرتے ہیں:-

"لفظ تعالیٰ کی محبت بھی مہلوت کا ایک فرد ہے۔ عشق کامل کا مضمون مہلوت میں شامل ہے۔ گویا عشق مہلوت کا ایک جزو ہے۔

قرآن اور سنت سے پیچھے نظر آنے عشق الہی کا ایک مجازی تصور پیدا کر لیا ہے جس کا سرخ حقیقی صوفیاء و فقہاء کے ہاں نہیں ملتا ہے۔

اس مجازی تصور سے سکر کو حاصل عشق سمجھا جانے لگا۔ نتیجہ یہ

نکلا کہ جو لوگ اس میں گرفتار ہوئے وہ سکر سے بے حال ہو گئے اور رفتہ

رفتہ مہلوت کے قرآنی مفہوم کو ہوا را کرتے سے معذور ہو گئے۔ ان کی

دیکھا دیکھی غفلت نے شرعی حدود کی پابلی کر دیا۔"

معرصہ صاحب کا اسلوب بیان بہت دل نشین ہے۔ زیر نظر تعقیف میں انہوں نے بڑے اہم مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً کتب کے چند ایک ابواب کے عنوان ملاحظہ ہوں۔ مثلاً "حق" کرالت کا تصور" اعجاز خودی" ایمان پائیب" مقام عبودیت وغیرہ کتب میں کل سترہ ابواب ہیں۔ آخری دو ابواب فقہری سلسلے کے بزرگھان کے بارے میں ہیں۔

آخر میں صاحب تذکرہ کے بارے میں چند کوائف قائل توجہ ہیں:-

آپ کا اسم گرامی محسن الدین شمسو قاد و من مالوف گبرگرمی قاجو مردان سے ذریعہ میل کے فائے ہے۔ واقع ہے۔ میزک پاس کرنے کے بعد آپ نے پولیس میں ملازمت کرنی، لیکن جلدی انہیں پتہ چل گیا کہ فرنگی کی حکومت کے تحت ان سے ایسے فرائض لدا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا رہے گا جو جذبہ حب الوطنی کے منافی ہے۔

لہذا آپ عہدہ پولیس سے مستعفی ہو گئے۔ اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن گئے۔

اس دوران میں آپ سید حسین شاہ قندہر سے فیض حاصل کر چکے تھے لہذا اہل ذمہ

خدمت میں گزار دی۔

اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ یہاں کوئی ذکر خلفائے ہے نہ گدی نشینی نہ دستار بندی نہ کوئی سرکار قبلہ ہیں نہ مریدان خدمت گزار۔ ہمدردی اور خدمت سے سرشار ایک ڈاکٹر ہے جس کا مسلک خدمت خلق ہے۔

محشر صاحب بھی دسی مرید کا کردار ادا نہیں کرتے۔ وہ اپنے سرکار قبلہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں جیسے ان کا پاسی رشتہ دوستی کا ہو۔

”شہداء حسن صورت سے متصف توحائی، لیکن وہ حسن سیرت کا

بھی مالک تھے۔ میں نے پہلی ہی صحبت میں اس کی شخصیت میں بے پناہ

کشف اور ایسی محبوبیت پائی کہ جس کو میں افلاطون میں بیان نہیں کر سکتا۔

یہ محبوبیت حقیقتاً اس لیے تھی کہ وہ خدائی نظر میں محبوب تھے۔

جس کا باعث صرف خلیق خدا کی خدمت کرنا تھا اور اس نے اپنی پوری

کمالی لوگوں کی امداد کرنے پر صرف کر دی۔ ڈاکٹری محض رضائے الہی

کے حصول کا ایک ذریعہ تھی۔“

اپنے پیر و مرشد کے متعلق اس غیر رسمی انداز سے بات کرنا مصنف کی انفرادیت، غلوں اور

دسم خلفائے کے خلاف ایک جہاز ہے۔

محشر صاحب کوئٹہ کے ایک معروف شاعر ہیں۔ آپ کے کلام میں صوفیانہ رنگ ہے۔ آپ

کی طبیعت میں زہد رنگ کے بجائے انداز رندانہ کا رنگ ہے جو ان کے صوفیانہ مسلک کو اچانچ

کا ایک پردہ ہے۔

کتب کی کتب خانہ چمپائی میں کوئی نمائش حاضر نہیں۔ تاہم اس لیے کہ مصنف کا عقیدہ صرف

تعبیر حق ہے۔

یہ تذکرہ چاہہ کر میں نے محسوس کیا کہ واقعی ہم دونوں پر بھائی تھے۔ میرا ہی چاہتا تھا میں

بھی ایک ایسا ہی تذکرہ لکھوں۔ لیکن ہم دونوں کے ستر میں یک فرق تھا۔ محشر ابتدا سے ہی حلیم

و درضا تھا میں شک و شبہات کی دلدل طے کر کے نکلتا تھا۔

پیر خسانہ

در اصل قدرت اللہ اسی روز فوت ہو چکا تھا جس روز اس نے کینسر دہری کے قبرستان

میں نعش کا تابوت لحد میں اتارا تھا۔

اس کے بعد چارہ سال وہ گویا ایک کھنگھڑا تھا جس سے شدہ چہ چکا ہو، ایک دسی بزرگ،

”معمولات“ ”معمولات“ ”معمولات“۔

پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا۔ تہجد پڑھنے کے بعد اسلام آباد کا چکر لگاتا، ساتھ کچھ

پڑھتا، فجر کی نماز کے بعد لیت جاتا، آٹھ نو بجے اٹھ کر ٹیٹھ کر آتا اور پھر دوپہر کے کھانے تک

قرآن کریم کی تلاوت کرتا۔ کھانے کے بعد پھر لیت جاتا، پھر نمازیں، نفل اور پتہ نہیں کیا کیا۔

رضوان شریف کے سینے میں خصوصی مہارت کے لیے قدرت مری میں قیام کرنا تھا۔ مری

میں وہ ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا جس میں محشر سا ملان رکھا ہوا تھا۔ جب بھی خصوصی

مہارت کا موقعہ آتا وہ مری چلا جاتا تھا۔

فقط اللہ ہو

ایک روز میں نے کہا ”شباب صاحب وہ بھٹے پڑے آپ نے ٹوڑھ رکھے تھے“ سب اتر

گئے۔

کئے گا میں سمجھائیں۔

میں نے کہا: وہ دن بھی تھے جب آپ چھپ کر غصے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر میں کسی سے کہہ دیتا کہ آپ بزرگ ہیں تو آپ کو غصہ آتا۔ قبلہ جب میں نے لیک لکھی تھی تو آپ مجھ پر سخت ناراض ہوئے تھے۔ اب آپ تنگ ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اب آپ ایک چھوٹی سی بات پر ایک گھبراہٹ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور جانتے بوجھتے ہیں۔

وہ مسکرایا: ہاں کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ کسی روز میں سرعام بیٹھا ہوں گا میرے سامنے کالی سیڑی کی دوات ہو گی جتنے میں پاس کا کلم ہو گا اور میں تصویر لکھ رہا ہوں گا۔

میں نے کہا: معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اغراض پند نہیں، وہ صرف روائی بزرگ پند کرتے ہیں۔ شب صاحب آپ بنیادی طور پر انتہائی تھے۔ یاد ہے۔

جب کہیں انتخاب ہوتا تھا

قدرت اللہ شب ہوتا تھا

وہ مسکرایا۔

پھر آپ مار کھا کھا کر رات رات پر آگے اور غاص ملایں گئے۔ جب پردے تھے تو آپ اس قدر جذبات نظر آتے تھے کہ اب۔ اب تو ثابت ہو گئے ہیں۔ قضا اللہ ہو گا، اللہ ہو گا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

پابند اور آوارہ

میں نے کہا: آپ مجھ پر ناراض ہو کر آتے تھے کہ میں بات کہہ دیتا ہوں۔ یاد ہے۔

قدرت نے سر زبانت میں ہلایا۔ کئے گا اللہ تعالیٰ کو اختیارے راز پند نہیں۔

میں نے کہا: شب صاحب میں اللہ تعالیٰ میں ہوں۔ میں اس کا ایک حقیر بندہ ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے گن گاؤں۔ چکیاں مار مار کر لوگوں کو بھڑکاؤں کہ وہ کتنا عظیم ہے۔ وہ میرا کتنا خیال رکھتا ہے۔ قدم قدم پر مجھ پر کرم نازل کیا کرتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے عظیم بندوں کی عظمتوں کو بیان کروں۔ ذمہ لیا جاتا ہوں کہ بیان کروں۔ شب صاحب آپ اللہ کے بندے ہیں۔

آپ پابند ہیں۔ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں ایک عام آدمی ہوں۔ آواز ہوں۔

آپ بے شک نہ کہیں، لیکن مجھے کہنے دیجیے۔

وائی ووائی کرنے کے لیے میں کوں گا۔

آپ کے گن میں گاؤں گا۔ آپ کی محنت صرف اس لیے ہے کہ آپ اللہ واسطے ہیں۔

شب ابی سب تعریف اللہ کی ہے صرف اللہ کی، پھر ہم کیوں نہ بولیں۔ کیوں نہ بتائیں۔

کیوں نہ ذمہ لیا جائیں۔

اس روز میں جلال میں تھا۔ پتہ نہیں میں کیا کیا پڑا پڑا اور وہ چپ چاپ سنا رہا۔

چچا

پھر معمولات کی بنا پر قدرت کا چچا ہونے لگا۔

پڑوس میں رہنے والی خاتون ایک روز اپنی جوں بچی کو ساتھ لے کر قدرت کے پاس آگئی۔

کہنے لگی: میری بچی کے لیے دعا کریں۔ اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ کوئی رشتہ نہیں آیا۔

قدرت نے کہا: بی بی آپ اس کی بل ہیں۔ جو دعائیں اپنے بچوں کے لیے کر سکتی ہے کوئی

دوسرا نہیں کر سکتا آپ اللہ کے حضور میں دعا کریں۔ اللہ اللہ قبولیت حاصل ہو گی۔ البتہ آپ

بچی سے کہیں کہ کسی نماز کے بعد یہ کلام اتنی مرتبہ پڑھے۔ خاص وقت پر خاص جگہ پر۔ وقت نہ

بدلے جگہ نہ بدلے۔ نافذ نہ ہو۔

حسن اتفاق کہ دس دن کے اندر اندر اس لڑکی کے لیے رشتہ آگیا۔ بات طے ہو گئی۔

نکاح ہو گیا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

پھر سارے محلے کی باتیں کیوں کہ شب کے گھر کے باہر اکھڑی ہوئیں۔

محلے کے بعد بات سکولوں، کالجوں میں پھیلی۔ ایک میلہ لگ گیا۔

سورانیو نقش

شب کا پرانے گناہ کرنے میں میری اپنی بچی بھی شامل تھی۔ میری معمولی بچی اسلام آباد

نورپور میں ہے۔ اے اے پاس کرنے کے بعد بینک کی دی آئی بی برانچ میں کام کرنے لگی۔ پھر وہ

امریکی ہوا کشتی میں ڈکٹریں بنانے پر مامور ہو گئی۔

چہ سات ماہ کے بعد میرے ایک عزیز دوست فہام جلدھری نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا 'ملتی صاحب آپ قاری ہیں کیا۔

میں نے کہا 'ہاں ہوں۔

بولے 'ہم آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا 'یارے میں کیا میل کلاڑنی کٹھن لگا ہوا ہوں کہ ملنے کے لیے مجھ سے اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔

وہ دھیمی آواز میں بولا 'میرے ایک دوست آپ سے ملنے کے خواہاں ہیں۔ وہ رشتے کے طے میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے دم دم آواز میں جواب دیا 'فہام صاحب میں بڑا محنت ہوں۔ میں نے اپنی اولاد میں یہ پراپے گزار کر رکھا ہے کہ میں بڑا وسیع القلب باپ ہوں۔ اس وجہ سے میں نے زندگی میں بڑی مار کھائی ہے۔ کیا کروں مجبور ہوں اب بدل بھی نہیں سکے۔ اس لیے مجھے اپنی بیٹی سے پوچھنا پڑے گا۔

جب مجھے پتہ چلا کہ جناب نذیر و زلیخا اسی لڑکے کے والد ہیں جس سے نیلو نے وعدہ کر رکھا تھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

میں نے نیلو سے پوچھا 'میں نے کہا تو تو کتنی حقی کے لڑکے کے والد کے حکم کے بغیر گھر میں پتا نہیں مل سکتی ہے پتا کیسے مل گیا۔

بولی 'پتہ نہیں۔

میں نے کہا 'ہم میں کوئی فن سے ملا تھا کیا۔

نہیں تو 'اس نے جواب دیا۔

کیا لڑکے نے باپ سے بات کی تھی۔

اس میں اتنی جرات نہیں ہے۔ اس لیے اس کا لکھن نہیں ہے۔

پھر ————— تو نے کسی سے بات کی تھی کیا۔

بولی 'شباب صاحب کو بتایا تھا اس لیے کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا میں ان سے بات چھانڈ سکتی۔

حیرت اور غصے میں مجھ کو ہوا میں شباب کے پاس چلا گیا۔

ہم لوڑمائل کلاس کے لوگ ہیں۔ لوٹنے رشتوں کے معنی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود کوئی رشتہ نہ آیا۔

لوگوں سے تعلقات پیدا کرنے میں ہم دونوں ہی ٹپل ہیں۔ میں بھی 'میری بیوی بھی۔ انہوں نے کہا 'میری کچھ کرو۔ اشتیاد دو 'کوئی مافی تلاش کرو۔ ہم نے شدت کی کوششیں کیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ چھ سات رشتے آئے۔ میری بیٹی نے پاری پاری سب روجکت کر دیئے۔ اس پر مجھے بڑا غصہ آیا۔ لڑکی مجھ سے مکمل کر بات ہی نہیں کرتی تھی۔

کبیس سے شباب نے یہ بات سن لی۔

ایک روز میری عدم موجودگی میں وہ میری بیٹی سے ملا۔

پوچھا 'آپ کو کوئی رشتہ پسند نہیں آیا کیا۔

جی نہیں 'وہ بولی۔

ابھی نہیں تھے کیا۔

خاصے تھے۔

پھر 'آپ نے ٹاپنڈ کیوں کیے۔

شباب صاحب جی 'وہ بولی 'میں نے ایک لڑکے سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں شادی تم سے کروں گی۔

تو اس سے کر لیجئے شادی 'شباب نے کہا۔

کر نہیں سکتی 'وہ بولی۔

آپ ابو کو ان کے گھر بھیجیں۔

ابو تو چلے جائیں گے 'وہ بولی 'پر 'لڑکے کے ابو نہیں مانیں گے۔ وہ بڑے جبر جگ ہیں۔

جائے جلی کے بیڑ ہیں۔ ان کے حکم کے بغیر گھر میں پتا نہیں چلے۔

وہ خاکدان سے باہر شادی کے خلاف ہیں۔

ایسا تو ان کا جی تھا ہے دروازہ کھول کر 'شباب نے کہا۔

لوں توں 'اس میں اتنی جرات نہیں کہ ابو سے بات کرے۔

قدرت اللہ ہے سن کر گھبرا گیا 'کہنے لگا 'اس طرح تو آپ کی شادی ہو گی ہی نہیں۔

نہ ہو 'وہ بولی 'میں نے وجہ نہ دیا ہے 'شباب جی وہ کیسے توڑوں۔

اس کا کام پر یقین نہ رہے گا۔ لیکن ڈول جائے گا اور اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔
میں نے کہا شاب صاحب آپ پاگل کی کہہ رہے ہیں۔ ہم اسے قادر مطلق تو کہتے ہیں۔
مگر صرف ہونٹوں سے 'دل سے نہیں۔ ہم کہتے ہیں یا اللہ تو کیسا اللہ ہے۔ میں چہ سینے سے
تیرے حضور میں آؤ داری کر رہا ہوں، لیکن تجھ پر اثر ہی نہیں ہوگا۔ وہ میرے اللہ۔ کیا خدا کی
اس طرح کی بات ہے۔

میری بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر بولا 'تو لوگوں کے ایمان کو حیران کرنے کا ہمیں کوئی
حق نہیں ہے۔ یہ سلسلہ ختم کرنا ہوگا۔

میں نے کہا 'شاب کی میں اس مسئلے کا حل تلاش۔

بولے 'نیک'

میں نے کہا 'آپ ایک وعید کر لیں۔ اللہ سے منگوری لے لیں۔

کیسی منگوری 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'آپ اللہ سے التجا کریں کہ یا اللہ میرے در پر صرف اس سائل کو بھیجتا جس کا
کلام تو نے کر دیا ہو۔ میں نے کہا 'دیر کی بات ہے۔ مجھے ایک بابا ملا تھا۔ کتا تھا۔ ہم نے منگوری
لے رکھی ہے۔ ہمارے در پر صرف وہی سائل آتا ہے جس کا کلام ہو جاتا ہو۔

اتحاد ہوا بولا 'تو پھر اس بابے سے خدا کی کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

میں اس کی طنز کو نہ سمجھا 'چہ نہیں' میں نے جواب دیا۔

کلام نہ ہو 'قدرت نے کہا 'تو اس میں ایک غریبی بھی ہوتی ہے کہ سائل کو احساس ہو جاتا
ہے کہ کلام کرنے والا بابا نہیں ہوگا۔ کلام نہیں ہوتا صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

اللہ کا کام

آپ اللہ کی ذات کے وجود کا احساس دلانا چاہتے ہیں 'میں نے کہا۔

بھئی اس کلام میں مصروف ہیں 'وہ بولا 'آپ بھی۔

میں بھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں آپ بھی 'وہ بولا۔

میں نے کہا 'شاب کی کہیں جموت بول رہے ہیں آپ۔ اتنے بڑے بزرگ ہو کر جموت

میں نے کہا 'یہ کیسے کیا آپ نے؟

کیا ہوا؟ اس نے پوچھا۔

نیلو کے رشتے کی بات بھی ہو گئی۔

کلم 'اس نے پوچھا۔

جس کا وہ چاہتی تھی۔

یہ تو ہی خوشی کی بات ہے 'وہ بولا۔

پر یہ کیسے ہوا آپ نے کیا کیا۔

اس نے بات بدل۔ بولا 'اب تو رقم کا فکر کرنا چاہیے شادی کے لیے۔ آپ کے پاس کچھ
پیسے ہیں کیا۔ اگر نہیں تو بے تکلف مجھ سے قرض لے لیں۔ قرض حرام۔

یا اللہ۔ یہ تیرے بندے کیسے انسان ہیں 'میں چلا۔

صرف نیلو کی ہی بات نہیں۔ میری دوسری بیٹیوں سو اور شخص کی شادیوں میں بھی ایسی
ہی رکاوٹیں سامنے آ رہی تھیں۔ وہ سب ایسے ہی حیرت انگیز انداز میں دور ہو گئیں۔

میرج بیورو

نیلو نے اپنی بیٹیوں سے بات کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو چار لڑکیاں میرے مگر آئیں۔ کتنے
گلین 'میں شاب صاحب سے ملاد۔

یا اللہ یہ کیا مصیبت ہے 'میں نے سوچا 'کیا شاب نے میرج بیورو کو مل رکھا ہے۔

اگلی مرتبہ جب میں شاب سے ملا تو میں نے کہا 'کیوں تاہم میرج بیورو کو مل لیں۔ یہ تو
موج ہو گئی۔ ایک ہزار روپے کی فیس رکھ لیں۔ دس برس سن میرا مہل میں آپ کا پانچا بن کر
پراپے کٹر اکروں گا۔ چند مہینوں ہم کر ڈیوٹی ہو جائیں گے۔

وہ مسکرایا۔ بولا 'مطلق صاحب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ سلسلہ بند کر دوں۔

پوچھا۔ وہ کیوں۔

کتنے لاکھ بیٹھے بیٹھے خیل آیا تو میں خوف زدہ ہو گیا۔

کس بات پر۔

مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی لڑکی چہ سینے بلا تھا وہ عید کرتی رہے۔ لیکن مقصود حاصل نہ ہو تو

پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسا ہوتا تھا، لانا ہوتا تھا، جب بھی میں قدرت سے کوئی خاص معلومت حاصل کرنے کے لیے کچھ پوچھتا تو کچھ ٹا کچھ ہو جاتا کوئی ایسی بات کہ ہماری توجہ مبذول پاتی۔

مدیقِ راعی

اس روز مدیقِ راعی اکملہ سلام کرنے کے بعد وہ ایک کونے میں موہنا بیٹھ گیا۔ دیکھی شہادت کے بعد کہنے لگا۔

جب تک وہاں آگیا ہدایات کے مطابق گذشتہ تین سال سے میں دغلیہ پردہ رہا ہوں۔ کبھی غلط نہیں کیا، کبھی بد نہیں بولتا۔ وقت اور احوال میں ہوا اب دوسرا سبق عطا فرمائیے۔ قدرت کچھ دیر غاموش رہا پھر کہنے لگا، میں مدیقِ صاحب ابھی آپ کا سبق کچھ ہے۔ پکا ہو جائے گا تو بات کریں گے۔

مدیق نے کہا، جب وہاں گئے کیسے پتہ چلے گا کہ سبق پکا ہو گیا ہے۔

قدرت نے بیٹے اچھو سے کہا، ہم خود آکر بتائیں گے۔

اسے یہ کیا ہوا، ایک دم قدرت کا اندازہ بدل گیا، لہذا بدل گیا۔ میں سے ہم ہو گیا۔ وہ تو خاص ہی بن گیا۔

شاید مدیق کے علاوہ اور لوگ بھی ہوں، جو قدرت سے سبق پڑھتے ہوں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، صرف مدیق ہی ایسا فرد تھا، جس نے قدرت سے درخواست کی تھی کہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے عطا کیجیے۔

قدرت نے پوچھا تھا، آپ کس مقصد کے لیے پڑھنا چاہتے ہیں۔ میرا کوئی مقصد نہیں، مدیق نے جواب دیا تھا۔

مدیق راعی۔ ایثار راعی کا بھائی ہے۔ وہ جنگ کے رہنے والے ہیں اور قدرت اللہ صاحب کو اس زمانے سے جانتے ہیں جب وہ جنگ کا وہی کشتہ قتل جب وہ ایک موہنی کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ کتا تھا، یہ موہنی نہیں، یہ بھی ڈپٹی کشتہ ہے، فرق یہ تھا کہ یہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

جب علاقے کی کسی دو شیروہ کے گھریب صاحب کی چھڑی نازل ہو جاتی تھی تو قدرت

بولتے ہیں۔ مجھے پتہ ہے۔ میری تحریروں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے علی پور کا ایلی لکھی۔

آپ نے کہا، ”علی پور کا ایلی“ ایک سرکس ہے جس میں ممتاز مفتی ہنر پار کی مشیت رکھتا ہے۔ یاد ہے۔

اس نے سربراہت میں بلا دیا۔

پھر میں نے ”دوغی بنیلے“ لکھی تو آپ کے مدارقی کلمات کیا تھے، یاد ہیں۔

آپ نے کہا تھا ممتاز مفتی۔ پچاس سال سے کہتا ہوں لکھ رہا ہے۔

اتنی محنت اور کوشش کے بعد اس نے کیا ڈسکور کیا۔

عورت۔ بھلاں اللہ کیا ڈسکوری ہے۔

دومن

وہ غاموش بیٹھا رہا۔

میں نے کہا صاحب صاحب میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اللہ کا نام لوں۔ وہ جو میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اس نے قدم قدم پر مجھ پر کرم فرمائیں کی ہیں۔ صاحب صاحب جی میں شکر گزاری کے جذبے سے اس قدر مجرا ہوا ہوں جیسے کوئی پانی سے مجرا ہوتا ہے، لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیسے اس کا نام لوں۔ صاحب جی دلائل دروں کے مجھے میں رہتے ہوئے اس کا نام لینا بڑا مشکل ہے۔ کاش کہ کوئی مجھے سکھادے کہ میں کس طرح اس کا نام لوں۔ ایسے کہ بات پہنچ جائے دونوں میں کب جائے۔ صاحب جی آپ اشتقاق احمد کے اور ذرا ہوں کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں، کرتے ہیں بلکہ آپ اشتقاق احمد مجھ سے زیادہ قابلیت کا مالک ہے۔ اس کی تحریر میں اثر ہے، اس لیے کہ وہ آپ کا دوست ہے، آپ سے قریب تر ہے، لیکن اگر آپ مجھے اختلاف رائے کی اجازت دیں تو کہوں کہ مجھے اس قسم کے مجھے پرانے گٹھ سے اتفاق نہیں ہے۔ ایسے ذرائع تو پڑے لکھوں میں دی لکیشن پیدا کرتے ہیں۔

اشتقاق کتا ہے کہ ”ایسے ذرائع عوام پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ صاحب جی ہمیں عوام پر اثر نہیں ڈالنا وہ تو پہلے ہی اللہ ہو، اللہ ہو سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اثر تو دلائل دروں پر ڈالنا ہے لوہین میگزین۔“

دل آخر وہ دھیری حسن آباد کے رجم ہلے کے ہل جا پہنچا جو سالوں کو اپنے حقے کا پانی پلایا کرتا

ایک روز صدیق نے ہلے سے عرض کی کہ 'حضور مجھے غلاموں کی قبرست میں شامل کر لیجیے۔

رجم ہلے کے کہا تیرے اپنے گھر میں جو بزرگ ہے اس کے پاس جا' دارا دقت کیوں منانے لگا ہے۔

اس پر صدیق پھر شہاب کی خدمت میں حاضر ہو گیا کہنے لگا۔

مجھے رجم ہلے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

شہاب نے کہا 'یہ ہلے بونشی لوگوں کو اپنے سر سے ٹالتے ہیں۔ یہاں کوئی بزرگ نہیں

صدیق نے کہا مجھے کچھ بڑھنے کے لئے عطا کیے۔

شہاب نے بھی ٹالنے کے لیے کچھ بڑھنے کے لیے دے دیا۔

پتہ نہیں کتنے سال وہ ستن پکا تارہا۔ پھر ایک دن جب وہ پڑھ رہا تھا تو ایک آواز سنائی دی یا

ایک ایک احساس ہوا۔ ٹینک ہوئی کہ ستن پکا ہو گیا ہے۔

پھر یہ ستن بادی چلتی رہی، چلتی رہی حتیٰ کہ یہ مقام آگیا کہ قدرت اللہ صدیق کی راہ فرمائی

لے لے گا شہاب کا صدیق کے نام ایک ایترائی خطا خطا خطہ ہوا۔

دلایات

برادر عزیز

اسلام علیکم

خط ملا۔ وہ خلاف میں بھی کبھی دل بھی اور یکسوئی کے ساتھ دل نہ

لگتا ایک قدرتی امر ہے' اسے اصطلاحاً 'قبض' کہتے ہیں۔ اس کا واحد

علاقہ یہ ہے کہ اس کی جانب التفات نہ کیا جائے اور دل لگے یا نہ لگے

کو شش کر کے اپنے معمولات جاری رکھیں۔

رفتہ رفتہ قبض کی حالت بسط میں بدل جاتی ہے

عام طور پر یہ بھی ترقی کا ایک ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے

بلانے دو شیڈز کے گھر جا پہنچا اور پھر صاحب اسے دیکھ کر سر سے سمیت وہاں سے بھاگ جاتے۔

ایک راہی کے قدرت سے اتنے تعلقات تھے۔ شاید اس لیے کہ وہ صحتی تھے۔

ایک روز ایئر نے کہا 'شہاب میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ بچا ہر ملے میں ٹھکر

ہے۔ اسے کوئی اچھی نوکری دلا دیجئے۔

شہاب نے کسی کی مت کر کے صدیق کو نیف ڈک میں لے کر گریڈ کی نوکری دلا دی تھی۔

ٹیک آدمی

صدیق کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ ٹیک آدمی تھا۔ ٹیک آدمی میں یہ غرابی ہوتی

ہے کہ وہ توقع رکھتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی ٹیک ہوں۔ ٹیک نہ ہوں تو اسے غصہ آتا ہے یا کم

از کم دل میں فحشیت پیدا ہوتی ہے۔

سیانے کہتے ہیں اتنے ابلے نہ ہو کہ دوسرے کی نظر آئیں۔ صدیق لگا اچھا تھا کہ وہ کر دو

پیش پکلی ہوئی کرپشن نہ کر سکتا تھا اس کا غصہ بڑھتا تھا۔ اس نے نیف ڈیک میں

ساقیوں اور امروں سے اس پکلی ہوئی کرپشن کے خلاف احتجاج کیا 'چٹا' چٹا اور پتا خرا شٹے

دسے کر گھر آجیٹا

شہاب کو پتہ چلا تو چڑکھ کر صدیق کے لیے جہول میں گڈول تھی وہ ختم ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا

کہ صدیق نوکری کے لیے چاروں طرف بھکاری بن کر گھوما پھرا۔ خواہ وہ نوکری نہ ملی۔

میں قدرت سے جا کر لڑا' میں نے کہا 'شہاب جی آپ بزرگ ہیں۔ غصہ کھانا آپ کا کام

نہیں۔ کمزورت پانا میرا کام ہے' آپ کا نہیں۔ آپ کا کام معاف کرنا ہے۔ آپ جن کے غلام

ہیں وہ مرا سر رمت تھے۔

قدرت نے کہا 'آپ صدیق کو سمجھائیں کہ غصہ نہ کیا کرے۔

میں نے جواب دیا 'شہاب جی میں کیسے سمجھاؤں میں نے تو خود گڑھ کھلیا ہے' کہا تا رہتا ہوں۔

آپ اس کے لئے گڈول پیدا کریں۔ اسے بھڑکائیں۔

پھر صدیق کو ایک چھوٹی نوکری مل گئی، لیکن اس کی نیکی کا تقاضا اور غصہ ویسے ہی رہا۔

پھر پتہ نہیں کیوں اتنے بھولے کے پاس جانے کی لت پڑ گئی۔ کئی ایک بھولے کے در پر پڑا

سلام پھیرنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھ کر ایک تسبیح یہ دعا پڑھیں۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَالِدِينَ

یہ دعا سورہ انبیاء کے پچھنے رکوع میں ۸۹ ویں آیت ہے۔ وہاں پر اچھی طرح دیکھ کر اعراب درست کر لیں۔

ایک تسبیح یہ دعا پڑھنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد پھر ایک تسبیح یہی دعا پھر گیارہ بار درود شریف۔

اسی طرح تیسرا کعبہ کا وقت ہوئے یا عصری کا وقت آنے تک یہی کرتے رہیں۔ پھر اپنے صدق دل سے اولاد کی دعا مانگیں۔

پھر تہجد کے کچھ نفل پڑھ کر صبحی کھائیں اور فجر پڑھ کر سو رہیں۔ اس دعا کی برکت سے حضرت زکریہ علیہ السلام کو سو برس کی عمر

میں فرزند عطا ہوا تھا۔ اگرچہ ان کی اولیہ بھی عاقرہ تھیں۔ ستائیسویں کی شب کو سورہ انبیاء پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ وہی

کچھ پڑھیں جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ یہ خط لٹنے کی اطلاع ضرور دیں۔

امید ہے آپ بعد بیگم خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

نیاز مند
قدرت اللہ شہاب

شاید ایسی ہدایت اور اطلاعات قدرت اللہ کسی اور کو بھی دیتے ہوں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔

محروم خوش قسمت

جہاں تک میرا سوال ہے، میں نے قدرت کو ابتداء ہی میں کہہ دیا تھا کہ شہاب ہی مجھے اس بھینٹ میں نہ ڈالیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ میں استحکام نہیں ہے۔ میں ایک ہلکا فرو

برے خواب آتے ہیں تو آتے رہیں، نہ ان کی طرف دھیان دیں نہ پریشان ہوں۔

آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ دفتری معاملات بھی ملتے ہی رہیں گے۔
ایثار صاحب کو سلام

نیاز مند

قدرت اللہ شہاب

میرا اندازہ ہے کہ صدیق سے قدرت اللہ کی دل دہی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس میں استقامت تھی۔ صدیق نے بھی ناخوش کیا تھا۔ یہ بات قدرت کو بہت پسند تھی۔ اس خوشنودی کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرت ہر سال صدیق کو یلینہ قدرت کی جنگی خبر دیا کرتا تھا۔ مثلاً ذیل کا خط ملاحظہ ہو۔

مری

۱۰ جون ۱۹۷۳ء

عزیز بہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ شعیب گری کے باوجود آپ کے معمولات جاری ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور ان کو بدستور جاری رکھیں۔

یہی آپ کی سب سے بڑی کمائی ہے جس کا اجر انشاء اللہ آپ کو کسی وقت ایسا ملے گا جو آپ کے خواب خیال میں بھی نہیں۔

رمضان المبارک کی ایک سو سو شب کو رات کے گیارہ بجے سے فجر کی نماز تک جاگتے رہیں۔ گیارہ بجے دو رکعت نماز نفل پڑائے تو پڑھیں۔ ہر

رکعت میں تین بار قل ہو اللہ پڑھیں اور تین بار آیت کریمہ بھی پڑھیں۔

۱۔ اصل خط مجھے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXI

ہوں۔ مجھ میں کثافت اٹھانے کی ہمت نہیں۔ آرام طلب ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ بزرگ بننے کی طلب نہیں اگر آپ میں اتنی طاقت ہے تو مجھے ایک اچھا انسان بنا دیں۔ دیا کریں۔

یہ بات میں قدرت کے سامنے مسلسل دہراتا رہا تھا۔

اس کے بلوغت آخری ایام میں وہ میری توجہ کلام کی طرف مبذول کراتا رہا۔ لیکن مجھ میں کلام اپنانے کی توفیق پیدا نہ ہوئی۔

شکر ہے نہ ہوئی ورنہ مجھ پر پابندیاں عائد ہو جاتیں اور میں یہ کوائف آپ کی خدمت میں پیش نہ کر سکتا اور اس عظیم انسان کے لیے ہذبہ شکرگزاری کا اظہار نہ کر سکتا۔ وہ عظیم انسان حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لائق ترین مقام تھا۔

مثیل کے طور پر ذیل کا خلاصہ ملاحظہ ہو جو قدرت نے مجھے مری سے لکھا۔

مری

۲۶-۲۷ جون ۱۸۳۰ء

محترمی ممتاز مفتی

السلام علیکم۔ کل صبح میں آپ کی طرف آنے والا تھا۔ ٹیلی فون پر معلوم ہوا کہ آپ رفیق صاحب سے ملنے پھڑکی گئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہد رفیق صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفا عطا فرمائے۔

نئی اثبات کا رد کرنے کے لیے آپ کے لیے ایک نہایت آسان طریقہ سمجھ میں آیا ہے۔ اس میں نہ کوئی وقت اور نہ کوئی جگہ مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی خاص طریقہ پر بیٹھنا بھی نہیں۔ جس وقت آپ فارغ ہوں۔ فوراً سانس باہر نکالتے ہوئے Exhale

خاموشی سے زبان بلا کر لا لہ کریں۔ اور سانس اندر کی طرف لاتے ہوئے Inhale اسی طرح خاموشی سے زبان بلا کر لا لہ کریں۔ اسی طرح ہر سانس کو Exhale کرتے ہوئے لا لہ اور Inhale کرتے ہوئے لا لہ کرتے رہیں۔ اسے پاس اٹھاس کتے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے لیٹے ہوئے فارغ اوقات میں کرتے رہیں۔ اس کو اس طرح پکائیں کہ یہ بالکل عادت بن جائے۔ ہمیں فرصت ہوئی وہیں سانس کے آنے جلنے میں خود بخود نفی الہی شروع ہو گیا۔ صرف حسل خانے میں حاجت ضروری کے وقت ایسا نہ کیا جائے۔ کچھ لوگ اس میں ایسی مشق بیچ پھیلتے ہیں کہ حسل خانے میں زبان دانتوں تلے دبا کر رکھتے ہیں تاکہ ذکر جاری نہ ہو جائے۔ وضو کی کوئی قید نہیں۔

اگلے بعد تک خوب مشق کریں اور بتائیں کہ کوئی مشکل تو دور پیش نہیں آ رہی۔ اگر اس پر کسی قدر عبور حاصل ہو جائے تو ساری عمر کے لیے سب امور کے لئے کافی ہے۔

والسلام

نیاز مندہ۔ قدرت اللہ شہاب

میں نے چند ایک روز کو مشق بھی کی تھی۔

لیکن جو فیصلہ جیسی کامیابی ہو۔ جس کا ذہن خرافات سے کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ لہذا میری یہ کوشش سب سے لا حاصل ثابت ہوئی۔

حیرت کی بات ہے کہ میری ان کیوں کیوں کے بلوغت قدرت اللہ مجھ سے بایں نہ ہوا۔ اس نے زندگی بھر مجھ پیسے چپاک کھنگار کو گوارا کیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

گنا ہے کہ وہ سمندر تھا۔ جس و خاشاک اور لطافت اسے چپاک نہیں کر سکتے تھے۔

چون واپس باب

مل سے ہم دونوں ایک گلاس میں پڑے ہیں۔ لیکن الگ الگ وہ تیل ہے میں پانی ہوں۔

وہ چہلہ

اشفاق کی شکایتیں کرتا ہوں تو ہاتھ کو دکھ دیتا ہے 'وہ ٹھیسے میں کھتی ہے' کیا یہ غلن صاحب میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں 'اس میں تیسریوں خوبیاں ہیں۔ مجھ - نہ زیادہ خوبیاں کا مالک ہے' پرنس بن کر رہتا ہے 'پانی میں نہتا۔

وہ چہلہ

میں نے کہا 'مجھے آپ سے بھی شکایت ہے کہ تیل کو پانی میں نہ بدل سکے۔

نظر نہ کریں 'وہ بولا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

کب ہو جائے گا۔ آپ نے کھجور کا درخت لگا بھی دیا تو کیا فائدہ۔

صوفی برکت علی

اس نے بات کا رخ بدلا۔ کہنے لگا۔ اگر لاہور میں آپ کو فرصت ملے تو صوفی صاحب کو سلام کر آئیں۔

وہ کون ہیں 'میں نے پوچھا۔

سلاور والے چائیں۔ سب پتہ چل جائے گا۔

میں نے حالی بھرلی۔ جی اچھا۔ لیکن میرا ارادہ نہیں تھا کہ صوفی صاحب کی خدمت میں ماضی دوں۔ مجھے کسی اور بزرگ سے ملنے کی خواہش نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ قدرت پوچھے گا تو تیل دوں گا۔ بہانہ بنالوں گا۔

داستان سرائے میں پہنچا تو عیاشی کا ایسا نشہ آیا کہ صوفی صاحب کی بات ہی ذہن سے نکل گئی۔

رات کو دس بجے فون بجلا اشفاق سے میں فون کے پاس تھا 'چوہا اٹھایا۔ میرے آپ دوست یوسف بول رہے تھے انہوں نے میری آواز پہچان لی۔ بولے 'آپ یہاں ہیں۔

میں نے کہا 'ابھی آیا ہوں۔

بولے 'ملاقات ہونی چاہیے۔

پاکستان

میں نے فون کا چوہا اٹھایا۔ قدرت بول رہا تھا۔

آپ لاہور جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا 'جی جا رہا ہوں۔

کسی کام کے لیے جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا 'کام نہیں۔ عیاشی کرنے جا رہا ہوں۔

کسی عیاشی۔

تیل اور پانی

داستان سرائے میں قیام کرتا بذات خود عیاشی ہے۔ وہی میری ماں ہے۔ وہ مجھے چوہا کھلاتی ہے۔ یعنی ہوئی ماں کی دال۔ مٹی روٹی۔ کڑا ساگ 'جھپٹ سر' شیرے والی کابریں 'ہو ہاتھ سے ہاتھ ہوں گی۔ ہاتھ ہی ہاتھ۔ ہاتھ ہی ہاتھ۔ قدرت اللہ کی باتیں۔ اشفاق کی شکایتیں۔

UrduUrdu.com

اس لیے کہ وہ مجھ سے دل کی بات نہیں کرتے کسی سے دل کی بات نہیں کرتے چاہے

کی کتابیں خرید رہے تھے تو ایک کچھ غلوں آئی۔ بڑی بے تکلفی سے ہمیں ہانپنے لگی۔
کہ آئے نس پاکستان توں۔

میں نے کہا بی بی تجھے کیسے پتہ چلا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں۔

کہنے لگی: توڑے منہ سے جو کھلیا ہوا ہے۔

میں نے پوچھا: وہ کیسے؟

ہولی چلو بازار وچ جا کھڑوئے۔ نس توں لوکل دے منہ کنڈا۔ ہدے منہ تے روٹی ہووے
تے کنڈا ہووے بس جان لو کہ لو 'پاکستانی' اے۔ سلائی تے کچھ وچ نہیں اونڈا۔ حالات
بجڑے 'نے' پر چریاں تے روٹی اے 'بازار وچ روٹی اے' پیسے دی بھر مار اے۔ چڑیاں دی
بھر مار اے۔ سڑکوں تے مونڑاں ای مونڑاں۔ دکلاں وچ مل ای مل۔ سڑاں تے کچھ نہیں
اونڈی اے 'کی' ہو رہا اے۔

میں نے پوچھا بی بی آپ کیا کرتی ہیں۔

ہولی 'میں' انڈیا دی ہو شس آں۔

۱۹۸۶ء میں میں نے پاکستان پر ایک مضمون لکھا تھا جو درج ذیل ہے۔

مملکت خدا داد

اگرچہ پاکستان ایک جمہوریت ملک ہے لیکن بڑا بے ہمار ہے۔ حسین مناعہ سے ملائی 'رنگارنگی' کا
جواب نہیں۔ کسی جانب زرخیز مناظر اور میدان پھیلے ہوئے ہیں کسی جانب پہاڑوں کی سر۔ فلک
چڑیاں سرافٹے کھڑی ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں ہری بھری وادیاں لپٹی ہوئی ہیں۔ چشے
پھوٹ رہے ہیں۔ پھول ہی پھول رنگ رنگے پھول۔ کسی جانب ریت کے صحرا ہیں۔ کسی جانب
شگافاں دیہاتے۔ مناظر کے لحاظ سے پاکستان گوناگوں ہے 'ملائی' ہے۔ یہاں ہر قسم کی آب و ہوا
ملتی ہے۔ ہر قسم کی جانبت 'طرح' طرح کے چمکے پھندے۔

یہ علاقہ بڑا قدیم ہے۔ پتہ نہیں کتنی نہایتیں قائم ہوئیں 'پہلی' پھولیں اور پھر چاہ ہو
گئیں۔ آج بھی یہاں جگہ جگہ ڈھیریاں موجود ہیں۔ جنہیں کھودو تو آثار کی دولت نکل آئے۔
میراثہ انکی ملتی ملتی حلی میں ہیں 'میراثہ' تو وہاں موسیو کیور نیل سے ملا۔

موسیو کیور نیل بین الاقوامی شہرت کا مالک 'آثار قدیمہ' کا ماہر ہے۔ قیام پاکستان کے وقت وہ

میں نے کہا 'ہونی' چاہیے۔

بولے 'لیکن میں تو کل جا رہا ہوں۔

میں نے کہا 'مت چلو۔

کہنے لگا 'جانا ضروری ہے۔

ضروری ہے تو چلو۔

بولے 'ایک صورت ہے۔ میں صبح چلوں گا شام تک واپس آچوں گا کیا ایسا نہیں ہو سکتا
کہ آپ میرے ساتھ چلیں راستے میں کپ شپ رہے گی۔

میں نے پوچھا 'جانا کہاں ہے۔

کہنے لگے 'صوفی برکت علی صاحب کی حاضری دینی ہے' سلاڑ والے۔

میں نے سوچا 'دیکھو کس چالاک کی مجھے پتہ کر دیا گیا ہے۔

اگلے روز ہم کار میں سلاڑ والے جا رہے تھے۔ میرا دوست نور ایک بہت بڑا اہلی 'اسلامی

شاعر عبدالعزیز خان۔

ہم تینوں ہمیں راستے ہوئے سلاڑ والا پہنچ گئے۔

وہاں صوفی صاحب کو دیکھا تو میں حیران ہوا۔ ایک نحیف و زار شخص کوی 'جس میں ایک
من جان ٹھوس رکھی تھی۔ تک کر بیٹھا مشکل ہو رہا تھا اندر خون کی جگہ پارہ
بھرا ہوا ہے۔ اتنی بے چینی نہرسمت کر رہے تھے۔ کہ گرد و پیش سے سمجھا کے اٹھ رہے
تھے۔

بعد کی نماز پڑھانے کے بعد صوفی صاحب نے فرمایا۔

"موتو جان لو کہ ایک ایسا زمانہ آئے والا ہے جب یہ امین لوگوں کی قدم
اٹھانے سے پہلے پاکستان سے پڑھے گی" "کیا میں یہ قدم اٹھاؤں؟" اس
وقت ہم تو رخصت ہو چکے ہوں گے 'اگر ایسا نہ ہوا تو آکر ہماری قبر
تھوکتا۔"

میں تو ششدر رہ گیا۔ پانڈ 'آثار' بڑا جوانی ایک بزرگ کی زبان سے۔

پانڈ 'یہ پاکستان کیا ہے۔ کیوں لوگ اس کی محنت کی باتیں کرتے ہیں۔

جب میں ہجرت ہاتھ لگے لگے کیا قادر و شفیق حسین نور میں ایک دکان سے ہو میو بیٹھی

کاشان تک نہیں رہے گا۔ اس لیے آؤ ہم سب اپنے بچے محفوظ کر لیں۔ اس پر بہت سے مکمل
نے لوک ورثہ کے ادارے بنائے۔ خوش قسمتی سے پاکستان نے بھی لوک ورثہ کا ادارہ قائم کر
لیا۔

پاکستان کے بڑے بڑے شہر بھی اس بچہ کی بھلائی سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس کے علاوہ
فرنگی یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے تو آبپاشی روایت کا بچہ بھی جس کی وجہ سے گورا صاحب
کے جانے کے بعد کلا صاحب نے اس کی گدی سنبھال لی۔ فریکٹ شٹم نہیں ہوئی اس نے
روپ بدل لیا ہے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے شہری علاقوں میں ہماری روایت کمزور
پڑ گئی۔ ہماری مغربی طرز تعلیم نے روایت کو اور بھی کمزور کر دیا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو یہ
احساس ہی نہیں رہا کہ روایت ہی ہماری پہچان ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود حیرت کی بات ہے
کہ پڑھے لکھے شہریوں میں جدیدیت کی گرد کے نیچے اسلامی جذبہ جوں کا توں قائم ہے اور
اگر بعض کے وقت گرد کو جھاک کر دیکھیں تو یہ باہر نکلتا ہے جیسے اللہ دین نے چاندی رگڑ دیا ہو۔
اگرچہ یہ جذبہ عمل سے عہد میں پھر بھی بیک جذبہ ہمارا طرہ امتیاز ہے۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے لیکن جہاں تک ڈیولپمنٹ کا سوال ہے۔ ارباب
انتخاب کے عیش شہری علاقوں کو ترجیح دی ہے۔ لیڈر نظام کی پار آئیں، چکیں مگر جیس لیکن
برے بنیادی تھیں۔

ہماری سیاست کا انداز حیرتی نہیں بلکہ حیرانی ہے۔ ایسے لیڈر ہمیں بہت کم ملے جو ذات کو
قوی منظر پر ترقی کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ہمارے معاشرے کا نظام ابھی تک جاگیر دارانہ
ہے۔ اسلامی یا مغربی جمہوریت سے بے گناہ ہے۔ لہذا ہمارے زیادہ تر لیڈر واپار، ذاتیت کے
ہلک ہیں۔ وہ ملکیت کے دلدل ہیں اور "میں" کے حوالے کے بغیر سوچنے کی صلاحیت نہیں
رکھتے۔ اسی وجہ سے ہم نے اس مملکت کو لڑلو، ایک یا لڑلو کا نعرہ دیا۔

ہمارے بہت سے بھائی روزی کھانے کے لیے ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ حصول روز

یہاں کے آثار قدیمہ کا انکیشز جنرل قلعہ کراچی کا مین زم اسی نے بھلا تھا۔ وہ بھی سے مل کر
بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ اچھا تو پاکستان سے آئے ہو بھی پاکستان کا ہم تو اپنا ہونا چاہتا تھا۔
یہ تمام دراصل سکندر اعظم نے رکھا تھا۔ دیکھئے سندھ کو انڈس کا پانی دیا اور اس سے پھیلے
علاقے کو انڈیا کا۔ موسیٰ نے کہا پاکستان جدید کا علاقہ ہے۔ زندگی کا نشان ہے۔ حرکت برکت
کا علاقہ ہے۔ لوگ آتے رہے جاتے رہے۔ برٹش آئے شیشہ آئے۔ محققین آئے۔ صوفی
آئے سیاح آئے اس سے پچھلا علاقہ تو قائم کا علاقہ تھا۔ قلعہ کراچی کا علاقہ۔

پھر موسیٰ نے بھی سے پچھلا کیا۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان کی اہمیت اور عظمت کا احساس
ہے۔

۱۹۹۸ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی ساڑھے آٹھ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔
سومیں سے ۷۰ مسلمان ہیں سومیں سے ۷۰ دیہات میں رہتے ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے پاکستان
دنیا کے تمام ملکوں میں نویں نمبر پر آتا ہے۔ کئی علاقوں میں آبادی گھٹتی ہے۔ کئی بہت کم آباد
ہیں۔ کس میں ملے کلومیٹر میں ۳۹۰ افراد رہتے ہیں کس میں صرف ۱۰۰ پاکستان پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔
یہاں غور و خوض کا مناسب کم ہے یہ چھوٹی سی تفصیل ملک کے لائق پر پڑا اثر رکھتی ہے۔
پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ہے سندھ، سرحد، بلوچستان اور پنجاب۔

ہر صوبے کا رہن سن اور روایات مختلف ہیں۔ سرحد اور بلوچستان کے بچے ایک دوسرے
سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی طرح سندھ اور پنجاب کے رہن سن میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ پھر یہ
بھی ہے کہ ہر صوبے کے اندر ایسے خطے موجود ہیں جن کا رہن سن اور روایات مختلف ہیں۔
اس طرح میں ثقافت بھی ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ روایات کے اس تغیر میں ایک ہم
آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس ہم آہنگی کا باعث اسلام ہے۔ یوں کچھ نیچے کہ یہ رنگ برنگے پھول ایک
تکے میں پودے ہوئے ہیں اور یہ ناکا اسلام کی روح ہے۔ یہاں اسلام کے لیے جذبہ عام ہے۔
یہ جذبہ جن علاقوں میں طاقتور ہے۔ جنہیں، آج کا، اصلاحی، نے، مہا، قور کا، آج، ر،

Per Capita آگم بڑھتی جا رہی ہے۔ پاکستان کی بین الاقوامی حیثیت بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں جگہ جگہ پاکستان کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ پالیسی یہ بھی کیا ہے؟

ایک طرف اپنی زبان، مادی دوسری جانب خوشحال۔ ہم کائنات پر رہے ہیں پھر پھول کیوں آگ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے دو رخ ہیں۔ ایک تو حقائق کا رخ اور دوسرا پراسرار رخ جو کچھ میں نہیں آتا۔ حیران کن سہی مگر بہت واضح ہے۔ حقائق کے زاویے سے دیکھیں تو

تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دروازے کھلے تو منافع دیکھ کر تاجروں کی آنکھیں پٹ پٹ گئیں۔ وہ منافع کی شرح بڑھاتے گئے۔ ذخیرہ اندوزی کرتے گئے۔ دراصل ابھی تک مسلمانوں کا مزاج کاروباری رنگ میں نہیں رنگا گیا۔ کاروبار میں وہ آج کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ مستقبل بعید کے حوالے سے نہیں سوچتے۔ اس لیے جوتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بڑھتی جا رہی ہیں۔ سرکاری دفاتروں میں رشوت ستانی زوروں پر ہے چھپ چھپ کر نہیں ملانیہ رشوت لی جاتی ہے۔ اور پھر اس کے حصے آپس میں بانٹتے جاتے ہیں۔ رشوت کے پالنے مقرر ہیں۔ رشوت لینا

خبر دی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں مغرب کے ایک معروف ستارہ شمس ایچ آرنیبلر کی ٹی وی روزنامہ نمبروں میں بھی تھی کہ آرنیبلر نے لکھا تھا کہ ہندوستان تقسیم ہو گا مسلمانوں کی محنت قائم ہو گی پھر دونوں ملکوں میں اختلافات دریں گے۔ ان کے اپنی تعلقات ۱۹۹۹ء سے پہلے دوستانہ نہیں ہوں گے۔ ہندو اور دینی انتشار کا شکار ہو جائے گا اور مسلمان دلی تک قابض ہو جائیں گے۔ مغربی ستارہ شمس عرصہ دراز سے پیش گوئی کر رہے ہیں کہ دنیا پر ایک مٹا سن لوہہ خورشیدی نکلور آئے گا ہے اس دور کو وہ انگریزوں کی ایجاد کو کھنڈن میں آگے لگتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا پر عجیب و غریب لوہہ مبارک ستاروں کے کائناتی پشیز آگئے ہو رہے ہیں۔ مسلمان اس دور کو نشاۃ چاہتے تھے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس دور کے آنے سے پہلے ہی صلح برزخوت چلی آئے گی۔

پاکستان کے جو قسمی بھی انہیں غلطو پر پیش گوئیاں کر رہے ہیں۔ ان میں دہلیزدی کے عجم غازی قسبی ہیں۔

اب بیجے قیام پاکستان کی بات۔ قیام پاکستان عجیب حالات میں عمل میں آیا۔ انگریز اس کے حق میں نہ تھے۔ ہندو اس کے خلاف تھے۔ مسلمانوں کی چند تحفیں بھی اس کے حق میں نہ تھیں۔

ایسے حوصلہ شکن حالات میں پاکستان کا قیام ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ قیام پاکستان کے لیے قدرت نے ایک ایسے فرد سے کام لیا جو انگریز فطرت کا مالک تھا جو سیاسی ہیرا پھیری سے بخلاف تھا۔ (جو پاکستانی پھر سے بے گناہ قادیان اسلام سے برائے نام واقفیت رکھتا تھا قائد اعظم میں سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ بلند کردار کے مالک تھے۔ ان کے ہر مقابل گھڑی عملی قیام تھا۔ جو سیاسی ہیرا پھیری میں بہت مشغول تھے۔ سیاسی روش میں بلند کردار کمالی کا فاضل نہیں ہو گا۔ انانیت بڑی رکوت ثابت ہوا ہے۔ لیکن اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے کالہلی عطا کرے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے صورت حال کا جائزہ لیا کہ قائد اعظم کو ایک اسلامی مملکت کا سربراہ بننا ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ قائد اعظم کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیم و بس ضروری ہے۔ وہ قائد سے سمجھتی تھی کہ ان کا مشورہ بن لیا اس کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ساتھی قائد کو اسلامی تعلیم دیتے رہے۔ صوفی صاحب سے ملنے کے بعد لاہور سے

نعمانیوں پاشد ہندوستان پہنچا
حکم بدی کا رائد زلف جلودان
تقسیم ہند گرد و در در حصص ہوا
آشوب و رنج پیدا اذکر ازبلا

ہندوستان کے عجم بزرگ جو حضرت مہاجر کی سے پیام سے چلے جاتے ہیں۔ ان سے مختلف کنکوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ۱۹۸۵ء میں جب ہندوستان میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی تھے فرنگی نے غدار کا نام دیا تھا۔ جو جناب حضرت مہاجر کی سے ایک علاقے پر قبضہ کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ یہ اسلامی حکومت کچھ عرصہ حکم کرتی رہی پھر انگریزوں نے اپنا ٹکڑا ہوا شیرازہ از سر نو بنیاد انگلستان سے اسطی کی کیپ اور لڑی مٹوا لی اور پھر سے کھوٹا ہوا دار قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انہوں نے حضرت مہاجر کی کی اسلامی ریاست کا محاصرہ کر لیا۔ گوکہ پاری کی لور اس پر تسلط تھالیہ حضور مہاجر کی کو گرفتار کر لیا گیا۔

حضرت مہاجر کی کا مسلمان ہند میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ یہی تک کہ غیر مسلم بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ انگریز ڈاکٹر آف تھا کہ حضور کی گرفتاری پر حالات خراب نہ ہو جائیں ساتھ ہی وہ اپنا وقار قائم کرنے کے لیے ضروری سمجھتا تھا کہ ان کی تباہی کرے۔ لہذا انگریز نے حضور کے ہاتھ باندھ دینے اور برصغیر ان کا بلوں نکالنا۔ ایک عجم عظیم سیاح نام مہدوب نے بلوں کا راستہ روک لیا وہ حضور سے خطاب ہو کر بولا۔ دیکھ یہ نہ سمجھو کہ تیری یہ کوشش باطل ہو گئی ہے۔ جو جگہ تو نے بڑا ہے توں سے مل بعد اس میں سے کوئی چھوٹے گی۔ توں سے مل بعد قیام پاکستان عمل میں آیا۔

حضرت مہاجر کی صاحب کے آخری مربی جناب ملحق عبدالعیوب سے جن کا عملی ہی میں اسلام تلوہ میں انتقال ہوا ہے۔ میں چند ایک بار ملاؤں انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ۱۹۸۵ء کی جنگ میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ ان دنوں وہ جوتھے۔

شلہ بری لینیٹ نے کج سے وصال میں سو سال پہلے فرمایا تھا کہ نور پور کے پاس ایک اسلامی شہر آباد ہو گا جو مستقبل میں دنیائے اسلام کا مرکز بنے گا۔

پاکستان کی لہجہ اور مملکت کے بارے میں بزرگان دین نے بار بار تذکرہ کیا ہے۔

صرف بزرگ ہی نہیں، نجومیوں اور جوتھیبوں نے بھی بہت پہلے پاکستان کے قیام کی

والہی: میں حیران ہو رہا تھا کہ باللہ اتنا بزرگ نور۔ اتنا بڑا دھوئی، قدرت اللہ کا تو کہتا ہے کہ دھوئی کرنا بزرگ کا کام نہیں۔

چھوٹا منہ

لاہور سے والہی آیا تو میں سیدھا شلب کی طرف گیا۔
گڈی نے کہا: آج ہاموں کا موڈ آف ہے۔
شلب کا موڈ آف ہو۔ میں، میں نہیں ہانتا، میں نے جواب دیا۔
بچ کتنی ہوں، وہ بولی۔
شلب کا تو موڈ ہوتا ہی نہیں۔ وہ تو ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے، اس میں اچھل نہیں۔
کبھی کبھی چمکتا ضرور ہے۔ لیکن یہ چمکن کسی اور طرح کی ہوتی ہے۔
گڈی بولی، میں ہاموں کو جانتی ہوں۔

گڈی

وہ بچ کتنی تھی۔ وہ قدرت اللہ کی ہمشیرہ کی بیٹی ہے۔ گھر میں صرف گڈی شلب کو جانتی تھی۔

میں نے پوچھا: تجھے کیسے پتہ چلا کہ شلب کا موڈ آف ہے۔
کہنے لگی: کچھ لوگ ملے آئے تھے۔ انہوں نے پاکستان کا ذکر کیا۔ ہاموں کہنے لگے۔ پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ راستے سے بھٹکا ہوا۔ ہم آج تک اسلام آباد

جب میں صدر گمراہ کا نانا لائیں ای با قلم شام کا وقت تھا آپ اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی موجود تھا۔

ایک سال اکلیڈ ٹاپا، وہ تازہ صابز قلعہ بڑی کراری اردو بولتا تھا اس نے اپنی حالت زار کا نقشہ کھینچا تھا۔ رہنے کے لئے مکان نہ تھا کھانے کے لئے روٹی نہ تھی۔ کئی دن مارا مارا پھرتا رہا لیکن ڈکری نہ لی تھی۔ کوئی پرسلن محل نہ تھا۔

شاب صاحب آپ نے اس سال سے بڑی ہمدردی جتائی تھی، اسے حوصلہ دیا تھا، فکر نہ کیجیے اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دیں گے۔ آپ کل دفتر آجائے ایک عرض لکھ لائیے۔ شاید کل ہی ہلت بن جائے۔ حوصلہ نہ ہاریے، آزمائش کے وقت آجائے ہیں۔

جب وہ رخصت ہوئے لگا تو مجھے میں بولا، تم اسے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں یہی آکر۔ لعنت ہو پاکستان پر۔

شاب صاحب یہ سن کر آپ نے جھکی کی طرح کرسی سے اٹھ کر سائل کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا تھا کٹ آؤش۔ یاد ہے۔

شاب صاحب میں نے آپ کے ساتھ میں جھکیں مل گزاریں ہیں۔ اس دوران میں آپ نے صرف ایک آدمی کو قہقہہ مارا ہے۔ اس لیے کہ اس نے پاکستان کو بد دعا دی تھی۔ اس کے بعد ہماری محفل میں جہلی صدر اب نور بن کے لال کار بیٹھے تھے۔ آپ نے ایک وزیر کو گرمیوں سے پکڑا تھا اس لیے کہ پاکستان کا وزیر ہوئے وہ پاکستان کے خلاف تجزیہ کرتا تھا۔ یاد ہے۔

تم تو آپ کے ہاتھ ہیں شاب صاحب جو آپ کہتے ہیں۔ جی ہے، جو آپ کرتے ہیں وہ حق ہے۔ آپ ہی نے ہمارے دلوں میں پاکستان کی اہمیت اور عظمت کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

اور اب آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے حوالے سے بیٹے پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔

شاب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چند روز بعد وہ مری چلا گیا۔ وہ اکثر مہلات کے لیے مری چلا جایا کرتا تھا۔

میں نے کڑے اور جب تک اسلام غلط نہیں ہو گا پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کی اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔ گڈی کہنے لگی، ہاں کی گواہ میں فخر میں تھا لیکن آواز کے پیچھے شدت تھی۔ ناراضگی تھی۔ میں ہاں کے ہٹے کو پچھاتی ہوں۔

گڈی کا کمرہ شب کے کمرے سے ملحق تھا اس روز میں شب کے کمرے میں داخل ہوئے لگا تھا کہ گڈی نے مجھے بلایا تھا۔

کہنے لگی، آج آپ ہاں سے اسیلا کے ساتھ بات کریں۔

شاب کے کمرے میں داخل ہو کر میں نے سلام کیا اور فریاد معمول پڑے لوب سے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

پھر شاب بولا، آپ خاموش ہیں۔ خیریت ہے۔ میں نے کہا، جناب میں اعتیاد برت رہا ہوں اس لیے۔

اس نے سوالیہ نگاہ سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا، جناب گڈی نے مجھے مشورہ دیا ہے کہتی ہے آج اعتیاد سے بات کریں۔

ہاں کاموز آف ہے۔

وہ مسکرایا۔

میں نے کہا گڈی کہتی ہے، کچھ ملاقاتی آئے تھے، انہوں نے پاکستان کی عظمت کی بات پھیر دی۔ جس پر آپ نے انہیں جھڑپا دی۔

ہاں، وہ بولا، لوگ غلط نہیں پھیلاتے ہیں۔ میں نے آپ کا مضمون پڑھا ہے پاکستان پر۔

جی، میں نے کہا۔

آپ بھی غلط نہیں پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

میں نے کہا، شاب صاحب آپ کو ایک بات یاد دلاؤں۔ اجازت ہے۔

شاب نے میری جانب دیکھا۔

ظمانچہ
اس کی بات ہے میں نے کہا، جب آپ مرکزی حکومت کراچی سے پڈی لائے تھے۔

اس کے دس پندرہ دنوں کے بعد کشیا والا بابا کا واقعہ رونما ہوا۔

کُشِیَا وَالْاِیَّیَا

چلتے چلتے میں نے جو سرائکار دیکھا تو راستہ ٹھنوس نظر آیا۔ میں نے اسے اسیبت نہ دی اور چٹا رہا۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھتا گیا توں یہ احساس بڑھتا گیا کہ میں غلطی سے کسی انسانی جانی مرکز پر نکل آیا ہوں۔ میں نے سوچا کوئی راہ گیر ملے تو اس سے پوچھوں کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ کچھ دور سڑک سے ہٹ کر ایک بہت بڑا یادگار قلعہ جس کے قریب ہی عسکری گھوس گھوس کا ایک مجموعہ قلعہ مجموعہ بڑے کے باہر ایک فصیح کھڑا تھا۔ میں نے سوچا اس فصیح سے پوچھ لوں۔ مجموعہ بڑے کے برابر پانچا تو سبھی کی سبھی کی آواز آئی اور سکوتر کے پچھلے پہرے کی ہوا نکل گئی۔ میں نے سکوتر روک لیا۔ کیا اسیبت ہے؟ میں نے سوچا اب قلعہ بڑے فٹ کرنا پڑے گا۔ مشن کو دیکھا تو اس میں بھی ہوا نہیں تھی۔ کیا ہوا گا میں گھبرا گیا۔

میں نے سر اٹھایا تو روہروہی شخص کھڑا تھا جسے میں نے جھونپڑے کے سامنے دیکھا تھا۔

”کیا ہو؟“ اس نے پوچھا۔

"کچھ ہو گیا ہے۔"

”اسے ادھر کھڑا کر دے گا“ وہ بولا۔

”یہ سڑک کدھر کو جاتی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”کہیں بھی نہیں جاتی“ وہ بولا ”لوہر پہاڑی کے نیچے جا کر ختم ہو جاتی ہے۔“

”آس پاس کوئی گھاڑ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

"ہی" وہ بولا "لوہر ایک رکھ ہے۔ وہی سے روزانہ ٹک آتا ہے۔ ٹک آئے گا تو تھے

ہمارے جس حرکت ہوئی اور ایک دہلا پتلا سفید ریش چروہا ہر نکل آیا۔

اٹھتے ہی بولا "تو آگیا۔"

”جی“ میں نے جواب دیا ”میں راستہ بھول کر ادھر آ نکلا ہوں۔“

”ہی“ بڑھا بیڑا۔ ”جب چاہتے ہیں راستے دے دیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں راستہ بند کر دیتے ہیں۔“

میں نے کہا "جی" میرے سکوڑنی ہوا نکل گئی ہے۔ پتھر ہو گیا ہے۔"

"ہی" وہ بولا "ہم خود میں ہوا بھرتے رہتے ہیں۔ ان کا کرم ہو جائے تو ہوا نکل جاتی ہے۔"

پلے تو میں اس کی باتوں پر ہنسنے لگا مگر سوچا کوئی تہذیب ہے جو لائپ شاپ بول رہا ہے۔
 کچھ دیر کے لیے دو چپ رہا پھر دم توڑا میں بولا "تو جو سنتے رہا رہا ہے" کیا تجھے حرم
 اس لیے دیا تھا کہ رہتا ہے؟"

قسم کی بات سن کر میں چرنگ۔ اسے کیسے پڑ چلا کہ میں لکھتا ہوں لیکن بت، بت تو قلم سے نہیں بنائے جاتے۔

دھننا" وہ دھماچڑھش اٹھایا۔ کہیں لگا (کھا) شیشیا ہے پاکستان کی۔ ایک چھوٹا چھٹکی سا
 ایک۔ غریب ملک۔ تین تین میں نہ تھوہ میں۔ "وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا پھر آپ ہی چمچر
 کیا" نور میاں کے لوگ۔ چاروں طرف سے میں میں کی آوازیں آتی ہیں۔ جسکے میں میں کر
 رہے ہیں۔ ————— کھاتے جارہے ہی "اللہ کی اس دی ہوئی دیکھ کو کھاتے جارہے ہیں۔
 افتخار اپنا انوکھوہ بھرے جارہے ہیں۔ اپنی اپنی کوٹھلی میں دانے دانے جارہے ہیں۔ ضرورت
 میں۔ "طبع" خاص طبع۔ دوسرے جارہے بھوکے حرس۔ "ڑے حرس"؛ کوٹھنا بھر جائے گا،

کہ وہ حتیٰ بات کرے۔ وہ قادر مطلق ہے، جو چاہے کرے۔ آخری فیصلہ Oneirdu عندہ ہے۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا، "نہیں تو؟" وہ بولا "میں کوئی جمو نیڑا نہیں۔"

"تو اور مرکب کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں" میں رکھ میں کام کرتا ہوں۔ روزانہ اور سے گزرتا ہوں۔ دو بار۔ میں نے کبھی جمو نیڑا نہیں دیکھا۔"

"میں کل آیا تھا" میں نے کہا "بڑی در اس جمو نیڑے میں بیٹھا رہا تھا۔" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے میں پاگل خانے سے بھوت کر آیا تھا۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب میں نے پاکستان پر مضمون لکھا تھا۔ اسے شائع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔

میں ایک مذہبی مسلمان ہوں۔ میری زندگی محل سے یکسر غلط ہے۔ میری زندگی میں چار ایک ایسے واقعات ہوئے ہیں جنہیں بیت کر مجھے پتا چلا کہ ہماری دنیاوی زندگی کے متوازی ایک روحانی کلام بھی چل رہا ہے۔

لیکن خیالی طور پر میں ایک لویب ہوں، دانشور ہوں۔ میرا وطن شکوک و شبہات سے اٹھ چلا ہے۔ ایسے واقعے سے میں چند ایک روز متاثر ہوتا ہوں، پھر منکر ہو جاتا ہوں۔

چند ایک روز میں سوچتا رہا پھر شکوک و شبہات نے گھیر لیا۔ "سچا؟" شاید میں نے خواب دیکھا ہو یا شاید وہ جمو نیڑا اور وہ یوں صاحب میرے ذہن کی اختراع ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سڑک پر آنے جانے والوں نے وہ جمو نیڑا نہ دیکھا ہو۔ ضرور یہ میرے ذہن کی اختراع ہو گی۔ یوں میں نے خود کو مطمئن اور محفوظ کر لیا۔

پھر دو ایک ماہ کے بعد میں نے اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک مڑا مڑا لافانہ برآمد ہوا۔ اس میں کافہ کا ایک گڑھا تھا، اوپر دسم اللہ لکھی ہوئی تھی۔ بچے لکھا تھا: "کیا وہ بار صبح جاگئے وقت اور گیارہ بار رات سوئے وقت درد کرو۔ اس کے نیچے لکھا تھا: جمو نیڑا مذہبی بات۔"

جب میرے مضامین کا مجموعہ راسم الدین شائع ہوا تو میں نے اپنے مضمون پاکستان میں یہ واقعہ بھی شامل کر دیا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا "آئندہ سے بیٹوں کی باتوں پر قلم نہیں اٹھانا سمجھا؟" اس نے مجھے ڈانٹا۔ پھر دھتے کے بعد دھتے آواز میں بولا "ہم جنہیں دو لفظ دیتے ہیں۔ ان کا درد کرتے رہتے۔ قریب پارے چند کھنڈت سے اس نے کافہ کا ایک گڑھا اٹھایا۔

"میں پاک حالت میں نہیں رہ سکتا" میں نے کہا۔

"کچھ پروا نہیں" وہ بولا۔

"میں غلبی نہیں پا رہ سکتا" میں نے کہا۔

"اچھا" وہ رک گیا۔ پھر بولا "ٹھیک ہے" اور کچھ کھینے لگا کھینے کے بعد اس نے کافہ کا گڑھا ایک پرانے لفافے میں ڈالا اور وہ لفافہ مجھے پکڑا دیا۔ کہنے لگا "کیا وہ مرتبہ صبح اور گیارہ مرتبہ سوتے وقت اس کا درد کیا کر۔ اب تو چاہے اللہ تجھے کبھی کی توفیق عطا کرے۔"

میں اٹھ بیٹھا۔ باہر میرا سکوتر سڑک کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے سکوتر اشارت کیا وہ چل پڑا۔

کچھ دور جا کر دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میرے سکوتر کا پیرہ تو چکر تھا۔ میں سکوتر روک کر بچے اترانے لگا۔ کو دیکھا، ہوا ٹھیک ٹھاک تھی، پھر میں نے شفٹی لگا دیکھا وہ بھی ہوا سے بھری ہوئی تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ مجھ پر حیرت طاری ہو گئی۔ دیر تک اسی عالم میں چلتا رہا، پھر جو ٹکڑا اٹھائی تو دیکھا کہ راست مالوں تھا۔

شک و شبہ

ساری رات میں سوچتا رہا۔ بات سمجھ میں نہ آئی۔ اگلی شام کو میں پھر سکوتر لے کر چل پڑا تاکہ اس سڑک کا پتہ لگاؤں جس پر میں غلطی سے مڑ گیا تھا۔

کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد وہ سڑک مل گئی۔ میں اس پر چل پڑا۔ بڑے درخت کو دیکھ کر مجھے تسلی ہو گئی، لیکن بڑے آس پاس جمو نیڑا دکھائی نہ دیا۔ بڑے نیچے ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ جب وہ فارغ ہوا "تو میں نے پوچھا" میں نے ایک جمو نیڑا تھا۔"

کنویں کا مینڈک

قدرت اللہ مری سے والہیں آیا تو میں کوٹھلے جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔

آپ کو نئے کس سلسلے میں جا رہے ہیں، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا جناب وہاں ایک ادبی محفل ہو رہی ہے انہوں نے بلایا ہے پی آرٹی اے کا۔

کہنے لگا، وہاں کوئی مضمون پڑھیں گے آپ۔

میں نے جواب دیا، "مضمون لکھنے سے تو بہ کر رہی ہے۔"

وہ کیوں؟ اس نے پوچھا۔

بڑی ڈانٹ پڑی ہے شاپ صاحب۔ کہتے ہیں جو تو نہیں جانتا بے حیلیت ہے تو بے حیلیت میں کر رہا۔

میں نے شہاب کو کنیہ والے پایا کا سہارا دیا۔

وہ بڑے غور سے سنتا رہا۔ تفصیلات پر چمکتا رہا، لیکن مجھے ایسا لگتا تھا جیسے اس کی حیرت

میں نے کہا شباب جی ساری فطرت میری ہے۔ میں کہوں کہ میں نے کامیڈک قتلہ ایک دن کو یہی سمندر کامیڈک آگیا۔ کہوں کہ میں نے پوچھا تو کہیں سے آیا ہے۔

وہ بولا 'میں سمندر سے آیا ہوں۔ سمندر بہت بڑا ہوتا ہے۔

کنوئیں کے میزک نے اپنے اندر ہوا بھری۔ پھولا کر پولا کیا سمندر اتنا بڑا ہوتا ہے۔
ر کے میزک نے کہا، نہیں اس سے بہت بڑے کنوئیں کے میزک نے اور ہوا بھری اور

- یہ چھوڑا گیا ہے؟

شباب صلاب کنویں کا مینڈک اپنے اندر ہوا بھر بھر کر پٹا فریٹ گیا۔

میں نے توبہ کر لی ہے۔ شہاب صاحب۔ اس دنیا کے اصول نرالے ہیں۔ جو چاہتا ہے۔ وہ
نہیں۔ جو نہیں۔ عائد اسے کہنے کا حق نہیں۔

Urdynstamm

میر نے کہا شہاب صاحب اس لئے ہلا ہو گئے ہیں کہ مجھے سمجھا ہی تھا کہ

○ کچھ میزک اپنے کویں میں بڑا خوش تھا۔ سمندر کے میزک نے آکر سب قس قس کر دیا۔

مقام

کوئٹہ پہنچے وہیں قلم قبیلہ نے انہیں شاعری کا ایک جیلہ لگا رکھا تھا اس جیلے کی خصوصیت یہ تھی کہ جیلور حتیٰ کہ کچھ سے کچھ انہیں چھلکا تھا۔ جیلور کو انور ساتھ لگم ہو یہ بات میرے لیے نئی تھی۔

لوہیوں کو مختلف ہوتوں میں ٹھہرایا گیا تھا اور میری ہاتھوں کا ایک قافلہ ہر وقت گردش میں رہتا۔ پوچھتا: آپ کا قیام مناسب ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو

میزبانوں کی قافلہ ساز بات کرتی تو منہ سے پھول جھڑتے مسلمان دیکھتا کا دیکھتا رہ جاتا۔ کھن کھولے رکھتا کہ اس گھنٹا رہے۔

گنجی بات یہ ہے کہ مجھے اولیٰ محفل سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ میں تو کونسل سے اسے لے گیا تھا کہ محضرے ملوں گا۔ اس سے چیز غلطی نہ ہے، کہوں گا حال، مگر مجھے کسی عوامی شرکیہ پوشاہت کا، تعلق اسلام آباد میں اپنی دلی خیمہ لگتی۔ وہاں تو صاحب رہتے ہیں، جو حکم چاہنا جانتے ہیں، حکم آتا ہے۔

پہلی فرمت ملی تو میں پوچھتا پوچھتا عشر کے گھر پہنچا۔

میں نے چھوٹے ہی کما عمر صاحب میں تو مارا گیا۔ آپ کے شعر میں آکر لگ گیا۔

۱۰ جماعتگیرین کر بیٹھ گیا، پولا، فریادی۔ پولو کس نے لوٹا۔

میں نے کہا، غل اسی ایک خاتون نے لوجہ

یوں لا کون ہے وہ محترم۔

میں نے کہا: "علیٰ چلو وہ ہمارے میزبانوں کی قافلہ سارا ہے۔"

بولتا 'قریادی کیا حسن کے زور پر لوٹا۔'

میں نے کہا، جناب والا ظاہری حسن نے بھی، لیکن اندر کے حسن نے تو جہاں مچا دی۔ کہتے

سکر کے قاضی صاحب

کئے گا، ہم بھی آجکل قاضی سے ڈرانے لگے بیٹھے ہیں۔

کون قاضی؟ میں نے پوچھا۔

بولاً، سکر کا قاضی۔ تم نہیں جانتے سکر کے قاضی کو۔

میں نے سرنگی میں ہلادیا۔

کئے گا؟ اسے تو سارا کسٹن جانتا ہے۔ سیف الزبیر ہے۔

جو کہتا ہے حکم میں جاتا ہے۔ قاضی خداوند سے ہے۔ بڑا خداوند ہے۔ پتہ نہیں کس کی نظر

لگ گئی۔ کہتے ہیں شہلا باز قدرت کو سلام کرنے گیا تھا۔

انہوں نے کھلے میں بٹھا دیا۔ پادش و صوب سردی سب جرح کیا۔ پھر جب دھوم مچائی تو

لوگوں نے ایک مکان میں جا بیٹھا۔

اب ایک جھوم لگا رہتا ہے۔ ہم بھی باقاعدہ حاضری دیتے ہیں۔ ہم پر خاص نظر ممانعت ہے۔

رات کو جب آخری گاڑی کو سڑک کو آتی ہے تو ہم اجازت کی درخواست کرتے ہیں۔ جوب میں

دو فرماتے ہیں بیٹھے رہو۔ دو گھنٹے ٹھائے رکھتے ہیں۔ گاڑی شیش پر کھڑی رہتی ہے۔

آپ کا انتظار کرتی ہے کیا۔

میں اس نے کہا، ہم کون جانتا ہے۔

تو پھر میں نے پوچھا۔

بس انجین کی کوئی کل بکڑ جاتی ہے۔

منفق جمل تجھے قاضی سے ملائیں، محشر نے کہا۔

میں نے کہا، کبھی بھر کسی اس وقت منسوب نہیں۔

بولاً، کبھی بات۔

کبھی بات میں سے محشر کے منہ پر نبوت بولے۔

مہذب کا نام سن کر میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔

پرانی بات ہے شاید ۱۹۳۰ء کی۔

راجہ شفیق لال بادشاہ کا بڑا شیدائی تھا۔

maern

neurd

ہیں وہ کوئٹہ کے گورنر کی نیگم ہے، لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔ گورنر تو حکم چلا کر پکڑا دیتا ہے۔

ہیں۔ خدمت کرنے پر نہیں۔

وہ کہنے لگا، اس معاملے میں مابہولت کچھ نہیں کر سکتے۔ اس شر کا پچھ اس محترمہ کے

مشق میں سرشار ہے۔ اور علاقے کے بڑے بوڑھے محترمہ کے میاں کے گن گاتے ہیں۔

پہلے کچھ لوگ پھاٹوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ جب ہے یہ آئے ہیں۔ لوگوں نے پھاٹوں

سے اترنا شروع کر دیا ہے۔ دونوں ہی سم قاتل ہیں، کیا میاں کیا نیگم۔ میاں نے غلوں کو رام کرنا

اپنا رکھا ہے۔ نیگم نے جبکہ جبکہ، شر شر بچوں کی انگوٹیاں چلا رکھی ہیں۔ اور یہاں اتنی بڑی لہری

تحکیم قلم قبیلہ چلا رکھی ہے۔

منفق صاحب آپ تو بڑے اندام واحد ہیں۔ بھائی میرے مقام کو کچھ کر مشق لگایا کریں۔

محشر بھی کیا رہند بزرگ تھا۔ جب وہ اسلام آباد آیا تھا تو اس نے مجھے ڈانٹ لگائی۔ کہنے لگا، تو

تو اپنے محسن کا بیوہ لگنے میں یوں لگا ہے جیسے وہ مجرم ہو، نہ بھائی بیوہ نہ لگایا کر۔

تو کیا کروں؟ میں نے پوچھا۔

ہم ایک دیکھ دیتے ہیں تجھے۔ دن میں کسی وقت۔ ایک کوئے میں بیٹھ کر اپنے مرشد کو

سامنے بٹھا لیا کر۔ تصور کے زور پر، پھر ایک سو ایک مرتبہ یہ آیت پڑھا کر۔

کون سی آیت؟ میں نے پوچھا۔

کہنے لگا یہ آیت۔

یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

میری ہنسی نکل گئی۔

بولاً، خسو نہیں میں بے حد متحید ہوں۔

اس روز کوئٹہ میں بھی اس نے بڑی شبیگی سے کہا دیکھ منفق۔ اگر تو کسی محترمہ پر عاشق

ہو جائے تو روز دوبار اس آیت کی ایک شیعہ کیا کر۔

ہوش الہی بظاہر ہے، اگر غائب رکے چلوں کا میل

خود وہ کیا ہو گا انہیں ہوش میں لائے گا

UrduPhoto.com

لال بادشاہ مری کا ایک مہذب تھا۔ سارے علاقے میں اس کی دھوم مچ رہی تھی۔ وہ کھلے میں بیٹھا تھا۔ اس کے گرد سانکوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ایک چھری ہوتی تھی۔

جس سانک پر وہ چھری چلائے وہ سانک خوشی سے پھولے نہ سہا۔ سمجھتا کہ بس اب کام ہو گیا۔ کالیالی ہی کالیالی سارے علاقے میں مشہور تھا کہ جس خوش نصیب پر لال شاہ کی چھری چل گئی اس کی جملہ مشکلات آسان ہو گئیں۔

لال بادشاہ

پتہ نہیں کیسے راجہ نے عفت کو رشامند کر لیا کہ لال شاہ کی خدمت میں حاضری دیں۔ عفت نے شاہ کو بتایا۔ شاہ نے پوچھا کہ لال شاہ مہذب ہیں یا سانگ۔ راجہ نے کہا: پہلے وہ مہذب تھے۔ اب تو سانگ ہیں، سانکوں سے ملنے ہیں۔ ان کے دکھ درد سنتے ہیں۔ پوچھ چمکھ کرتے ہیں۔

ہم نے لال شاہ کے ڈرے پر جانے کا پورا گرام بتا لیا۔ مری سے آگے پتہ نہیں کون سی سڑک پر۔ راجہ بولا: بس یہاں گاڑی روک لیجیے کسی مناسب جگہ پر پارک کر دیجیے۔

ہم سڑک سے نیچے اتر گئے۔ کافی فاصلے سے گرنے کے بعد ایک کھامیدان نظر آیا۔ اس کے پرے سرے پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک جانب لال شاہ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے سانگ ہاتھ دھو کر دھواڑوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سانک بادی بادی شاہ صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اپنی مشکل بیان کرتے، ہم سب چھٹی چھار میں بیٹھ گئے۔

بھرجو میں نے غور سے لال شاہ کی طرف دیکھا تو خوف زدہ ہو گیا۔ ان کے چہرے پر نورانیت کی بجائے کئی کئی تندہ بھری تھی۔ ان کی آنکھوں نے چہرہ صبح کر دکھا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور ایک آنکھ میں پھولا تھا۔

بھرجو میں نے قدرت کی طرف دیکھا تو اس پر گہرا ہت ملاری تھی۔ رنگ بادی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور وہ ایک لمبے ترنگے سانک کے پیچھے دیک کر چمپا بیٹھا تھا۔ منہ روہل سے

UrduDunya.com

کیاں تیرہت میں نے مدھم آواز میں پھل

اس نے ہونٹوں پر اٹھلی رکھ لی۔ پھر سر سے اشارہ کیا کہ میں جا رہا ہوں۔ آپ کچھ دیر کے بعد آجائیں۔

راجہ نے شاہ کو جاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گیا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کی ہانہ پکڑ لی۔

کچھ دیر کے بعد جب میں پہاڑ کی لوٹ میں پہنچا تو دیکھا کہ قدرت ایک چتر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر وہی کیفیت ملاری تھی۔ سانس آکھڑا ہوا۔ رنگ زرد تھا، ارے یہ آپ کو کیا ہوا۔

کنے لگا: انہوں نے ہمیں دیکھا تو نہیں۔

پتہ نہیں میں نے کیا لیکن آپ خوف زدہ کیوں ہیں۔

بولا: اُسے تو اپنا ہوش نہیں۔

اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔

یہ مہذب لوگ بہت طاقتور رہتے ہیں۔ لیکن انہیں سدھ بدھ نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں ان جانے میں کیا کریں۔

کبھی کسی طاقتور مہذب کے پاس نہیں جانا چاہیے۔

مہذویت

میں خود مہذویت سے بہت خائف تھا۔

بھائی جان نے ایک مرتبہ مجھے بھری نگاہ اپنے چھوٹے بیٹے پر ڈالی تھی۔ وہ چار دن شرم میں مہذویت کی حالت میں گھومتا پھرتا تھا۔

مجھے شعور تھا کہ مجھ میں مہذویت کا عنصر موجود ہے۔ اس لیے میں خائف رہتا کہ سامنے اندھ بھل یا بھائی جان کی ایسی نظر نہ پڑ جائے کہ میں کپڑے پہنا کر باہر نکل جاؤں۔

پھر مجھے ڈاک کے ذریعے ایک خط ملا۔ لکھا تھا: شمر ہے مہذویت کا خطرہ، تم کی یاد خط میں نہ لکھتے والے کا نام پتہ درج تھا نہ شمر کا نام۔ لٹاٹے پر جو مرگی ہوئی تھی وہ پڑھی نہیں جاتی

مگر بیچ کر میں نے بڑی کوشش کی کہ یہ بات بھول جاؤں۔

سوچا محشر نے مذاق کیا ہے، اگرچہ محشر کا قاضی صاحب سے میل ملاپ ضرور ہے، لیکن محشر ان کا پالاک نہیں ہے۔ اس لیے محشر کے اس اعلان کو ثابت دینا سراسر حماقت ہے۔

بیزسویہ

پھر اتفاق سے کوئٹہ کا ایک مشہور بہت روزہ پرچہ بیزسویہ لگا گیا۔ یہ ایک خصوصی اشاعت تھی جس میں تمام تر مضامین قاضی صاحب سے جھٹکتے تھے۔

پرچہ پرچہ کر مجھ پر لاؤ سر نو گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

کوئٹہ کے مشہور صحافی محمد جعفر شریف نے بڑا لفظوں میں قاضی صاحب اور محشر کے باہمی تعلق کا وضاحت سے یوں اعلان کیا تھا۔

پہلا قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں کوئٹہ میں ان کے عقیدت مندوں کو پانڈیالی کا شرف محشر صاحب قبلہ کے توسط سے حاصل ہوا تھا۔ گویا محشر صاحب قبلہ کوئٹہ میں ان کے ہاتھ کردہ نماز کے تھے۔ محشر صاحب اس وقت بھی صاحب علی تھے۔

جنہیں وہ مناسب سمجھتے تھے۔ پہلا صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے اور ان کے لیے دعا کی درخواست کرتے۔

پہلا قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچنے کی روایت لاہور ہفتہ وار اخبار ہوا کے محشر نمبر کے لئے انہوں نے اپنے مضمون میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ اس لیے اس کا درجہ مناسب نہیں، قاضی صاحب نے مجھے اپنے حلقہ میں شامل کر لیا تھا اور اس کی اطلاع محشر صاحب کے ذریعے ہوئی۔ غالباً ۱۹۵۲ء کے لاہور میں مجھے محشر صاحب کے ساتھ قبلہ پہلا صاحب کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہونے کا موقع ملا، اس کے بعد مسلسل محشر صاحب قبلہ کے ساتھ اور کبھی محشر صاحب کی اہانت سے پہلا

صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور اپنی ذاتی..... پریشانیوں اور مصائب سے بچنے کے لیے ان کی دعاؤں سے فیضیاب ہوتے رہے۔

یہ مضمون چھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ سیدہ عاقدرت کی طرف بھاگا۔ اسے میں نے سارا قصہ سنایا۔

میری بات سن کر وہ گھبرا گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا، پھر کہنے لگا، آپ کے پاس قاضی صاحب کی کوئی تصویر ہے۔

میں نے کہا، تصویر تو نہیں۔ البتہ بیزسویہ میں ان کا ایک چھپا ہوا ہے۔

وہ لے آئے، وہ بولا۔

میں پرچہ لے کر آیا تو وہ غور سے تصویر دیکھا، پھر کہنے لگا، یہ تو بہت طاقت ور مہذب ہیں۔ بہت طاقتور۔ یہ پرچہ ہمیں رہتے دیں۔ اس پر مجھے اطمینان ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب قدرت اور میں لاہور اشفاق کے ہاں غمرے ہوئے تھے تو مجھے پتہ چلا کہ محشر لاہور آیا ہوا ہے۔ اور سعادت کے گھر گھبرا ہوا ہے۔

سعادت کے گھر کا پتہ لگا کر شاپ اور میں محشر کو ملے گئے۔

محشر کو دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ وہ محشر نہیں تھا جس سے میں واقف تھا۔

ایک نجف و نزار آدمی خلی آٹھوں سے فضا کو گھور رہا تھا۔

شاپ کو دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ لاؤ گزلیا۔

وہ آدمیوں نے بڑھ کر اسے سارا دیا۔ اس کی ناگہم لاؤ گزلا رہی تھیں۔

محشر نے رخصت ہونے کے بعد جب ہم گاڑی میں بیٹھے تو میں نے شاپ سے کہا، یہ وہ محشر نہیں تھا جسے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔

شاپ نے انہیں میں سر ہلایا۔ بولا، لگتا ہے مجھے رخصت ہوتے وقت قاضی صاحب نے اپنی حقارت کی سرور دہری ہے۔ یہ اتنا بد اخلاقی کی سکت نہیں رکھتے۔

کچھ دیر کے بعد خبر لائی کہ محشر کو قلعہ ہو گیا ہے۔

وہ سال وہ چار پائی پر بے حس و حرکت سمیڑی کے عالم میں پڑا رہا۔ پھر فوت ہو گیا۔



سید سرفراز شاہ



۵۶۔ ہومیوپیتھی
۵۷۔ چوٹا اور بڑی
۵۸۔ وفات
۵۹۔ کھنوں، زکھنوں

ہومیوپیتھی

سیانے کہتے ہیں یہ کائنات ایک گھنیرا میزابل ہے۔ گنا ہے جیسے کچھ مضمینیں بھی گائیڈا
میزاکس ہوں جو چلتے چلتے ہے وجہ رخ بدل لیتی ہیں یا رگت بدل لیتی ہیں یا چال بدل لیتی ہیں۔
دنگی سے سرٹ ہو جاتی ہیں یا سرٹ سے پریا۔
میرا دوست مسود قہشی ہے۔ وہ بارہ سگاہ قہلہ سینگ چلا آ تھا۔ بے وجہ اس کے سینگ اٹھ
گئے اور وہ کیوتر کی طرح غرغٹ غوں۔ غرغٹ غوں کرے لگا۔

بھری میں نے مجھے ملی ماراں کے حاجی رفیع الدین کی خدمت میں بیعت کے لیے بھیجا تھا اور میں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا تو حاجی صاحب نے فرمایا تھا 'جاؤ والدہ صاحبہ سے کہہ دو کہ جس بات سے وہ خوف زدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی' واصل اڑے کی 'میریل ہو گی۔ پھر جب واصل چھٹ جائے گی تو انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں گے۔ رخ بدل جائے گا' سب ٹھیک ہو جائے گا اس وقت میں نے سسر بھرا تقصد لگایا تھا۔ ہونہ۔ اچھے لوگ' رخ۔ تقسیم سے بہت پہلے جب میں بی اے کا طالب علم تھا اور ہم لاہور میں شپ شپ لکیت میں رہا کرتے تھے تو میں ایک ہومیو پیتھ سے حصارف ہوا تھا۔

ڈاکٹر ہومیو مسعود

جس گلی میں میں گورویں سے ملے چلایا کرتا تھا وہاں ایک دوکان میں ایک صاحب بیٹھے ہوتے تھے۔ میرے ہند ایک کتابیں پڑی ہوئیں۔ اناری میں ہند ایک شیشیں اور کرسی کے پاس ایک بیگ۔

ان کی شخصیت میں دو باتیں بڑی نمایاں تھیں 'اکہاری' مجر اور خدمت۔ ایک روز میں نے مجھے ملک سے پوچھا 'جو اسی گلی میں رہتے تھے کہ یہ کون صاحب ہیں کیا بیٹے ہیں۔

مجید ملک بولایا 'ڈاکٹر مسعود ہیں۔

میں نے کہا 'ڈاکٹر دیکھتے تو نہیں۔ ڈاکٹر تو منہجہ مردوڑ کر بیٹھے ہیں۔ یہ تو درویش نظر آتے ہیں۔

کہنے لگا 'یہ ہومیو ڈاکٹر ہیں۔

وہ کیا ہوتا ہے۔ ہومیو' میں نے پوچھا۔

کہنے لگا 'ہومیو طبی ایک طریقہ علاج ہے۔ مجھے خود تو علم نہیں کہتے ہیں کہ ہومیو طبی درویشانہ طریقہ علاج ہے۔

پھر تو ڈاکٹر مسعود بڑا موزوں معالجے میں نے سواہ۔

ان دنوں میں نے ڈاکٹر مسعود کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا وہ پہلے ہومیو پیتھ تھے۔ جنہوں نے



ڈاکٹر نقیشت نقی



ڈاکٹر جمالیہ سید شہت امراض خیر

ڈاکٹر شہزادہ سید سید شہت پیر خیر

یہ طریق علاج لاہور میں رائج کیا تھا۔

ہمارے دور میں (اور اب بھی) یہ علاج ہومیو پتھی کا ہے۔

الٹی چرخ

ایسے ہی تقسیم کے بعد اشفاق حسین ہومیو ڈاکٹر محمود کے سامنے سائل کی حیثیت سے
استاذہ قند یہ لاہور کی بات ہے۔

بیٹہ جانو، محمود نے اشفاق حسین کو حکم دیا تھا اور اشفاق حسین بیٹہ گیا تھا۔

وہ آٹھ دن محمود کے عمل کی بچ پر بیٹھا رہا تھا۔

روز محمود مریضوں کو دیکھا، انہیں دو انیکل دتا اور جب عمل کے بند ہونے کا وقت ہوتا تو وہ

اشفاق حسین سے کہتا: اب تم جانو۔ کل آئے۔

آٹھ دن اشفاق حسین محمود کی حاضری دیتا رہا۔

اشفاق حسین ایسے سلوک کا باری نہیں تھا۔ لیکن وہاں بیٹھے پر مجبور تھا۔

اس کی سرپٹ چال بچین لی گئی تھی۔ اسے پیدل کر دیا گیا تھا۔ اس کی طبی جرأت منظور ہو

چکی تھی۔ اس کی جگہ انڈیشن اور خوف نے اس کی شخصیت کو بکڑ لیا تھا۔ اشفاق حسین میرا

لنکوتیہ باری ہے۔

ایلو پتھی نے اشفاق حسین کو بولب دے دیا تھا۔ ان کے پاس اشفاق حسین کے لیے کوئی

دوا نہ تھی۔

اشفاق حسین ایلو پتھی کا دلدادہ تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ایک ڈپٹری بنا رکھی تھی۔

اشفاق حسین نے اس تبدیلی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ نہیں میں جیوں گا۔ ایکسپلر پر پاؤں

رکھ کر جیوں گا۔ بریک کی ایلی کی تھی۔ اسی اسیر پر وہ محمود کے عمل میں آٹھ روز بیٹھا رہا تھا۔

نودیس دن جب محمود عمل بند کرنے لگا تو اس نے اشفاق حسین کو پاس بلایا، پھر سامنے پڑی

ہوئی شیشیوں سے ایک شیشی نکالی۔ ایک خوراک بنائی۔ بولا: منہ کھول۔ اشفاق نے منہ کھولا۔

محمود نے دوا اس کے منہ میں ڈال دی۔ بولا: جا بیٹہ جا! آدھ گھنٹہ اسی بچ پر بیٹھا رہ۔ جو جو کچھ تو

محسوس کرے مجھے بتاتا جا کیجئے۔ میں تجھے انڈر آپزرویشن رکھوں گا۔

آدھ گھنٹہ اشفاق حسین وہاں بیٹھا رہا۔

ہمارے دور میں (اور اب بھی) یہ علاج ہومیو پتھی کا ہے۔
ہمارے دور میں (اور اب بھی) یہ علاج ہومیو پتھی کا ہے۔
ہمارے دور میں (اور اب بھی) یہ علاج ہومیو پتھی کا ہے۔
ہمارے دور میں (اور اب بھی) یہ علاج ہومیو پتھی کا ہے۔
ہمارے دور میں (اور اب بھی) یہ علاج ہومیو پتھی کا ہے۔

ایک روز میں نے دیکھا کہ علامہ اقبال روڈ کی ایک دوکان پر ڈاکٹر مسعود بیٹھے ہیں۔ ظاہر تھا

کہ انہوں نے کئی چھوڑ کر سوک پر اپنا عمل بنالیا تھا۔

ایک روز جب وہ فارغ بیٹھے تھے تو میں ان کے پاس جا بیٹھا۔

میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب یہ ہومیو پتھی کیسا طریق علاج ہے۔

کہنے لگے: یہ ایک فریڈن طریق علاج ہے۔ جو ہمارے ملک میں اور ہمارے مزاج کے لیے

بہت موزوں ہے۔

میں نے کہا: جب آپ گوانڈی کی ایک کھلی میں پرکیش کرتے تھے تو میں نے مجید ملک

سے پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ درویشانہ طریق علاج ہے۔

ہاں، وہ بولے: یہ سچ ہے اس طریق علاج کا مسودہ ایک درویشانہ تھا۔ اس طریق علاج کے

اصول ایسے ہیں جو صرف ایک درویش کو سوجھ سکتے تھے۔

میں نے کہا: آپ میں تو اتنی انکساری ہے، مگر یہ کیا اس طریق علاج کی دین ہے۔

وہ ہنسنے لگے: کوئی بھی طریق علاج ہو۔ معالج میں مجزو انکساری نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔

بات نہیں بنتی کا مطلب: میں نے پوچھا۔

کہنے لگے: معالج شفا بخشا ہے۔ اگر اس میں مجزو انکساری نہ ہو تو وہ خدا بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود سے دو ایک ملاقاتیں ہوئیں اس کے باوجود مجھ میں ہومیو پتھی کو جاننے کی

خواہش پیدا نہ ہوئی۔ اگر اس روز کوئی شخص مجھ سے کہتا کہ ایک دن ایسا آئے گا جب تو ہومیو

پتھی کا بہت بڑا پھارک ہو گا تو میں قہقہہ مار کر خس دیتا۔

چند ایک سال بعد وہ دن آیا جب گورے ڈاکٹروں نے مجھے ہر ملاکہ دیا تھا کہ تمہاری بیوی

اندھ کر گئی ہے اور وہ چند روز کی صحت سے لور میں تھا۔ اور حیانے کے ڈاکٹر محمود کے پاس چلا

گیا اور محمود کی ایک پیوٹ نے میری بیوی کو صحت عطا کر دی تھی۔ اس وقت مجھے علم نہ تھا کہ محمود

Oneurdu.com
 ایک جنون طاری ہے۔ ہم انہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں مگر وہیں پر اثر ہی نہیں ہوتا۔

ایک روز میں نے زیدی سے کہا: ڈاکٹر صاحب اگر کوئی مریض پیالے میں دہلی ڈال کر اس میں سے چنی اٹھالے تو۔

تو کیا وہ پولا اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔ ہمارا کام حالت دہلی ہی تو ہے۔ چاہے کوئی دے دے یا چنی اٹھالے کیا فرق پڑتا ہے۔

زیدی کا خدمت خلق کا جذبہ دیکھ کر مجھے اس سے لگاؤ پیدا ہو گیا اور میں انکو اس کے پاس بایستہ۔

بھر میں نے دیکھا کہ فوجی افسر اس کے پاس آتے تھے۔ سلطنت مار کر کتنے جناب ہمیں سی ایم ایچ سے جا بٹ موصول ہوئی ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری دیں۔

سی ایم ایچ سے دو تیاروں کے مریض آیا کرتے تھے۔ ایک تو چھری کے زور سے دوسرے لاروا کے۔

میں نے ایک دن پوچھا: زیدی جی سی ایم ایچ سے مریض آپ کی طرف کیوں بھیجے جاتے ہیں۔

کتنے لگا: اس لیے کہ دو امراض کا حقیقی علاج ہمارے پاس موجود ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی وہ دل زور گردے کے مریض بھی دیکھ کر کیا کریں گے۔

ابتدائی ایام میں جب میں زیدی سے ملتا تھا تو اس کی ٹانگ پر ایک ہاتھ کی تیلی لپٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

میں نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے۔

پولا: ٹانگ سے ایک کیرا نکل رہا ہے اسے لاروا کہتے ہیں۔ اسے میں ہاتھ کی تیلی پر لپٹا دیتا ہوں۔ روز کو تھوڑا بچ لگتا ہے۔ اگر یہ سارا نکل آیا تو پھر اس مرض کی آکسیر دوا دیں جائے گی۔

اور اگر ٹوٹ گیا تو میں سے پوچھ لیا۔

ٹوٹ گیا تو اپنی رخصتی ہو جائے گی۔ یہ مرض منگ ہے۔

پھر تو یہ پراسیسس معطل ہے۔

آدھ گھنٹہ محمود اس پر لگاؤں بنائے بیٹا رہا۔
 کیا ہوا؟ محمود نے آدھے گھنٹے کے بعد پوچھا۔

اشفاق حسین نے سرنگی میں بلا دیا پولا: کچھ بھی نہیں ہوا۔

کچھ بھی نہیں ہوا؟ محمود حیرت سے منہ میں گرہاں چاڑھ پاتا۔ گٹ آؤٹ۔ تمہارے اندر کوئی ایڑی چنی گئی ہوئی ہے؟ جو دو کا کام کرنے نہیں دیتی۔ دو کا سبب اثر کر دیتی ہے۔ چاڑھ بھر یہاں سے تھک۔ ہمارا وقت ضائع نہ کرنا۔

اشفاق حسین: محمود اور ہومیو پتھی کو کانٹا نہیں دیتا ہوا مگر آجیلا

اس وقت اسے علم نہ تھا کہ ایک روز وہ اپنے ہومیو پتھی میں بیٹھا ہو گا۔ اور اس کے گرد مریضوں کی بڑی گئی ہوگی۔ اسے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ لوگوں میں شفا پانے کا، نہیں خود شفا سے محروم رہے گا۔ اور اس کے اندر بھی ہوئی چنی جوں کی توں اٹنی چلتی رہے گی جو دوا کو اندر جاتے نہیں دے گی۔

ہومیو پتھی سے باغی ہو کر اشفاق حسین واپس ایلا پتھی میں چلا گیا۔ ایلا پتھی کے مطلق اس کا علم اور تجربہ وسیع تھا: جوانی میں ہی اس نے ایمن ایڈوائس گھر میں ایک انجمنی ڈپنٹری کھول رکھی تھی۔ گاؤں میں کسی کو تکلیف ہوئی تو وہ اشفاق حسین کی ڈپنٹری میں آ جاتا۔ وہاں دوا سنت ملتی تھی۔

زیدی

پھر جب ہم کرشن نگر کے لولی لان میں مقیم تھے تو اتفاقاً زیدی سے ملاقات ہو گئی۔ زیدی ایک ہومیو پتھ تھا۔ اس نے گھر میں ہی مکمل کھول رکھا تھا۔

زیدی بہت بڑا تھا۔ کسی کام کاغ کے قتل نہ تھا۔ ہاتھ کا پتہ نہ تھا۔ آنکھوں میں پٹائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور گرد ایک دھندلا سا چھپلا رہتا تھا۔ اسے پیرہ کمانے سے دلچسپی نہ تھی۔ اس نے میز پر ایک پیالہ رکھا ہوا: جس میں ہر مریض دو آدھے ڈال دیتا تھا۔ اس کے گھروالے زیدی کے اس فعل پر بہت برہم تھے۔ کہتے تھے: وہ بڑا صاحب نے یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے۔ سارا دن مریض کھڑے کپے رتے ہیں۔ پڑیاں ہاتھ سے رتے ہیں۔ آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے۔



وہ ہنسا ہوا، میں ہم نے تو اب جاننا ہی ہے۔ آج میں تو کل۔ کچھ لو ہم کو یاد ہے۔

پیشے میں انکار کر رہے ہیں کہ کب گاڑی آئے۔

کتنے پتے کیسے پٹے گا کہ شخصیت پر اثر ہوا ہے۔

کنے کا آپ خود آکر رپورٹ کریں گے۔

meern

پوالہ سسٹم روحانی سسٹم معلوم ہوتا ہے۔

آپ کس بنا پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

© Oneurdu.com

ہو میو شمشکی کے اس الجاز کو دیکھ کر بھی مجھے ہو میو شمشکی کو جاننے کی خواہش

meern neurd.com

زندگی میں میں نے ہومیو پتھی کے پوسے پوسے مجھے دیکھے تھے، لیکن اس سسٹر کو جاننے کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی، لیکن اس چھوٹی سی بات نے میرے دل میں ہومیو پتھی کو جاننے کا جنون پیدا کر دیا۔ جن دنوں میں ہومیو پتھی پڑھ رہا تھا، اشفاق حسین کراچی سے اسلام آباد آیا۔ اشفاق حسین میرا پرانا یار تھا۔

اپنا اپنا محلہ

اگرچہ ہم دونوں اکٹھے نہیں رہے تھے، لیکن اشفاق حسین سے میرا رابطہ نہیں ٹوٹا تھا۔ جب میں نیا نیا پنڈی آیا تھا تو اشفاق حسین کیسٹ پور کے کورسٹ کالج میں پیکچر تھا اس کی طبیعت میں وہی رعینہ تھی، وہی ایڈیٹر تھا، وہی باتوں کی پہلوئیاں تھیں اور وہی موسیقی کی نگہیں ان کے علاوہ وہ سپورٹس میں بن چکا تھا۔ کالج میں ٹینس کا بہترین کھلاڑی تھا۔ مگر میں

اشفاق حسین ایمن آباد کے شیون میں سے ہے۔ تقسیم کے بعد سارے شیخ کراچی چلے گئے تھے اور انہوں نے چند ایک سال میں کراچی کا آٹوموبائل سے متعلقہ بزنس اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور وہ سب کچھ جیتی ہو گئے تھے۔

اشفاق حسین کو روپیہ جوڑنے سے نہیں بلکہ خرچ کرنے سے دلچسپی تھی اور جسے روپیہ جوڑنے سے دلچسپی نہ ہو وہ بزنس میں نہیں بن سکتا۔

غالباً وہ کراچی اس لیے چلا گیا کہ وہ پروفیسری میں مغلیہ ٹھانڈے سے نہیں رہ سکتا تھا اور مغلیہ ٹھانڈے سے زندگی بسر کرنا اس کی واحد آرزو تھی۔

بہر حال بزنس میں اس نے کئی پاپے پیلے روپیہ بھی کمایا۔ مگر اس کام میں اس کا جی نہ لگا۔ پھر اسے چھوٹا بخار رہنے لگا۔ آٹھ دس ماہ اس نے کراچی کے تمام سپیشلسٹ چھان مارے،

meern

میں نے کہا 'ہتھیار ڈال دینا تو ہر حلیم کر لیا ہے۔
 بالکل 'قدرت بولا' عام باتوں میں ہتھیار ڈال دینا کثرت ہوتی ہے لیکن کثرت کے ساتھ ساتھ
 میں ہتھیار ڈالنا فتح ہوتی ہے۔ ہتھیار ڈال دو اور جیت پاؤ، سبھی ہو چلا۔

قدرت اللہ کا یہی فلسفہ تھا جس پر وہ زندگی بھر محال رہا کہ ہتھیار ڈال دو۔ بچے دل سے
 ہتھیار ڈال دو۔ ہار چلا بچے دل سے ہار چلا۔ کوئی بحث کرے تو بولا "بحث نہ کرو" بات نہ بڑھاؤ۔

اس کی بات مان لو۔ کوئی الزام دھرے تو اسے حلیم کر لو اپنی پوزیشن صاف نہ کرو۔ مان جائے
 میں ہراسکا ہے اور کچھ جیت کا دوسرا نام ہے قدرت اللہ کہتا تھا "دوسروں کو کچھ پہنچاؤ گے تو"
 آپ خود بخود سبھی ہو چلا۔ مفت میں۔

شدت

قدرت کا فلسفہ نہ اشفاق حسین اپنا سکا تھا نہ میں۔ اشفاق حسین کے راستے میں میں مائل
 تھی۔ میرے راستے میں میری طبیعت شدت۔

بچپن سے ہی میں شدت کا مارا ہوا تھا۔ میری طبیعت شدت سے سبھی غلاں تھے۔ پاؤ، اشفاق
 احمد، نکسی، میری بیوی 'قدرت'۔ اگرچہ قدرت نے نکسی اس کا شمار نہیں کیا تھا لیکن بات کہہ
 چھپی راتی ہے۔

قدرت نے میرے حلقے جو پہلا جملہ لکھا تھا اس میں ہی بات کھل گئی تھی۔ اس نے کہا تھا
 ممتاز ملتی کی دوستی ایک پھوڑا ہے جس کی ٹیٹوں میں لذت ہے۔

اس جملے کے مفہوم کو میں پورے طور پر نہیں سمجھا تھا۔ آج تک نہیں سمجھ پایا۔
 اللہ زندگی بھر میں شدت کو ایک وصف کہتا رہا میں سمجھتا تھا کہ اگر جذبہ شدت ہے تو
 شدت ایک خوبی ہے۔

ساری زندگی میں شدت کو انعام سمجھتا رہا 'ملا' کہ دو ایک بار قدرت نے بریکسل توڑا۔
 شدت کی خدمت کی تھی۔

ایک بار جب میں غفور صاحب کے جذبہ کے گمن کا رہا تھا تو قدرت نے کہا تھا "لو لو لو"
 ان میں توازن نہیں۔

کا مفہوم تو پتا چلا تھا لیکن میں سمجھا یہ اصول صرف بزرگوں پر لاگو ہوتا ہے۔
 عام لوگوں پر نہیں۔

پھر اسی سہل کی عمر میں بیٹھے بٹھے مجھ پر انکشاف ہوا تھا کہ شدت چاہے خیر کی ہو۔
 ہر حال ایک تخریبی عمل ہے۔

رجینش

اس روز میں اشفاق احمد کے گھر میں بیٹھا تھا۔ اشفاق نے کہا "بچے ایک چیز سنائوں۔
 میں نے کہا نکسی ہے۔

بولا "سن لے پتہ چل جائے گا۔
 اشفاق نے ریڈیو پر ایک کیسٹ لگا دیا۔

کوئی غصہ بول رہا تھا ارے "یہ کون بول رہا ہے۔ کیسے بول رہا ہے۔ مدھم۔ بیٹھا کیا
 لے ہے۔ کیا انداز ہے۔ بات کتن سے سیدھی دل میں اتر رہی ہے۔

کون ہے یہ "میں نے پاؤ سے پوچھا۔
 بولی "رجینش۔

کون رجینش۔ وہ جو امریکا میں پڑھتا بیٹھا ہے۔ امریکی دھڑ دھڑا اس کے مرید بن رہے
 ہیں۔

دبی، اشفاق بولا۔
 کیا وہ جو قری بیس کا قاتل ہے۔

ہاں دبی۔
 نہیں میں نہیں جانتا۔ جیسی مغفرت میں اتنی مٹھاس اتنا آڑ۔ رجینش کے اس ٹاک کا
 موضوع شدت تھا۔

میں وہ کیسٹ سن رہا تھا بار بار سن رہا تھا۔ اور میں نے زندگی میں پہلی بار جانتا کہ شدت
 قبیحی عمل نہیں ہے۔

پھر مجھ پر رجینش کے کیسٹ حاصل کرنے کا جنون طاری ہو گیا۔ اشفاق احمد نے اس سلسلے

اشفاق احمد کی عادت ہے کہ وہ ایسی چیزیں سنبھال کر رکھتا ہے جو دوسروں کو حیران کر دیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ ایسی باتیں یا چیزیں عام کر دی جائیں۔ اس کے برعکس میری یہ عادت ہے کہ کوئی ایسی نئی چیز یا بات مجھے مل جائے تو میں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہوں 'کو' 'آجہ' یہ دیکھو یہ کیا ہے۔ ہر معاملہ میں نے بڑی مشکل سے رنجش کے چند ایک کیسٹ حاصل کر لیے اور انہیں نئے لگا' سنائے لگے۔

جب کبھی میں کیسٹ سن رہا ہوتا اور قدرت اللہ آجہا تو رنجش کو سن کر اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر چھا جاتا تھا۔

بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس قدر محاسن بھری آواز 'مہم انداز اور دل میں اتر جانے والے بول۔ پھر ناگواری کیوں۔

ایک دن میں نے قدرت سے کہا۔ رنجش نے مجھے اتنی بڑے حقیقت کا احساس دلایا ہے کہ شدت قہری چیز نہیں ہے۔

ہاں 'وہ بولا' ساتھ ہی اس نے آپ کے جذبے میں مزید شدت پیدا کر دی ہے۔

چھوٹا اور بڑی

چھوٹا

ہمیں دروازہ ہوا کہ اس نے جان لیا تھا کہ غصہ و حقیت دوسرے کی خطا پر خود کو سزا دینے کا کام ہے۔ خود کو چٹائی میں ڈال کر بولنے کا عمل ہے۔ جان لینے کے بارہو دن لینے کے بارہو دو آج تک خود کو چٹائی میں ڈال کر بولنے پر مجبور ہے۔

اس کے غصے کے کواکف مغز دیں۔ مثلاً آپ نے اسے کہہ کر دیا۔ جواب میں وہ جی ہاں
 جی ہاں کرتا رہا۔ مگر جا کر بیٹھے بغضائے اسے خیال کیا کہ آپ نے تو یہ کہا تھا، یعنی آپ نے یہ
 کہہ کر اس کی توہین کی تھی۔ جواب میں اسے جی ہاں نہ کرنا چاہیے۔ قہر و غصہ اسے فصد آ
 جائے گا۔ خون سر کی جگہ پر رش کرے گا۔ کپشیاں بچنے لگیں گی، ذہن میں آگ لگ جائے گی،
 دہلی دھک مٹتی شروع ہو جائے گی۔

اسے بھی موقع پر روہرو قصہ نہیں آیا۔ لہذا تو تو میں میں نہیں ہوئی، اتفاقاً پانی کی لوث میں آئی۔ اس کا قصہ کزور کرور کر پکڑی کا قصہ ہے۔ بے بسی کا اظہار ہے۔ ہاں اگر ذہنی و عیقلی مشق کے فوراً بعد آپ سانسے آجائیں تو روہرو اظہار ہو جائے گا۔ شراک سے طے کی برکت کھل جائے گی۔

گورث

عورت کے متعلق ممتاز ملحق کا رویہ کٹھن ملحق ہے۔ نئے انگریزی میں لوسیت ریلیشن شپ Love Hate کہتے ہیں۔ ملحق میں ایک ریڈار قسم کا رلیسر لگا ہوا ہے۔ قرب و جوار میں کوئی عورت آ جائے تو وہ تک تک کرنا شروع کر دیتا ہے اور اگر آئے والی بائگی ٹارو تو ٹو ٹو ٹو ٹو ٹو ٹو کرے لگتا ہے۔

مستاز عشق کو ہر عورت سے عشق ہے، بجا لفظ رنگ اور خند و خال۔ چنے سفید رنگ پر تو اس

انہوں کے ساتھ نہیں کھلے گا۔ چھوٹے خانے کے درمیان ایسے ہوم محمدی (کھوکھو) کے چھڑا سوں کو سلام کرنا اس کی پرانی عادت ہے۔ افرکے ساتھ اس کا تھوڑا تو فی حضور ہوتا ہے اور یہ کھچا کھچا۔ میانہ روی سے محروم ہے۔ جی حضور ہوتا تو سراسر جی صاحب! جناب عالی! یہ سر

نے اچھا سمجھ لے پھر اس کی ہر بات میں اچھائی نظر آتی ہے۔ دقت یہ ہے کہ جسے ہر اچھے
اس میں بھی اچھائیاں نظر آتی ہیں۔ پھر اسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ جسے میں اچھائیاں سمجھتا
اس میں اچھائیاں کیوں نظر آتی ہیں؟

شہادت

ممتاز مفتی میں شدت ہے۔ اس شدت کا قوسم کچھ زیادہ ہی گاڑا ہے۔ ایک عالم کسی صاحب کی دکان پر گئے۔ چچا "آپ کے پاس "شعرو" ہے؟" حیکم نے جواب دیا "جناب! شعرا" ہے ہے بے لگا گاڑا میں۔" ممتاز مفتی کی شدت شہین والی شدت نہیں "شعروے" والی شدت ہے۔ زندگی بھر وہ شدت کو وصف سمجھتا رہا اس پر باز کر رہا تھا۔ لٹھڑے ٹھٹھے کرواروں سے لڑ بیک رہا۔ سمجھتا رہا کہ جس میں شدت ہے "اس میں غلوں ہے" "چٹائی ہے۔" اسی سال کا ہوا تو ملی چار اس نے چاکا کہ شدت وصف نہیں "عجب ہے" "مکوث ہے اور لٹھڑے ٹھٹھے تو گول کے دم کرم سے زندگی ہری بھری ہے۔ یہ بات پہلے اس نے رنجش کے منہ سے سنی "جو بنی آدمی کا پر چارک ہے اور اسی وجہ سے رسوائے زمانہ ہے۔ رنجش کی زبان میں مطاس جی "مخرفا" تاثر قلم ممتاز مفتی نے رنجش کی بات سنی "جان لی۔" سچے دل سے مل لی "لیکن اسے مٹا لیا تو

Oneurdu.com

کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر غائب ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ "آئینہ دیکھ پائے تو اسے دھکا لگتا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟ اس غیر معزز روئے کے قصاصات بھی ہیں جو براہ راست کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوراسی سال کی عمر کے بچہ کو گھر میں اسے ایسی پڑائیں حاصل تھیں جسے عقل و فکرم کما جائے۔ گھر میں کوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ بیوی بچاری بڑی دھکی ہے۔ میاں نے بھی اکیلے میں بیٹھ کر اس کی دکھ سکھ کی باتیں نہیں سنیں، ابھی اس کی شکایات پر دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ پڑوسن کی بے حیائی کی بات پر بھی کان نہیں دھرا۔

گھر میں کسی کو لوب سے "خصوصاً" اس کی تحریروں سے دلچسپی نہیں۔ بیوی کہتی ہے "میں خود بخود جھوٹی کہانیاں لکھ کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو؟ ایک انٹرویو میں کسی صحافی نے اس کی بیوی سے پوچھا "تپ کے میاں میں کوئی خوبی تو ہو گی جو آپکو پسند ہے۔ جواب میں بیگم نے کہا "کوئی ہو تو بتائیں گاؤ گی ہے ہی نہیں۔"

دراصل مفتی کو توجہ دینے کے لیے وقت نہیں ملتا اسے بہت کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ کچھ ہانڈی روٹی کے لیے، کچھ لوب کے لیے۔ جو وقت بچتا ہے وہ ہومیو پتھی کھا جاتی ہے۔

اللہ میاں

اللہ میاں سے مفتی کے تعلقات ازلے پڑتے رہے ہیں۔ بچپن میں وہ اللہ سے خوف زدہ رہا۔ سمجھتا تھا کہ اللہ نے ایک بھٹی بنا رکھا ہے، ہاتھ میں سوٹا پکڑ رکھا ہے اور جو بھی آتا ہے اسے سوٹا مار کر بھٹی میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ گھر کر وہ اللہ سے منکر ہو گیا، پھر اللہ کی بے لوثی کرنے میں لذت حاصل کرنے لگا۔ جب وہ پچاس سال کا ہوا تو ایک بزرگ نے اس پر رقت طاری کر دی۔ چائیں کیا ہوا۔ اس کا رخ بدل گیا۔ اللہ نے اسے دل میں اللہ نظر آنے لگا۔ آج کل وہ حیرت میں ڈوبا ہوا ہے کہ اللہ اس پر اس قدر مہربان کیوں ہے؟ قدم قدم پر اس کی مدد کیوں کرتا ہے؟

فرقت کے وقت وہ اللہ کو پاس بٹھا کر اس سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ کلام کی باتیں نہیں، دوسرا دوسری گپ شپ: اللہ تجھے پتا ہے آج مجھے ایک لڑکی کا خدا ملا ہے۔ بڑی باگلی لڑکی ہے۔ کھتی ہے "جو تو اٹلی ہے تو میں بھی اٹلی ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ آج کل مفتی کی کتابوں میں اللہ

کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر غائب ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ "آئینہ دیکھ پائے تو اسے دھکا لگتا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟ اس غیر معزز روئے کے قصاصات بھی ہیں جو براہ راست کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوراسی سال کی عمر کے بچہ کو گھر میں اسے ایسی پڑائیں حاصل تھیں جسے عقل و فکرم کما جائے۔ گھر میں کوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ بیوی بچاری بڑی دھکی ہے۔ میاں نے بھی اکیلے میں بیٹھ کر اس کی دکھ سکھ کی باتیں نہیں سنیں، ابھی اس کی شکایات پر دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ پڑوسن کی بے حیائی کی بات پر بھی کان نہیں دھرا۔

ممتاز مفتی اذلی طور پر اکیلا ہے۔ اکیلے وہ قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو جان بوجھ کر الٹرا "انگ رہتا پسند کرتے ہیں۔ محفل لگ جائے تو وہ بے نہیں، تیرے رستے ہیں، وہ دوسرے وہ جو محفل سے گھبراتے ہیں، "کھڑے ہیں۔ اکیلے میں سالم محسوس کرتے ہیں، محفل میں دوسرے۔ اگر آپ ممتاز مفتی کو ایک کمرے میں بند کر دیں، جہاں اس کی ضروریات اسے ملتی رہیں تو بے شک چھ مہینے کے بعد آکر دروازہ کھولیں، ممتاز مفتی یوں ہشاش بشاش بیٹھا ہو گا جیسے ابھی ابھی روز گارڈن کی سیر کر کے آیا ہو۔

اس نے زندگی بھر باقاعدہ ورزش کی ہے نہ سیر کی ہے۔ پچھلے دنوں "واکنز" کہا آپ کو چاہیے کہ باقاعدگی سے ہر روز سیر کریں، درنہ آپ تیار ہو جائیں گے۔ مفتی نے کہا "واکنز صاحب" سوچ لیجیے کیونکہ میں نے زندگی بھر سیر نہیں کی۔ "واکنز" کہا "شور سیر کریں۔ مفتی نے دس دن سیر کی۔ مگر وہ تیار نہ کیا۔ وہ مینے پڑا رہا۔ فگنوں میں درد آج تک نہیں گیا۔ مفتی صمان لوازنی سے بڑا اڑک رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو ڈرامہ کوئی آئے ہائے "وہ صمان لوازنی کیا کرے گا۔ وہ "واکنز" صمان سے چاہئے یا لٹھ یا پھتا بھول جاتا ہے۔ صمان رخصت ہو جائے تو اسے یاد آئے گا کہ لوہا چاہئے کا تو پوچھا نہیں۔ لوگ انتظار کرتے ہیں کہ صمان آئے تو کھانا کھائیں۔ مفتی انتظار کرتا ہے کہ کب صمان جائے تو کھانا کھائے۔

مفتی نے عمر بھر کو محفل کی ہے کہ اس کا بڑا خیال ہے جو معزز لوگوں کا ہوتا ہے۔ مگر میں اس نے بھی خود کو بیٹھ آف جلی نہیں سمجھا۔ اسی وجہ سے اس کی تحریروں میں شوق ہے، بے تکلفی ہے، پچھلے ہے۔ اس نے بھی خود سے خود کو اپنے میں نہیں دیکھ جیسا آئینہ سامنے رکھے

کیوں خود لٹائی کر رہا ہے؟ محفل میں کوئی بات کروں تو کہتا ہے: کیوں نہ لٹائی جائیں کرتا ہے؟
کھانے کو ناپسند کروں تو چلاتا ہے: شکرانہ شکرانہ! اس کچیڑی مسلسل کتہ چینی کی وجہ سے مفتی
اپنی تحریروں میں جھوٹ میں بول سکتا مجبوری ہے۔

محبت

مفتی مفتی نے بڑی محبت کی ہیں لیکن بڑی دیر کے بعد اسے حقیقت کا شعور ہوا کہ
دراصل اسے محبت کرنے کے عمل یا کیفیت سے محبت تھی، محبوب سے نہیں۔ "بیتے دیہیں
تصور جانیں کیے ہوئے" کی کیفیت سے محبت تھی محبوب کی اہمیت تو تھی لیکن محض۔

اس کے محبوب میں چند اوصاف کا ہونا لازم ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ رنگ گورا ہو۔
خودغل اہم نہیں۔ عمر رسیدہ ہو۔ خیال ہو۔ نور سب سے اہم بات یہ کہ محبوب میں ہر بات کی
واضح تفہیم یا دھونس موجود ہو۔ کسی کسی نیک یا بدکار خاندان سے محبت نہیں لگا سکتا۔ آج کل
کی لڑکیاں اسے انہل نہیں کرتیں۔ کہتا ہے: محبت لگنا ایک فن ہے۔ یہ کھلی مٹھی پکی لڑکیاں
بھلا کیا جانیں کہ محبت کیا ہے؟

مفتی کے نزدیک محبوب میں متنا کا ہونا ضروری ہے۔ متا بھرے لگاؤ کے ساتھ بے وفائی کی
دھونس کا ہونا بھی لازم ہے۔ اسے طوائف قسم کی عورت سے بڑی دلچسپی ہے۔ آپ نے دیکھا
ہو گا کہ اس کی کمائیوں میں طوائف کا بیادناڑہ ہوتا ہے۔

مفتی کا کہنا ہے کہ محبت میں چار مرحلوں سے گزرنا ضروری ہے: "ورنہ آپ کے کردار کی
تحقیق نہیں ہو گی۔"

۱۔ کسی سے ٹوٹ کر محبت کرنا۔

۲۔ کاپیالی ایسی کہ محبوب دل و جان سے جھینس لیتا ہے۔ تخت پر بٹھا کر مود چل کرے۔

۳۔ پھر تار مار کر تخت کے نیچے گر ادے تحلیل کرے۔

۴۔ اور آخر میں آپ محبوب سے بے نیاز ہو جائیں۔ دم مند مل ہو جائے "یوں جیسے کبھی لگا

ی نہ تھا۔

مفتی کے نزدیک کردار کی تحقیق کے لیے ان چاروں کیفیتوں سے گزرنا ضروری ہے۔

زبردستی آگھستا ہے۔ مفتی میں عقیدے کا فقدان ہے، عقیدت کی بھرمار ہے!

اللہ نہ کرے کہ مفتی کو آپ سے عقیدت ہو۔ ہو جائے تو آپ زنج ہو کر رہ جائیں گے۔

مفتی کو شکرگزاری کی بیماری لاحق ہے۔ قدرت اللہ شباب کو عمر بھر یہ شکایت رہی کہ وہ مفتی کی
عقیدت کا شمار ہے اور اس لیے مظلوم ہے۔

مفتی کو ویسے ہونے پر فخر نہیں ہے بلکہ مسذرت ہے۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ادیب
بنے۔ اتفاق سے بن گیا۔ تلی گئی۔ پھر تلی کا ایسا چکا پڑا کہ آج تک گھسنے پر مجبور ہے۔

ادب

مفتی کو اردو نہیں آتی۔ اس نے کبھی اردو ادب کا مطالعہ نہیں کیا۔ جب اس نے لکھنا
شروع کیا تو اہل زبان بڑے ناراض ہوئے۔ انہوں نے شور مچا دیا: مفتی کو زبان نہیں آتی، بند
کرو! لکھنا بند کرو۔ وہ جھجکتے تھے۔ واقعی مفتی کو زبان نہیں آتی تھی۔ وہ کہتے رہے۔ مفتی لکھتا
رہا۔ اس نے لکھ لکھ کر اپنی زبان خود وضع کر لی۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مفتی کے لکھنے کا انداز
منفرد ہے تو اسے یقین نہیں آتا کیوں کہ اب بھی اسے زبان نہیں آتی۔

مفتی نے لکھ کر ادب پر کوئی احسان نہیں کیا نہ ہی خدمت کی ہے۔ انادب نے مفتی پر
احسان کیا ہے کہ اسے اہمیت عطا کر دی۔ زندگی بے مصرف نہیں رہی۔ وہ سوچنے والے ادب کو
نہیں مانا۔ کہتا ہے: ادب ہنر ہے، سوچ نہیں۔ ادب کا مقصد انسان میں مثبت تبدیلی لگانا
ہے۔ ہمدردیاں پیدا کرنا ہے۔ سوچ کو ہنر میں بھگو کر پیش کرنا ہے "اگر تحریر میں تاثر نہیں"
اگر وہ قاری میں ہنر کی بھیک نہیں پھینک کر توبہ کار ہے۔

کچیڑی

مفتی کا بیان ہے کہ اللہ نے مجھ میں ایک کچیڑی لگا رکھا ہے۔ چائیں "اسے اللہ کی دین
کھوں یا نہاد" اس کچیڑی نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔ یہ کچیڑی میری ہر بات پر اپنے
کو منہ دیتا رہتا ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے بتا دیتے ہیں تو وہ جھج کر کہے گا:
کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟ اگر میں کہوں کہ میں نے آپ کی اچھی کھائی کھلی ہے تو وہ بولے گا:

میں نے کہا: آج کل ہر جوان لڑکی کو ڈیڑھ پانچ دن کے دورے پڑتے ہیں۔ جن کے حالات ناماز گاہ میں انہیں بھی۔ جن کے حالات سارا گاہ میں۔ انہیں بھی۔ ایسا کیوں ہے۔
 کہنے لگی: ہاں۔ یہ سچ ہے، لیکن ایسا کیوں ہے، مجھے معلوم نہیں، جب وہ جانے لگی تو میں نے پریسٹنل بنکر پوچھا: وہ صحیحی راسخ نہیں آئی۔ کیا نام ہے اس کا۔
 مسیحہ، وہ بولی: وہ شہزادی ہے۔ سن کی سو جن ہے۔ پھر موزا لنگی لگا کر لے گیا، پہلی مٹی۔
 یہ سن کر میری دل میں اب گہری گنگائی۔ مسیحہ کے خلاف۔

دوا میں دعا

کچھ دنوں کے بعد مسیحہ آگئی۔ کہنے لگی: میری ماں آئی ہوئی ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
 تیار ہے کیا؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں تو وہ بولی۔
 پھر مجھ سے ملنا کیوں چاہتی ہے۔
 بولی: مجھے معلوم نہیں۔ اہل کشتی حسی ان سے وقت لے کر۔
 میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا: لڑکی میں کیا یہاں کا اپنی کشتیوں کے لئے کے لیے وقت لینا پڑتا ہے۔

وہ بڑی سنجیدگی سے بولی: اہل اکیلے میں ملنا چاہتی ہے۔

ان دنوں میرے پاس لڑائیاں اور خواتین اکثر آیا کرتی تھیں مجھے پتہ چل گیا تھا کہ موکی نسبت عورت زیادہ تیار پڑتی ہے۔ موزا تیار ہو جائے تو وہ بے کار ہو کر پڑ جاتا ہے۔ عورت تیار ہونے کے باوجود کام میں بھی رہتی ہے۔ قدرت نے اسے درگاہ صحت عطا کر رکھی ہے۔ وہ تیار کے ساتھ جینے کی ہمت رکھتی ہے۔

لیکن یہ اکیلے میں لئے کی بات میری سمجھ میں نہ آئی۔

میں نے کہا: آپ کہیں رہتی ہیں۔

بولی: آپ پارہ کے ایک کواڑ میں۔ اس نے پورا پتہ دے دیا۔

محبت میں ممتاز مفتی بہت کچھ ہے۔ فراخ دل نہیں۔ اس کی محبت میں ملکیت کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ اپنی لانا کی وجہ سے وہ خواہی اور پردگی کے عمل سے محروم ہے، اس لیے وہ شک و شبہ کا شکار رہتا ہے۔ محبوب کے غیب کے بارگشا رہتا ہے۔ شاید محبت کرنے سے اس کا مقصد یہی ہو کہ محبوب کے غیب کے حوض سے ہونے کا مجھے دل پر چوٹ لگتی رہے۔

سیانے کہتے ہیں کہ درد حد سے بڑھ جائے تو لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ شاید مفتی شک و شبہات اس لیے پاتا ہے کہ درد کی لذت حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

مفتی کو تقاضا سے شدید نفرت ہے سینٹ اسمرٹھ Self Assertive خود پسند لوگوں سے وہ الگ ہے۔ اپنے لوگوں سے حتی الوسع دور رہتا ہے۔ کتا پتہ اتے اپنے نہ ہو کہ دوسرے کیلئے نظر آئیں۔ اپنا گھونسل لٹاؤ نہ پھانساؤ کہ دوسرے بالمشیت نظر آئیں۔ مفتی کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر قدرت اللہ شام نے ڈالا۔ اسے سنوڑی سے تسلی ہوا اور حیرت کی بات ہے کہ تیس سال کی رفاقت میں قدرت اللہ نے اسے کبھی نصیحت نہیں کی۔ کبھی نہیں کہا کہ یہ مت کر۔

قدرت اللہ سے ملنے سے پہلے وہ کئی بولی رات تھا۔ اس سے ملنے کے بعد بھروسے بن گیا۔

بڑی

ان دنوں میں حادثہ مشہور کو ہومس دوائیاں دیا کرتا تھا۔ پریکٹس نہیں کرتا تھا۔ مفت دوا دیتا تھا اور جب دوا دیتا تو زیر لب کہتا: یا اللہ جس نے تو اپنا کام کر دیا اب تو جان اور تیرا کام۔

ایک روز دو لڑائیاں آگئیں۔ ایک دہلی تھی۔ ساولی حقی، دوسری بھروسے جسم کی گوری۔ دونوں ہی ڈیڑھ پانچ دن کی ماری ہوئی تھیں۔ میں نے دوا دے دی اور وہ چلی گئیں۔

دس بارہ روز کے بعد چلی دہلی پھر آئی۔ وہ کالج میں بیگنار تھی۔ میں نے اس سے کہا: مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا تو اس پر خوشی دل سکتی ہے۔

بولی: ہنس بات پر۔

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوئی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جاتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا سا ہنسا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
'اچھا' میں نے کہا 'میں آنکڑ آپ پارے جانا دیتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آ جاؤں گا۔
اس روز میں نے غور سے صبیحہ کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر لٹر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
بادشاہ تھی۔

رزق بند

آپ بارہ سے واپس آکر میں نے شاب کو فون کیا 'میں نے کہا ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
پوچھا 'کون ہے۔
میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ میں نے کہا 'آپ وقت دے دیں۔ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔

بولی 'اچھا کل جتاؤں گا۔

قدرت اللہ کی عجیب عادت تھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تو وہ اس کے بارے میں فوری فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ بات کل پر ٹل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بات دیکھ کر بغیر فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ پتہ نہیں دیکھ کر بات کرتا تھا۔

اگلے روز وہ خود میرے گھر آیا۔ کہنے لگا 'آپ فارغ ہیں تو میرے ساتھ چلیے۔ مجھے آپ پارے جانا ہے۔ کام ہے ایک۔ واپسی پر اس خاتون سے بھی مل لیں گے۔

میں نے کہا 'آپ کا وہاں مناسب نہیں ہے۔ میں اس خاتون کو میں لے آتا ہوں۔
بولی 'میں وہیں مل لیں گے۔

ہم خاتون کے گھر پہنچے تو گھر والے حیران رہ گئے۔
شاب پٹیلی پر بیٹھ گیا۔ میں باہر نکل آیا۔ تاکہ خاتون اکیلے میں بات کر سکے۔

واپسی پر میں نے قدرت سے پوچھا کہ کیا کیس ہے۔

بولی 'اس کی مٹی کتنی ہے رزق بند ہے۔ افریقہ میں کسی خاتون نے جادو کر دیا ہے۔ صبیحہ اہم اسے انکس ہے، لیکن ایک سال سے نوکری کی تلاش میں ماری ماری بھر رہی ہے۔ نوکری

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوئی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جاتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا سا ہنسا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
'اچھا' میں نے کہا 'میں آنکڑ آپ پارے جانا دیتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آ جاؤں گا۔
اس روز میں نے غور سے صبیحہ کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر لٹر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
بادشاہ تھی۔

وہ آپ پارے کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے تھے۔ کمرے میں کوئی مازو سلان نہ تھا۔ صرف ایک پٹیلی چھٹی ہوئی تھی۔ دوسرے کمرے میں چند برتن پڑے ہوئے تھے۔
گھر میں تین چار لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔

میں کشمیر تھی۔ بھیجی بھیجی سی۔ مٹا کے پیچھے اڑ رہے تھے۔ میں پٹیلی پر بیٹھ گیا۔ لڑکیاں دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

میں بولی 'مفتی جی ہمیں دعا کی ضرورت نہیں ہم تو دعا کی محتاج ہیں۔ ہمیں کسی صاحب دعا کا پتہ بتائیے کہ کہہ کر وہ رک لگی۔

پھر بولی 'خانا ہے شاب صاحب دعا ہیں اور وہ آپ کے دوست ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چلے میری سفارش کر دیجیے۔

یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا اکیسے میں کہنے کی بات تھی۔ میرے پاس تو بہت سے مسائل آیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں شاب صاحب سے ملو دیجیے۔

میں شاب کو فون کیا کہ آپ کا کالج کب فارغ ہو گا؟ شاب صاحب اب تو آپ کی پرنکس میں لگی ہے۔ اب تو فیس لگا دیجیے چلیے آپ کو گورنر میں ہے تو مجھے ہی اجازت دیجیے کہ میں ملانے کی فیس وصول کر لیا کروں۔

اس پر شاب ہنسا۔

ایک دن میں نے یہی بات دہرائی تو صبیحہ جی سے بولا 'اگر واقعی آپ کو ضرورت ہے تو گا لچکے نہیں۔

نہیں مل رہی۔ تو دس پہلی نہیں ہیں۔ باپ بے تعلق ہوا بیٹھا ہے۔ مگر میں کمانے والی مہربان
مسیحہ تھی۔

خدا حافظہ

آٹھ دس دن کے بعد مسیحہ پھر آگئی۔ کہنے لگی 'شباب نے کہا تھا کوئی بات ہو تو ملتی
صاحب کے در پہ مجھے خبر کرنی۔
میں نے کہا پھر۔

بولی 'شباب صاحب نے مجھے کچھ پڑھنے کو دیا تھا' اہل پاچھتی ہے۔ کیا میں بھی پڑھوں۔

میں نے کہا 'ٹیک ہے میں پوچھ کر لے دوں گا۔

بولی 'ہم وہ فلیٹ چھوڑ رہے ہیں۔

کہاں؟ میں نے پوچھا۔

بولی 'انفوز' نہیں کر سکتے۔

پھر کہہ چلا گئے۔

کہنے لگی 'میں مندر حرا چلی جائے گی۔ وہاں ہمارا چھوٹا سا گھر ہے۔ اب ایک چھوٹی سی دکان
ہے۔ میری چھوٹی بہن یونیورسٹی میں فورتحہ انٹیر کی طالبہ ہے۔ وہ سٹل میں اسے ایک کمرہ ملا ہوا
ہے۔ میں اس کے پاس جا رہوں گی۔ اگر وہاں مجھے رہنے کی اجازت مل گئی تو۔

ورنہ؟ میں نے پوچھا۔

ورنہ یہاں کسی لڑکیوں کے ہاٹل میں جگہ ڈھونڈوں گی۔

فلٹ کب چھوڑ رہی ہیں آپ۔

پرسوں 'وہ بولی 'شہم تک۔

میں نے قدرت سے بات کی۔

اُس نے کہا 'ہاں ہاں میں بھی پڑھوں۔' بجز کی کتاب کے بعد 'خاندانہ' ہو۔ انہیں یہ اطلاع آج ہی

دے دیں۔ میں اسی روز اطلاع دینے چلا گیا۔

جب میں واپس آ رہا تھا تو مسیحہ نے فلٹ کے پردے سے جھانک کر کہا۔ خدا حافظہ۔

وہ خدا حافظہ گویا بندوبست کی گولی کی طرح میرے دل میں اتر گیا۔ ساری رات مجھ پر خدا حافظہ
کی چاند ماری ہوتی رہی۔

اگلے دن میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کتاب کو دیکھو تو سطروں کے پردے سے
جھانک کر کوئی کستی خدا حافظہ۔ کتنے جیستا تو خیالات منتشر ہو جاتے۔ ایسے گنگا جیسے میں خدا اہوں
اور مسیحہ نے خود کو میری حفاظت میں دے دیا ہے۔

چاند ماری

دو ایک دن تو میں اس ذاتی کیفیت سے لڑتا رہا پھر ہتھیار ڈال دیے۔ میں نے اشفاق حسین
کو فون کیا۔ میں نے کہا 'یار تو فارغ ہے کیا۔

اس نے پوچھا 'کیا بات ہے۔

میں نے کہا 'میں ایک لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں۔

بولی 'پھر۔

میں نے کہا 'تو مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے چل۔

بولی 'کہاں۔

میں نے کہا 'یونیورسٹی میں۔

یونیورسٹی میں پہنچ کر ہم نے آگیا لگایا۔ مسیحہ کو تلاش کیا اور پھر وہیں یونیورسٹی کے علاقے
میں ہم تینوں ایک چھپرے کے کنارے جا بیٹھے۔ اور کمرے پالی پر کھڑیاں چلائے رہے۔

اشفاق حسین مسیحہ سے باتیں کرتا رہا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔

مسیحہ کے خدا وصال سونے تھے۔ جسم بھاری تھا۔ وہ نسائی نخرے سے سرا سر غلی تھی۔
نمازش نہ تھی۔ توجہ طلبی نہ تھی۔

ترت بہرت نہ تھی۔ اس قدر بے جھجک بات کرتی تھی جیسے لڑکی نہیں بلکہ لڑکا ہو۔ اس کی
شخصیت کی تمام تر مٹاس اس کے طبعی شعور اور بے نیازی کی وجہ سے تھی۔

ہم اس چھپرے کے کنارے ایک ذریعہ محنت بیٹھے رہے۔ دو دن ہوتے وقت اس نے خدا حافظہ
کی ایک اور کوری ڈالی۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو اشفاق حسین کہنے لگا 'اچھی لڑکی ہے مگر بے

چند ہی دنوں میں مسجد کے گھروالوں کو رام کر لیا۔ وہ ان کے چہرہ پر خائے میں جا کر برتن
انچھ دیتی۔ کھوں کی مٹائی کر دیتی۔ بچوں کے ہوم ورک میں مدد کر دیتی۔

چند دنوں میں وہ اس گھر کی فردین تھی۔

اس کمرے میں مسجد صرف دو سینے رہی، پھر ایک مکان کا پورن مل میبل یہ پورن مکان
کے بالکل الگ تھا۔

کرار کے لحاظ سے بتانا میں چھوٹا تھا اتنی ہی وہ بڑی تھی۔

پہلے چند دنوں میں ہی اس نے بات کھول دی تھی۔

کتنے تھی۔ آپ میں اتنی شدت کیوں ہے۔

میں نے کہا شدت نہیں غلوں سے۔

نہیں، اس نے جواب دیا، غلوں مدھم ہوتا ہے۔ کتنے تھی، پتہ نہیں کیوں مجھے ایسے لوگ
پہنچ نہیں، جن میں شدت ہو۔ مجھے لکھڑے تھے لوگ اچھے لگتے ہیں۔

پھر اس نے مجھے اپنی کھائی سنائی۔ کتنے تھی، میرا باپ ایک معمولی سی ملازمت کرتا تھا۔ پھر وہ
رنگار ہو گیا۔ اور اس نے ایک معمولی سی دکان کھول دی۔

تم تو بھائی بہن ہیں۔ گناہ سے میرے باپ کا بچہ پیدا کرنے کے علاوہ کوئی شغل نہ تھا۔

آنڈیل

بہر حال باپ میرا آنڈیل تھا اور میں اس کی خدمت میں تھی رہتی تھی۔ اس کے وارے
نیارے لیتی رہتی۔ بچپن سے جوانی تک میری عائش لڑکوں جیسی تھیں۔ لڑکوں کے کھیل کھاتی۔

درویشوں پر پڑھتی۔ چنگ اڑاتی۔ مجھے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے دسویں پاس
کر لی تو باپ نے مجھے آگے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا دکان کی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ
مشکل سے پڑھائی روٹی چل سکتی ہے۔ اچھی تعلیم دینا میں کوشش کر سکتا۔

میں نے کہا، 'میرے میری نہیں دے دیجیے باقی اخراجات پارے کرنے کے لیے میں
نیوشن کروں گی۔

باپ نے انکار کر دیا۔

میں نے کہا شلپ صاحب دعا کریں کہ میں فارغ ہو جاؤں۔

پار اور جیت

اسی شام میں قدرت اللہ کے گھر چلا گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس سے ساری بات کروں اور
کہوں کہ مجھے اس تجربے سے رہائی دلا دے۔

قدرت نے چھوٹے ہی مجھ سے پوچھا، 'اس لڑکی کا ٹیلی فون آیا تھا کیا۔

نہیں، میں نے سر نہیں ہلا دیا۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا، 'بولو، دیکھئے، اس میں دو دن کا بھلا ہے۔ آپ کا بھی۔ اس لڑکی کا
بھی۔ آپ اسے سارا دیں۔ اس کی مدد کریں۔ اس کا کہنا تھا نہیں۔ اس پر احسان نہ دھریں، بلکہ
خود کو اس کا احساس مند محسوس کریں، اس میں صرف دو خطرے ہیں۔ ایک تو خواہش یا اس
بچہ نہ مارے، وہ تو انشاء اللہ نہیں ہو گا۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ آپ اسے جیت لینے کی کوشش
کریں گے۔

محبت جیت نہیں، پار ہوتی ہے۔ پار ملن لو۔ خود کو حوالے کر دو۔ اختیار ڈال دو۔

میں حیرت سے قدرت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں کیا کہنے آیا تھا اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔

ساری رات میں سوچتا رہا۔ مجھے شک پڑ رہا تھا کہ یہ خدا عطا کی گئی کس قدرت اللہ نے
تو نہیں چلائی تھی۔ کس وہ مجھے پار جانے کی تعلیم دے رہا تھا۔ آخر اس کا کیا مطلب تھا
کہ اس میں دو دن کا بھلا ہے۔ اس کا بھی میرا بھی۔ کیا یہ اللہ والے لوگ اتنے طاقت ور ہوتے
ہیں کہ دوسرے کے ذہن کو قس قس کر کے دکھا دیں۔

اگلے روز مسجد کا فون آنیلا۔ کتنے تھی، ایف سیون میں مجھے ایک چھوٹا سا کرا مل گیا ہے۔

وہ کرا ایک رستے تھے گھر میں واقع تھا۔ باپ اور جڑ عمر کے تھے۔ دو دنوں بڑے مٹھے اور

چٹائے تھے۔ بچے تو جون تھے۔ مجھ سے دو بچے تھے۔ ایک مسجد نوکری کی تلاش میں بسوں پر اور پیدل
ہوتے چٹائی۔ دو بچے میں بیچ جائے۔ مجرموں کی طرح دروازہ بھاگے۔

دو گھنٹے ہم اس چھوٹے سے کمرے میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ کمرے کا دروازہ ہم باہر

کھلا رکھتے۔ وہ مجھے بتاتی کہ دن بھر وہ کہیں کہیں نوکری کی تلاش میں گھومتی رہی۔

پھر رات کے وقت میرے گھر سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسے لگتا جیسے کوئی ٹل رہا ہو۔ دروازے آپ ہی آپ کھل جاتے۔ کوئی کہتا: بھاگ جاؤ ورنہ۔

میں نے ایک افریقی بڑھیا سے کہا: بی بی اگر تو میرے گھر میں میرے ساتھ آ رہے تو میں تجھے الگ کمرائیوں میں لے کر رکھواؤں گی۔

وہ عورت صرف ایک رات میرے گھر میں رہی اگلے روز ہاتھ جوڑ کر بولی: نہ بی بی اس گھر پر تو کسی نے کلا جادو کر دیا ہے۔ یہ بد رو میں تجھے چھوڑیں گی نہیں۔

اس پر میں اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ نرم فٹم کیے بغیر تو کبری چھوڑ کر پاکستان واپس آ گئی۔ یہاں آئی تو وہاں مجھے دو ایک خانلوں کے پاس لے گئی تھی، وہ کہتے ہیں اس لڑکی کا رزق بند ہے۔ تو کبری نہیں لے گی، شادی نہیں ہو گی۔

دیوانگی

اس کی کہانی سن کر مجھ پر اک پائل بن سوار ہو گیا۔ تو کبری کی تلاش میں سارا سارا دن اسے اپنے سکوتر پر بٹھا کر میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے دفنوں، پرائیویٹ کیمپوں، غارن اسیسٹیوٹوں کے پتھر کاٹا رہا۔ لوگ مجھے دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ اس بڑے کھوسٹ کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک جوان لڑکی کو سماتا پھرتا ہے۔

میرے گھر والے اس بات پر غلام تھے۔ میں نے اپنی بیوی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بچاڑا حلق میں ہے۔ لیکن اسے یقین نہ آیا۔ وہ بھی تھی اسے یہ حکایت تھی کہ اگر تعلق نہیں تو اتنی توجہ کیوں۔ میری بیٹیوں مند سے کچھ نہیں کہتی تھیں لیکن وہ مجھ پر غناؤں تھیں۔

پھر بھی مجھے باپ سے بد روی تھی۔ میں نے سوچا کوئی چھوٹی موٹی نوکری کر لوں تاکہ گھر چلانے میں لاپاکی مدد کر سکوں۔

پھر اتفاق سے مجھے اپنے باپ کے چیک بیٹس کا پتہ چل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے میں دیتا سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک خود غرض اور بے حس شخص تھا۔ آئیڈیل بچا چور ہو گیا۔ ساتھ میرے بھی پرستے اڑ گئے۔ بہتوں تیار پڑی رہی۔ پھر میرے دل میں ایک عزم جاگا کہ میں اپنی تعلیم از خود حاصل کر لوں گی۔

چھ سال قدم قدم پر مصیبتیں آنیں اور میں نے انہیں جھیل لیا۔ لیم اے کرنے کے بعد میں گورنمنٹ کالج میں پیکچرار ہو گئی۔ میں اپنے سارے بہن بھائیوں کو اپنے گھر لے آئی اور سب کو تعلیم لواردوں میں داخل کرا دیا۔ لاپا دیکھ کر ہانک رہی کنارہ کش ہو گئے۔ بھائی بہنوں نے بے حس ہو کر بچاڑا دھوکا دیا۔ وہ محفوزی اتنی بوجھل ہو گئی کہ میری کمرٹ ہو گئی۔

اتنا قرض چڑھ گیا کہ اگر بڑا ممکن نہ تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر افریقہ میں پیکچرار کی ایک نوکری قبول کر لی۔

افریقا جادو

افریقہ میں میں ایک مکان میں تن عمار رہتی تھی۔ خوف تو آتا تھا، لیکن مجبوری تھی۔ پھر ایک روز میرے گھریا ایک پاکستانی جوڑا آ گیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ

یہ نہ کرو۔ وہ نہ کرو۔ اس سے نہ ملو۔ ایسے نہ رہو۔ ویسے نہ رہو۔

صیہود جی! اپنی مرضی کی مانگ تھی۔ وہ بڑی خوددار تھی۔ وہ میرے رویے پر خوش نہ تھی بلکہ وہ مجھ سے سخت تنگ آ چکی تھی۔ فرائضی غفلتوں نے کہا یہ تیرا دوست تو پاگل معلوم ہوا ہے۔

وہ سچ کہتی تھی میں پاگل ہو گیا تھا۔ تین سال یہ پاگل پن میرے سر پر سوار رہا۔ میری ان غرابشات تھیں 'ایک یہ کہ اس کا رزق کل جائے' دوسری یہ کہ اس کی شادی ہو جائے۔ میرا طرز عمل میں شدت کم ہونے کی بجائے دو چاند ہو چکی تھی۔

نیا جنم

ایک روز ہفتہ شنب کے سامنے ہفتہ بڑا کرکڑی ہو گئی۔ کئے گئے۔ اب بس کیجیے شب بھائی۔ مفتی کی تو ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔

شب نے کہا 'مجھے بھی ترس آنے لگا ہے۔'

ان دنوں فرائضی غفلتوں کی سفارش پر ورلڈ بینک نے افریقہ میں تحقیق کرنے کے لیے ایک گروپ میں صیہود کا نام بھی شامل کر لیا تھا۔ پورے لندن پہلی گئی تھی۔

حقوق کے جانے کے بعد خدا اکیلا رہ گیا تھا۔ یہ تھائی اس قدر تکلیف دہ تھی کہ میں قدرت کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا 'شاب صاحب! اللہ کے واسطے مجھے اس درجہ انگی کے پکڑے لٹال لیجیے۔'

قدرت بہت افسردہ تھا۔ غصہ تھا۔ میں نے دو تین بار اپنی درخواست دہرائی وہ بولا 'مفتی صاحب آپ نے ایک بہت اچھا موقع ضائع کر دیا۔'

مجھے اس کا احساس ہے شاب صاحب! میں نے جواب دیا۔

احساس ہے تو ایسا کیوں کیا۔

شاب صاحب میں گڑا ہوں۔ انی طور پر گڑا ہوں 'کیونکہ میں بن سکے احساس کے باوجود کوشش کے باوجود میں بن سکے مجھے پتہ ہے کہ میں ہار نہ بن سکا۔ اسے جیت لینے کی خواہش جنوں بن گئی۔ بے شک میں گردن زنی ہوں 'لیکن اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجیے۔'

انکراؤ کے بعد۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر محارت کی جھلک تھی۔ بولا 'پیارا لسی لسی پٹی لڑکی کو لے کر میں اپنے دفتر کے باؤل کو خراب نہیں کر سکتا۔ لپیٹ اسے کاسٹریکٹ پر کام دے سکتا ہوں۔'

تکسی کی بات سن کر میرا دل ٹوٹ گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں صرف ایک فرد ایسا ہے جس کو مجھ پر رحم ہے۔

پھر میری چار یاری آگئی۔

وہ سب میرا مذاق اڑانے لگے۔

میرولا 'مفتی تو پاگل ہو گیا ہے کیا۔'

ہاں! میں نے جواب دیا۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔

اس عمر میں ایک کرل فریڈ کو اعصابی سکڑ پے لے پھرتا ہے تو تجھے بدنامی کا ڈر نہیں ہے کیا؟ مسعود نے کہا نہیں! میں نے جواب دیا 'مجھے بدنامی کا ڈر نہیں ہے۔'

ارے! 'اعظمی بولا' تجھے شرم نہیں آتی۔

نہیں آتی! میں نے کہا۔

اگر کسی نے شاب صاحب کو بتا دیا تو 'ملوے کا'

شاب صاحب! 'گون شاب صاحب! میں نے جواب دیا۔

لوٹوں! بے کار ہے وہ سب چلانے لگے۔ گستا ہے۔ یہ مہذب ہو گیا ہے۔ انتہاء اللہ شکر پڑیاں کی پٹیاں ہوں پر ملاقات ہو گئی۔

اس اثناء میں ورلڈ بینک کی ایک فرائضی غفلتوں اسلام آباد میں ریسرچ کا کام کرنے کے لیے آگئی۔ اسے درکرد کی ضرورت تھی۔

صیہود کا کام دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ فرائضی غفلتوں نے صیہود کو اپنا نائب بنا لیا۔ وہ غفلتوں دو ایک مرتبہ مجھ سے بھی ٹلی۔ اس کی آمد پر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا۔ انھیں چرچہ دانے بھرنے لگا۔

دراصل میں صیہود کا خدا بن بیٹا تھا۔ میں اسے اپنی مخلوق سمجھنے لگا تھا۔ میں اس پر احکام چلاتا تھا۔

قدرت دیر تک خاموش رہا پھر یوں۔ اللہ کی خدمت میں منتیں بھیجے کہ وہ آپ کو اس جہنم سے بچالے۔

میں نے کہا گیند آپ نے لڑھکایا تھا کیا اب آپ اسے روک نہیں سکتے۔
یہی آپ کی غلط فہمی ہے۔ وہ یوں لگتا تھا اسی نے لڑھکایا تھوڑی روک سکتا ہے۔
کیا آپ میری مدد نہیں کر سکتے؟ میں نے پوچھا۔
اس نے سر ہلکی میں ہلا دیا۔ یوں آپ کو خود کچھ کرنا پڑے گا۔
کیا کرنا پڑے گا۔

اس کی منت کئی پڑے گی، تڑا کرنا پڑے گا، توپ کئی پڑے گی
کس طرح؟ میں نے پوچھا۔
کلام پڑھنی پڑے گی۔ یا اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ کو نکال دے۔
میں نے کہا شائب صاحب میں ایک ٹپاک آدمی ہوں۔ مجھ سے وعید نہیں پڑھا جائے گا۔
مجبور ہی ہے، وہ یوں۔

وہ دن میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ میں نے کہا شائب صاحب آپ جو
فرمائیں گے میں کروں گا اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجیے۔
وہ مہینے میں جانتا تھا خصوصی اوقات پر خصوصی مقام پر بیٹھ کر اللہ کے حضور منت سہاوت کرتا
رہا کہ اے اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ نکال دے۔

وہ مہینے کے بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے میں نے محسوس کیا جیسے میرے سر کا بوجھ اتر گیا ہو۔
میں ہلکا ہلکا ہو گیا جیسے میں نے نیا جنم لے لیا ہو۔ میں نے قدرت کو فون کیا۔ میں نے کہا مبارک
ہو۔
کہنے لگا، کس بات کی مبارک۔

میری رہی برتھ کی مبارک شائب صاحب میں آزاد ہو گیا ہوں۔
یوں آپ ایک بات کا وعدہ کیجیے اب خدمت کرنی ہو گی۔ جہاں تک ہو سکے۔ احسان کے
بغیر، جتنا ہے بغیر عمر بھر، اللہ انور کو اس کا احسان مند سمجھتا ہو گا۔

وفات

آخری ایام میں قدرت اللہ کے معمولات میں شائب نامہ کا اضافہ ہو گیا تھا۔
وہیے تو قدرت عرصہ دراز سے شائب نامہ کتبہ رہا تھا۔ وہ شائب نامے کے کئی ایک باب
اپنی محفلوں میں پڑھ چکا تھا۔ خصوصاً سلسلہ میں۔

سلسلہ اور رابطہ

سلسلہ اسلام آباد کی ایک اپنی عظیم حسی جو ادا جعفری نے شروع کی تھی۔ اس عظیم میں
زیادہ تر ارکان سول افسر اور ان کی بیگمات تھیں۔ اس عظیم کا مقصد عظیم الفرصت لپکاڑوں کو
اپنی تعلقات کی جانب مائل کرنا تھا۔

ایک روز قدرت نے مجھ سے کہا اگر آپ قاری ہوں تو چلیے ایک اپنی محفل میں ہو آئیں۔
کہیں ہو رہی ہے؟ میں نے پوچھا۔
ادا جعفری کے کمرے۔

وہ لوہ جو ساز و صوفی رہی؟ میں نے پوچھا۔
قدرت نے سر ہٹات میں ہلا دیا۔

پانچ چھ دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تو کہنے لگا یہ بتائیے کہ میں آخری باب کا نام کیا رکھوں۔
میں نے کہا 'شاب صاحب نہ میں اسلام سے واقفیت رکھتا ہوں نہ اردو زبان سے۔ آپ
کسی زبان و فن سے پوچھیے۔

کئی ایک دن وہ آخری باب کا نام سوچتا رہا۔ لوگوں سے پوچھتا رہا۔ پھر ایک دن فون پر کہنے
لگا مجھے نام مل گیا ہے۔ اس کی آواز سرت سے یوں چمک رہی تھی جیسے کسی بچے کو فہارہ مل گیا
ہو۔

میں نے پوچھا کیا نام ملا۔

بولتا چھوٹا منہ بڑی بات، کیا ہے۔

میں نے کہا بے حد سوزوں ہے۔

وہ کہیے 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا آپ نے خود کو پیشہ چھوٹا سمجھا، مانا اور اسلام کو پیشہ بڑی بات سمجھا۔

شاب شے کی کتاب مکمل کر کے سو دہ تاثر کے حوالے کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔

وفات سے چار ایک دن پہلے میں اتفاقاً 'شاب کے گھر گیا تو وہ ڈاکٹر ڈاننگ روم میں بیٹھا
تھا۔

اسے دیکھ کر میں چرچا۔ میں نے کہا 'شاب صاحب یہ کیا ہو گیا۔ آپ ایک دم اس قدر
دلچسپ پتے ہو گئے ہیں۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔

اس کی آنکھ میں قاتلانہ چمک لہرائی۔ بولا 'مجھ پر دم کرو مگر اناریاں ہو گئی ہیں۔

کیا میں نے پوچھا۔

مجھے کھانے پینے اور سونے سے بے نیاز کر دیا کیا ہے 'اس نے فرما انہماک سے کہا۔

یہ ہماری آخری بات تھی۔

چونکہ پھر لوگ آگئے تھے بات کی وضاحت دیا ہو سکی۔

وفات

UrduPhoto.com

چوبیس جولائی کو شام کے پانچ بجے کے قریب منشا پور آمید کہنے لگا 'بھئیے میں آپ کو لینے

کیا ہوں۔

کہیں 'میں نے پوچھا۔

بولتا ایک ادبی محفل میں جانا ہے۔

میں نے کہا 'منشا پور تھے پتہ ہے۔ میں ادبی محفلوں میں نہیں جاتا۔

کہنے لگا 'پتہ ہے لیکن اس محفل میں تو جانا ہو گا۔

میں نے کہا 'وہ کس خوشی میں۔

کہنے لگا میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کو لاؤں گا۔

چلو بھی میں شہناہ سمارا وعدہ پورا ہو جائے۔ کاپے اپنا کپاڑہ ہو جائے۔

یہ محفل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں تھی۔ ہاں بھرا ہوا تھا۔ افسر زیادہ تھے۔ ادیب کم

کہ۔ خلدہ حسین کے ساتھ شہناہ منجلی چاری تھی۔

دو ڈھائی گھنٹوں کے بعد جب میں واپس گھر پہنچا تو حسینہ نے کہا 'شاب صاحب کو دل کا

دورہ پڑ گیا ہے۔

میں نے اس خبر کو خاص اہمیت نہ دی۔ شاب کی زندگی میں دل کا دورہ تو عام سی بات

تھی۔ بیسیوں بار اسے دل کا دورہ پڑا تھا۔ جب بھی میں اس سے پوچھتا تو وہ کہتا 'کوئی بات نہیں۔

شیشے کے برتن پر زیادہ دباؤ نہ پڑ جائے تو خرچ جاتا ہے۔

آخری ایام میں ایلو پتیشی کی دواؤں کا راری ایکشن شروع ہو گیا تھا۔ اس نے لندن کے ڈاکٹر

سے رابطہ قائم کیا 'اپنی کیفیت بیان کی اور اسے بتایا کہ میں آپ کی تجویز کردہ دوائیاں ہاتھ لگے سے

کھانا رہا ہوں۔ ڈاکٹر حیران رہ گیا کہنے لگا 'آپ اتنے برس سے مسلسل دوائیاں کھا رہے

ہیں۔ دوائیوں کا راری ایکشن ہوتا ہی تھا۔

قدرت نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا 'کیا ہو سیمو پتیشی میں دل کی ایسی ادویات ہیں جو ری ایکشن

پیدا نہیں کرتیں۔

میں نے کہا 'ہیچا' ہیں۔ لیکن دوا کھانے کا قاعدہ۔

کیوں 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'مجھے آپ کے دل پر ترس آتا ہے۔ ایک طرف آپ اس پر ضرب لگاتے

بکیت میں تھے، پلٹے ہوئے لاگوں رہے تھے۔ وہاں میں کفایت تھی۔ گناہا پیسے پی کر آئے
ہوں۔ دھمت۔

رہتے ہیں۔ دوسری طرف اسے تقویت دینے کے لیے دوائیاں کھاتے ہیں۔

میں نے تھینے سے پوچھا، شاپ کو کب دور پڑا۔

بعد وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا ہے۔ اس کی باتوں میں صیحت کا رنگ نہیں ہوتا۔ حکم نہیں ہوتا۔ دھونس نہیں ہوتی۔ اس کی بات میں منت ہوتی ہے۔ تڑا ہوتا ہے۔

جب میری بیوی کسی رشتہ دار کے خلاف شکایت کرتی ہے تو وہ میرے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس دیتا ہے کہتا ہے 'سنیے نہیں۔ لیکن یوں کہ تبکم کو احساس نہ ہو کہ سن نہیں رہے۔ ہاں ہاں کرتے رہتے ورنہ اسے دکھ ہو گا کہ میری بات پر توجہ نہیں دی۔

میرے دوست دانش ور بھی کبھی اپنے کالموں میں میرا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔

حال ہی میں ایک صاحب نے سرخی جمالی۔ سنو سنو جٹو میں ندی ڈوب گئی۔ فرانیڈ کا بیوکار صوفی بن بیٹھا۔ اس پر مجھے بڑا فحشہ آیا کہ نہ تو اسے فرانیڈ کے مضمون کا علم ہے نہ صوفی کا مطلب جانتا ہے۔ میرے پاس بھی قلم ہے۔ میں بھی ————— قدرت نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ نہ 'وہ یولا' اکتور ہم۔ ذیوالین ڈسٹرین۔

دودن میں اسے صوفے پر بیٹھے دیکھتا رہا۔

میں نے سوچا کہ میرا ذہن چل گیا ہے اور مجھے ویلیو سی نیشن ہونے لگے ہیں۔

چلو اچھا ہوا کہ ذہن چل گیا میں نے سوچا۔

یادداشتوں کی چاند باری سے بچنے کے لیے یہ ایک دفعہ کیے نہام ہے۔ انسان اپنے خوف کے لیے کیا نہیں کرے گا۔

پھر وہ صوفے سے اٹھ کر میرے اندر آ بیٹھا۔

وہ کہتا ہے

جب بھی میری بیوی مجھ پر کوئی الزام دھرتی ہے اور وہ اکثر مجھ پر الزام دھرتی رہتی ہے۔

اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ اسے کہوں کہ بی بی میرا قصور نہیں ہے۔ ————— میں اس

میں کچھ کہہ میں سکے

اشفاق احمد نے کتاب اور مصنف کے حلقہ کی باتیں کیں اور پتہ نہیں کس مصنف کے تحت آخری باب کا ذکر ہی نہ کیا۔

موتے کا ایک گواہ مخرب ہو گیا۔

میرزا یونس نے اپنی کتاب مبراہیم میں قدرت اللہ پر عزت و احترام کے پہلو برساتے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ قدرت اللہ سے جس قدر قریبی تعلقات خان صاحب اور ان کے بچوں کے تھے اور کسی کے نہ تھے۔

میرزا یونس میں بازو قدس نے شباب ہائے کے آخری باب کے حوالے سے کچھ نہ لکھا۔
موتے کا ایک اور گواہ کسی مصنف کے تحت مخرب ہو گیا۔————— میں اکیلا رہ گیا۔

اصحاب کشف

پھر مجھے خیال آیا کہوں تا کسی صاحب کشف بزرگ سے پوچھوں کہ الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

سب سے پہلے میں نے صدیق رامی سے پوچھا۔ میں نے کہا یا اگر قدرت اللہ سے حیرا رابطہ قائم ہے تو مجھے پوچھ کر تا کہ میں الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

چند روز کے بعد صدیق نے مجھ سے کہا کہ ہاں ہاں لکھیے، لکھنے میں کیا حرج ہے۔

صدیق کی بات میں ذہن میں تھا، خود احمدی نہ تھی۔ مجھے اس کی بات پر یقین نہ آیا۔

پھر میں نے ایک دو اور بزرگوں سے پوچھا۔ انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔

میں نے پھر صدیق سے پوچھا۔ میں نے کہا یا تو مجھے ڈھانسیں۔ اگر تو صاحب کشف ہے تو

مجھے صرف یہ پوچھ دے کیا الگہ عمری قدرت اللہ کے لیے آرزوی کا باعث تو نہ ہو گی۔

چند روز کے بعد صدیق نے کہا کہ پہلی بار جب آپ نے پوچھا تھا تو ناخوشواری کا احساس

ہوا تھا

اب نہیں بول مطلب ہے 'اب اجازت ہے۔

صدیق کی یہ بات بھی مجھے یقین نہ دلا سکی۔

کچھ چیزوں نے کہا کہ آخری باب قدرت اللہ شباب کی تحریر نہیں ہے۔ یہ باب ان کے چیلوں ہاتھوں نے تحقیق کر کے شباب ہائے میں شامل کر دیا ہے۔

اس سے پہلے بھی کچھ لوگ اپنے کالموں میں، میں سلسلہ شباب کے چار درویشوں کے طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس پر میں نے سوچا کہ مجھ پر لازم ہے کہ الگہ عمری کھوں اور لوگوں کو بتاؤں کہ یہ آخری باب کا درویش۔ ایک حقیقت تھا اور وہ قدرت اللہ کی تمام زندگی پر ملوی رہا تھا۔
آخر شباب ہائے میں آخری باب شامل نہ کیا جاتا تو میں الگہ عمری نہ لکھتا۔

کشف

بہر حال قدرت کی وفات کے بعد یہ کشف پھر سے جاری ہو گئی کہ کھوں یا نہ کھوں۔ میرے ذہن سے آواز آئی، 'دیکھ ملحق الگہ عمری لکھنے سے حیرا متعدد اپنی شخصیت کو بوست کرنا نہیں ہے۔ شباب کو بزرگ ثابت کرنا نہیں ہے' چونکہ شباب نے کبھی بزرگی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس کے کردار کا بڑا اعظم تو عجز تھا۔ وہ خود کو الگہ عازب بندہ سمجھتا تھا اور حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ترین غلام۔ الگہ عمری میں قدرت اللہ کی تشریف کرنا مقصود نہیں ہے۔ تشریف تو صرف اللہ کی ذات کی ہے۔ پھر تو الگہ عمری لکھنے سے کیوں چٹکاتا ہے۔

پھر دل سے آواز آئی شاید میری یہ تحریر قدرت اللہ کے لیے آرزوی کا باعث ہو۔

نہیں میں چاہتا قدرت اللہ کی آرزوی مجھے گوارا نہیں، کسی قیادت پر گوارا نہیں۔ میرے لیے قدرت اللہ کی گزند سے بڑھ کر کوئی چیز قابل حصول نہیں ہے۔

موقعہ کے گواہ

انہی دنوں ٹی وی نے شباب ہائے پر ایک پروگرام تشکیل دیا۔ اس پروگرام میں تین شرکاء تھے۔ جمیل الدین علانی، اشفاق احمد اور میں۔ یہ پروگرام شرکاء کے درمیان بات چیت پر مبنی نہ تھا۔ ہر شخص کو الگ الگ کتاب اور مصنف کے حلقہ کی اپنی رائے کا اظہار کرنا تھا۔ جمیل الدین علانی نے کتاب کی اولیٰ حیثیت اور قدرت اللہ کے کردار کی تشریف کی اور آخری باب کے مصنف کہا کہ میں شباب صاحب کے کردار کے اس پہلو سے واقف نہیں ہوں، لہذا اس بارے

محسوس ہوتا ہے جیسے ٹیپ کہ رہے ہوں۔ ہونچے 'بالوب' یا 'لاندھ' ہو 'شیار' عالی 'دناپ' 'عالم دین' قدم رہا فرما رہے ہیں۔

شلہ صاحب کو دیکھ کر میرا یقین ایمان کامل میں بدل گیا اور میں نے محسوس کیا جیسے میں ان کی خدمت میں خود حاضر نہیں ہوا بلکہ جیسے گایا ہوں۔

شلہ صاحب کا اسم گرامی سرفراز شاہ ہے، وہ ایک معروف کھیتی میں اعلیٰ حد سے پے فائز ہیں۔ ان کے مرشد محترم سید یعقوب علی شلہ ہیں جن کا وصال ۳۰ اگست ۱۹۸۹ء کو ہوا، مزار اقدس لاہور میں واقع ہے۔ ان کا سلسلہ چشتیہ 'صابریہ' وار ہے۔ اس سلسلے میں روح کے مطابق خلافت سب سے کم عمر کے مرید کو عطا کی جاتی ہے۔

سید سرفراز شاہ کو خلافت ۱۹۸۸ء میں عطا ہوئی تھی۔ جب سے خدمت فلق جاری ہے۔ پہلے میں ایک دن سوموار کو مغرب کی نماز کے بعد عبادت مندوں اور سالکوں سے بلا امتیاز اور بلا افتراق و تفریق ملتے ہیں۔ مشورہ دیتے ہیں، دعا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہر خانے کا رنگ سراسر مستقر ہے۔

انہی دنوں پر اسٹریٹ گیٹلڈ کی وجہ سے میں تیار پڑ گیا۔

میں نے حسب معمول ہومیو پیتھی کا علاج شروع کر دیا۔

چند روز بعد آگے کے بعد لائق ہو جاؤ۔ پھر دورہ پڑ جانا۔

یہ دورہ بڑے تکلیف دہ تھے اور بار بار پڑتے تھے۔

میری بیٹی نقیض جو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے، اس نے کہا، اب یہ ایک مکینیکل رکاوٹ ہے، اسے کٹوائے بغیر چارہ نہیں۔ دو اکام نہیں کرے گی، آپ آپ یقین کروالیں۔

سرجن شکار

ایک روز دو بجے زبردستی ہسپتال لے گئی۔ پھر رات سرجن ڈاکٹر شکار سے ملوایا۔

ڈاکٹر شکار کو دیکھ کر میں جبراً رہ گیا۔ وہ ڈاکٹر نہیں لگتا تھا۔ اس میں روحانیت لہریں لے رہی تھی۔ آنکھ بھری ہوئی تھی۔ لہریں اٹھ رہی تھیں۔ چیمپے اڑ رہے تھے۔

اگر ڈاکٹر شکار کو رات سرجن نہ ہوتا تو شاید میں آپ یقین کروانے پر رضامند نہ ہوتا۔

ملتی صاحب تصوف یا روحانیت پر کتب آپ کے دسے قرض ہے اور قرض بٹا لو جائے اور نہیں ہو گا۔ کتب لکھتے وقت احتیاط کیجئے گا کہ مبالغہ آرائی نہ ہوئے پاسے کہ اسی نے تعلیم یافتہ ذہنوں کو تصوف سے دور کر دیا۔ حالانکہ یہ شرع پر ۱۰۰ فی صد عمل و درآمد کی ایک راہ تھی۔ تاریخ اس پر گواہ ہے۔ فقیروں نے کوئی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی تنہا لاکھوں کفار کو مسلمان کر لیا۔ اس کے برعکس کوئی مولوی آج تک صرف ایک غیر مسلم کو مسلمان نہ کر سکا۔ اپنے تمام تر وسائل کے باوجود۔ امید ہے آپ کی کتب تصوف یا روحانیت کے بارے میں اکثر شکوک کو صاف کر دے گی اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔

امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگی۔ فائدہ کھاتے رہیں۔ پیغم صاحب کی طبیعت کیسی ہے قرآن کیجئے گا۔

حیرت ہے آج آپ کو خط لکھتے وقت بجلی نہیں گئی ورنہ تو بیش آپ کو خط اندھیرے میں ہی لکھا گیا۔ معلوم نہیں آپ کو کچھ میں آیا کہ نہیں یا آپ موت میں ہی برداشت کر گئے۔

والسلام

سرفراز

ہم میں سے

انہیں دیکھ کر میں سمجھا کہ یہ شلہ صاحب کے کوئی کارکن ہیں۔

اصل شلہ صاحب انہی شریف لائیں گے۔ سفید ریش ہوں گے، لمبا چنڈ نصب تن ہو گا، انداز مزینت سے بھرپور ہو گا، جیسے مروج عالم دین، بزرگ یا پھر فقیر ہوتے ہیں۔

پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے کہ ملنے کا نام 'بزرگ' اور پھر صاحب کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ ہم میں سے نہ ہوں، جیسے وہ کوئی غائب مخلوق ہوں۔

شلہ صاحب کے پاس بیٹھ کر میں نے محسوس کیا جیسے وہ ہم میں سے تھے، جیسے میرے پاس کوئی دوست یا ساجھی بیٹھا تھا۔ اس کے برعکس ملنے دین کا انداز کچھ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر

آپریشن ہوا تو مٹانے میں سوزوہاؤ کشیڈیا داخل ہو گئے، جو چھپ جاتے ہیں۔ انفکشن ہو گئی۔ پیٹ میں سوزاؤ کر کے کئی لگا دی گئی جس سے چھٹاب براہ راست تھیلے میں خارج ہو جاتا تھا۔

ہسپتال میں میں تین مہینے پڑا رہا۔

ان دنوں مجھے صرف ایک فکر دامن ہے، قہار کیا مجھے اگلے گھری کو عمل کرنے کی صلت ملے گی۔ مرے کا خوف نہ تھا۔ مرے کے لیے تو میں عمر دروازے چار بیٹھا ہوں۔ اللہ نے ایک بھر پور زندگی عطا کی۔ اتنی "ریج" زندگی شاید ہی کسی کو عطا ہوئی ہو۔ صرف ایک خیال دامن گیر تھا کہ اگلے گھری کو ضروری نہ رہ جائے۔

ڈاکٹر ثار روزانہ رولڈز پر آتے تو میں ان سے کتا ڈاکٹر میرے لیے دعا کرو۔ لوگ پہنچتے تھے کہ یہ کیا احمق مریض ہے، جو ڈاکٹر سے دعا کی بجائے دعا کی بات کر رہا ہے۔ ان دنوں سرفراز شاہ مجھے حوصلے دیتے رہے۔ مجھے یقین دلانے لگے کہ اگلے گھری عمل ہو گی۔ انشاء اللہ، بلکہ ابھی تو آپ کو ایک کڑیچہ لگتا ہے۔

اہلِ ایلا

شاہ صاحب نور شیریں کے علاوہ ڈاکٹر نقی اور ڈاکٹر اہلِ ایلا میری صحت بہتر بناتے رہے۔ چھ سات سال گزرے، مجھے ڈاک کے درپے ایک کتاب موصول ہوئی۔ کمال کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب نہ تھی بلکہ کتاب گمے درف تھے جن پر جلد پڑھا رکھی تھی۔ یہ کتاب کتابوں کا ایک مجموعہ تھی۔ ساتھ ایک خط تھا۔ کتا قادیکی بچے کتاب اشاعت کے لیے ہائل تیار ہے، لیکن یہ پیسے کی نہیں، جب تک آپ اس کا پانچ نہ لکھیں گے۔

یہ ایک انوکھا طرزِ مصنف تھا، وہ خط نہیں تھا بلکہ ایک دھول تھا، لیکن اس دھول سے بے پلاں غلوس تھا۔ میں نے سوچا یہ کون صاحب ہیں جو غلوس میں بھیگی ہوئی دھول سے

اڑے یہ تو ایک غلاب علم ہے۔ وہ بھی ایم بی بی ایس کا ایم بی بی ایس کے غلاب علم کو تو

سرکھالے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس شخص نے اتنی ساری کتابیں کیسے لکھ لیں اور پھر اڑا سونخ کا یہ عالم کہ پیشاب بھی دھوینڈ لیا۔ پیشاب پر اسے لکھنے والے کو بھی نہیں ملتا۔

کتابیں پڑھیں تو میں ہکا بکا رہ گیا۔ روایتی رنگ میں رنگی ہوئی اتنی چٹل۔ اتنی ہیکے۔ یہ بندہ ہے یا جن ہے اس جن کا نام اہلِ ایلا تھا۔

پھر اہلِ ایلا نے مجھے خط لکھتے شروع کر دیے۔ طویل خط اپنے تجربات مشاہدات، آپ جیتے واقعات، شرارتیں، محبتیں، سب لکھتے۔

میں نے اہلِ ایلا کو لکھا کہ آپ کے خط بے حد دلچسپ ہوتے ہیں، پڑاڑ ہوتے ہیں، لیکن نہ تو مجھے خط و کتابت کی عادت ہے اور نہ میرے پاس وقت ہے۔ لہذا آپ کو ایک ہاتھ کی تلی بھائی پڑے گی۔

ڈاکٹر نے کتا لکھا کہ پڑو نہیں، ہم ایک ہاتھ کی تلی بھائے کے جاوی ہیں۔

ڈاکٹر نے ایک ہاتھ کی تلی کے جواب میں اگرچہ میرا ہاتھ نہیں ہٹا تھا، لیکن دل ضرور ہٹا تھا۔

یہ ایک ہاتھ کی تلی کئی ایک سال بھتی رہی۔

پھر ڈاکٹر نے اسلام آباد تھل ہاؤس میں ہو گیا۔

وہ روزانہ ہسپتال آتا تھا۔ پیشاب پر امید۔ مجھ سے کتا۔ ابھی تو آپ نے اگلے گھری عمل کئی ہے۔

تجربے کیسے پڑے کہ وہ عمل ہو جائے گی۔

مجھے پتہ ہے، وہ جواب دیتا۔ میرے اندر کوئی بڑا ہے۔ کتا ہے۔ مفتی سے کہہ دے یہ کتاب عمل ہو گی۔

پھر کئی کال سکویہ جمائیر آجاتا ہے۔ جواب آئی، پیٹلٹ ہے۔

ڈاکٹر جمائیر ایک سیک۔ مسک فرمے۔ اس کی کسی پہ معلوم ست سے تار جڑی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اک پچھلی پچھلی رہتی ہے اور وہ اپنے مدھم ذریعہ انداز میں کتا ہے یو دل

بی کل رائیٹ۔

شاہ صاحب، ڈاکٹر ثار، ڈاکٹر جمائیر، ڈاکٹر اہلِ ایلا اور ڈاکٹر نقی، ان سب نے میرے

دل میں ایسے کی کرن ہنگامے رکھی۔

اس کتب کی تکمیل شاہ صاحب کی مرہون منت ہے۔ وہ مسلسل میرا حاصل ہندو جاتے

رہے۔

عرفِ آخر

آج میں عمر کے ۸۷ ویں سال میں ہوں۔ زندگی کی گماگمی سے گزر چکا ہوں۔ پلیٹ فارم پر بیٹھا انتظار کر رہا ہوں کہ کب گاڑی آئے اور میں سوار ہو کر رخصت ہو جاؤں۔

مجھے جتنی ہوئی باتیں یاد آتی ہیں تو حیرت میں ادب جاتا ہوں۔

بھری زندگی میں دو چار باتیں حیران کن ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جب بھی بھری زندگی میں کوئی مشکل مقام آیا تو اللہ نے ہاتھ بڑھا کر مجھے بچا لیا۔ ان دنوں میں بھی جب میں اللہ کو نہیں جانتا تھا نہیں جانتا تھا اور ان دنوں میں بھی جب میں نے اسے جان لیا۔ ان لیا۔

ایسا کیوں ہوا۔ وہ مجھ پر اتنا مہربان کیوں تھا کیوں ہے۔ مجھ میں ایسا کوئی وصف نہ تھا نہ ہے۔ جس کی وجہ سے مجھ پر کرم فرمائیاں کی جاتیں۔ اللہ میں ایک گڑا ہوا بچہ تھا جیسی ہڈیات میں لٹ پٹ لو جو ان قلم میرا ذہن تھک و شہست سے بھرا ہوا قلم مغرب زدہ قلم

میں منہ زبانی مسلمان قلم میں نے اپنی ساری زندگی قلم چوسنے بلیسی میں گزار دی۔ میں نے اپنی ہاں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔

مجھ میں کوئی بھی ایسا وصف نہ تھا جس کی وجہ سے مجھے نوازا جائے۔

دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ جوانی میں جب میں نے مجھے مل کے حلقہ رفیع الدین کی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہا ہے۔ مجھے ان باتوں پر غصہ آتا تھا۔ کون بڑھائیوں انتظار کر رہا ہے۔ نہیں میں نہیں چاہوں
 کہ میں چاہوں کہ نہیں مانتا۔ میں ایک آزاد آدمی ہوں جو چاہوں گا کروں گا۔
 پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ مجبوراً مجھے لازور چھوڑ کر دلہنہنی آنا پڑا۔ سامع اللہ بخش
 اور خواجہ جان محمد بٹ دونوں بزرگ میرے شہر تھے۔ انہوں نے مجھ پر رقت طاری کر دی۔ پھر
 میرا سفر بدل دیا۔ یہ ایک حیرت انگیز سفر تھا۔ تہذیبی حق۔ چاروں طرف مجھے اللہ ہی اللہ نظر آئے
 لگے۔ مجھ پر اتنی بڑی کرم فرمائی کہ میں گئی اب حیرت کے ساتھ ساتھ میرے دل میں شکرگزاری
 کے جذبات پیدا ہو گئے۔ مجھے خواجہ جان محمد بٹ سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ پھر بھی میں عقیدے
 سے بے گناہ رہا۔

اس کے بعد میرا چلہلہ کراچی ہو گیا۔ کراچی میں پہلی بار میں قدرت اللہ شہاب سے ملد
 میں انی طور پر ایک چھوٹا آدمی ہوں۔ اس لیے بڑے افسروں سے ملنے سے الریک ہوں
 لیکن قدرت اللہ شہاب کے بجز اور وسعت قلب سے متاثر ہو کر میں اس کی چٹک چٹک چٹک
 اس کے قریب گیا تو اس کے چند ایک اوصاف دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔
 وہ بہت ذہین تھا۔ قابل تھا۔ خود کو کسی شخص سے برتر نہیں سمجھتا تھا اس میں بڑا کام
 تھا۔ رواداری تھی۔ برداشت تھی۔ مہربان تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کی زندگی میں ایک بے اسرار عنصر ہے۔ اسے
 بدایات موصول ہوتی ہیں وارنگ دی جاتی ہیں۔
 پھر میں کئی سال اس بے اسرار عنصر کا کونج لکھنے میں لگا رہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کوئی ہے
 اس کی کوئی حیثیت ہے۔ بزرگوں میں اس کا کوئی مقام ہے۔

اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا ایک کالی ہے اور کسی خاص کام کو سرانجام دینے
 کے لیے مقرر ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون سا کام ہے اور اس کا کیا پیش ہے۔
 بہر حال میرا دل اس کے لیے جذبہ عقیدت سے سرشار ہو گیا۔ میرا ایمان ہے کہ میری تمام
 تر زندگی کا سب سے بڑا مشاہدہ قدرت اللہ شہاب ہے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم
 پر سب سے بڑا کرم کیا تو میں جواب دوں گا کہ سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اللہ نے مجھے
 قدرت اللہ شہاب عطا کیا۔

خدمت میں بھیجا جو پیشہ تسلیم کرے بزرگ تھے۔ تو انہوں نے مزاح کر کے فرمایا کہ والدہ صاحبہ
 سے کہہ دیجیے کہ جس بات سے وہ خوفزدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی۔ بڑی بدنامی ہوگی رسوائی ہوگی
 تخیل ہوگی یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا لیکن آخری عمر میں انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں
 گے۔

مالی صاحب کی بات حرف بحرف سمجھ جاتی ہوئی۔ میری وجہ سے بڑی بدنامی ہوئی رسوائی
 ہوئی تخیل ہوئی اس دوران میں بھی ہر مشکل کے وقت اللہ نے مجھے ہاتھ پڑھا کر بٹھالیا۔
 جب محلے دار لالعلیاں اٹھائے مجھے تلاش کر رہے تھے تو دھن "میرے منہ پر انگیریا کے
 پھلے لکل آئے جو پھوٹ کر ڈھم گئے اور ایک جڑاں کے پکڑا جا کر میرے منہ پر قہقہ
 دیا۔ میرا منہ کھلا ہو گیا۔ محلے دار کی بار میرے قریب سے گزر گئے "وہ مجھے پہچان نہ سکے۔
 مجھ پر چوری اور دعوہ دی کا مقدمہ چل رہا تھا۔ عدالت میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو میری
 منہانہ دیکھائی مجھے جاننا نہ تھا۔ جو جانتے تھے وہ میرے دشمن ہو رہے تھے۔ میں اس وقت ایک
 قہقارے دار پند نہیں کہیں سے آگیا۔ اس نے عدالت سے عرض کی کہ جناب میں اس کی منہانہ
 دیتا ہوں۔

وکیل نے کہا تم اس کی منہانہ نہیں دے سکتے کیوں کہ تم قہقارے دار ہو۔
 قہقارے دار نے اپنی چٹائی اتار کر جینز پر رکھ دی بولا:
 عالی جلالہ تو میں منہانہ دے سکتا ہوں۔
 وہ قہقارے دار کون تھا مجھے علم نہیں۔ اس نے کیوں میری خاطر اپنی نوکری واؤ پر لگا دی۔
 حیرت انگیز طریقوں سے اللہ نے مجھ پر کرم فرمائیں کہیں۔

پھر تقسیم کے وقت جب میں پاکستان آ رہا تھا تو میں کیسے غامض کی ایک ایسے اتفاقات
 ہوئے جن کی وجہ سے ہم سب خیریت سے پاکستان میں آ پہنچے۔ کیا وہ اتفاقات تھے۔ نہیں اسنے
 سارے مثبت اتفاقات نہیں ہو سکتے۔ قدم قدم پر میری مدد ہوتی رہی۔ کیوں؟
 یہ ان دلوں کی بات ہے "جب میں اللہ کو نہیں تھا "پھر بھی مجھ پر حیرت طاری رہی "اسنے
 اتفاقات۔ مسلسل سے اسنے مثبت اتفاقات یہ کیسے ہوا۔ کیوں ہوا۔

پھر سب سے مجھے کہتے رہے۔ اور چلا جا۔ جہاں سب بڑھائیوں ہیں وہاں ایک بڑھالہ تھا انتظار کر



میرے دل میں اس کے لیے جذبہ عقیدت تھا، اس کے لیے ہمت پر مبنی تھا۔ وہ کتا تھا۔
عقیدت اچھی چیز نہیں۔ عقیدہ پاؤ۔

مجھ میں جذباتیت تھی، شدت تھی۔ وہ ان دنوں خصوصیات کو "اُس کو ملی ٹیکنیشن" کہتا
تھا۔

پھر ایک اور بات تھی اس پر بات چھپانا عام تھا۔ دبا "بھی وہ کہنے والا نہیں تھا اس کے
برعکس میں دبا "کہہ دینے پر مجبور تھا۔

مجھے شک پڑا تھا کہ میں اس کی آزمائش تھا۔ اس کے راستے کی رکاوٹ تھا۔

میں صرف آخری باب چاہا ہے۔ باقی ۵۰ ابواب جھوٹ نہیں مگرچ بھی نہیں ہیں۔
 جب میں نے ایک کبھی تو دانش وروں نے کہا کہ مفتی نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ
 یہ ثابت کرے کہ قدرت اللہ شباب ولی قہد
 عام طور پر ولی قہد افسر ہوتے ہیں۔ قدرت اللہ قہد افسر میں قہد اسے بیکر ٹیٹ سے
 قلع قہد
 قدرت اللہ کی وفات کے بعد اتفاقاً لاہور کے ایک بزرگ سید سرفراز احمد شاہ صاحب سے
 میرا رابطہ پیدا ہوا۔
 محترمہ صفیہ شیریں صاحبہ وسیلہ بنیں اور میں نے محسوس کیا کہ میں خود شاہ صاحب کی
 خدمت میں حاضر نہیں ہوا بلکہ مجھے ان کی خدمت میں بھیجا گیا ہے۔
 قدرت اللہ شباب کی کرم لوازیں وفات کے بعد بھی جاری و ساری ہیں۔
 جناب شاہ صاحب مجھ پر بہت نرمی ہیں 'حالا' کہ مجھ میں کوئی ایسا وصف نہیں کہ وہ مجھے
 قتل اعتنا سمجھیں۔
 شاہ صاحب بہت بڑے بزرگ ہیں۔ وہ صاحب کشف اور صاحب دعا ہیں اور جہاں تک
 میں سمجھتا ہوں ان کا مرجہ بہت بلند ہے۔
 صاحبزادہ میں داخل ہونے کے بلکہ ایک بڑا خوش نصیب فرد ہوں۔ دعا فرمائیں کہ میرا انجام
 بخیر ہو۔



شاہد قات میں الگوی کے خیر میں ممتاز مفتی کو محمد حسین بیگل کی کتاب "حیات محمد مصطفیٰ ﷺ" پیش
 رہے ہیں درمیان میں افتخار عارف ڈی بی الگوی کمرے میں پہنچ پر عزت مک بیٹھے ہیں (۱۹۹۱)



ممتاز مفتی اپنے اہل خانہ کے ہمراہ (۱۹۹۱)

برای هر قسم از این کتاب

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

مستند

برای هر قسم از این کتاب

مستند

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

13. 6. 60

IV meern

..... /

آپ نے اپنے تبادلوں کا میں خوب کما ہے۔ کہ ہو گیا
میں لیا ہے اور نہیں ہو سکا۔ آپ اعلیٰ تھے مگر
کا اسب سے اب تو فیصلہ ہو گیا ہو لا۔ خدا
بہرہ کرے۔

شہاب اسب سے مرے بے گئے سو گئے۔ ورنہ
چن روز ہوئے تو ڈر آیا تھا کہ وہ ایک روز میں
جانے والے ہیں۔ ان پیاروں کو میں دوسرے
پریشانی اٹھا رہا تھا۔ میری بی اور بیاں میں
کی ہیں۔ ہم دونوں کا دنیاؤں کو آکر رہنے تو
علیٰ ج کرنا۔ اب بیاں جانے۔ کچھ کم دتتہ ہیں
نہ اصل مقدمہ پورا ہو جائے۔ اور ہماری سلیاں
میں دودھ ہو جائیں۔ شہاب جیسے نیک اور شریف
آدمی کو فواء محواز میرے ساتھ اتنا کلمہ بگلتا
پڑا۔ پچھہ باقی طمان کی پریشانی دیکھے
سے۔ شادی کی تو بہوی بھی کوئی خوشی نہ
دے سکے۔ بہتہ نہیں کن گلتا ہن بلی سزا
مل رہی ہے۔ خدا صاف کرے۔

پتہ نہیں لیا کیا کائی ہوں۔ بعض دفعہ
بہت پریشان ہو جاتی ہوں۔ مدد نہیں
ایک آبا ہو گا۔ ان ارسالوں میں

دل قلمے ہیں۔ ہر ناشدنی نہیں مرے بلکہ
بہر ہیں ہر اکس سے بہت بہر ہیں۔ ایک وہ ہیں
بہر بہر کا دکھ ہیں کوئی شکل نہیں بننا بیان کرنا
فخوار تو ہیں۔

حیرت کیاں ہیں اب کا لی ہو گیا۔
برسان مال کی خدمت میں سدا۔
میاں جان کی خدمت میں بہت بہت سلام
عزیز کر۔ جیسا۔

دراسدا

علاج دعا
عقد

رادر حرم قید منی حبس

اسکے کیم۔ یہی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا

موضہ $\frac{1}{2}$ کو غائبہ کی کوئی کام نہ تھا وہ صرف $\frac{1}{2}$ 23 سے $\frac{1}{2}$

کہ غامی کوٹ بند رہنے کے سبب میں خوشاب اپنے گھر پہنچا

آپ کا گراہی نامہ اغلب باری غیر عافری میں یہاں پہنچا جو کوٹلی کا

گورنوں نے عام ڈاک میں رکھ دیا۔ خیر و غور جوئے میں نے جب

پہلے عام ڈاک کا بندہ دکھایا تو آپ کو فرشتہ نامہ بکھر خوشی بھی

چوکی اور ان ٹولوں پر بھی دھڑکیا اگر یہ گورٹ کے وقت پر دہیتے

تو یہ آپ کو جواب پتہ کر لیتا۔ حالات بالآخر وقت صحت خواہ

میں۔

آپ عاجز ہیں کہ میں کدہ صحت بہار دہشتہ داران بنوں

اسکے کیم۔ آپ کو یہ سلفی نیکوئی دیکھ لے اور تم کو فرمائے
ہے کہ میں نے دہار الہی میں دعا کر دی ہے۔ تنہا خوشگوار
نظر آئے ہیں اللہ کریم برکت فرمائی۔

سبب وجہ گراہی نامہ خیر و غور $\frac{1}{2}$ کوٹلی میں

نہیں دیکھنے والا ان کی خدمت میں صرف $\frac{1}{2}$ کا کوٹلی میں تھا

جو کہ غالباً ان کو مل گیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سفر والوں نے

اس کو رک لیا ہو۔ کیونکہ آپس میں مشفقانہ نامی لا منسل

عال تھا۔ تو میں انہیں دوبارہ خدا کو یاد دلاؤں۔

بچ کے تسلی ہے بھی انہوں نے خیر فرمایا تھا کہ زمی اصل

تیار دی ہے کہ میں بھی اصل بچ کے بچے جاؤں یہاں تک

میں مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سببوا

آیات و قری الہیہ وجہ کے خوب میں حضور نے دوبار ان الفاظ

میں لکھ دفرمایا۔ اچھا اسے بھیج دو۔ بہت اچھا تم اسے
بھیج دو۔ ایک دفعہ حکم قبول کر کے میں ہوا ہو گیا۔ خدا کی لائن
نہیں باکی یہ ہے تھا۔ نہ وہ خدمت ہی دی تھی وہ نہ ہی ارادہ ہی تھا



BOFT MAIL

AEROGRAMME

1. AIR MAIL IS CHARGED
2. THE COUNTRY OF DESTINATION
3. AIRCRAFT MAIL



Hon. Excellency Qudus Gullsh Shadab
Pakistan's Ambassador to
Holland, The Hague
Holland

Haris Meera Ghalib Hame
4. Habibullah Road, Lahore

1068

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

neern

نہ آتا تھا نہ اللہ کا رسول - دینی مقصد چھوڑ دیں تھیں اور ان کی پھر پڑا ہے -
 بات نہیں تھی - کہیں یا کہ ان لغات اور کلام کی بدعت نے ہمیں اس کو
 چھیننے بنا کے دکھایا -

بیان کی لغات اور کلام کی بدعت ہی اللہ بیان کی تسبیح و ثناء
 میں ہے آپ صفت ہے - یہی آپ صفت آؤ - آئی - اسی صفت کی خان
 بے نیازی کے صحت سے ہم کلام کا انداز ہی عرفان بنارہا -
 کہیں تاکہ ہے ؟

بچے آپ برس میں پلے سے کس زیادہ - غار روزہ ، درد وظائف
 سے تشغیر رہا - کہیں نہ کوئی چھوڑا ڈھکی ، نہ کسی نہ پھر پڑا ہے -
 باطن میں وہ تاریکی صفت ہی تھی جس میں چھوڑا جس بیدار ہوئی - کہیں ظاہر
 کی جس کو یہ روشنی اندھیرا نظر آئے گی - وہوں نے اس نام میں گرفت
 پر جا لور دیے دلاہتر آئے بڑھا ، جلن چار دیواری کا داروغہ بھرتو
 آ گیا - اور آپ نے چار کام یہ چھوڑا ہی اٹھ گیا -

خط جانے اچھے اور کھیلے باقی ہیں ؟ کہیں ترقی کے اس
 زمرے میں صبر اور شادمانی کا کچھ اور ہی نشاط ہے !

تجربہ -
 ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱

میری - ابو نعیم

آج آخروہ تاریخ ہی آئی جس دن ہم پٹنہ سے واپس کر رہے
 تھے کہ ایک صند دربار اور چالی سال کے مرد سے ہے - الوداع کی اجازت مانگی
 اس وقت سے کہ وہ اس علی بن ابی طالب کا شاہینہ لڑ رہا ہے - البتہ تاریخ کی اجازت
 پھر ہی ہے - سوائے اس کے کہ بات چیت کے لئے عادت کا ایک جہاں چلیا گیا ہے
 بات چیت رہے ! (دو دنوں تو اب اسی تاریخ کو اظہار میں ہی ہو رہا ہے کہ
 کشت ہونے اور روس میں صدر شہنشاہ کا آئندہ ارٹھن ہوا ، اور.....)

اس ایک ہی کامیاب نہ تھا ، تو ایسا ہی آپ کے پیار کا ایک
 اور چھوڑا اٹھ گیا - آئندہ میں تعویذ بہت دے گا اور کچھ رحمت کا
 خدمت پر کھتا ہے - کہیں آئندہ میں پھر بھرتی اور لاچار ہوں گا
 یہ کیا چھوڑا آئندہ میں ، بکھر رہا ہے -

پلے چھینے یہ شکا ہے ہی کہ جب بھی نماز روزہ ، درد
 و کاف میں شدت پیدا ہوئی ، چھوڑا دیں پھر پڑا ہے میں ہی
 شیعہ انسان ہونا ہوا ، "مشتف" ہوا ، کہ اس کی حقیقت وہ
 کچھ اندھ تھی - دراصل نماز روزہ ، درد وظائف کا مقصد

اب آءم پر مطلب :-

۱۔ شیعہ کے تسلسل آپ کے مذہب کا منظر ہے۔ فی الحال اسے دیکھو
دیس۔

۲۔ در سو رو چہ کا معنی آرد رستہ رستہ ذیل پتہ پر بھیجے دیں:-

محمد اشراق خان
۶۷۴

476

قنادہ پولیس۔ باغ۔ آزاد کشمیر۔

۳۔ کچھ عرصہ پہلے خزانہ کا ایک بار پھر پانچ سو روپے کا قسطی آرڈر آپ نے بھیجا تھا۔ اسکا رسید ملے یا نہیں ؟

۱۔ موسم بہار کے پاس شہرید باغ نماستان خفاؤ چو دروہی کی گشت
 ہے عجب اس باغ میں ہے کھل گئی۔ یہ صرف اپنی بنا برائیاں
 کرتا جا رہا ہے کہ آپ بھی (دیوانہ) نہ سمجھتے ہیں کھل
 نہ تھے۔ (وہ کھل اپنے افسانے میں ہے) ۱۱

فازنده

Ureidophanes n. sp.

Ur1074Photo.com

دي ييب
٢٦ / اشد

کرمی - اسلام علیہ السلام

ابھی ایک راجہ کا منہ مہر جس پر شاہ علی سے پانچوں بھائی
 تیار تھے ! اس کی تاثیر کی وجہ سے کلہ کھیا ہوں ۔ امیر سے مل گیا تھا
 خدا کا حکم کہ آپ شہل شاہی سے نکلیں یا ہوں ۔ دعاؤں
 نے بڑا ساتھ دیا ۔ تھکائے مختوم تو مل جاتی ہے ۔ تین تھکائے مہرور
 دعا سے مل جاتی ہے ۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی ۔ بھائی جان اور سہیلی
 سرور دعا کو اتے ہیں ۔
 میری بھائی جان آسان جاتی ہیں ۔ چمکا دوں وغیرہ

مردم دعا خواندند و فرمودند:

یہ انی ہاشاں آسان بری ہنس - خداوندون دنگہ
کی آمیزش سے ہنس دین رہیں دینی ہنس - اب دوسری بات ہے - اب
تو بن دتی تھرا - پھر دینی ہاشاں - اب دوسری بات ہے خداوندون دنگہ
کی! خدا بنا تھو ہے خدا دشت جاری بنی رہی -

مجلس اعلیٰ ہندوستان

عمر

Close

1000

فقد عرفت انهم قد اختلفوا في

Letter Posted
on 1.9.65.

جی پیٹ -

۳ رندری - ۱۹۶۲

تقرری - اسلام علیہ

خط سے خبریں معلوم ہوئیں۔ معلوم ہئی یوں، مجموعی تاثر
میں ہلکی سی شہسوکاری دکھائی دے رہی ہے۔ چند خبریں بھی ایسی نکلیں۔

خبروات پھر بھی بدستور قائم رہتے ہیں۔ وانی سے کنارہ کش ہئی ہونا
چاہئے۔ اس کے ساتھ رابطہ جاری رکھنا چاہئے۔ نہ معلوم
کس وقت قلوب القلوب اس کی حالت بدل دے۔
۴۔ آئی ڈی ڈیٹا ڈیوی و ضرور یرقان ہی ہوا ہوگا۔ اچھی دیکھو
بات کا خلاصہ ہئی ہے۔ ان کے اگلا نئے میں درج ہے کہ ان کا عمل

ان کا نام ایک طرف ، اندر ہی اندر یہ احساسِ شکست
و مایوسی دوسری طرف : اس تضاد اور خلیج میں

یہ اہلِ عجب کو کلمہ دھندا ہے - مجاہدہ میسر ہو تو شوق میں گواہ رہ
جاتی ہے - شوق تیز ہو تو مجاہدہ کھڑو رہ جاتا ہے - ان دونوں

موجودہ ٹروپ کام کرنا ہے۔ کام اچھا ہو رہا ہے۔ کیسے۔

عنادی اور فسادی عنصر بھی گھات میں لگے ہو رہے ہیں۔

اس لحاظ میں خبروں یا انوائسوں سے مطلع کرتے ہیں۔

4۔ میں اب ہمتن اپنے پردہ نام میں لکھا ہوا ہے۔

پچھلے چھ ماہ گویا ہوا۔ tuning کا عرصہ تھا۔ اب

۔ frequency، wave-length

3.5 جن 1964

تقریب - السلام

دہلی کے بٹھائے اب امید ہے کچھ ساکن ہو چکے ہوں گے۔

ان کی ٹیگ دے دیا گیا۔ رشتہ اختیار کرتی ہے۔ کیسے۔

تقری - اسلام علیہ

دونوں خط مل گئے۔ بھائی جان کا ارشاد سن کر
دل مطمئن ہو گیا۔ ان لوگوں کی باتیں وہ توں ہی جانیں۔
اپنا کام تو ختم یہ ہے کہ جب تک بشارت نہ سن لیں
فکرت ہیں۔ جب سن لیں تو مطمئن ہو گئے بیٹھے جائیں۔
چنانچہ اب بیٹھے ہیں!
بھائی جان اور ساس کی کئی خدمت میں میرا سلام
عرض کرتے ہیں۔

۲۔ ۵ جولائی کو مجھے لندن سے بلاوا آیا تھا۔ آٹھ
دن وہاں رہ کر پوسٹوں سے واپس آیا ہوں۔ [بھائی جان
میں تو ۵ جولائی ہی کو لوٹے تھے!]

لندن میں اچھی ملاقاتیں ہیں۔ دنیا کا
ہر موضوع زیر بحث آیا۔ کینن واپسی کی بات نہ
انہوں نے اٹھائی نہ میں نے۔ دونوں کا انداز

۶۔ دثوق سے بنا تو محال ہے۔ کینن ذوقاً بھی
اندازہ لگتا ہے انشاء اللہ آٹھ سال ارض منور کی زیارت
نصب ہوئی۔ تھام طویل ہوا یا مختصر، پر صورت میں
آپ کی شرکت کا اہتمام بھی ضرور ہوتا۔ انشاء اللہ۔

۷۔ بیڈی بخیریت پہنچ گئی ہے۔ اب اپنی والدہ کے پاس
برضی جا رہی ہے۔ غصت فریب ہے۔ اور آپ سب کو
سدم ملواتی ہے۔ تاقب لفظ خوش دھرم ہے۔
اکثر "معتی جا حب" اور "وہ ہے" کو یاد
کرتا ہے۔

۸۔ آپ کے خط اب دیر دیر سے آنے لگے ہیں۔
وجہ ضرور مصروفیت ہوئی۔ مصروفیت کا لحاظ بھی
لذم ہے۔ کینن یقیناً میں اپنے فطری رفتار اور
قائم ہو جائے تو شاید زیادہ گراں نہ فرمے۔

۹۔ تمہارے بارے میں
مزید خبریں دیا کوئی
ڈاکٹر بتا سکتا ہے کہ اس
کان کے لائنیں ہم کا آلہ

کے ساتھ اشتقاق اور تدریس کے متعلق آپ کا کہنے کا
موقع ملا۔

۵۔ راجہ صاحب، خان صاحب کو ہم سب کی طرف سے
بہت بہت سلام۔ اگر دانی صاحب بھی اپنے ذہن کی
غلام گردشوں سے نکل آئے تو ان کو بھی سلام۔
جو کچھ اچھا برا وہ محسوس کرتے رہے ہیں وہ محض
مصحف متخیلہ کا کچھ نکل ہے۔ علاج اس کا
اللہ کے لئے ہے۔

۶۔ غوث سلام کیلواتی ہے۔ مولوی صاحب بہ نور
حق صاحب کو اور راجے صاحب کو یاد کر لیتے ہیں۔
دعائے خیر
نور اللہ

کچھ ایسا تھا کہ ”مجھے کیا پڑی ہے کہ میں یہ ذکر پھیروں
تہم پر عرض ہو تو بولو۔“ چنانچہ دونوں اس موضوع پر
کاوش کرتے رہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ
ہے۔ آسم کو درخت پر لٹا رہے دیں، تو وہ سرد
نہ ہو گا کہ خود بخود موسم کے مطابق پلٹتا ہے۔ اگر اسی
پرانی میں رکھیں، تو دوسروں کی مرضی کے مطابق پلٹتا
ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہو، کہ دونوں
ایک دوسرے کی پرانی سے محفوظ رہیں اور فقط اس
واحد ذات کی رضا کا انتظار کریں۔ واللہ اعلم۔

۳۔ نقوش کا آپ جتنی بھر دیکھا۔ بہت اچھا ہوا
کہ میں کچھ نہ لکھ سکا۔ ورنہ آپ کے معنوں کا آخری
حصہ بے معنی ہو جاتا! اب ہم از ہم آپ کے معنوں
کی وجہ سے کچھ نہ لکھ سکتے تو قائم رہتے۔

۴۔ لندن میں جا دید۔ ہمیں ملاقات ہوئی تھی۔ اس

بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں کچھ
دوسروں کے لئے۔ کچھ دین کے لئے دعا کرتے ہیں کچھ دنیا کے
لئے۔ یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ جائز، ضروری اور
مفید ہیں۔ لیکن کچھ لوگ، خالص، ایسے بھی ہیں جو
محض اللہ کی رضا کے لئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ جب تک
کسی تک نادم میں دربار ایسے لوگ موجود ہیں، اس
پر مہمت تو آسکتی ہے کہیں تمہاری نہیں۔ دعا اور توسل
کوئی کہ پاکستان میں ایسے لوگ ہمیشہ موجود ہیں

۴۔ ہندوستان کے پورے ٹیکسٹ میں ہیں۔ بین الاقوامی
منڈی میں بھی انصاف اور ایمانداری بہت کماب ہے۔
ہمارے لئے ابھی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے۔ منتہی
ہوا۔

۵۔ پہلے میرا خیال تھا کہ ۲۰۱۰ء قحط ہو گیا ۵۰ سال
زندہ کی اس جگہ کے دروازے دروازے۔ ان دو
جگہوں نے توئی بھائی پٹی خدیں بڑا اہم پارک
کھیلے۔ ان مقامات پر تعمیر نو کی ایسی نیا د
پڑی چاہئے تو آئندہ بچنے بچنے کے مشعل راہ اور

مکرمی - اربعہ

آپ کے پیاروں و عزیزوں کی ساقیہ طے ۷ ستمبر
۱۲ ستمبر دوے برسوں ۱۱ ۲۳ ستمبر اور ۱۴ اکتوبر
دوے طے ۱۱ ستمبر وادی تھی۔ غائب اب تک سوائی
کتاب کا نظام نارمل ہو گیا تھا۔

۳۔ دیکھتا ہوں پاکستان پر جو فتنل کیا
ہے۔ وہ تمام شکریہ ہے اور مقامِ عبرت بھی۔ ہم
لوگ بھی جو تھے جسے مسلمان میں رہ تو ظلم ہو گیا ہے۔ اس
پر بھی نوازے صبر و غایت ایمان کی تلقین رکھی۔
آزمائش کے وقت جو نوازیں دفعہ بند ہوتے ہیں وہ
مستحق ہوتے ہیں عاقبتاً نہیں۔ اس لئے ان پر مشاہدہ
پڑانا یا آئندہ کے لئے ان پر تکیہ کرنا مناسب نہیں
اچھی چیز تو یہاں ہے۔ اسلمیہ کے علوان ایمان

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

آداب قبائلیہ سے قول خدا کا اس کے لئے قوی قاعدہ میسر
میں رہا۔ اس کے سبب اس نے قریبی میسر آپ خدا قاب میرے لئے
لیا کہ اس کا مقصد ہے کہ میں اس کے دل - حشر و صبر
و جہاد میں مدد - خیر کو میری تائید میں دیا خدا کا عامل ہے
خدا کا نام آپ پر ہم قرأت و تفسیر
خدا مند
عبد العزیز

۲۰۰

تحریر - اسد علی

۲۔ ساتھوں سال کے بعد کا پروگرام ابھی سے طے کرنا کیا ضرور ہے؟ انشاء اللہ ایسی ایسی باتیں گفتگو پر سنائی جن کا

۵۔ اگر یہ توقع پوری ہوئی کہ ہلال صبا، مہینہ منورہ
جاری ہے، تو ان کی ایک نجی کی دلیل ہوگی۔
وہ دربار تو چنبہ کھلا ہی رہا ہے۔ خواہ کوئی دین کے
وہاں جائے یا دنیا کے لئے۔ البتہ حاضری شرط ہے۔
مقدمہ دین ہو، تو فوہ بلاد آتا ہے۔ ورنہ دھیل
دھیل کر جانا یا بیچا نا پڑتا ہے۔ خدا کرے الگ بندہ
کی کو شخص کا پیاب ہو۔

۶۔ پرنسپل کا یہ خبر دہنہ سنا ہے کہ اسراہی ہڈیا عین چور ہے
میں رکھ کر بھڑکے۔ اس لئے کچھ اخباری بیان بازی
کے لئے ڈر لگا ہے۔ اس سے نہ صرف پرنسپل کے
سلبر تمام کا خوف ہے، بلکہ مقدمہ کو چھٹس لگنے کا
پتہ بھی ابھر سکتا ہے۔ طریقہ کی بلند بندہ کر۔ یا
بیسوں کے ساتھ گھن والی بات ایسے مواقع پر ہی منطبق
ہوئے۔ کتنی کی طید ڈانے۔ ورنہ محض اشتراک ہے۔

۷۔ جہاں تک صلاحاتی انتخاب کا تعلق ہے، صدر ایوب
کی کامیابی نہایت اغلب ہے۔ یہ کامیابی ذاتی
زیادہ اور جماعتی کم ہوگی۔ جماعتی کامیابی کا مرحلہ

ہم جیسے بے بغور ہم دشمن بھی بن رہے۔ انکا تعلق
اپنے بندوں سے اپنے وقت پر خود ہی کام لیا ہے۔

۳۔ وزیر کے لیا واقعہ ہوا؛ ذرا تفصیل لکھیں، تو ہم
بھی کچھ مزالیں۔

۴۔ ۱۹۶۵ء میں انشاء انکا ملاقات کی قوی امید ہے۔
ہو سکتا ہے کہ پہلے کسی وقت پینہ بھرے لئے چھٹی پر
آئیں۔ کہیں فی الحال کوئی امر لے نہ ہے۔ صرف سال
طے ہو کر ہوتا ہے۔ پہلے آنا ہی احساس نہ تھا۔
رہا پینوں یا معتدوں یا دنوں کا تعلق، یہ اپنے
بس کا بدل ملے ہے۔ آپ میس لیسٹ سے پٹری طلب
کو دیکھنے کی کوشش کریں تو سمجھ ہی نظر نہ آئے گا۔ بوائے
اس احساس کے مال بد ڈپر کیس ہے۔ بڑا ڈاک خانہ کہ
پاس لٹے ہوئے دھیں، تو سامنے ہوگا۔ کوئی کھانا
چار سوئے دہ ہے کوئی کھانا پانچ سوئے ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ تین سو یا چھ سوئے دور ہو۔ علی ہذا القیاس۔
فی الحال قلعہ بڑے ڈاک خانہ تک ہی رسائی سمجھئے !
تعمور فاطمہ کا پل، ابھہ اپنی کوتاہ بینی کا ہے۔

اندیشہ میں۔ لیکن چونکہ بنیادی طور پر جذبہ دین غالب
ہوئی ہے، اس لئے اختلافات اتفاقات کے حوادث کو
نظر انداز کرتا رہی غلطی کے خلاف ہے۔ اتفاقی حادثے
کا رد بار دنیا میں ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں، دین میں نہیں۔

دین کا داخل تمام لمحے سے تقدیر الہی بدل
ہو جاتی، جب اس کا محل بدل جاتا ہے۔ جسے
تزلزلہ نفس سے اخلاق طبع میں بدلتے، فقط ان
کا محل ہی بدلتا ہے۔ مثلاً محل - تزلزلہ کے بغیر
نفس پر جائز ناجائز صرف سے بچنا چاہتا ہے۔ کہیں
تزلزلہ کے بعد بعد وہ اسراف سے تو ضرور بچتا مگر
زکوٰۃ سے نہیں۔ چنانچہ محل کی طبع تو رہی، لیکن
اس کا محل وقوع بدل گیا۔

اسی انداز سے دین، ملائی، اتفاق،
حادثہ کے تعلق کو بھی سمجھ لیجئے۔

محمد
نہایت
الہی

ابھی باقی رہ گیا۔ اسی آزمائش صوبائی اور مرکزی
مجمعیوں کے انتخابات کے وقت ہوئی۔ ضرورت نقلیہ
ہوئی کہ جسے الوب کی ذات ۲ جنوری کو کاغذ پر جو
اصلی مفہوم ہے کہ بعد ازاں ان کو اسمبلی کی بھی اس شکل
کی میسر آئی کہ وہ کنگ کا کاروبار لیونان شام کے
سیکس - امید ہے کہ ۲ جنوری کے بعد اہل حق اور اہل
تدبیر اس مسئلہ کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

۸ - مجھے خدیں میں نہ بدل جانے سے میں حدوت
اتفاقات کا جو ذکر کیا تھا، وہ مطلق فارمولہ
ہو گیا تھا۔ لیکن اوقات فراست کو مکاشفہ پر
توثیق ہوتی ہے۔ مکاشفہ میں علم غیب کے دعویٰ
کی سی شکل ہوتی ہے جو عہدیت کے منافی ہے۔ اس لئے
اس میں خلل اور محاسن نقص کا احتمال میں زیادہ
ہے۔ خواہش میں بشری غصوت ہے۔ اس لئے اس میں
بشری حدود کے اندر اندر غلطی کا امکان بھی بہت کم

نہایت بشری کا تقاضا ہے کہ جس کی ملائی
اس کی بچیں۔ اس حدوت تک مسئلہ بدل کر کوئی



United Nations Educational, Scientific and Cultural Organization
Organisation des Nations Unies pour l'éducation, la science et la culture

2

ہے اور ٹوٹے۔ سڑک لے جائے کھج۔ بار بار
ہے اور ٹوٹے تھا۔ سیرت میں ہوں میں ہری
پٹی ہری کس سڑک کے پتھر توڑنے والے مزدور کھاٹ
کھاٹ توڑتے تھے۔ جب میں چلتا تھا، تو داجی بے ہوش تھا جیسے
کوئی کب بازو ایک پا ایک جسم دیا ہے، ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے
بورے کو ٹھیسٹا ہوا اترتا پڑتا، گالیاں کھاتا، گالیاں دیتا،
اسی اپنے آپکے ہڈیوں پر دس ایک جگہ کھڑا ہو۔

جیسا کہ تھمار۔ میں یہ تباہیوں کھہہ پر کیا کیا جیسی۔ اور
کیسے ایسے جی۔ جب میں اپنے اندر خوشبو پاتا تھا، تو کھجے یوں
جاتے تھے جیسے میں سڑا ہوا کوئل ہوں۔ جب میں اپنے اندر بدبو
سوچتا تھا، تو کھجے مضر سمجھتے تھے۔ سدا کے وقت بدنام
کے۔ شائبہ تو فریج ہے۔ کہیں غلت تو کریک ڈاکٹر ہی ہے۔ جیہہ بار
وہ ضرور جیسی کے سوالوں اور جوابوں سے وہ چار پروری جوتی۔ میں
دفعہ اس میں اشتہا یہ نگاہوں نے کھجے گھورا، اور اس کی رقم نوادر
شکستہ نندوں نے کھجے الزام دیکھا جی۔ کہیں خدا اسے خوش رکھا
انجام کار اس نے کھجے وہ نہ دانا جویں واقعی ہوں۔ یا نہیں ہوں۔
عذرا۔ واقعی مرگ ہے۔ اس سے اچھی سوسلی کو مل ہی نہیں سکتی۔



United Nations Educational, Scientific and Cultural Organization
Organisation des Nations Unies pour l'éducation, la science et la culture

پہلے تھمار۔
اسلام فقیر۔ ڈن مور سے براہ دخل کیا ہوا۔
وہ خدا کی مدد سے۔ واقعی سوچا کہ میں نے اسی خیر دے کے وہاں
میں صرف اپنی پیش کئے کی ترستھا۔ آگاہی خوش رکھے۔ آجی۔

جیسا کہ تھمار۔ آپ کو اسلام کے کس نام پر اسرائیلی چاہتا تھا۔
میرا ہر متعلق تھا، وہ پورا کر گیا۔ یہ کھجے آگاہی کا ثبوت دیا تھا، تو تاریخی بقا کے ساتھ
تھیں۔ اور جس طرح ہر عقیدہ عرب بچوں کو تشدد کے ساتھ بھروسہ کیا جاتا تھا۔ آگاہی
تلاش کھجے شکریہ کے۔ یو۔ این۔ نے یہ ثبوت کو کھجے پایا، اور آج ان میں سے
میں جی اسرائیلی تعصب سے خارج کھجی جی۔ دونوں پر کھجے Intellectual سادہ
ہے۔ وہ دن اور آج کا دن۔ آگاہی۔ کھجے کا علم تو صرف حد تک
کہیں جس دن میں نے کو سیکو میں اپنے دور کا اعلان کیا، اسی دن کے چوروں نے
پڑائی مادری جادو نے کھجے ہری جی دوجی دیا۔ کھجے بتے اچھی اور کڑی دماغی
کھجے پر کے۔ ان میں سے آپ جوں کھجے تجربہ بھری روح کا تھا جس کا آپ جوں
خضر میں نے ۱۸ سولہ سولہ میں بیان کیا ہے۔ وہ تو ایک سری ہری نظام مڑکی کام
کیا واقعی، جو عرف یہ جانتی تھی کہ اس کی جڑوں کو اس کے دھم کے مطابق سیر
کھجے کش کرنا چاہئے کہیں آپ کے کھجے کھجے کا واسطہ جیہہ بت کے اسو زہد کھجے
کھجے مادی اور دھیر اظہار پرستوں کی ہر کسی کو کھجے جیہہ چاہی ہی رہا ہے۔ کہ
کھجے ہر ہر زہدی اور کون سا کھجے کھجے میرا وقت و وقت کا ریشہ دل



XVII

پیش

۲۲ جن ۷۱

پیش نماز: اہم کلمہ

23.6.71

آپ کا ۲۵ جولائی کا خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ آپ کے خط میں جو چیزیں لکھی ہیں، ان میں سے کچھ تو میری طرف سے بھی لکھی گئی ہیں۔

آپ کے خط میں جو چیزیں لکھی ہیں، ان میں سے کچھ تو میری طرف سے بھی لکھی گئی ہیں۔ آپ کے خط میں جو چیزیں لکھی ہیں، ان میں سے کچھ تو میری طرف سے بھی لکھی گئی ہیں۔

اس وقت کے دور میں ہم تمام پر جو فوجیں برسرِ اسلحہ اور رہتا تھا۔ وہ بیکہ ماہ ۱۹۷۱ء میں ہوا تھا۔ ۲۸ سال کا تجربہ ہے۔ اس وقت کے دور میں ہم تمام پر جو فوجیں برسرِ اسلحہ اور رہتا تھا۔ وہ بیکہ ماہ ۱۹۷۱ء میں ہوا تھا۔ ۲۸ سال کا تجربہ ہے۔

چند چھوٹے گھر، ان کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ ان کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ ان کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ ان کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔

3

اس شخص سے شک آ کر رہا

روزی نے انہیں سے عرض کیا، کہ اہلِ عربی ہمارے
عادات میں سے غرض یہ بھی ایک عادت برقی۔ لیکن ہمارے
میں تو مرحلہ۔ اگر کوئی نوکری فراہم نہ کر دے گی تو کیا ہمارے
میں غرض تو یہ ہے کہ وہ دن اور آج کا دن۔ وہ جاہل
گیا۔ میری غرض تو یہ ہے کہ وہ دن اور آج کا دن۔ وہ جاہل
یوں ہو گیا ہے کہ وہ دن اور آج کا دن۔ وہ جاہل
چلن میں شک نہ ہو کہ وہ دن اور آج کا دن۔ وہ جاہل
نوکری ہے۔ ہمارے اس نوکری کا پیشہ ہونا (عام)

رہتا ہو رہا ہے۔ تو نے اور جو گھر کے محل میں تھا
پتلی جانیے، تو نے اور جو گھر کے محل میں تھا
برابری چلتی ہے! افیتہ دلا دے۔ ایک پگڑی۔ دیکھیں لو کہ
اب آپ آدھ ادنیٰ منظر بہت باریکوں۔ اس کے
سلسلے آٹھ ذرا میں ملے گا۔ یہ خود کشی کو بھی پڑھا
چکے تو جو اب ہر کسی کے لیے ہر کسی۔ ہمارے ملک ہمارے
دور دن کو دیکھ کر تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

مجھے بھی ہسپتال کے کمرے سے اسے باہر لایا کچھ اشیاء کی پیشکشیں۔

میں: کیا اشیاء کیسے ہو؟

وہ: پیازیں، لہسن،

میں: کیا چارے ہیں؟

وہ: کیسٹر۔

میں: عسل کچھ دیا ہے؟

وہ: لا علاج ہے، اللہ کے

میں: ہسپتال کے دیگر ڈرگس؟

وہ: انشاء اللہ کل دیا ہوں۔

میں: ٹھیک ہے، تمہاری بیماری خیریت سے آگے چل رہی ہے۔

وہ: ٹھیک ہوئی ہے۔

میں: وہ کیسے؟

وہ: کل دیا ہوں وہ میں ہسپتال پر دھکا دیا، تو ان کے ان کے جسم

اپنے ٹھکانوں کا حساب کتاب کر رہا ہوں۔

یہ سب کچھ میں رو دیا۔ وہ سٹیشن پر قبضہ کر کے لے گیا۔ اٹھو۔

میں: وہ گریہ کرتا۔

اسے کیسٹر میں لے کر آئے، اسے صحت مند قوت و احیاء دیا۔

کیوں اٹھا لیا گیا؟ وہ سوائے کا غائب ہوئی، وہ اسے سوائے کے نام سے

ایسٹریٹ پر لے گیا، اس کے بعد، مجھے سوائے کے کچھ مادیات۔ ان کی تلاش

www.urduphoto.com

Urduphoto.com

نوٹیفکیشن

۱۹۶۹ جولائی

مکرمی - اسلام آباد

توینہ میں مولانا رحم کے منار کی پیشانی پر ہفتی
کی یہ رباعی درج ہے:-

مانہ آواز آہر آن کہ ہستی باز آ

گر کا فرد گہر و بخت ہستی باز آ

اے درگاہ ما درگاہ لومدی نیست

سوار ازل تو بہ شکتی باز آ

مولانا رحم بے شک عارف کامل تھے۔ لیذا انہوں نے جو

کچھ لکھا ہے سچ ہی ہمارا تھا۔ پھر ڈرگس کو تو ال کا ہے؟

× × × × ×

میں پر بخت سے غریب الوطنوں کو شرق و لا کلام

بند ہے۔ اس کے ارادہ کے نام سے لکھا رہوں۔ چنانچہ

11-7-69

1. I have purposely delayed my reply for a few days to avoid the temptation of rushing into some hasty decision. It is quite easy to be extremely sensible and reasonable and objective about one's personal love affairs. But it is difficult with those who are actually involved in it.

2. I am writing this after picturing myself in the same boat in which you happen to be sinking up and down in the strong ocean of desire.

3. This is quite a natural episode and it can happen to normal human beings alone. Remorse is good only if it does not become morbid. Morbid remorse can be much more debilitating than outright sin.

4. Sin is an affair between man, woman and God. If it gets committed without flow, strong at as a virtue, and, if, later, it causes remorse in the innermost

کھود پاس اور اعلیٰ چوبیا والا تاثیر دے، اسے جلد صحیح ہے۔ غلطی البتہ یہ ہے کہ رانی کو پریت سمجھ لیا جائے۔ ایسے قریب میں ہے چوبیا کو بڑی بات ہے، میڈر بھی نکل آئے تو ٹھیک ہے۔

x x x x x

حسنی، محبوب والی باتیں اور مائبہ لیا مائے والی باتیں سمیٹ کر، انہی محال عالم خیال کا واسطہ ہے۔ کیونکہ یہ بھی سچ ہے کہ اگر صبر میں ثابت اور ایمان میں استقامت مجتہد رہا تو برکتِ غیب سے اسے ایسے عجائب و غرائب خود اپنے ہر کلمے میں، و قلوب و خیال میں

دسترس سے بھی مایوس۔

x x x x x

آپ نے خدا کا شوق سے انتظار کیا ہے۔ پھر بھی اٹھ قدم بھائی جان سے ملنے کے بعد ہی عیسٰی۔ عیسٰی کا حال احوال بھی کہیں۔ اس ذل کے بعد اس سے اٹھ قدم "ایلی" کے لیے کی کیفیت تیار ہے۔ عت اور شوقِ خوشی میں۔ (کلام) پیار سے دیتا رہتا ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

محرمی - السلام علیہ

آپ کے دونوں خطوط مورخہ ۱۳ اور ۱۴

دسمبر آج آ گئے تھے۔

۱۔ حج کے لئے درخواست دیدین۔ انصاف

نام نکل آیا تو حج کا پاسپورٹ بھی آگیا تھے

تک اور فارن آپلیکیشن بھی۔ اس صورت میں آپ

کس ایسے سمجھ رہی جانے سے روانہ ہوں۔

۲۰ مارچ کے قریب جدہ پہنچاؤ۔ دعا

پر آگئے ہو جائیے۔

۳۔ اگر حقہ میں نام پس لکھا تو نہ ہئی۔

آپ اپنا انٹر نیشنل پاسپورٹ بروڈن تھوڑا

کم آ رہیں۔ میں کام آئیگا۔ جیب غالباً فارن

آپلیکیشن نہ دلائیگی۔ نہ ہئی۔ اس سے صرف

vention of God's grace — that it is
exceedingly difficult to fall out of it.
Final mortals may violate divine injunctions
a hundred times, but if it is not in
a spirit of wilful defiance — there is
always hope. The faintest flicker of
healing fear or remorse in the unfathomable
depth of consciousness keeps him hope
alive. It is small things — like
white flickers — that swing the
pendulum of man's fate and
destiny. So be of good cheer.

9. I no longer insist that you
meet Bhai Jan immediately. Take your
own time. Meanwhile, write to me
quite frequently.

A

سی ہوسٹال اپنے لئے اور آپ کے لئے بھی کروا
 رہے ہیں۔ ہنگامے جب آپ کا ٹکٹ بن جائیگا
 تو دس ہزار امریکی ڈالروں کی ضرورت پڑے گی
 امریکی ڈالر دالیا جائیگا۔ اس کے بعد پروگرام
 اٹھا رہیگا۔

۶۔ امریکی ایئر لائن نے بات کر کے کہیں
 کہ اپنے ٹکٹ پر کچھ خرچ ہوگا۔ پاسپورٹ جب
 تیار ہو جائے تو اس پر لبنان، سعودی
 عرب، دیرہ گاہے دیرا بننے ہوتے جو مارچ
 اور اپریل کے مہینوں کے لئے Vala ہوں۔ اس
 میں چھپے مدد ہیں۔

۷۔ ہم اپنا پروگرام اس قسم کا بنا رہے ہیں۔

۲۷ مارچ۔ ایئر ڈم سے پروت

۲۸ مارچ۔ پروت سے جدہ

انتظام

۱۶ اپریل۔ جدہ سے پروت

۱۷ اپریل۔ پروت سے ایئر ڈم

یہ اس لئے کہ وہ ٹکٹ بک سے آپ کو
 سفر کی اجازت دلاؤ۔ بغیر آپ کے لئے
 آپ نے جو کچھ بھاری سامان ہے اس کے
 exchange دیرہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔

۸۔ آپ American Express والوں سے
 بات چیت شروع کریں کہ مندرجہ ذیل رستے کا ٹکٹ

بنوانا ہے: Karachi → Beirut

Beirut → Jeddah

Jeddah → Beirut

Beirut → Amsterdam → London

Amsterdam → Karachi

→ Paris

گہرائی سے یوں چلیں کہ 26 یا 27 مارچ
 کو پروت پہنچ جائیں۔ پروت کے بعد باقی
 ساری things کو Open رکھوائیں۔

۹۔ ہم انشاء اللہ ۲۷ مارچ کو شام

کو پروت پہنچ جائیں گے اور ۲۸ کو جدہ

روانہ ہوں گے۔ پروت سے جدہ اور جدہ سے پروت

۸۔ جی میں جانتا ہے کہ تیرہ میں آپ کا نام لکھے۔ تاکہ پردت سے ہی جیسا تیار ہو۔ تاہم درخواست دینا ہی ضروری ہے۔ اس کے غور میں۔

۹۔ حج کے بعد شاید آپ کو ٹھوڑا سا عرصہ ان اطراف میں گزرنا پڑے۔ کتاب کے سلسلے میں۔ اس کے ریڈیو یا TV سے جو آخر آئے، اس میں دستہ مارچ سے چن چار ماہ کی گنجائش رکھیں۔ اگر اس وقت تک کوئی آخر نہ آئے، تو اب بھی اچھا ہے۔ داپس کے بعد دیکھا جائیگا۔

بھائی جان یہ سب ایسی جی سے ہی اس پر درام
کہ تعذیبی کہ اس۔

میں
نہیں
میں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اس میں
۲۵ ستمبر ۱۸۶

برادر عزیز - اس میں یکم
آپ کا نام لکھا۔ چنانچہ یہ یاد ہے، آپ کا کوئی بیٹا
ہو گا جس کا میں نے خواب نہ دیا ہے۔
وہ ایک وقت کے تیرا کا شکر ہے۔ اگر یہ جلی صاحب خان میں
ہو گا تو پھر یہ صاحب ہے ان کا شکر یہ قرار دے کر دی۔
کوئی یاد ہے کہ کسی اخبارات کے کالم میں جی ادب لکھ دے
جس کا تذکرہ ہوا ہے۔ پھر یہ لکھ دے کہ اخبار میں گزرتے۔ اگر آپ نے پڑھا ہے اور
رفتہ ہوا تو کہہ ان کے آگے ہی دسالی کر دی۔ جس صاحب اپنے سارا کمال و اہتمام سے لکھ
کر لے آئے ہیں۔
میں ان شریفین کے ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹-۳۱-۳۳-۳۵-۳۷-۳۹-۴۱-۴۳-۴۵-۴۷-۴۹-۵۱-۵۳-۵۵-۵۷-۵۹-۶۱-۶۳-۶۵-۶۷-۶۹-۷۱-۷۳-۷۵-۷۷-۷۹-۸۱-۸۳-۸۵-۸۷-۸۹-۹۱-۹۳-۹۵-۹۷-۹۹-۱۰۱-۱۰۳-۱۰۵-۱۰۷-۱۰۹-۱۱۱-۱۱۳-۱۱۵-۱۱۷-۱۱۹-۱۲۱-۱۲۳-۱۲۵-۱۲۷-۱۲۹-۱۳۱-۱۳۳-۱۳۵-۱۳۷-۱۳۹-۱۴۱-۱۴۳-۱۴۵-۱۴۷-۱۴۹-۱۵۱-۱۵۳-۱۵۵-۱۵۷-۱۵۹-۱۶۱-۱۶۳-۱۶۵-۱۶۷-۱۶۹-۱۷۱-۱۷۳-۱۷۵-۱۷۷-۱۷۹-۱۸۱-۱۸۳-۱۸۵-۱۸۷-۱۸۹-۱۹۱-۱۹۳-۱۹۵-۱۹۷-۱۹۹-۲۰۱-۲۰۳-۲۰۵-۲۰۷-۲۰۹-۲۱۱-۲۱۳-۲۱۵-۲۱۷-۲۱۹-۲۲۱-۲۲۳-۲۲۵-۲۲۷-۲۲۹-۲۳۱-۲۳۳-۲۳۵-۲۳۷-۲۳۹-۲۴۱-۲۴۳-۲۴۵-۲۴۷-۲۴۹-۲۵۱-۲۵۳-۲۵۵-۲۵۷-۲۵۹-۲۶۱-۲۶۳-۲۶۵-۲۶۷-۲۶۹-۲۷۱-۲۷۳-۲۷۵-۲۷۷-۲۷۹-۲۸۱-۲۸۳-۲۸۵-۲۸۷-۲۸۹-۲۹۱-۲۹۳-۲۹۵-۲۹۷-۲۹۹-۳۰۱-۳۰۳-۳۰۵-۳۰۷-۳۰۹-۳۱۱-۳۱۳-۳۱۵-۳۱۷-۳۱۹-۳۲۱-۳۲۳-۳۲۵-۳۲۷-۳۲۹-۳۳۱-۳۳۳-۳۳۵-۳۳۷-۳۳۹-۳۴۱-۳۴۳-۳۴۵-۳۴۷-۳۴۹-۳۵۱-۳۵۳-۳۵۵-۳۵۷-۳۵۹-۳۶۱-۳۶۳-۳۶۵-۳۶۷-۳۶۹-۳۷۱-۳۷۳-۳۷۵-۳۷۷-۳۷۹-۳۸۱-۳۸۳-۳۸۵-۳۸۷-۳۸۹-۳۹۱-۳۹۳-۳۹۵-۳۹۷-۳۹۹-۴۰۱-۴۰۳-۴۰۵-۴۰۷-۴۰۹-۴۱۱-۴۱۳-۴۱۵-۴۱۷-۴۱۹-۴۲۱-۴۲۳-۴۲۵-۴۲۷-۴۲۹-۴۳۱-۴۳۳-۴۳۵-۴۳۷-۴۳۹-۴۴۱-۴۴۳-۴۴۵-۴۴۷-۴۴۹-۴۵۱-۴۵۳-۴۵۵-۴۵۷-۴۵۹-۴۶۱-۴۶۳-۴۶۵-۴۶۷-۴۶۹-۴۷۱-۴۷۳-۴۷۵-۴۷۷-۴۷۹-۴۸۱-۴۸۳-۴۸۵-۴۸۷-۴۸۹-۴۹۱-۴۹۳-۴۹۵-۴۹۷-۴۹۹-۵۰۱-۵۰۳-۵۰۵-۵۰۷-۵۰۹-۵۱۱-۵۱۳-۵۱۵-۵۱۷-۵۱۹-۵۲۱-۵۲۳-۵۲۵-۵۲۷-۵۲۹-۵۳۱-۵۳۳-۵۳۵-۵۳۷-۵۳۹-۵۴۱-۵۴۳-۵۴۵-۵۴۷-۵۴۹-۵۵۱-۵۵۳-۵۵۵-۵۵۷-۵۵۹-۵۶۱-۵۶۳-۵۶۵-۵۶۷-۵۶۹-۵۷۱-۵۷۳-۵۷۵-۵۷۷-۵۷۹-۵۸۱-۵۸۳-۵۸۵-۵۸۷-۵۸۹-۵۹۱-۵۹۳-۵۹۵-۵۹۷-۵۹۹-۶۰۱-۶۰۳-۶۰۵-۶۰۷-۶۰۹-۶۱۱-۶۱۳-۶۱۵-۶۱۷-۶۱۹-۶۲۱-۶۲۳-۶۲۵-۶۲۷-۶۲۹-۶۳۱-۶۳۳-۶۳۵-۶۳۷-۶۳۹-۶۴۱-۶۴۳-۶۴۵-۶۴۷-۶۴۹-۶۵۱-۶۵۳-۶۵۵-۶۵۷-۶۵۹-۶۶۱-۶۶۳-۶۶۵-۶۶۷-۶۶۹-۶۷۱-۶۷۳-۶۷۵-۶۷۷-۶۷۹-۶۸۱-۶۸۳-۶۸۵-۶۸۷-۶۸۹-۶۹۱-۶۹۳-۶۹۵-۶۹۷-۶۹۹-۷۰۱-۷۰۳-۷۰۵-۷۰۷-۷۰۹-۷۱۱-۷۱۳-۷۱۵-۷۱۷-۷۱۹-۷۲۱-۷۲۳-۷۲۵-۷۲۷-۷۲۹-۷۳۱-۷۳۳-۷۳۵-۷۳۷-۷۳۹-۷۴۱-۷۴۳-۷۴۵-۷۴۷-۷۴۹-۷۵۱-۷۵۳-۷۵۵-۷۵۷-۷۵۹-۷۶۱-۷۶۳-۷۶۵-۷۶۷-۷۶۹-۷۷۱-۷۷۳-۷۷۵-۷۷۷-۷۷۹-۷۸۱-۷۸۳-۷۸۵-۷۸۷-۷۸۹-۷۹۱-۷۹۳-۷۹۵-۷۹۷-۷۹۹-۸۰۱-۸۰۳-۸۰۵-۸۰۷-۸۰۹-۸۱۱-۸۱۳-۸۱۵-۸۱۷-۸۱۹-۸۲۱-۸۲۳-۸۲۵-۸۲۷-۸۲۹-۸۳۱-۸۳۳-۸۳۵-۸۳۷-۸۳۹-۸۴۱-۸۴۳-۸۴۵-۸۴۷-۸۴۹-۸۵۱-۸۵۳-۸۵۵-۸۵۷-۸۵۹-۸۶۱-۸۶۳-۸۶۵-۸۶۷-۸۶۹-۸۷۱-۸۷۳-۸۷۵-۸۷۷-۸۷۹-۸۸۱-۸۸۳-۸۸۵-۸۸۷-۸۸۹-۸۹۱-۸۹۳-۸۹۵-۸۹۷-۸۹۹-۹۰۱-۹۰۳-۹۰۵-۹۰۷-۹۰۹-۹۱۱-۹۱۳-۹۱۵-۹۱۷-۹۱۹-۹۲۱-۹۲۳-۹۲۵-۹۲۷-۹۲۹-۹۳۱-۹۳۳-۹۳۵-۹۳۷-۹۳۹-۹۴۱-۹۴۳-۹۴۵-۹۴۷-۹۴۹-۹۵۱-۹۵۳-۹۵۵-۹۵۷-۹۵۹-۹۶۱-۹۶۳-۹۶۵-۹۶۷-۹۶۹-۹۷۱-۹۷۳-۹۷۵-۹۷۷-۹۷۹-۹۸۱-۹۸۳-۹۸۵-۹۸۷-۹۸۹-۹۹۱-۹۹۳-۹۹۵-۹۹۷-۹۹۹-۱۰۰۱-۱۰۰۳-۱۰۰۵-۱۰۰۷-۱۰۰۹-۱۰۱۱-۱۰۱۳-۱۰۱۵-۱۰۱۷-۱۰۱۹-۱۰۲۱-۱۰۲۳-۱۰۲۵-۱۰۲۷-۱۰۲۹-۱۰۳۱-۱۰۳۳-۱۰۳۵-۱۰۳۷-۱۰۳۹-۱۰۴۱-۱۰۴۳-۱۰۴۵-۱۰۴۷-۱۰۴۹-۱۰۵۱-۱۰۵۳-۱۰۵۵-۱۰۵۷-۱۰۵۹-۱۰۶۱-۱۰۶۳-۱۰۶۵-۱۰۶۷-۱۰۶۹-۱۰۷۱-۱۰۷۳-۱۰۷۵-۱۰۷۷-۱۰۷۹-۱۰۸۱-۱۰۸۳-۱۰۸۵-۱۰۸۷-۱۰۸۹-۱۰۹۱-۱۰۹۳-۱۰۹۵-۱۰۹۷-۱۰۹۹-۱۱۰۱-۱۱۰۳-۱۱۰۵-۱۱۰۷-۱۱۰۹-۱۱۱۱-۱۱۱۳-۱۱۱۵-۱۱۱۷-۱۱۱۹-۱۱۲۱-۱۱۲۳-۱۱۲۵-۱۱۲۷-۱۱۲۹-۱۱۳۱-۱۱۳۳-۱۱۳۵-۱۱۳۷-۱۱۳۹-۱۱۴۱-۱۱۴۳-۱۱۴۵-۱۱۴۷-۱۱۴۹-۱۱۵۱-۱۱۵۳-۱۱۵۵-۱۱۵۷-۱۱۵۹-۱۱۶۱-۱۱۶۳-۱۱۶۵-۱۱۶۷-۱۱۶۹-۱۱۷۱-۱۱۷۳-۱۱۷۵-۱۱۷۷-۱۱۷۹-۱۱۸۱-۱۱۸۳-۱۱۸۵-۱۱۸۷-۱۱۸۹-۱۱۹۱-۱۱۹۳-۱۱۹۵-۱۱۹۷-۱۱۹۹-۱۲۰۱-۱۲۰۳-۱۲۰۵-۱۲۰۷-۱۲۰۹-۱۲۱۱-۱۲۱۳-۱۲۱۵-۱۲۱۷-۱۲۱۹-۱۲۲۱-۱۲۲۳-۱۲۲۵-۱۲۲۷-۱۲۲۹-۱۲۳۱-۱۲۳۳-۱۲۳۵-۱۲۳۷-۱۲۳۹-۱۲۴۱-۱۲۴۳-۱۲۴۵-۱۲۴۷-۱۲۴۹-۱۲۵۱-۱۲۵۳-۱۲۵۵-۱۲۵۷-۱۲۵۹-۱۲۶۱-۱۲۶۳-۱۲۶۵-۱۲۶۷-۱۲۶۹-۱۲۷۱-۱۲۷۳-۱۲۷۵-۱۲۷۷-۱۲۷۹-۱۲۸۱-۱۲۸۳-۱۲۸۵-۱۲۸۷-۱۲۸۹-۱۲۹۱-۱۲۹۳-۱۲۹۵-۱۲۹۷-۱۲۹۹-۱۳۰۱-۱۳۰۳-۱۳۰۵-۱۳۰۷-۱۳۰۹-۱۳۱۱-۱۳۱۳-۱۳۱۵-۱۳۱۷-۱۳۱۹-۱۳۲۱-۱۳۲۳-۱۳۲۵-۱۳۲۷-۱۳۲۹-۱۳۳۱-۱۳۳۳-۱۳۳۵-۱۳۳۷-۱۳۳۹-۱۳۴۱-۱۳۴۳-۱۳۴۵-۱۳۴۷-۱۳۴۹-۱۳۵۱-۱۳۵۳-۱۳۵۵-۱۳۵۷-۱۳۵۹-۱۳۶۱-۱۳۶۳-۱۳۶۵-۱۳۶۷-۱۳۶۹-۱۳۷۱-۱۳۷۳-۱۳۷۵-۱۳۷۷-۱۳۷۹-۱۳۸۱-۱۳۸۳-۱۳۸۵-۱۳۸۷-۱۳۸۹-۱۳۹۱-۱۳۹۳-۱۳۹۵-۱۳۹۷-۱۳۹۹-۱۴۰۱-۱۴۰۳-۱۴۰۵-۱۴۰۷-۱۴۰۹-۱۴۱۱-۱۴۱۳-۱۴۱۵-۱۴۱۷-۱۴۱۹-۱۴۲۱-۱۴۲۳-۱۴۲۵-۱۴۲۷-۱۴۲۹-۱۴۳۱-۱۴۳۳-۱۴۳۵-۱۴۳۷-۱۴۳۹-۱۴۴۱-۱۴۴۳-۱۴۴۵-۱۴۴۷-۱۴۴۹-۱۴۵۱-۱۴۵۳-۱۴۵۵-۱۴۵۷-۱۴۵۹-۱۴۶۱-۱۴۶۳-۱۴۶۵-۱۴۶۷-۱۴۶۹-۱۴۷۱-۱۴۷۳-۱۴۷۵-۱۴۷۷-۱۴۷۹-۱۴۸۱-۱۴۸۳-۱۴۸۵-۱۴۸۷-۱۴۸۹-۱۴۹۱-۱۴۹۳-۱۴۹۵-۱۴۹۷-۱۴۹۹-۱۵۰۱-۱۵۰۳-۱۵۰۵-۱۵۰۷-۱۵۰۹-۱۵۱۱-۱۵۱۳-۱۵۱۵-۱۵۱۷-۱۵۱۹-۱۵۲۱-۱۵۲۳-۱۵۲۵-۱۵۲۷-۱۵۲۹-۱۵۳۱-۱۵۳۳-۱۵۳۵-۱۵۳۷-۱۵۳۹-۱۵۴۱-۱۵۴۳-۱۵۴۵-۱۵۴۷-۱۵۴۹-۱۵۵۱-۱۵۵۳-۱۵۵۵-۱۵۵۷-۱۵۵۹-۱۵۶۱-۱۵۶۳-۱۵۶۵-۱۵۶۷-۱۵۶۹-۱۵۷۱-۱۵۷۳-۱۵۷۵-۱۵۷۷-۱۵۷۹-۱۵۸۱-۱۵۸۳-۱۵۸۵-۱۵۸۷-۱۵۸۹-۱۵۹۱-۱۵۹۳-۱۵۹۵-۱۵۹۷-۱۵۹۹-۱۶۰۱-۱۶۰۳-۱۶۰۵-۱۶۰۷-۱۶۰۹-۱۶۱۱-۱۶۱۳-۱۶۱۵-۱۶۱۷-۱۶۱۹-۱۶۲۱-۱۶۲۳-۱۶۲۵-۱۶۲۷-۱۶۲۹-۱۶۳۱-۱۶۳۳-۱۶۳۵-۱۶۳۷-۱۶۳۹-۱۶۴۱-۱۶۴۳-۱۶۴۵-۱۶۴۷-۱۶۴۹-۱۶۵۱-۱۶۵۳-۱۶۵۵-۱۶۵۷-۱۶۵۹-۱۶۶۱-۱۶۶۳-۱۶۶۵-۱۶۶۷-۱۶۶۹-۱۶۷۱-۱۶۷۳-۱۶۷۵-۱۶۷۷-۱۶۷۹-۱۶۸۱-۱۶۸۳-۱۶۸۵-۱۶۸۷-۱۶۸۹-۱۶۹۱-۱۶۹۳-۱۶۹۵-۱۶۹۷-۱۶۹۹-۱۷۰۱-۱۷۰۳-۱۷۰۵-۱۷۰۷-۱۷۰۹-۱۷۱۱-۱۷۱۳-۱۷۱۵-۱۷۱۷-۱۷۱۹-۱۷۲۱-۱۷۲۳-۱۷۲۵-۱۷۲۷-۱۷۲۹-۱۷۳۱-۱۷۳۳-۱۷۳۵-۱۷۳۷-۱۷۳۹-۱۷۴۱-۱۷۴۳-۱۷۴۵-۱۷۴۷-۱۷۴۹-۱۷۵۱-۱۷۵۳-۱۷۵۵-۱۷۵۷-۱۷۵۹-۱۷۶۱-۱۷۶۳-۱۷۶۵-۱۷۶۷-۱۷۶۹-۱۷۷۱-۱۷۷۳-۱۷۷۵-۱۷۷۷-۱۷۷۹-۱۷۸۱-۱۷۸۳-۱۷۸۵-۱۷۸۷-۱۷۸۹-۱۷۹۱-۱۷۹۳-۱۷۹۵-۱۷۹۷-۱۷۹۹-۱۸۰۱-۱۸۰۳-۱۸۰۵-۱۸۰۷-۱۸۰۹-۱۸۱۱-۱۸۱۳-۱۸۱۵-۱۸۱۷-۱۸۱۹-۱۸۲۱-۱۸۲۳-۱۸۲۵-۱۸۲۷-۱۸۲۹-۱۸۳۱-۱۸۳۳-۱۸۳۵-۱۸۳۷-۱۸۳۹-۱۸۴۱-۱۸۴۳-۱۸۴۵-۱۸۴۷-۱۸۴۹-۱۸۵۱-۱۸۵۳-۱۸۵۵-۱۸۵۷-۱۸۵۹-۱۸۶۱-۱۸۶۳-۱۸۶۵-۱۸۶۷-۱۸۶۹-۱۸۷۱-۱۸۷۳-۱۸۷۵-۱۸۷۷-۱۸۷۹-۱۸۸۱-۱۸۸۳-۱۸۸۵-۱۸۸۷-۱۸۸۹-۱۸۹۱-۱۸۹۳-۱۸۹۵-۱۸۹۷-۱۸۹۹-۱۹۰۱-۱۹۰۳-۱۹۰۵-۱۹۰۷-۱۹۰۹-۱۹۱۱-۱۹۱۳-۱۹۱۵-۱۹۱۷-۱۹۱۹-۱۹۲۱-۱۹۲۳-۱۹۲۵-۱۹۲۷-۱۹۲۹-۱۹۳۱-۱۹۳۳-۱۹۳۵-۱۹۳۷-۱۹۳۹-۱۹۴۱-۱۹۴۳-۱۹۴۵-۱۹۴۷-۱۹۴۹-۱۹۵۱-۱۹۵۳-۱۹۵۵-۱۹۵۷-۱۹۵۹-۱۹۶۱-۱۹۶۳-۱۹۶۵-۱۹۶۷-۱۹۶۹-۱۹۷۱-۱۹۷۳-۱۹۷۵-۱۹۷۷-۱۹۷۹-۱۹۸۱-۱۹۸۳-۱۹۸۵-۱۹۸۷-۱۹۸۹-۱۹۹۱-۱۹۹۳-۱۹۹۵-۱۹۹۷-۱۹۹۹-۲۰۰۱-۲۰۰۳-۲۰۰۵-۲۰۰۷-۲۰۰۹-۲۰۱۱-۲۰۱۳-۲۰۱۵-۲۰۱۷-۲۰۱۹-۲۰۲۱-۲۰۲۳-۲۰۲۵-۲۰۲۷-۲۰۲۹-۲۰۳۱-۲۰۳۳-۲۰۳۵-۲۰۳۷-۲۰۳۹-۲۰۴۱-۲۰۴۳-۲۰۴۵-۲۰۴۷-۲۰۴۹-۲۰۵۱-۲۰۵۳-۲۰۵۵-۲۰۵۷-۲۰۵۹-۲۰۶۱-۲۰۶۳-۲۰۶۵-۲۰۶۷-۲۰۶۹-۲۰۷۱-۲۰۷۳-۲۰۷۵-۲۰۷۷-۲۰۷۹-۲۰۸۱-۲۰۸۳-۲۰۸۵-۲۰۸۷-۲۰۸۹-۲۰۹۱-۲۰۹۳-۲۰۹۵-۲۰۹۷-۲۰۹۹-۲۱۰۱-۲۱۰۳-۲۱۰۵-۲۱۰۷-۲۱۰۹-۲۱۱۱-۲۱۱۳-۲۱۱۵-۲۱۱۷-۲۱۱۹-۲۱۲۱-۲۱۲۳-۲۱۲۵-۲۱۲۷-۲۱۲۹-۲۱۳۱-۲۱۳۳-۲۱۳۵-۲۱۳۷-۲۱۳۹-۲۱۴۱-۲۱۴۳-۲۱۴۵-۲۱۴۷-۲۱۴۹-۲۱۵۱-۲۱۵۳-۲۱۵۵-۲۱۵۷-۲۱۵۹-۲۱۶۱-۲۱۶۳-۲۱۶۵-۲۱۶۷-۲۱۶۹-۲۱۷۱-۲۱۷۳-۲۱۷۵-۲۱۷۷-۲۱۷۹-۲۱۸۱-۲۱۸۳-۲۱۸۵-۲۱۸۷-۲۱۸۹-۲۱۹۱-۲۱۹۳-۲۱۹۵-۲۱۹۷-۲۱۹۹-۲۲۰۱-۲۲۰۳-۲۲۰۵-۲۲۰۷-۲۲۰۹-۲۲۱۱-۲۲۱۳-۲۲۱۵-۲۲۱۷-۲۲۱۹-۲۲۲۱-۲۲۲۳-۲۲۲۵-۲۲۲۷-۲۲۲۹-۲۲۳۱-۲۲۳۳-۲۲۳۵-۲۲۳۷-۲۲۳۹-۲۲۴۱-۲۲۴۳-۲۲۴۵-۲۲۴۷-۲۲۴۹-۲۲۵۱-۲۲۵۳-۲۲۵۵-۲۲۵۷-۲۲۵۹-۲۲۶۱-۲۲۶۳-۲۲۶۵-۲۲۶۷-۲۲۶۹-۲۲۷۱-۲۲۷۳-۲۲۷۵-۲۲۷۷-۲۲۷۹-۲۲۸۱-۲۲۸۳-۲۲۸۵-۲۲۸۷-۲۲۸۹-۲۲۹۱-۲۲۹۳-۲۲۹۵-۲۲۹۷-۲۲۹۹-۲۳۰۱-۲۳۰۳-۲۳۰۵-۲۳۰۷-۲۳۰۹-۲۳۱۱-۲۳۱۳-۲۳۱۵-۲۳۱۷-۲۳۱۹-۲۳۲۱-۲۳۲۳-۲۳۲۵-۲۳۲۷-۲۳۲۹-۲۳۳۱-۲۳۳۳-۲۳۳۵-۲۳۳۷-۲۳۳۹-۲۳۴۱-۲۳۴۳-۲۳۴۵-۲۳۴۷-۲۳۴۹-۲۳۵۱-۲۳۵۳-۲۳۵۵-۲۳۵۷-۲۳۵۹-۲۳۶۱-۲۳۶۳-۲۳۶۵-۲۳۶۷-۲۳۶۹-۲۳۷۱-۲۳۷۳-۲۳۷۵-۲۳۷۷-۲۳۷۹-۲۳۸۱-۲۳۸۳-۲۳۸۵-۲۳۸۷-۲۳۸۹-۲۳۹۱-۲۳۹۳-۲۳۹۵-۲۳۹۷-۲۳۹۹-۲۴۰۱-۲۴۰۳-۲۴۰۵-۲۴۰۷-۲۴۰۹-۲۴۱۱-۲۴۱۳-۲۴۱۵-۲۴۱۷-۲۴۱۹-۲۴۲۱-۲۴۲۳-۲۴۲۵-۲۴۲۷-۲۴۲۹-۲۴۳۱-۲۴۳۳-۲۴۳۵-۲۴۳۷-۲۴۳۹-۲۴۴۱-۲۴۴۳-۲۴۴۵-۲۴۴۷-۲۴۴۹-۲۴۵۱-۲۴۵۳-۲۴۵۵-۲۴۵۷-۲۴۵۹-۲۴۶۱-۲۴۶۳-۲۴۶۵-۲۴۶۷-۲۴۶۹-۲۴۷۱-۲۴۷۳-۲۴۷۵-۲۴۷۷-۲۴۷۹-۲۴۸۱-۲۴۸۳-۲۴۸۵-۲۴۸۷-۲۴۸۹-۲۴۹۱-۲۴۹۳-۲۴۹۵-۲۴۹۷-۲۴۹۹-۲۵۰۱-۲۵۰۳-۲۵۰۵-۲۵۰۷-۲۵۰۹-۲۵۱۱-۲۵۱۳-۲۵۱۵-۲۵۱۷-۲۵۱۹-۲۵۲۱-۲۵۲۳-۲۵۲۵-۲۵۲۷-۲۵۲۹-۲۵۳۱-۲۵۳۳-۲۵۳۵-۲۵۳۷-۲۵۳۹-۲۵۴۱-۲۵۴۳-۲۵۴۵-۲۵۴۷-۲۵۴۹-۲۵۵۱-۲۵۵۳-۲۵۵۵-۲۵۵۷-۲۵۵۹-۲۵۶۱-۲۵۶۳-۲۵۶۵-۲۵۶۷-۲۵۶۹-۲۵۷۱-۲۵۷۳-۲۵۷۵-۲۵۷۷-۲۵۷۹-۲۵۸۱-۲۵۸۳-۲۵۸۵-۲۵۸۷-۲۵۸۹-۲۵۹۱-۲۵۹۳-۲۵۹۵-۲۵۹۷-۲۵۹۹-۲۶۰۱-۲۶۰۳-۲۶۰۵-۲۶۰۷-۲۶۰۹-۲۶۱۱-۲۶۱۳-۲۶۱۵-۲۶۱۷-۲۶۱۹-۲۶۲۱-۲۶۲۳-۲۶۲۵-۲۶۲۷-۲۶۲۹-۲۶۳۱-۲۶۳۳-۲۶۳۵-۲۶۳۷-۲۶۳۹-۲۶۴۱-۲۶۴۳-۲۶۴۵-۲۶۴۷-۲۶۴۹-۲۶۵۱-۲۶۵۳-۲۶۵۵-۲۶۵۷-۲۶۵۹-۲۶۶۱-۲۶۶۳-۲۶۶۵-۲۶۶۷-۲۶۶۹-۲۶۷۱-۲۶۷۳-۲۶۷۵-۲۶۷۷-۲۶۷۹-۲۶۸۱-۲۶۸۳-۲۶۸۵-۲۶۸۷-۲۶۸۹-۲۶۹۱-۲۶۹۳-۲۶۹۵-۲۶۹۷-۲۶۹۹-۲۷۰۱-۲۷۰۳-۲۷۰۵-۲۷۰۷-۲۷۰۹-۲۷۱۱-۲۷۱۳-۲۷۱۵-۲۷۱۷-۲۷۱۹-۲۷۲۱-۲۷۲۳-۲۷۲۵-۲۷۲۷-۲۷۲۹-۲۷۳۱-۲۷۳۳-۲۷۳۵-۲۷۳۷-۲۷۳۹-۲۷۴۱-۲۷۴۳-۲۷۴۵-۲۷۴۷-۲۷۴۹-۲۷۵۱-۲۷۵۳-۲۷۵۵-۲۷۵۷-۲۷۵۹-۲۷۶۱-۲۷۶۳-۲۷۶۵-۲۷۶۷-۲۷۶۹-۲۷۷۱-۲۷۷۳-۲۷۷۵-۲۷۷۷-۲۷۷۹-۲۷۸۱-۲۷۸۳-۲۷۸۵-۲۷۸۷-۲۷۸۹-۲۷۹۱-۲۷۹۳-۲۷۹۵-۲۷۹۷-۲۷۹۹-۲۸۰۱-۲۸۰۳-۲۸۰۵-۲۸۰۷-۲۸۰۹-۲۸۱۱-۲۸۱۳-۲۸۱۵-۲۸۱۷-۲۸۱۹-۲۸۲۱-۲۸۲۳-۲۸۲۵-۲۸۲۷-۲۸۲۹-۲۸۳۱-۲۸۳۳-۲۸۳۵-۲۸۳۷-۲۸۳۹-۲۸۴۱-۲۸۴

۹ اپریل ۶۵

مکرمی - اسلام علیہ

دو دنوں خد سے۔ کہیں کے نام اید خلافت ہے۔
اگر اس کے کام نہ لگے، تو صاحب ڈرائٹس تجوہ کر دیں
تاکہ اسی کے مطابق لکھا جائے۔

۲۔ دانی پر خوب بھل سوا۔ کہیں بھی سیاست ہی
بست کام آتی ہے۔ شیخ کے ساتھ بات چیت تو سوتی
رہی، خدا کو۔ دانی کو اس حاضری کا خیر خواہہ فائدہ ہو۔

۳۔ عرس پس مہری طرف سے اید کو اید روپے
حاضر ہیں۔ بھائی جان سے اجازت لے کر شامل کر لیں۔
جواب آنے پر جیسے بھی دیکھا۔

۴۔ نفسی اعتبار سے دود شریف بھاری ہونے کے لیے
طریق ہیں۔ اید کا اور سید کا سامنا راستہ تو یہ
ہے کہ ہر وقت چلے پھرتے، کلام کرتے، بے کار بیٹھے،

۱۳/۵/۶۵

۸۳ جون ۶۵

مکرمی - اسلام علیہ

اسم تکبر۔ کہی بیج میں آپ کی طرف آنے والا ہمارے بیٹوں پر
کو آپ رشتہ صاحب سے بنی تے ہوئے ہیں۔ یہی سولہ ہر اکو شاید رشتہ کی کیفیت میں
ہیں۔ اچھا خاں! اس میں شہادہ ملے۔

نئی اشاعت کا رد کہ غلط ہے آپ کہلے ایک بنایت آسان طریقہ
کھینچ آئی ہے۔ اس میں کوئی وقت اور نہ کڑی قدر ضرورت ہے کسی خاص طریقہ پر
بھیجا ہی ہیں۔ جس وقت آپ پہنچ رہے ہوں۔ نور سانس پھر نکالے ہوئے (عالمی) خاص
= زہن کو لا آئی ہیں۔ اس میں زہن کی طرف دانتے ہوئے (عالمی) اس طرح خاص
= زبان کو لا آئی ہیں۔ اس میں ہر سانس کو عالمی کرتے ہوئے لا آئی ہیں۔
عالمی کرتے ہوئے لا آئی ہیں۔ اس میں ہر سانس کو عالمی کرتے ہوئے لا آئی ہیں۔
اچھے بیٹے! یہ سب سب نئے نئے وقت میں کرتے ہیں۔ اس کو اس طرح بکھائی کہ یہ سب
عادت بنائیں جائے۔ جہاں نصرت ہوگی وہیں سانس کے آنے جانے میں خود بخود نئی اشاعت
شروع ہوگی۔ حرف غزل خانے میں صاحب فرماتے کہ وقت میں نہ لایا جائے۔ کہہ کر ان کو
ایسے شوق میں پہنچائے ہیں کہ غزل خانے میں زبان انہوں نے دبا کر رکھتے ہیں تاکہ دیکھ جائے
نہ ہو جائے۔ وغیرہ کوئی چیز نہیں۔

اچھے بیٹے! خوب شوق کریں۔ اور تائیں کہ کوئی شک و دہشت نہیں آ رہی۔
کسی نہ دھرم عالم ہو جائے اس میں لڑکے سب اس کے کافی ہے۔ (کلی پندہ) دہشت

شائے کے ہیں، شبہ دوازہ شرفِ مفہمہ ان میں موجود ہیں۔
دردِ خفہ یہ ہے :

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

(اس کے اعراب اور لفظ کسی عربی دان سے پوچھ لے جائیں)

با وضو بلا وضو جب خیال آئے کہ کوئی ساجھی سادھی دعا ہے تو
یہ مسلسل پڑھتا رہے۔ دوام کے ساتھ ساتھ کثرت بھی
لازم ہے۔ اس میں دیر لگتی ہے۔
دوسرے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے :

۱۔ دردِ تاج - سو لاکھ (ایک سو بار)

۲۔ دردِ کفّی - سو لاکھ (دوسری سو بار)

۳۔ نمازِ دالہ خضر - سو لاکھ (چہری سو بار)

تم، راتوں میں جب یہ تعداد پوری ہو جائے

1 more
53 Dec. 90

حَبَابُ عَفْثٍ حَامِئٍ

اسلام بتلیم - محبت - خلافت علی ابن ابی طالب و اہل بیت علیہ السلام -

آخر سوال کی اجازت: جی ہاں آپ سے آپ کا خط ملے گا۔

نصاب : آپ کا تعلیم الیٰ غیری تو مکمل ہو چکی اس وقت میں اس کے لیے

آپ فقیر سب و پیر و شریف و متقی۔ اس کا نام اسی ہے آگے

کی بات ایسی تھی۔

مفتی صاحب! تعریف: یہ روحانیت پر کتاب آپ نے دے دی

نہیں ہے اس قرض بناء و ثبات ادا نہیں ہوتا۔ کتاب کھتے وقت

اضیاء کبھی حکماء مبالغہ آرائی نہ جوئے پختی پائے کہ اسی نے

تعلیم یافتہ فریخوں کو تصوف سے دور کر دیا حالانکہ یہ

شعبہ ۱۰۰ مسجد محل در آمد کی ایک راہ غی - خارج اس

برگواہ ہے۔ فقیرانہ کوئی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی حق سنبھال

آقون لغار کو سلمان مرہا۔ اس کے چرکس نوٹ حوالی آج

نصف صوفی، نیم غیر مسلم و سلطان نامہ کا اپنے تمام فرومایہ

1119

4, Vines close,
Sittingbourne Kent 11.1
10.1.74

مختار اسلام فہم

آپ کا خط اور رسالہ امین قلم کے ذریعہ پہنچا۔ مفضل خواجہ، چیدہ اور
دوکان۔ یہ مفضل رسید ہے۔ امید ہے کہ میرے والدہ صاحبہ کی طبیعت بہتر ہو
جی میں اپنے وعدت کو اسی کی گنجائش پر ہر روز مذاق و اسکاٹے کرتے ہیں
یک کی اجازت نہ ملی۔ اس بار چھلے سے شہر ہوا۔ چور سے کسی سونہا ریاہ
دو روز میں چار سو ادل بارہ مرتبہ رکا۔ کچھ دن سے 14000 پائیا خدا کا
شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ اب روکھت ہے۔ ابھی ہر سات بجے اور ہسپتال میں رہا
رہتا۔

حاکم محمد بن قاسم کہ جس کا مقصد ملک ہے۔ اس مارچوری قسط میں
 سکھوں۔ ابستہ قاسم کے نام آیم دودھائی خلیج کا حضرت نامہ پیرسور، ایڑیل
 اُسے بھی دینا۔ اسے چاہیے۔ میرا جلا خط نہ چاہیے۔ سیات کے آیت
 میرے کے خط لکے رکھو گے۔ اس کے بعد انا دانہ با واحد چھوڑا کرتا ہوں
 کے ذرا کی کہیں۔

آپنی کتاب صبح کے نام پر از سر نو غلام کی ضرورت ہے۔ اٹھ دیکھیں۔
 قادیان بھی گناہ اور بدعت سے لئے دجا بھی۔ صدیق راوی کا آگاہ
 بس کو کرسی میں رکھے زیادہ نہ تھلے۔ خاموشی سے کام کرے اور سیکھے۔
 لاش میں اچھا رخصا، نیارہ قلمی سلی سچا دیں۔ ناہیب ہے۔ باقی ہر اک
 جلدی میں ہوں۔ پتال سجھانے کی جیل ۱۸ میل دور ہے۔ (دستخط) آگاہ

meern

© Oneurdu.com

کے باوجود - امید ہے آپ کی کتاب نصرت یا روحانیات کہہ ہمارے
ہی اکثر خلوت کو صاف کر دے گی - اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔
+ امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت محبت ہوگی - خالہ کھانہ ریٹھ
جنگل صافیت کی طبیعت کیسی ہے - نمر پر یکجہ ہے۔
مرت ہے آج آپ کو خدا کھنڈے وقت نہیں لگے - ورنہ
وہ ہمیشہ آپ کو خدا اندھیرے میں ہی بھاگایا - معلوم نہیں آپ
کہ سمجھ ہی آیا کہ ہیں - یا آپ مروت پی ہی ہو راشت کر گئے۔

دانش
کرزا

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

1120 UrduPhoto.com



meem

Oneurdu.

www.ameernews.com

www.ameernews.com